خاتون

جلد (۱) | ماہ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ مطابق جولائی سنہ ۱۹۰۴ء | نمبر (۱)

ایڈیٹر شیخ عبداللہ بی-اے ایل ایل بی - سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین خاتون

باہتمام خاکسار سعید احمد

مطبع علی گڑھ انسٹیٹیوٹ میں طبع ہوا

سنہ ۱۹۰۴ء

(عرض حال)

خیالات و اعتقادات، معاشرت اور سوسائٹی کی حالت میں انقلاب جس شدت اور سرعت کے ساتھ آج کل ہندوستان میں ہو رہا ہے، اس کی نظیر ہندوستان کی تاریخ میں مشکل ہی سے نظر آئیگی۔ ہندوستان میں تمدنی انقلابات ہوئے، بہت سے ہوئے، مگر آج کل کی سی حالت کبھی نہیں ہوئی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جسقدر انقلابات ہوئے وہ بیشتر ہندوستان کے اندرونی پولٹیکل انقلابات، یا کسی ایشیائی قوم کے عارضی یا مستقل دستبرد اور فتوحات کی بدولت ہوئے۔ آج ہندوؤں کا راج ہے، مگر ساعت بساعت حالت میں اختلاف ہے، برہمنوں کا عروج اور زوال، بُدھ کی تعلیم کی اشاعت وغیرہ ملک میں اپنی اپنی باری قدم جماتے ہیں اور جب وقت آجاتا ہے قدم اکھڑ جاتے ہیں۔ کل مسلمانوں کا دل بادل ملک کے قریب و بعید حصّوں میں پھیلتا جاتا ہے۔ مگر مسلمانوں میں مختلف خاندان حالت اور قوت کے ساتھ، برسر حکومت ہیں۔ کبھی خاندانِ غلامان کا دَور دَورا ہے، کبھی خلجی اور تغلق پٹھان، کبھی سادات کا بول بالا ہے۔ پھر خاندانِ مغلیہ کا پرچم ایک مدت تک اُڑتا رہتا ہے، مگر کسطرح کہ آج بنگال اور کل دکن، اور پرسوں گجرات، قبضے میں آجاتے ہیں اور نکل جاتے ہیں یکایک نادرشاہ پہاڑوں میں گرجتا آتا ہے، اُدھر مرہٹوں اور سکھوں کا ستارہ چمکتا ہے۔ غرض یہ کہ ان واقعات پے درپے، اور ان مختلف حالتوں کا اثر ہندوستان کی سوسائٹی پر برابر پڑتا رہا، اور

رسالہ کا حجم بالفعل (۴۸) صفحے رکھا ہے جس وقت تین سو خریدار ہو جائینگے اُسوقت ہم حجم بھی بڑھا سکینگے - اِنْشَاءَاللهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ ۞

سید ابو محمد -

نوٹ - ایسے لوگوں کے لیے جو تعلیم دلانا چاہتے ہیں، اور اُن کو تعلیم دلانے کے سامان بہم نہیں پہونچتے، ہم ہدایات و دیگر اطلاعاتِ مفیدہ دینے کے لیئے حاضر ہیں - اگر وہ ہم سے خواہش کرینگے تو اُستانیوں کے لیئے ہم انتظام کرینگے - جہاں جہاں اُستانیاں ملسکینگی، اُن کے نام و پتہ و شرح تنخواہ و شرائطِ ملازمت کو اِس رسالے میں درج کرتے رہیں گے -
ایک مضمون مستقل طور پر ہمیشہ ہر رسالے میں ابتدائی سائنس معمولی ضروریات طب - اُمورات خانہ داری - یا تاریخ یا جغرافیہ یا سوانح عمری پر لکھا جائیگا جس سے ہماری معزز مستورات کی عام معلومات میں ترقی ہو - اور اُسکا مصالحہ بہم پہونچانے کے لیئے علاوہ کتابوں کے جو خرید کر دفتر میں رکھی جائینگی، یورپ و امریکہ کے چند رسالے اور میگزین بھی خریدے جائینگے اور اُن سے اقتباسات کر کے ناظرین کی خدمت میں نذر کیئے جائینگے -

شیخ عبد اللہ
- اڈیٹر -

عورتونکے حقوق

عورتونکے حقوق کا مسئلہ نہایت پیچیدہ مسئلہ ہے۔ پیچیدہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اسکی
عقدہ کشائی میں بہت سے علمی و عملی مسائل حائل ہوتے ہیں، اور ان مسائل کا حل ہونا یعنی
اُنپر غور کرنا، اُن کو سمجھنا، اس طرح سے کہ اُن کی تصویر دل میں اتر آئے اور صاف صاف
دکھائی دینے لگیں، بہت مشکل بات ہے۔ مثلاً یہ سمجھ لینا آسان نہیں کہ عورتونکے وجود کا کیا
منشا ہے، کیا صرف بچہ پالنے، شادی اور غمی کی رسموں میں شریک ہونے، گھر کے اثاثہ
کی فکر کرنے، اچھا کھانے، اچھا پینے، اچھا پہننے اوڑھنے کے لئے ہی اُنکو اللہ میاں
نے پیدا کیا ہے، یا اُن کو تہذیب اور تمدن کی ترقی میں حصہ لینے، سلطنت کے معاملات
میں مردوں کی طرح رائے دینے، نوکریاں کرنے، وکالت اور ڈاکٹری اور معلمی وغیرہ
کے پیشوں میں شریک ہونے کے لئے بھی پیدا کیا ہے؟ اُنکے اعضاء، ان کی خلقت،
اُنکے قوائے عقلی، اُنکے لئے کس قسم کی زندگی مقرر اور معین کرتے ہیں، اور اُنکے کیا فرائض
قائم کرتے ہیں؟ آیا اُنکو دنیا کے تمام کاروبار میں مردوں کی برابری اور ہمسری کے دعوے
کرنیکا مجاز ہے، یا عورتیں کم درجے اور مرد بڑے درجے کے مخلوق ہیں، یا دونکا کام
جدا اور عورتونکا کام جدا ہے اسلئے دونوں میں برابری کا دعویٰ ہی نہیں ہو سکتا، اور مرد اور

عورت اپنے اپنے کاموں میں بااختیار ہیں، ایک کو دوسرے کے کام میں دخل دینے کا مجاز
نہیں؟ مردوں اور عورتوں کی گذشتہ تاریخ، یعنی باوا آدم اور اماں حوا کے وقت سے
لگا کر آجتک جو کچھ مردوں اور عورتوں نے کیا ہے اُس سے عورتوں کی کیا لیاقت اور
قابلیت معلوم ہوتی ہے، عورتوں کے کارنامے کیا ثابت کرتے ہیں، کہ عورتیں مردوں کی طرح
بڑے بڑے کام کر سکتی ہیں اور دنیا میں بڑے بڑے انقلاب پیدا کر سکتی ہیں یا نہیں؟ ان
سوالوں سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے کہ بہت سے علمی اور عملی مسائل کا حل کرنا عورتوں کے حقوق کے
مسئلہ کے حل کرنے کے لیئے ضروری ہے۔ عورتوں کی بناوٹ، خلقت، عقل اور دماغ کی حالت"
اُنکی استعداد و قابلیت، ٹھیک ٹھیک جبھی معلوم ہوسکتی ہے جب ہمکو بہت سے علوم
پر عبور ہو اور ہمکو عورتوں کی تاریخ سے پوری واقفیت ہو۔ اگر یہ باتیں نہ معلوم ہوسکیں
تو اُنکے حقوق کیونکر معلوم ہوسکتے ہیں؟ ایک ماما جبتک یہ نہیں معلوم کہ وہ ہوشیار اور سمجھدار
ہے یا بیوقوف مستعد اور چالاک ہے یا سست، اور فقط باتیں ملکانے والی ہے، ایماندار ہے
یا جھوٹی ہے، اُسوقت تک کیونکر بتایا جا سکتا ہے کہ اُسکو کیا تنخواہ دیجایا کرے گی، اور
گھر کے کام دھندوں اور چیز بست کی سپردگی میں اُسپر کتنا بھروسہ کیا جایا کریگا بس یہی
حال عورتوں کے حقوق کا ہے۔ پہلے ہم یہ سمجھ لیں کہ وہ کس لائق ہیں اور کس کام کی ہیں پھر یہ بھی
سمجھ میں آجائیگا کہ انکے حقوق کیا ہیں۔ اس مسئلہ کے سمجھنے میں ایک دقت یہ بھی ہے کہ
ابدالآباد تک کے لیئے عورتوں کے حقوق مقرر نہیں کیے جا سکتے کہ کیا اور کتنے ہیں انسان
اور حیوان میں بڑا فرق رکھا گیا ہے۔ ایک کی حالت سدا سے قائم ہے، اور ایک ہمیشہ ترقی
کرتا رہتا ہے حضرت آدم کے وقت میں بئے نے جس وضع کا گھونسلا بنایا تھا آجتک
ویسا ہی گھونسلا بناتا ہے۔ جانور بڑے وضع کے پابند ہوتے ہیں" ایک تو یہ بات ہوتی
ہے کہ از خود جی نہیں چاہتا اور ایک مجبوری کو اور طرح کا کام کرنا پڑتا ہے، تو جانور کا بھی
بس یہی حال ہے کہ وہ مجبور ہے کہ ایک ہی وضع کا مکان بنائے، ایک ہی طرح سے کھائے او

پُبے اور ایک ہی طرح سے سدا رہے۔ مگر آدمی کبھی ایک حال پر نہیں رہتا، نہ کھانے پینے کا
طریقہ سدا ایک رہا، نہ لباس سدا ایک وضع اور قطع کا رہا، نہ ملنے جلنے رہنے سہنے کی حالت
ایک سی رہی، اور نہ مکان ایک ہی وضع کے رہے۔ بہت سی بڑی بوڑھیاں اس وقت موجود
ہونگی، جنکے دیکھتے دیکھتے پہننے اوڑھنے کی چیزوں میں بڑا فرق ہوگیا، روزمرہ کے برتنے
کی چیزیں بدل گئیں، وہ بیویاں جو خوش قسمتی سے دلی کی رہنے والی ہیں یا جنہوں نے
کبھی دلی اور پُرانی دلی کی عمارتوں کو دیکھا ہے، اچھی طرح سے ہیں کہ جو عمارتیں زمانہ کے
فرق سے بنی ہیں اُنکی وضع اور خوبصورتی میں کتنا فرق ہے۔ قطب کی لاٹھ کے نیچے
مسجد قوت الاسلام کی ادھوری عمارت ہے جسکو کئی بادشاہ اپنے اپنے وقتوں میں برابر بنواتے
رہے، مگر الگ معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ ادھوری مسجد مختلف وقتوں میں بنی ہے، یا لاٹھ
کے نیچے ہی امام ضامن صاحب کے مزار کی چھت کو دیکھا جائے۔؟
اور اس چھت کے کام کا سلطان غاری صاحب کے، افسوس جنکے مزار کو بعض متعصب
لوگوں نے توڑ دیا اور مذہبی جوش میں یہ خیال نہیں کیا کہ کتنے بڑے تاریخی شخص کی
نشانی کو مٹایا جاتا ہے، مزار کی چھت سے مقابلہ کیا ئے تو کھل جائے گا کہ الگ الگ
وقتوں میں یہ دونوں عمارتیں بنی ہیں۔ یا دور کیوں جائیں جامع مسجد کا اور کالی
(کلاں) مسجد یا پُرانے قلعہ کی مسجد کا مقابلہ کیا جائے، کیسا زمین اور آسمان کا فرق
معلوم ہوگا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت، اپنی اپنی وضع
ہر زمانہ کی ہوتی ہے۔ اور یہ قدرتی بات ہے اسکا کوئی علاج نہیں حقیقت یہ ہے
کہ آدمی بہت ہی بے چین ہے، کبھی اسکو ایک حالت پر قرار نہیں، اور یہی فرق
آدمی اور جانور میں ہوتا ہے۔ جب انسان کی حالت گویا انسان کی ترقی کا کچھ ٹھکانا
نہیں آج کچھ ہے اور کل کچھ، تو زمانہ کے ساتھ انسان کی عقل اور کمالات میں اور انکے ساتھ
اُسکے فرائض میں بھی اختلاف پیدا ہوتا جاتا ہے۔ انسان میں عورتیں بھی شامل ہیں اور صرف [illegible]

افسوس کہ ہماری بیگمات اس کتاب کو نہیں پڑھ سکتیں، انگریزی زبان کے نہ جاننے سے ایک پورے علم پر مہر لگی ہوئی جسکو وہ نہ کھول سکتی ہیں نہ دیکھ سکتی ہیں۔ پرنسپز کا مفہوم یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں میں کوئی برابری نہیں، اور عورتوں کے جو فرائض اور حقوق ہیں اُنکو سلطنت وغیرہ کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں۔

عورتوں کے حقوق کے مسئلہ میں دو باتوں پر خاص توجہ کرنی چاہیئے۔ اور بغیر ان باتوں پر غور کئے میں سمجھتا ہوں یہ مسئلہ حل ہی نہیں ہوسکتا۔ اول تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ عورتوں کے قوائے عقلی و جسمانی اُنکو کس کام کس مطلب اور کس قابلیت کا انسان ظاہر کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ عورتوں کی تاریخ، اور عورتوں کے کارنامے، کیا ثابت کرتے ہیں، آیا عورتیں دنیا میں کوئی بڑا کام مردوں کی طرح کرسکتی ہیں یا نہیں۔ ان باتوں پر میں کہہ چکا ہوں کہ میں اپنی رائے نہیں دونگا، اور اسکے تصفیہ کو اوروں پر چھوڑ دونگا۔

اگر ہم اپنی عورتوں کے ساتھ انصاف، رحمت، اور محبت کا سلوک کرنا چاہتے ہیں، اگر ہم اُنکے ساتھ کسی قسم کی بھی نیکی کرنی چاہتے ہیں اور اپنے فرائض ادا کرنے چاہتے ہیں، تو ان دونوں باتوں پر غور کرنا اور ایک رائے قائم کرنا ضروری ہے۔ اگر عورتوں کی خلقت، اُنکی عقل، اُنکے قوا ظاہر کرتے ہیں کہ وہ مردوں کے ہم پلہ ہیں اُن میں بڑے بڑے کام کرنے، علمی اور تمدنی اور پولیٹکل فتوحاتیں کرنیکا مادہ ہے، تو اُن کو ویسے ہی حقوق دے جائیں۔ اگر اُنکے قوا اور اُنکا نشو و نما یہ ثابت کرے کہ وہ صرف خانہ داری کے کاموں اور گھر کی رونق اور زینت کے مطلب کی ہیں تو اُنکے حقوق اسی لحاظ سے رکھے جائیں۔ بہرحال عورتوں کے حقوق مقرر کرنے میں اس مسئلہ کا حل ایک لازمی اور ضروری جزو ہے اور ناسمجھی کے ساتھ بے غور کرنا مردوں اور عورتوں دونوں کے حق میں مضر ثابت ہوگا۔ دوسری بات عورتوں کی تاریخ کی روشنی میں حقوق تلاش اور مقرر کرنا، یہ بھی نہایت ضروری امر ہے۔ مگر کسقدر شرم کی بات ہے، کیسی افسوسناک

کادر بیہ دیا۔ دوسری وجہ عورتوں کی مفصل و مشرح و فلسفیانہ تاریخ نہونے کی یہ ہے کہ مردوں
نے عورتوں کو اپنا شریک نہ سمجھا اور دائرہ انسانیت سے خارج سمجھا ہے۔ عورتوں کے ساتھ
اچھا سلوک نہیں کیا گیا۔ تمدن عرب میں بہت سی زبانوں کی مثلیں لکھی ہیں، جن سے مردوں
کے عورتوں کے متعلق عام اعتقادات معلوم ہوتے ہیں، اور جنکا مفہوم یہ ہے کہ عورتیں
ناقص العقل، کمزور طبیعت ہیں، بھروسہ کے قابل نہیں، گویا عورتوں کو ذلیل اور حقیر جانور
سمجھا ہے۔ جب عورتیں جانور ٹھیرائی جائیں تو انکی محبت اور عزت معلوم ہے اور انکو تاریخ
کے قابل نہ سمجھنا ظاہر ہے۔ بہرحال میں ایک چھوٹی سی بحث لکھتا ہوں جس سے عورتوں کی
تاریخ نہیں تو عورتوں کی حالت تو تھوڑی بہت معلوم ہو جائیگی۔ انسان وحشیانہ حالت میں
جب اُسکا مسکن غار اور اُسکا لباس کیلے کے پتے تھے، نہایت خود غرض تھا، اُسکو
محض اپنا پیٹ پالنے سے کام تھا، اور اپنی وحشیانہ ضروری حوائج پوری کرنے ہی غرض
تھی، حرص اور طمع صرف کھانے اور پینے کی باتوں کے واسطے تھی، اور اس میں زور اور
ظلم کے سوا وہ کسی بات سے تعلق نہ رکھتا تھا۔ تکلفات تہذیب اور تمدن کا پتا نہ تھا۔ ایسی
حالت میں عورت بجز نفسانی خواہشات کے اور کسی کام کی نہ سمجھی جا سکتی تھی۔ وحشی مرد عورت کو
اپنی ملکیت یا جائداد سمجھتا تھا، اور جسطرح وہ اپنی اور ضروریات کو وحشیانہ طور پر زور اور ظلم
کے ساتھ حاصل کرتا تھا اور اپنے پاس رکھتا تھا اسی طرح عورتوں کو رکھتا تھا۔ غار اور کیلے کے پتوں سے محل اور
کمخواب تک ترقی کرنے میں، ترقی کے بہت سے درجے آتے ہیں۔ ترقی کے ہر درجہ
میں حیوانیت کم اور انسانیت زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اور اس بات کا مقتضا یہ ہے کہ
عورتیں ملکیت اور جانور نہ سمجھی جائیں بلکہ ترقی کے ساتھ آرایش اور زیب و زینت کی چیز
سمجھی جائیں جسطرح ایک ضرورت کی چیز کے خواص ترقی کے ساتھ بڑھتے جاتے ہیں،
مثلاً روئی کہ روز بروز اُسکے استعمال کے نئے طریقے، اور طرح بطرح کے کپڑے
بنتے جاتے ہیں، یا لوہا کہ ہزاروں کلیں بنتی جاتی ہیں، اور کسی کو پہلے کیا خبر تھی کہ اسی لوہے

اور ہزاروں دل پُر داغ ہو جاتے ہیں، انسان کی قسمتیں بدل جاتی ہیں، انسان کے
دل ودماغ معطل وبیکار ہو جاتے ہیں؟ آہ! اس مصیبت کی داستان بہت لمبی ہے،
جسکا ایک ایک لفظ ہزار ہزار آنسو رولانیوالا ہے۔ ان مصیبتوں کا شمار کیا جائے، اپنی بدقسمتی کو
دیکھا جائے۔ اور یہ سب کیوں ہے، اسلئے کہ ہم اپنے بخل اور کینہ پن کی وجہ سے عورتوں کا
جائز حق یعنی تعلیم نہیں دیتے۔ کوئی پوچھے کہ ہم لوگ اور ہماری سرکار دولتمدار کتنا روپیہ
لڑکیوں کی تعلیم پر خرچ کرتی ہے، اور لڑکوں پر جو خرچ ہوتا ہے اس سے کیا نسبت ہے،
تو اسکا جواب بجز افسوس اور خاموشی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ کیا عورتیں ملکی دولت کی
ترقی میں کوئی حصہ نہیں لیتیں، اور اگر وہ لیتی ہیں تو حصہ رسد انکا حق انکو کیوں نہیں ملتا؟
تھوڑے دن ہوئے ہندوستان کی تعلیمی ترقی کی پنجسالہ رپورٹ چھپی ہے۔ اس میں ہمنے
نہایت افسوس کے ساتھ دیکھا کہ تعلیم کے لائق عمر کی مسلمان لڑکیاں ایک لاکھ میں سے
صرف ۵ پڑھتی ہیں، گویا بیس ہزار لڑکیوں میں سے ایک لڑکی پڑھتی ہے۔ اس ستم
ناروا کا کیا علاج، اور اسکو دیکھکر مسلمان اپنی قسمت کو نہ روئیں تو کیا کریں۔ عورتوں
میں تعلیم نہونے سے نقصان تو خیر سب کا ہے۔ مگر جسقدر تکلیف تعلیم یافتہ نوجوانوں
کو ہوتی ہے اتنی شاید کسی کو نہیں ہوتی۔ علم اور جہالت کو ایک جگہ بند کر دینے میں جہالت
اور علم دونوں مصیبت میں آجاتے ہیں۔ صد حیف کہ جو ذات ہماری زندگی کی بہار اور
سنگار ہے، وہ تعلیم سے محروم ہے۔ کیا عورتیں انسان نہیں ہیں؟ کیا اُن میں اور
حیوان میں ترقی کا مادہ مابہ الامتیاز نہیں ہے؟ پھر آخر انہوں نے ایسا کیا گناہ کیا
ہے جو حق بقدر رسد؟ اسلام نے عورتوں کو ایسے بڑے بڑے اختیارات اور حقوق
عطا کئے ہیں، جو اب مہذب ملکوں میں عورتوں کو دئیے جا رہے ہیں، مگر مسلمان اُنکی
پرواہ نہیں کرتے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اسلام عورت کو اپنی جائداد پر پورا اختیار دیتا ہے،
اور چونکہ جائداد کا استعمال، اکانومکس اور سوشیالوجی کی ترقی کے ساتھ ایک مشکل مسئلہ

جو اپنے میاں کے فراق میں، صبح و شام، اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت، بیتاب اور بے چین ہے، ہر گیت میں "شام نہیں آئے رام کیسی کروں"، کا مضمون آہ کے ساتھ نکلتا ہے اور شامی پیارے ہیں کہ ادھر اُدھر مارے مارے پھرتے ہیں، اور اُس کی طرف رخ نہیں کرتے، آنکھ اُٹھاکر بھی نہیں دیکھتے۔ اُس محبت والی بیوی کو دیکھو جسکا خاوند مر گیا ہے اور اُسکو اپنے میاں کے بغیر دنیا مُردار اور زندگی حرام معلوم ہوتی ہے، اور وہ خوشی خوشی اپنے پیارے شوہر کا ساتھ دینے کے لئے اپنے تئیں ستی کر دیتی ہے، اور جلکر خاک سیاہ ہو جاتی ہے۔ رسم معیوب اور مکروہ سہی، مگر محبت کا جوش دیکھنا چاہئے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ جان سے زیادہ عزیز چیز کی رخصت ہونے کے بعد اُسکو دنیا کی کسی بات میں حلاوت آئے اُسکو دنیا میں کوئی لطف رہ جائے؟ اگر زندہ بھی رہے تو مرنے سے بدتر کسی کام میں اُسکا دل نہیں لگ سکتا، عزیز و اقارب دوست آشنا سب غیر معلوم ہوتے ہیں، زندہ رہکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمر خواب تھی، یا میں نے کوئی نیا جنم لیا ہے۔ مگر سنگدل مرد کو دیکھو کہ اس باوفا اور محبت والی اور جان چھڑکنے والی بیوی کے مرنے کے بعد اُس میں کچھ فرق نہیں آتا، رسومات کا بھی خیال نہیں، لوگوں کی شرم نہیں، اور دس دن بعد نیا گھر نئی بیوی اور نئی زندگی مل جاتی ہے۔ محبت کے متعلق بعض تنگ خیال بہت ہی مکروہ راے رکھتے ہیں، اور محبت کو اس بناپر آنے جانے والی چیز سمجھتے ہیں۔ محبت کی حقیقت، جہانتک میں نے غور کیا ہے، اور جہانتک غور میں علم النفس نے میری مدد کی ہے، مجھے کچھ اور ہی معلوم ہوتی ہے۔ محبت اور نفرت غصہ اور رحم وغیرہ یہ انسان کی مختلف حالتیں قدرتی جذبات کی ہیں اور سن بلوغ کے ساتھ جب انسان کی عقل اور تمیز کا شگوفہ کھلتا ہے، ان تمام قوا کا بھی شگوفہ کھلتا ہے۔ محبت زندگی کے ختم پر ختم ہوتی ہے، مگر عمر کی ترقی کے ساتھ محبت کی زنجیر میں اور بھی زنجیریں ملجاتی ہیں۔ مثلاً زن و شوہر کے تعلقات۔ شادی کی وجہ سے ایک محبت، اولاد چونکہ مشترکہ چیز ہوتی ہے اسلئے اولاد کی محبت دونوں میں

ریویو

اخلاق محمدی

اس کتاب کا پہلا اور دوسرا حصہ ریویو کیلئے ہمارے سامنے موجود ہے اس کے دیکھنے سے (جسمیں از سرتاپا آیات قرآنی اور احادیث ہی بہری ہوئی ہیں) معلوم ہوتا ہے کہ جو اخلاقی مسائل اقوام متمدنہ نے بہت غور اور فکر کے بعد اب قائم کیئے ہیں اسلام تیرہ سو برس سے اون کی تلقین اور ہدایت کر رہا ہے۔ جو امور تہذیب و تمدن کے لوازم میں خیال کیئے جاتے ہیں وہ اسلام کے فرائض میں داخل ہیں +

اسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جسطرح دیگر ادیان اپنے پیرووں کو تمام لذائذ دنیوی سے محروم کرتے ہیں اسلام اس عیب سے پاک ہے وہ جسقدر ہمکو اخروی زندگی کے لئے کام کرنیکی ہدایت کرتا ہے اوسیقدر دنیاوی زندگی کیلئے محنت کرنے کی ترغیب دیتا ہے ارشاد ہے "تم میں بہتر وہ ہے جو نہ اپنے آخرت کو دنیا کی وجہ سے ترک کرے اور نہ دنیا کو آخرت کیوجہ سے اور اپنا بار لوگوں پر نہ ڈالے"

اسلام ہر امر میں اعتدال قائم رکھنے کی تاکید کرتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ "واقصد فی مشیک" (اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کرو) اور اعتدال کے ساتھ تمام امور دنیوی سے جائز طریقہ پر فائدہ اوٹھانیکو جائز اور مباح کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبت من الرزق" اور "لا تحرموا طیبت ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین"

جسطرح نماز روزہ حج زکوۃ کی تاکید ہے اسیطرح طہارت جسم، حفظ صحت، کسب معاش، حفاظت حقوق و صلاح و فلاح وغیرہ کی تاکید کرتا ہے اسکے دیکھنے سے یقین ہوتا ہے اگر مسلمان اب بھی ان اخلاق کو اختیار کریں اور ان کے موافق عمل کریں تو وہ شائستہ سے شائستہ قوموں میں شمار ہونیکے قابل بن سکتے ہیں تعلیم یافتہ حضرات کیلئے یہ کتاب اسلامی اخلاق و معاشرت کا ایک عمدہ ذخیرہ ہے اور اسکو پیش نظر رکھکر مارل سائنس کا عمدہ نمونہ طیار کرسکتے ہیں مطبع احمدی علی گڑھ سے ۸/ میں ہر حصہ مل سکتا ہے

جھولا

یہ موسمی تحفہ معزز ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ جھولا چونکہ برسات کی بہار اور ہماری زنانہ سوسائٹی کا سنگھار ہے۔ اس لئے یقین ہے کہ دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ یہ جھولا بالکل نئی طرز کا نہایت مزیدار ہے اور ہمارے علم میں اردو لٹریچر میں اس قسم کی پہلی چیز ہے۔ نظم میں باتیں ہو رہی ہیں۔ اور زندہ اور بولتی تصویریں جھولا جھول رہی ہیں۔ خصوصاً وہ حصہ جہاں "ذرا آ تک پہنچتے ہی جھولنے والی کے پاؤں چھوٹ جاتے ہیں، مگر دوسری جھوٹا لینے والی اسی قافیہ ردیف اور بحر میں "پاؤں نہیں جڑنے آتے بھی نہیں" کہکر مصرعہ پورا کرتی ہے نہایت دلکش ہے۔ مسٹر محمد انعام الحق بی۔ اے۔ ایڈیٹر علی گڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کی تصنیف ہے۔ یہ جھولا ہے جو غالباً انہوں نے اپنے پرائیویٹ لطف کے لیے لکھا تھا اسلئے کہ بڑی مشکل اور بہت تقاضوں کے بعد مجبور کرکے ان سے خاتون کے لیے لیا گیا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ نامکمل ہے اور وہ اب اس کا پورا کرنا پسند نہیں کرتے۔ ایڈیٹر

ابر آیا ہے دیکھو کیسی گھٹا چھائی ہے
اور گھٹا بجلی کو بھی ساتھ لگا لائی ہے
اسے ہے بوندیں لگیں پڑنے لو ہوا آئی ہے
آکے دیکھو تو ہوا کیسی بہار آئی ہے

اوئی بجلی کی چمک کیسی ہے دل ڈرتا ہے
اور میں بھیگ گئی مینہ بھی ستم کرتا ہے

بہن اب بھیگ گئی ہو تو بلا سے آؤ
میں بھی تو بھیگ گئی اے ہے بوا اب کیا ہو
ایک ترکیب ہے، بس بیٹھکے جھولا جھولو
خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

پٹریاں جاکے میں لاتی ہوں تم اتنا تو کرو
بوا شوکت کو بہن ننھی کو تم بلوا لو

اے بی فضلن ذرا تم بس نہیں جمعت تو بتا
آپا اماں کے ہاں دو ڈولیاں جلدی لے جا
ان بچاری کا بڑھاپا ہے یہ کیا جائیں گی
بوا شوکت کو بہن ننھی کو تو بٹھلا لا

سلسلہ مضامین سائنس

یعنی

کتاب قدرت کا ایک صفحہ

اللہ جلشانہ کی عظمت اور بزرگی اُسکا جلال اور جبروت اُسکی قدرت اور طاقت کا سچا
اندازہ اُس کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی دلفریبی اُنکا انتظام اور اُنکی صنعت کے دیکھنے اور اُنپر
غور و فکر کرنے سے ہوتا ہے۔ اگر چشم بصیرت سے دیکھا جاوے تو خاک کا ایک ایک
ذرہ درخت کا ایک ایک پتہ۔ انسان کے جسم کی کل کا ایک ایک پرزہ۔ اور آسمان کا ایک
ایک تارا اُسکی حکمت بالغہ اور قوت کاملہ کی پوری شہادت دیتا ہے جیسا کہ کسی شاعر نے
کہا ہے۔ ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

اس سلسلہ کے لکھنے سے اصلی غرض یہ ہے کہ خدا کی قدرت کی کتاب سے جس کا
صرف ایک ہی صفحہ ہمارے سامنے کھلا ہوا ہے۔ اور جو آسمان سے لیکر زمین تک پھیلا
ہوا ہے اور جسکے نہ معلوم کتنے اس سے بھی بڑے بڑے صفحے ہماری حد نظر اور احا

عقل کے باہر کہلے ہوئے ہونگے - جنکا پڑہنا اور سمجہنا ہمارے وہم و ادراک سے بہی بالاتر ہے - اُسی کتاب قدرت سے چند موٹی موٹی باتیں نکالکر لکہی جاویں تاکہ ہمارے ناظرین کی عام معلومات میں اضافہ ہو اس مقصد کے لئے حدنظر کی انتہا سے شروع کر کے نیچے اُترنیکا قصد ہے یہانتک کہ زمین پر قدم آئے اور انسان کے جسم کی تحقیقات پر خاتمہ کیا جائے انشاءاللہ المستعان -

عام خیال یہ ہے کہ سائنس پڑہنے سے مذہبی اعتقادات میں کمزوری پیدا ہوتی ہے حالانکہ میرے خیال میں بالکل برعکس حالت ہے - جو شخص زیادہ غور و فکر کے ساتہہ سائنس یعنی کتاب قدرت کا مطالعہ کرتا ہے اُسکے مذہبی عقیدے اور زیادہ مضبوط ہوجاتے ہیں اسلئے کہ مذہب اپنے دعووں کے ثبوت میں دلائل اور براہین نہیں پیش کرتا اور یہ کمی کتاب قدرت کے مطالعہ سے پوری ہوتی ہے جس سے دلکو ایک گونہ تشفی ہوجاتی ہے - مثلاً کائنات کی پیدایش کے متعلق مذہبی مسئلہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے تمام موجودات عالم کو اپنے نور سے پیدا کیا - سائنس کا مسئلہ جو اس سے بہت ملتا جلتا ہوا ہے یہ ہے کہ ایک بہت بڑا شعلۂ آگ (یا نور کا جس کی حالت اُس سے پہلے کی معلوم نہیں) جوش میں آکر پہٹا اُس میں سے چند بہت بڑے انگارے علحدہ ہوئے جنکو سائنس کی اصطلاح میں سورج کہتے ہیں اور جن میں سے ہماری دنیا کا آفتاب عالمتاب ایک چہوٹا سا سورج ہے - ان انگاروں میں پہر حرکت پیدا ہوئی اور ان میں سے ہر ایک سے چہوٹے چہوٹے انگارے جدا ہوئے جو ثوابت اور سیارے کہلاتے ہیں - چنانچہ ہماری زمین بہی ہمارے سورج کا ایک چہوٹا سا سیارہ ہے - ان میں سے بعض ذرا بڑے انگارے پہر پہٹے جنسے چند چنگاریاں پیدا ہوئیں جو چاند کے نام سے مشہور ہیں - چنانچہ ہماری زمین سے ایک چاند او بعض سیاروں سے

دو چار آٹھویں چاند تک پیدا ہوے - اب اگر سائنس کے اس سب سے بڑے شعلہ کو خدا کے نور الانوار کا عکس یا پرتو مانا جاوے تو مذہب اور سائنس دونوں اس اہم مسئلہ میں متفق ہو جاتے ہیں اور صرف طرز بیان کا فرق باقی رہجاتا ہے -

اے میرے معزز ناظرین ! اگر متذکرہ بالا مثال نے رہے سہے شبہے تمہارے دل سے نکالدیئے ہوں تو بدگمانی کو دور کر کے ذرا کی ذرا آنکھ اٹھا کر اوپر دیکھو اور تاروں بھری رات کے صاف شفاف مطلع میں کتاب قدرت کے پہلے صفحہ کی اوپر والی سطر پر نظر ڈالو دیکھو تو سہی یہ کم و بیش چمکتے ہوے چھوٹے بڑے ستارے تم سے کیا کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک اپنے کو تمہاری زمین کے مثل بلکہ بڑا بتلاتا ہے - جو اپنے اپنے سورج سے متعلق ہیں اور اسی کے گرد صدقے ہوتے ہیں اور اس کی روشنی سے فیض پاکر اسطرح چمکتے ہیں جیسا کہ تم دیکھتے ہو - ان میں سے اکثر تمہاری زمین سے کروڑوں درجے زیادہ بڑے ہیں اور اپنی گود میں تمہارے سمندروں سے لاکھوں گنا زیادہ بڑے سمندر تمہارے پہاڑوں سے ہزاروں گنا زیادہ بڑے پہاڑ تمہارے دریاؤں سے سیکڑوں گنا زیادہ بڑے دریا چھپائے ہوے ہیں - قیاس کیا جاتا ہے کہ ان میں تمہاری دنیا سے بھی بڑی دنیا آباد ہے جس میں تمہاری طرح ایک اشرف المخلوقات مخلوق حکمران ہے جس کی آسائش اور خدمت کے لیئے حاکم حقیقی نے حیوانات نباتات اور جمادات تمہاری دنیا کی مثل پیدا کئے ہیں -

یہ ستارے اسقدر بڑے فاصلہ پر ہیں کہ انکی پوری کیفیت کسی طرح تحقیق نہیں ہو چکتی - مگر جو کچھ حالات معلوم ہوے ہیں اور اس سے جو قدرت اور حکمت اس قادر مطلق اور حکیم برحق کی ظاہر ہوتی ہے اسکا بیان بے شبہہ ہماری عقل کو چکر میں ڈالنے اور ہمکو

حیرت مجسم بنا دینے کے لئے کافی ہے - اُن تمام حالات کو معلوم کرکے ہماری وہ حالت
ہوسکتی ہے - جو ایک شخص کی ہوئی جو پیدائشی اندھا اور لنگڑا پیدا ہوا تھا اور تیس برس
کی عمر تک ویسا ہی رہا اُس شخص کو مکان کے اندر کی صرف اُن چیزوں کا تھوڑا سا علم تھا جو
ہاتھ سے چھوئی جا سکتی ہیں - جنکا مزہ زبان سے چکھا جا سکتا تھا - جن کی بو ناک سے سونگھی
جا سکتی تھی - اور جن کی آواز کانوں سے سنی جا سکتی تھی - دنیا کے رنگ برنگ عجائبات سے
وہ شخص محض ناواقف تھا اور اُسکو کسیطرح یقین نہیں آتا تھا کہ دنیا کی چیزیں ایسی پیاری اور
دلفریب ہوتی ہیں - آخرکار ایک فقیر کامل کا اُسطرف سے گذر ہوا جس کی دعا سے چند
منٹ کے اندر اُسکی آنکھ اور پیر دونوں درست ہوگئے - یک بیک جو اُسنے روشنی اور مختلف
رنگ کی خوشنما چیزیں دیکھیں حیران ہوگیا شوق میں اِدھر سے اُدھر دوڑا دوڑا پھرنے لگا اور جب
مکان کی ہر چیز کو استعجاب کے ساتھ دیکھ چکا دروازہ سے باہر نکلکر اور سرخ اور سبز درخت
کے پتے اور پھول اور رنگ برنگ کے خوبصورت جانور دیکھکر دیوانہ وار شہر سے باہر نکل گیا
سہانے وقت جنگل کا سماں - غروب ہوتے ہوئے آفتاب کا پیارا مکھڑا - شفق کی دلفریب سرخی
چاند اور ستاروں کے آسمان پر نکلنے اور پھیلنے کا دلکش سین یکے بعد دیگرے جو آنکھوں کے
سامنے گذرا اُسکا دل و دماغ ان اثرات اور جذبات کا متحمل نہو سکا اور وہ اپنی حالت سے
گذر کر بیخود ہوگیا - ڈھونڈنے سے اس قسم کی سیکڑوں مثالیں مل سکتی ہیں جن کے لئے
کہا گیا ہے - ع

آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

جن لوگوں پر خدا کی قدرت کے بھید اور اُس کی حکمت کے کرشمے منکشف ہوتے ہیں
وہ دنیا اور مافیہا سے بالکل بیخبر ہو جاتے ہیں -

یا، نوں طرف کے درخت اور مکانات جو چلتی ریل کی کھڑکی سے نظر آتے ہیں جسطرف
کو سوار جارہا ہو یہ چیزیں اُس کی مخالف سمت میں دوڑتی چلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مگر دیکھنے
والے کی عقل اور اُسکا تجربہ اُسے فوراً بتاتا ہے کہ اُس کی آنکھ دھوکا کھارہی ہے اور یہ تمام
چیزیں ساکن ہیں اور وہ اور اُس کی سواری جو ساکن معلوم ہوتی ہے درحقیقت متحرک ہیں۔
اسیطرح اصل میں آفتاب ساکن ہے اور زمین پچھم سے پورب کی طرف چکر لگاتی ہے
اسوجہ سے آفتاب معہ تمام ستاروں اور سیاروں کے پورب سے پچھم جاتا ہوا معلوم
ہوتا ہے۔ یہ چکر زمین کا چوبیس گھنٹے میں ایکبار پورا ہوجاتا ہے اور اصل میں یہی چکر
باعث ہے دن اور رات کے وجود کا۔ ایک تیز روشنی کے لیمپ کے سامنے ایک
بڑا گنبد یا تربوز رکھو تو لیمپ کی روشنی صرف آدھے حصہ کو روشن کریگی۔ آدھا تاریکی میں ہوگا
لیکن اگر تربوز کو گھماتے جاؤ تو تاریکی کا حصہ بتدریج روشنی میں اور روشنی کا حصہ تاریکی میں
آتا جائیگا یہانتک کہ ایک پورے چکر کے بعد ٹھیک وہی حصہ تربوز کا روشنی میں ہوگا اور
اور وہی حصہ تاریکی میں جو چکر شروع کرنے سے پہلے تھا۔ یہی حال ہماری زمین کا ہے
جو مقامات سطح زمین پر سورج کے مقابل ہوتے ہیں اُن میں دن اور جو دوسری طرف
ہوتے ہیں اُن میں رات ہوتی ہے۔ اور چونکہ چوبیس گھنٹہ میں ایک چکر پورا ہوجاتا ہے
اسلئے طلوع آفتاب سے ہر چوبیس گھنٹہ کے بعد پھر سورج نظر آتا ہے اور غروب آفتاب
سے ہر چوبیس گھنٹے کے بعد پھر سورج چھپ جاتا ہے۔ علاوہ اس روزانہ چکر کے ہر ایک
سال کی مدت میں زمین ایکبار سورج کے گرد گھوم کر پھر اُسی جگہ پر آجاتی ہے۔ اس چکر
میں زمین اپنے اصلی فاصلہ سے کبھی سورج کے تھوڑا سا قریب ہوجاتی ہے اور کبھی
تھوڑا سا دور۔ اور اسی نزدیکی اور دوری کی وجہ سے گرمی اور سردی کے موسم پیدا ہوتے

نقشہ (ب) سورج اور سیاروں کی جسامت کا مقابلہ

ابتک نظر نہیں آئے ہیں اور یہ سب مثل ذرّوں کے فضائے عالم میں پھیلے ہوئے سورج پر تصدق ہوتے ہیں۔

(۴) نقشہ (ب) سے مختلف ستاروں کی بڑائی چھوٹائی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہمارا آفتاب اپنے بڑے سے بڑے سیارے مشتری سے بھی سیکڑوں گنا زیادہ بڑا ہے اور ہماری زمین سے تو لاکھوں گنا زیادہ بڑا ہے۔ عطارد۔ مریخ۔ اور زہرہ تو اسکے مقابل میں ایک ذرہ کی بھی حقیقت نہیں رکھتے کیونکہ یہ سب زمین سے بہت چھوٹے ہیں۔ خود زمین کی حقیقت آفتاب کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک تربوز کے مقابل میں رائی یا سرسوں کا دانہ۔ مگر ہمکو معلوم ہے کہ ہماری زمین کتنی بڑی چیز ہے جس میں لاکھوں شہر آباد ہیں۔ ہزاروں بڑے بڑے پہاڑ اور دریا ہیں اور سیکڑوں بڑے بڑے سمندر ہیں۔ اتنی بڑی چیز کی حقیقت جسکے مقابلہ میں رائی اور سرسوں کے دانہ کے برابر ہے وہ چیز کتنی بڑی ہوگی بس خدا ہی اسکو خوب جان سکتا ہے یا وہ انسان جسکو خدا اپنے خزانہ سے اعلیٰ دماغ اور عقل دے۔ ایسے ہی لوگوں نے حساب لگاکر ان ستاروں کی نسبت وہ تمام تحقیقاتیں کی ہیں جنکا اوپر بیان ہوا ہے انہوں نے ان ستاروں کی جسامت کا مقابلہ کرکے مندرجہ ذیل نسبت قایم کی ہے کرۂ زمین کی جسامت کے مقابلہ میں زہرہ کی جسامت صرف تین چوتھائی۔ مریخ کی جسامت اسکا نواں حصہ اور عطارد کی جسامت اسکا پندرہواں حصہ ہے۔ برخلاف اسکے جرجیس اس سے پندرہ گنا زیادہ زحل پچانوے گنا زیادہ۔ مشتری تین سو اٹھارہ گنا زیادہ اور آفتاب عالمتاب تین لاکھ گنا زیادہ بڑے ہیں۔

(باقی آیندہ)

اکبر بادشاہ کی کہاوتین

(۱) خالق اور مخلوق مین ایک ایسا باہمی تعلق ہے جو بیان سے باہر ہے۔ وہ ایسا جذبہ ہے جسکا کوئی نام نہیں مگر دل اوسکے عجیب وغریب لطف سے واقف ہوتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی سبسے بڑی نشانی یہ ہے کہ جب انسان پر کوئی مصیبت پڑے تو وہ ہنسی خوشی اوسکو جھیلے اور پریشان نہو۔ مصیبت کی مثال اوس تلخ دوا کی سی ہے جو حکیم اپنے مریض کو دے۔ ناک بہوں چڑھاکر اور برا منہہ بناکر دوا پینا طبیعت کو اور خراب کرتا ہے۔

(۳) ہر چیز کے لیئے ایک وقت ہوتا ہے۔ اگر سب لوگ اس اصول کو پیش نظر رکہیں تو رنج وغم کا نام ونشان دنیا سے مٹ جاوے۔ مگر ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اوسکی دلی بات فوراً ہوجاے یہی وجہ ہے کہ دنیا میں خوشی کم ہے اور غم زیادہ +

(۴) کہانے پینے اور سونے سے مطلب یہ ہے کہ انسان کی طاقت قائم رہے تاکہ وہ خدا کی عبادت کرسکے۔ جاہل ایسا سمجھتے ہیں کہ کہانا پینا اور آرام کرنا ہی زندگی کے مقصد ہیں۔ سچ یوں ہے کہ یہ مقصد نہیں بلکہ ذریعے ہیں۔ مقصد وہی ہے جو اوپر بیان ہوا یعنے عبادت +

(۵) بچوں کو پیار کرنا بھی ایک قسم کی عبادت ہے۔ جب باغ میں تازہ کوپلیں نکلتی ہیں تو وہ کیسی بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ اور خدا کی قدرت کا جلوہ دکہاتی ہیں۔ یہی حال ننہے بچوں کا ہے +

فائق

مولانا حالی صاحب۔ نمبر۱۔ جسقدر لڑکوں اور لڑکیونکے لیئے لٹریری اور علمی پرائمریں پنجاب میں کرنل ہالرائٹ اور سائن صاحب کے وقت سے اسوقت تک تیار ہوتی رہی ہیں انکو اور نیز انجمن حمایت اسلام کی ترتیب دی ہوئی کتابیں اور مولوی اسمٰعیل صاحب کی نظمیں جمع کرنا چاہئیں اور دو تین علمی کتابیں جو خواجہ علام الحسنین صاحب نے لکھی ہیں اُن کو بھی منگوانا چاہیئے۔

شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب کی کتابیں نمبر۳۔ جسقدر ممالک متحدہ کے سررشتہ تعلیم کے لئے کتابیں اسوقت تک تیار ہوچکی ہیں۔ نمبر۴۔ مشاہیر نسوان اور سرگذشت علیہ خانم اور خواتین ترکی مطبوعہ پیسہ اخبار لاہور۔ نمبر۵۔ ارشادات القرآن و نفائس القرآن مولفہ مولوی فتح محمد ہوشیارپوری۔ نمبر۶۔ روح الاسلام مولفہ مولوی وحیدالدین سلیم پانی پتی۔ نمبر۷۔ رفیق عروس رفاہ عام پریس لاہور۔ نمبر۸۔ مجالس النساء مولفہ مولانا حالی اور نیز نمبر۹۔ کسٹری اور جغرافیہ اور طبیعات میں دو رسالے جو ہالرٹ صاحب کے زمانہ میں لکھے گئے تھے مولانا حالی صاحب نے اپنی بیش بہا تصنیفات کا اس میں کچھ ذکر نہیں کیا نیز مولانا صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ان کتابونکو دیکھنے کے بعد یہ طے کرنا چاہیئے کہ کس کس قسم کے ریڈرونکی ضرورت باقی رہیگی۔

مولوی سید احمد صاحب دہلوی مصنف فرہنگ آصفیہ۔ نمبر۱۔ اخلاق النساء۔ نمبر۲۔ راحت زمانی کا قصہ۔ نمبر۳۔ انشاء ہادی النساء ہر دو جلد۔ نمبر۴۔ بچونکا رکھ رکھاؤ نمبر۵۔ طبعی تعلیم۔ نمبر۶۔ لڑکیونکی پہلی کتاب۔ نمبر۷۔ لڑکیونکا قاعدہ نمبر۸۔ اخبار النساء۔ نمبر۹۔ اخبار النساء کا فائل جس میں عمدہ عمدہ مضامین قابل اخذ موجود ہیں نمبر۱۰۔ سورۃ الخیال ہر دو حصہ نمبر۱۱۔ مراۃ العروس نمبر۱۲۔ نبات النعش۔

صاحب مذکور یہ بھی راے دیتے ہیں کہ مطبع رفاہ عام لاہور سے اور کتابوں کا بھی پتہ چلسکتا ہے نیز یہ کہ زینت العروس و تحفۃ العروس مصنفہ مولوی مظہر الحق صاحب جو آگرہ مین چھپی ہیں وہ بھی عمدہ کتابیں ہیں۔

اڈیٹر ریاض الاخبار صاحب گورکھپور فرماتے ہیں کہ وہی کتابیں جو لڑکونکے لئے ہیں لڑکیونکے لئے بھی ہونی چاہیں کیونکہ لڑکیونکو اردو پڑھانے کی کچھ ضرورت نہیں ہے اُنکو فارسی وغیرہ اور جہانتک ممکن ہو اُنکی استعداد عربی کی بڑھانی چاہئے دستکاری وغیرہ بھی سکھانی چاہئے سینا پرونا پکانا وغیرہ۔

ایک کتاب نساء المسلمین حال ہی میں مطبع احمدی علیگڈہ سے شائع ہوئی ہے یہ لڑکیونکی تعلیم کے لئے نہایت کارآمد اور مناسب ہے۔ (اڈیٹر)

ریویو

نساء المسلمین (یعنے زنان اسلام)

یہ کتاب فاطمہ خانم ایک ترکی لیڈی کی تصنیف ہے جسمیں اُنہوں نے اون تمام اوہام پر عموماً مسلمان مستورات کی نسبت یورپ میں پھیلے ہوئے ہیں عمدہ طور پر بحث کی ہے۔ پردہ کثرت ازدواج ازواج مطہرات، پیدائش حضرت عیسے، حقوق زنان اسلام، غلامی وغیرہ، جملہ امور پر جو اسوقت زیر بحث ہیں۔ دلچسپ طریقہ میں گفتگو کی ہے۔ طرز بیان یہ ہے کہ چند یورپین لیڈیوں سے متعدد ملاقاتوں میں امور مذکورہ پر جو گفتگو ہوئی اوسکو ویسے ہی بیان کیا ہے اور ہر امر کا جواب عقلی طور پر دینے کی کوشش کی ہے۔ اور گو جواب اعلی درجہ کے فلسفیانہ اور سائنٹفک نہیں ہیں۔ مگر جسقدر ایک مسلمان خاتون سے توقع کیجاتی ہے اوسکے لحاظ سے غایت درجہ عمدہ اور دلچسپ ہیں۔ مثلاً ایک یورپین لیڈی نے مسلمانوں کے طریق شادی پر اعتراض کیا اور اپنے ہاں کے طریقہ پر شادی کرنے کو ترجیح دی ہے وہ لکھتی ہے کہ "ہمارے (مسلمانوں کے) طریقہ نکاح میں ۸۰ بلکہ ۹۰ فیصدی کے حساب سے محبت اور اتفاق کے بارہ میں عمدہ نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک جب مرد عورت میں عشق اور محبت ہو تو وہ ایک دوسرے کے اخلاق وعادات کا پورا اندازہ نہیں کرسکتے..... اسکا اندازہ کرنا خاندان بزرگوں کے ذمہ ہے والدین کو لازم ہے کہ وہ اولاد کے مشورہ اور رضامندی سے اس معاملہ کو طے کریں۔"

غرضکہ اس فاضلہ عورت نے ہر بحث کو نہایت خوبی اور قابلیت سے دلکش پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ یہ کتاب معزز مستورات کے ملاحظہ کے لائق بلکہ زنانہ نصاب تعلیم میں شامل ہونے کے قابل ہے۔

(مطبع احمدی علیگڈھ سے ۱۲ر میں مل سکتی ہے)

حشرات الارض

(ماخوذ از سر جان لباک)

چیونٹیاں

*

جب ہم چیونٹیوں کی عادات پر نگاہ کرتے ہیں۔ اُن کی بڑی بڑی جماعتوں کے باہمی ارتباط،
اُن کی خوراک اور بود و باش کے انتظام، راستے اور سڑکیں وغیرہ بنانے کے طریقوں، اور خصوصاً
اس حیرت انگیز بات کو دیکھنا کہ رسم غلامی تک اُن کے آپس میں جاری ہے، تو ضرور یہ ماننا پڑیگا کہ تمام
حیوانات میں شعور، ذہن اور عقل کے لحاظ سے انسان کے بعد چیونٹیوں ہی کا مرتبہ ہے۔ یہی
چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں، جنکو ہم ہر جگہ پاتے ہیں، کوئی دب کر مر جاتی ہے تو ہم واہ تک نہیں کرتے۔ غور
سے دیکھنے والے کے لئے اپنی زندگی کا عجب دلچسپ سبق پیش کرتی ہیں۔ گو ہمارا علم اس حد تک
نہیں پہونچا ہے کہ ہم اُن کی کُل باتیں جاننے کا دعویٰ کر سکیں۔ اور گو ابھی بہت سے اُن کے عجیب و دلچسپ
خواص ہم سے پوشیدہ ہونگے، اگرچہ اب تک جو کچھ یورپ کے دانا لوگوں نے اپنی لگاتار اور مستقل
کوششوں کے بعد حالات جمع کئے ہیں، وہی کیا کم ہیں جو ہمارے اُس لطف اور اُس مسرت کا باعث
نہو سکیں، جو کسی عجیب راز کے معلوم کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ کبھی آپ نے کسی چیونٹی کو اُٹھا کر اسے
بغور دیکھا ہے؟ اور اس ذلیل سے کیڑے کی زندگی پر تصور کیا ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو شاید آپ کے
دل میں اُس کی طرف سے رحم اور ہمدردی کے خیالات پیدا ہونے لگتے اور اسے خدا کی ایک بڑی
کار آمد مخلوق سمجھتے۔ میں کہتا ہوں کہ ایک مرتبہ تھوڑی دیر کے لئے اسپر غور کیجئے اور کیا عجیب و
غریب نئی باتیں آپ کو معلوم ہونے لگینگی۔ وہ دیکھتی ہے، سُنتی ہے، مُنہ سے بولتی ہے، اپنے فرائض
کو اس عمدگی سے سمجھتی ہے کہ شاید آپ میں بھی وہ بات نہو۔ اُس کے دل میں اپنے ہم جنسوں کی
محبت ہے، دشمنی، عناد، غصہ، بہادری، بزدلی، حب الوطنی، استقلال، دُور اندیشی۔ غرض یہ

تمام صفات اُس میں پائی جاتی ہیں۔ پھر کیوں اُسے ایک ذلیل کیڑا سمجھتے ہیں؟۔

پُرانے اور زمانۂ حال کے بھی بہت سے قابل لوگ گذرے ہیں جنھوں نے اپنی تمام زندگی اسی علم الحیوانات کی دریافت و تفتیش میں صرف کر دی ہے۔ جس محنت اور مستقل مزاجی کے ساتھ اُنھوں نے حالات جمع کیے ہیں وہ ہزار مرتبہ آفرین و تحسین کے قابل ہیں، ابھی تک چیونٹیوں کی سات سو مختلف قسمیں دریافت ہوئی ہیں لیکن حقیقتاً اس سے کہیں زیادہ تعداد موجود ہوگی۔ اُن کا زیادہ تر وقت اپنے بچوں کی تربیت میں زمین کے اندر صرف ہوتا ہے۔ چیونٹی کا لاروا* شہد کی مکھی کی طرح چھوٹا، سفید رنگ، بے پیر کا، شکل میں نکیلا اور سر کے قریب پتلا ہوتا ہے۔ اس کی پرورش نہایت احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ کی جاتی ہے۔ چیونٹیاں (جنھیں نوکر یا کام کرنے والے کہتی ہیں) ایک کوٹھری سے دوسری کوٹھری میں اُن کو لیے لیے پھرتی ہیں تاکہ گرمی اور تری مناسب طور سے پہونچائی جائے۔ جب یہ لاروا بڑا ہوتا ہے تو اُسکو پیوپا کہتے ہیں، یہ کبھی برہنہ اور کبھی ایک باریک ریشم کی جھلی سے لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ اس حالت میں جب کچھ دن گذر جاتے ہیں، تو وہ ایک چیونٹی کی شکل میں نکل آتا ہے۔ جھلی سے اپنے کو رہا کرنے کی کوشش میں اگر اُس کی مدد نہ کی جائے تو ضرور یہ مر جائے، مگر بڑی چیونٹیاں آہستہ آہستہ اُسکی پیروں کو کھولتی ہیں۔ بازوؤں کو چکنا کرتی ہیں۔ اور بڑی شفقت اور پیار سے جس طرح زنانہ طبیعتوں کا خاصہ ہے، اُسے اس قید سے نجات دیتی ہیں۔

مثل شہد کی مکھی کے چیونٹیوں کی بھی ایک خاص جماعت میں تین قسمیں پائی جاتی ہیں اوّل۔ نر چیونٹیاں۔ دوم۔ کام کرنے والی جنھیں خدام کہنا چاہیے (یہ نصف نر اور نصف مادہ ہوتی ہے) سوم۔ مادہ ان سب پر ایک چیونٹی سردار ہوتی ہے، جسے ملکہ کہتے ہیں۔ یہ مادہ

* انڈے سے نکلنے کے بعد جس صورت کا کیڑا ہو جاتا ہے اُسے لاروا کہتے ہیں۔ بعدہٗ جو شکل قائم ہوتی ہے اُسے پیوپا کہتے ہیں۔ اور پیوپا کے بعد کیڑا اپنی اصلی ہیئت میں آتا ہے۔

مکھیاں بھی اُن پر حملہ کرتی ہیں۔
چیونٹیوں کی مختلف قوموں کے جُداگانہ طریقے اور خواص ہیں، مثلاً ایک قسم ہے جو کہ ازحد بُزدل ہوتی ہے، اور اسی لئے ہمیشہ دوسروں کی غلامی میں رہتی ہے، بخلاف اسکے ایک دوسری قسم جسے گھوڑا چیونٹی کے نام سے پکارتے ہیں، نہایت بہادر ہوتی ہے، اور ہمیشہ باہر صفیں باندھکر نکلتی ہے۔ ایک اور قوم ہے، جو سب سے زیادہ بہادر ہوتی ہے، اگر ان میں کا ایک فرد بھی دشمن کے کسی بڑے غول میں گھر جائے، تو بڑی دلیری کے ساتھ چاروں طرف حملہ کرتا ہے، ہرگز بھاگنے کا قصد نہیں کرتا، یہانتک کہ اسی حالت میں مرجاتا ہے۔ ایک اور قوم ہے جو سخت چور اور بُزدل ہوتی ہے، دوسروں میں جب لڑائی ہوتی ہے تو یہ چھپ جاتی ہے اور جنگ کے بعد مُردہ چیونٹیوں سے اپنا پیٹ بھرتی ہے۔
محنت اور جفاکشی میں چیونٹیوں کی برابر نہ تو بِریں ہیں اور نہ شہد کی مکھیاں۔ وہ تمام دن کام کرتی رہتی ہیں، خواہ گرمی ہی کا موسم کیوں نہو، بلکہ ضرورتاً رات کیوقت بھی میں نے ایک مرتبہ ایک چیونٹی کو دیکھا تھا کہ اُس نے چھ بجے صبح سے کام کرنا شروع کیا، اور برابر پونے دس بجے رات تک مشغول رہی۔ ایک دفعہ میں نے ایک چیونٹی کو بوتل میں بند کر دیا، اور ایک ہفتے تک گھر سے غائب رہا، بعد میں نے اُسے نکالکر لاروا کے ایک چھوٹے سے ڈھیر پر جو اس کے بل سے تین فٹ کے فاصلہ پر تھا رکھدیا۔ گو کہ وہ سات دن تک ایک طرح کی قید میں پڑی رہی تھی مگر بہادر چھوٹے کیڑے نے نکلتے ہی فوراً ایک لاروا کو اُٹھالیا اور بل کے اندر لیگیا۔ آدھ گھنٹے کے آرام کے بعد وہ پھر واپس آیا اور جب تک سبکو اندر نہ لیگیا اُسے چین نہ پڑا۔ ابھی تک ہمیں چیونٹیوں کی مدتِ عمر کا اچھی طرح پتہ نہیں لگا ہے بعض کو دیکھا ہے کہ چند مہینوں تک زندہ رہتی ہیں، لیکن بعض اس سے بھی زیادہ۔ میرے پاس دسمبر ۱۸۷۴ء سے کئی چیونٹیاں جنس ملکہ کی موجود تھیں اور مارچ ۱۸۸۰ء تک زندہ رہیں۔ نہایت عمدہ تندرستی کی حالت میں۔ اس طرح پانچ سال کی عمر کی ہوئیں۔ چیونٹیوں کی ہر قوم عموماً اپنے

تو کچھ عرصے میں فوراً خاتمہ ہو جاتا ہے۔ مجھے اِن کی یہ عجیب عادت دیکھکر بہت ہنسی معلوم ہوئی
اسطرح میں نے تجربہ کیا کہ اپنے شیشے کے خانے کی ہمقوم چیونٹیوں کے دو حصے کر دیے۔ اور کئی مہینوں
کے بعد ایک کو نکال کر جب دوسری جگہ رکھا تو سب نے فوراً پہچان لیا، اور معمولی آؤ بھگت کے
بعد اپنے میں شامل کر لیا۔ مگر ایک غیر قوم کی چیونٹی جب لا کر رکھی گئی تو غریب فی الفور مار ڈالی گئی۔
دو سال کے بعد بھی جب میں نے ایک چیونٹی کو لا کر اُسکے پرانے ساتھیوں میں شامل کر دیا
ہے تو انھوں نے اُسے بلا کسی توقف کے پہچان لیا ہے، مگر جب کسی غیر کو رکھا تو فوراً اُسکے گرد سب کا
جماؤ ہو گیا، اور دو نے اُسکی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی باہر لیگئیں، میں نے اس بات کو بارہا آزمایا
ہے، اگر وہ بھاگ گیا تو خیر، ورنہ فی الفور مار ڈالا جاتا ہے۔

چیونٹیوں کی قوتِ شامہ بہت تیز ہوتی ہے۔ میں نے ایک چیونٹی کو کاغذ کے ایک
لمبے ٹکڑے پر رکھا اور پنسیل اُس کے قریب لیگیا مگر اُس نے کچھ پروا نہ کی، اور آگے پیچھے
راہ پانے کے لئے بھاگنے لگی مگر جب اُس پنسیل کو یونڈ ڈر (انگریزی عطر) میں تر کر کے اُس کے
قریب کیا ہے تو وہ یکایک ٹھیر گئی ہے اور اسطرح اُسکے قریب آکر کھڑی ہو گئی ہے گویا خوشبو
سونگھ رہی ہے۔ مگر بخلاف اس کے اُن کی قوتِ سامعہ عجیب معلوم ہوتی ہے۔ ایک چیونٹی
کے قریب پہونچکر، جو خاموش کھڑی تھی، میں نے بارہا آزمایا ہے کہ خواہ کسی قدر زور سے چلاؤں
مگر اُسے مطلق احساس نہیں ہوتا۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ وہ بالکل بہری ہوتی ہیں
ممکن ہے کہ ان کے اعصاب سامعہ ہم سے مختلف ہوں۔ چیونٹی کی آواز بھی ہوتی ہے، مگر
وہ اسقدر دھیمی ہوتی ہے کہ ہم نہیں سُن سکتے۔ جس عضو سے یہ آواز پیدا ہوتی ہے اُس کے
تین بیرونی حصے پائے جاتے ہیں۔ ایک چھوٹے گول پیالے کیطرح اوپر سے کھلا ہوا۔ دوسرا لمبی
نلکی کیطرح، اور تیسرا گھڑی کے ایک ٹھوس لٹکن کیطرح۔ یہ اجزا خردبین کے ذریعے سے
دیکھے گئے ہیں۔

اعضای بصارت اور بھی عجیب و غریب واقع ہوئے ہیں چیونٹی کے سر پر تین آنکھیں

ایک شلث کی ترتیب شکل میں پائی جاتی ہیں، اور اس سے ادھر ادھر ایک ایک بڑی آنکھ ہی
ہیں ابھی تک یہ نہیں معلوم ہوا کہ یہ آنکھیں کسطرح اپنا کام کرتی ہیں۔ ہر ایک میں ایک ایک ہزار
پتلیاں ہوتی ہیں۔ اگر یہ ہے تو چیونٹی جب اپنی ملکہ کی طرف دیکھتی ہوگی اور اُسے اُسکی ہزار شکلیں
نظر آتی ہونگی تو خوف و دہشت سے گھبرا جاتی ہوگی، مگر نہیں ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ سب پتلیاں
تھوڑا تھوڑا عکس لیکر ایک پوری صورت اُسکے سامنے پیش کرتی ہیں۔ چیونٹیوں کی نگاہ بہرحال
تیز نہیں کہی جا سکتی، میں نے اسکا کئی مرتبہ تجربہ کیا ہے، مثلاً ایک مرتبہ میں نے شیشے کے گلاس
کے اندر ایک پنسل رکھکر جو ساڑھے سات انچہ لمبی تھی، اُسپر ذرا سی کچھ کھانے کی چیز رکھدی،
جو چیونٹی کو ایک دفعہ یہ رستہ معلوم ہوگیا، تو وہ اپنے بل سے آنے جانے لگی، میں نے اب پنسل
کو چھ انچہ ایک طرف کھسکا دیا۔ اب اسے بڑی پریشانی ہوئی کیونکہ وہ بار بار آکر اُسی جگہ کھڑی ہوجاتی
تھی جہاں پنسل کا پہلا مقام تھا، دوسری جگہ پر اُسے وہ دکھائی نہیں دیتی تھی، اسلئے مایوس
ہوکر ادھر ادھر دوڑتی پھرتی تھی، غرضکہ آدھ گھنٹے کے عرصے میں کہیں جاکر وہ ڈھونڈھ پائی۔
آدمی کی نگاہ کا اس اندازہ کے لحاظ سے ذرا مقابلہ کرنا چاہیے۔ چیونٹی کی لمبائی فرض کرو کہ ایک
انچہ کا چھٹواں حصہ ہے اور پنسل سات انچہ لمبی ہے، اس لئے وہ چیونٹی سے بیالیس گنا زیادہ بڑی
ہوئی۔ چیونٹی کے سامنے اُس کی وہی مقدار ہوگی، جو ایک آدمی کی نگاہ میں ڈھائی سو فیٹ اونچی
مینار کی ہوتی ہے۔ پنسل کو چھ انچہ کھسکا دینے سے چیونٹی کی اسی شخص کی سی حالت ہوگی، جو
اپنے گاؤں میں، جواب کئی سو فیٹ اس طرف دُور ہوگیا ہے، چھوڑ دیا گیا ہو اور اس عجیب
تبدیلی سے حیران، پریشان پھر رہا ہو، یا یہ سمجھو کہ ایک ایکڑ مربع زمین میں کوئی شخص کھڑا ہے
اور اُسے ڈیڑھ سو فیٹ اونچائی کا مینار نظر نہیں آتا۔

تعجب کی بات ہے کہ گو چیونٹیوں کی عاملیت معلوم کرنے میں بہت زیادہ محنت اور وقت
اب تک صرف ہوچکا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جنگلوں اور باغوں میں وہ کس کثرت سے پائی
جاتی ہیں، مگر ابھی تک کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اُن کے ایک پورے خاندان کی ابتدا کیونکر ہوتی ہے

کفالت میں ہوں، اور یتیمی کی وجہ سے اُن کی سرپرستی میں ہوں، اہل عرب حسن وجمال یا دولت ومال کیوجہ سے اُن سے خود شادیاں کرلیا کرتے تھے اور چند روز کے بعد اُن کو بے یار وغمگسار معلق حالتمیں چھوڑ دیا کرتے تھے۔

نیز جب یہ عورات پدری آرامگاہوں سے غیر مانوس اور غیر مالوف نشیمنوں کی طرف منتقل ہوتی ہیں، تو عارضی اور جدید وسائل آسایش کے اُن کے لئے مہیا ہوجاتے ہیں، اُن کے ساتھ ہی وہ قدیمی اور قدرتی آسائشیں بھی محفوظ رہنی چاہئیں جو ہمیشہ بلا مزاحمت مہیا رہیں، اور دونوں ذرائع ملکر اُن کے نشاطِ زندگی کو دوبالا کرسکیں، اور نا چاقی کیوجہ سے مبادا جدید تعلقات اگر ناگوار ہی پیدا کریں تو اُن کی تلخی اوقات کی مکافات سرپرستوں کی حمیت سے ہوسکے ورنہ خاوند کا کاشانہ اُن کے لئے ماتمکدہ ہوجائیگا جس میں نشاطِ زندگی کی صورت نظر نہ آسکیگی

نیز قدرتی طور پر ایسے قرابتیوں سے بہیمی سیلان کم ہوتے ہیں، اور ہر وقت کے روابط سے طبیعت میں ولولہ پیدا نہیں ہوتا، اگر ان سے نکاح جائز کیاجاتا تو ولولہ اور نشاط کے نہونے سے اولاد کے قُوے پر بڑا اثر پڑتا ہے طبعی نشاط کو اولاد کی اندرونی اور بیرونی جنبشوں سے بڑا تعلق ہے، اسیواسطے مشہور قول ہے لَا یَنْجُبُ اِلَّا النَّابِغ۔ نجابت اُنھیں فرزندوں میں ہوتی ہے، جو غیر خاندانوں کی شادی کے نتایج ہوتے ہیں، یہ مسئلہ قابل غور ہے کہ غیر خاندانوں میں شادی کرنا قُویٰ کو بالیدہ کرتا ہے یا اُن میں افسردگی بڑھاتا ہے، لیکن قدرتی انقلابات اور تاریخی نتایج سے یہی فیصلہ ہوتا ہے کہ جب غیر خاندان کے طبقہ اناث میں جسمانی عقلی، رُوحانی تقابل ہونگے تو وہ قانونِ توارث کے موافق اولاد میں ضرور منتقل ہونگے۔ اور یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنی خیاضی سے ایک نسل میں خوبیوں کا ذخیرہ کرکے دوسری نسل میں بخل کریں، اہل عرب اپنے خون کو عجم کے اختلاط سے بہت محفوظ رکھتے تھے اور اُسکو نہایت ہی کراہت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، لیکن جب حضرت امام زین العابدینؓ اور امام سعید بن المسیب عجمی اور عربی خونوں کے اختلاط سے بڑے بڑے نامور پیدا ہوئے، تو اہل عرب اہل عجم سے شادیاں کرنے لگے

ن کے بعض ائمہ روحانی وعلمی اور سلاطین کے نامور سلسلوں میں بہت لوگ ایسے ملتے ہیں،
کی مائیں بربری، ایرانی، رومی، حبشی خاندانوں کی ہیں۔

علاوہ انسانی طبقے کے گھوڑوں کی نسل کا مسئلہ اسکے تصفیے کے لئے کافی ہے۔
رانس، الجیریا، ایران، ہندوستان کے تمام عمدہ گھوڑوں میں عربی النسل گھوڑوں کے
ون کا اثر ہے، اور تمام ملکوں میں عربی نسل کی خوبیاں منتقل کرنیکا خاص انتظام اور اہتمام ہے۔
کال کیمسٹری میں تسقیہ اور تطعیم (پانی دینا قلم لگانا) کے اصول صاف بتا رہے ہیں کہ قدرتی
ی کی تلافی ان کے ذریعے سے کسطرح ہوسکتی ہے، پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ بعض شواہد کو دیکھکر
ربرٹ اسپنسر نے کسطرح جاپانیوں کو مشورہ دیا اور ان کو یورپ میں شادی کرنے سے
و کا، اور اسکو انھوں نے یوریشین کی حالت پر قیاس کیا، یوریشین کی کمزوری اس
اسطے ہے کہ قوی کا ضعیف سے اُس میں اختلاط ہوتا ہے، جس سے آیندہ نسل کی کمزوری لازمی
ہے، دوسرے اصول تربیت پر نظر نہیں کی گئی، بارد اور حارہ منطقوں کی تربیت میں
ا فرق ہے، اسواسطے یوریشین کی کمزوری خارجی اسباب کی وجہ سے ہے نہ صرف
تلاط کی وجہ سے

(باقی آیندہ)

جہان آرا بیگم

دنیا کی اس تاریخ میں جسکو زمانہ اپنے ہاتھوں سے لکھتا اور اپنے ہی پاس رکھتا ہے بہت سی قابل اور بہادر عورتوں کے کارنامے موجود ہیں۔ یوں تو کاہے کو کوئی ایسے بھولے ہوؤں کو یاد کرتا یا ان کی سچی سرگذشت سے ہمدردی کرتا ہے مگر ہاں جب کبھی کسی کی نظر پڑجاتی ہے تو ضرور ایکدفعہ ایسے مرنے والوں کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ ہندوستان میں اسلام کی شوکت اور عظمت کے زمانے میں مسلمان عورتوں کا ایک ایسا سلسلہ گذرا ہے جنکی لیاقت۔ مردانہ ہمت اور بےنظیر علمی زندگی اور سیاسی معروفیت کا شیریں نغمہ تاریخ آجتک گاتی ہے۔ انکی تصانیف ان کے اولوالعزمانہ کام کی یادداشتیں زمانہ اور زمانہ کے ساتھی یعنے مورخ اور شاعر اور وہ شاعر جو جذبات انسانی کے مصور یا قلوب انسانی کے بلبل ہیں آجتک لکھتے اور آجتک لوگوں کو سناتے ہیں۔ ان بزرگ خاتونوں میں جہان آرا بیگم کا حال بہت زیادہ توجہ طلب ہے۔

یہ خاتون شاہجہاں بادشاہ جیسے مشہور باپ اور ممتاز محل جیسی بےنظیر ماں کی نامور بیٹی تھی پیدائش چہارشنبہ۔ ۲۳۔ مارچ ۱۶۱۴ء کو (مطابق ۲۱ صفر ۱۰۲۳ ہجری) ہوئی جس اعلی تعلیم نے اس قدرتی جوہر کو چمکایا اور جس چشمۂ فیض نے اس لائق خاتون کی طبیعت کو حرکت دی۔ اور دماغی قابلیتوں کا باغ خوب پھولا پھلا وہ حقیقت میں شفیق باپ کی نگرانی میں ہوئی اور خوب ہوئی۔ والد ماجد کی خدمتیں اپنے دل سے کیں اور دین دنیا کی سعادت حاصل کی۔ شاہ اورنگ زیب نے جب اپنے والد ماجد شاہجہاں کو نظربند کیا تو اپنی دوسری بہن روشن آرا کے خلاف اس لائق خاتون نے اپنے ضعیف باپ کا ساتھ دیا اور قیدخانہ میں زندگی بسر کی۔ سب سے بڑھ کے ایک تاریخی واقعہ ہے۔ جو اس خاتون نے تمام دنیا کی عورتوں کے سبق اور نمونے کے لیئے دکھایا۔ ۲۶۔ مارچ ۱۶۶۶ء کو اپنے شفیق باپ کی قدمبوسی کے بعد حرم کو لوٹ رہی تھی کہ مکان جو حرم اور محل شاہی کے

وقت میں واقع تھا جبکہ خاتون موصوفہ کے ریشمی کپڑوں میں اتفاق سے آگ لگ گئی۔
اس پریشانی اور سخت آزمائش کے وقت بہت ممکن تھا کہ چیختی اور چلاتی اور بہر کوئی
کہتا ہی ہے۔۔۔۔ ایسی مایوسانہ حالت میں خواہ مخواہ منہ سے آواز نکل ہی آتی ہے
اور مدد۔۔۔ سے آدمی کا دل بے چین ہو جاتا ہے۔ مگر عفت اور عصمت۔ مردانہ استقلال
اور اس بلند طبیعت نے جس کی نظیر بہت مشکل سی مل سکتی ہے اسکو گوارا نہ کیا کہ منہ سے
آواز نکلے اور محل کے حاضرین اور غیر محرم ایک پریشانی کی حالت میں دوڑ پڑیں
اور بچانے کی کوشش میں وہ کہیں اس خاتون کے کپڑوں کو ہاتھ لگا دیں۔ اس
غیرت اور مستقل مزاجی نے یہانتک دلی جذبات۔ جذبات کیا سخت پریشانی اور مصیبت
کی حالت پر اثر کیا کہ خواصوں کو بلانا یا پکارنا بھی گوارا نہوا۔ الله نے خیر کی جان بچی
مگر عرصہ تک اس صدمہ کی وجہ سے بیماری جھیلنی پڑی۔

اس واقعہ کو انگریزی مورخوں نے نہایت دردناک اور دنیا کو ہلا دینے والے لہجے میں
بیان کیا ہے۔ واقعی جس طرح شکسپیر اور ملٹن نے یونان اور قدیم رومۃ الکبریٰ کی
تاریخوں سے ایسی ایسی مثالیں اور ایسے انداز کے لائق مرد اور عورتوں کو نکال کے اپنا
خیالی جامہ پہنا کے بہادری عصمت اور وفاداری کی روشن تصویریں دکھائیں ہیں
یہ واقعہ بھی یادگار زمانہ ہے اور عفت و عصمت اور مشرقی خصوصیت یعنے پردہ کی زبردست مثال
ہے۔ اور اسکے یاد کرنے سے ایک حیرت سی ہوتی ہے مختصر یہ کہ یہ لائق شاہزادی ۵ ستمبر ۱۶۸۱ء
کو اس دنیا کی عارضی زندگی سے حیات جاودانی کی لامتناہی وادی کیطرف خاموش چلی گئی
اوسکی نشانی یا نقش پا کہئے دہلی میں حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ کے مزار مبارک کے
ایک گوشے میں ہے اور اسپر یہ شعر ہزاروں فلسفیانہ خیالات اور انسانی بیکسی کی
کہانی یاد دلا رہا ہے۔ شعر۔ بغیر سبزہ نہ پوشد کسے مزار مرا + کہ قبر پوش غریبان ہمین گیاہ بس است

(شاہ محمد نذیر ہاشمی غازی پوری)

اِعلانُ

اس رسالہ کی قیمت نظر برحال موجودہ سے سالانہ رکھی گئی ہے۔ اور ششماہی ۱۲/ - فی پرچہ ۵/

درخواستیں بنام شیخ عبداللہ صاحب بی۔ اے ایل ایل بی، وکیل ہائی کورٹ۔ علیگڈہ آنی چاہیں۔

قیمت ہر حال میں پیشگی لیجائیگی۔

تمام مضامین میرے پاس آنے چاہیں ہر مضمون کا چھاپا جانا لازم نہیں۔

(سید ابو محمد)

خاتون

۱- یہ رسالہ ۴۰ صفحہ کا علیگڈھ سے ہر ماہ میں شائع ہوگا اور اسکی سالانہ قیمت سے۱ ہوگی

۲- اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳- مستورات میں تعلیم پھیلانی کوئی آسان بات نہیں اور جب تک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی شد ضرورت اور اسکے بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اسکی طرف ہم ہمیشہ مردونکو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴- ہمارا رسالہ بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لئے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی انکو ضرورت محسوس ہو۔ تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم پڑھنے سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵- ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶- مستورات کے مضامین اور خطوط جیسے ہی ہونگے ہم ضروری اصلاح کے بعد شائع کردینگے۔

۷- اس رسالہ کی مدد کرنے کے لئے اسکو خریدنا گویا اپنی مدد آپ کرنا ہے اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیونکو وظائف دیکر استانیونکی خدمت کے لئے تیار کیا جائیگا۔

لکچر جناب مسز واکر صاحبہ

مترجمہ

مسز کریم خاں

ستمبر کے رسالے میں ہمنے وعدہ کیا تھا کہ آیندہ پرچے میں جناب مسز واکر صاحبہ کا بیش بہا مضمون چھاپینگے جو اُنہوں نے بچوں کی پرورش پر انجمن نسواں حیدرآباد میں پڑھا تھا۔ ہر بی بی کو چاہئے کہ اس مضمون کو بنظر غور پڑھے اور جتنی باتیں ہماری موجودہ حالت کے موافق قابل عملدرآمد ہوں اُنپر عمل کرے۔ دراصل ہمارے ملک میں جس لاپروائی سے بچوں کو اُٹھایا جاتا ہے دوسرے ملکوں کے لوگ گائے بھینس کے بچے کو بھی اس درجہ بُرے طور سے نہ پالتے ہونگے۔ اکثر ہمارے ملک کے مردوں اور عورتوں کا اپنی اولاد سے پیار اور لاڈ محض ایسا ہے جیسا جانوروں کو ہوتا ہے۔ بندریا اپنے ننھے سے بچے کو ہر وقت اپنے کلیجے سے لگائے رکھتی ہے۔ اگر وہ مرجائے تو مہینوں اُسکی لاش اپنی بغل میں دبائے پھرتی ہے۔ انسان کے بچے کو اس قسم کی محبت اور ممتا سے بجز اسکے اور کوئی فائدہ نہیں کہ وہ جانوروں کی طرح پل کر مرد یا عورت کی صورت بنجائے بس۔ مسز واکر صاحبہ نے ہمارے حال پر ایک بڑا احسان کیا ہے کہ اُنہوں نے بچوں کی پرورش کے بارے میں اصولی باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ہم آیندہ پرچوں میں ایک اور قابل انگریز لیڈی کا خط اسی مضمون پر چھاپینگے اور نیز وقتاً فوقتاً اپنی لیڈی نامہ نگاروں اور ناظرین خاتون کے ذاتی تجربے اور مسلسل مضامین اور نوٹ شائع کیا کرینگے۔ بیبیوں کو لازم ہے کہ اس سلسلہ مضامین کو بڑی احتیاط سے وقتاً فوقتاً پڑھا کریں اور کوئی بات انکی سمجھ میں نہ آسے تو ہم بتانے کو تیار ہیں۔

اڈیٹر

قبل اسکے کہ میں یہ مختصر مضمون جو میں نے تیار کیا ہے پڑھوں میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ مجھکو کسقدر فخر اور خوشی ہے کہ آپ لوگوں نے مجھے اپنے انجمن کا پریذیڈنٹ مقرر کیا ہے۔ میں امید کرتی ہوں کہ میں اُسکے مقاصد پورا کرنے میں حتی الامکان سعی کرونگی۔ آپ لوگوں کی ملاقات سے مجھے بہت مسرت ہوئی اور امید کرتی ہوں کہ یہ سرسری ملاقات گاڑھی دوستی سے بدل ہو جائیگی۔

بچوں کی ابتدائی تعلیم پر یہ مضمون جسکو میں نے آج مباحثے کے لئے انتخاب کیا ہے۔ کوئی نیا مضمون نہیں ہے۔ اس مضمون کے انتخاب کرنے سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ مجھے کوئی خاص تجربہ یا علم اس بارے میں حاصل ہے بلکہ صرف اسلئے پیش کرتی ہوں کہ اس معاملے میں مجھے نہایت دلبستگی اور دلچسپی ہے اور غالباً آپ سب بیبیاں بھی جو یہاں موجود ہیں اسقدر دلچسپی رکھتی ہونگی جسقدر مجھے ہے۔

میں خوب سمجھ سکتی ہوں کہ اس امر پر بحث کرنے میں موجودہ سامعین کے روبرو کسقدر دقتیں مجھے درپیش ہیں اول تو یہ کہ مجھے پوری طور پر آگاہی نہیں کہ کس طریقہ پر آپ لوگوں کے بچوں کی پرورش گھروں میں ہوا کرتی ہے دوسرے نہ مجھے یہ خبر ہے کہ آپکا خانگی طرز معاشرت کیا ہے اور کیسی کیسی دقتیں اور قدیم رسمیں آپکے راستے میں حائل ہیں اور اُنکا کیا اثر بچوں کی ابتدائی تعلیم پر پڑتا ہے تیسرے یہ کہ ہندوستانی مردونکے بارے میں مجھے کوئی رائے قائم کرنیکا موقع نہیں ملا (جس سے اُنکی بچپن کی پرورش کا پتہ لگتا) اسلئے کہ انگریزی میں ایک مثل ہے کہ "دی بوائے میکس دی مین" یعنی بچپن میں جسکو جیسا اُٹھایا جاتا ہے وہ بڑا ہوکر ویسا ہی رہتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ بڑے ہوکر بھی ہر شخص کی خصلت اُسکے لڑکپن کی تربیت و تعلیم پر موقوف رہیگی ہمارے دلوں پر اس خیال کا اس درجہ گہرا اثر ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بدکرداریوں اور کوتاہ اندیشیوں سے خرابی اور عیاشی میں پڑجاتا ہے تو لوگ بجائے اسکے کہ خود اُس شخص کو بُرا کہیں اُسکے ماں باپ کو ملزم گردانتے ہیں اور سب یہی کہتے ہیں کہ یہ نتیجہ ابتدا اسکے بگاڑ اور خرابی کا ہے اور فوراً یہی خیال گذرتا ہے کہ ضرور اس شخص کے ماں باپ نے اسکو لاڈ پیار

اور نازبرداریوں میں بگاڑا ہوگا۔ ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہانکے مرد تو اوصاف پسندیدہ اور صفات حمیدہ رکھتے ہیں تو ضرور انکے بچپن کی تعلیم ہی تشفی بخش ہوگی اور شاید ہو گر تاہم میں بالفعل ان دستوں سے قطع نظر کرکے صرف اس مضمون میں اُنہیں برائیوں کا ذکر کرتی ہوں جو میں نے پڑھنے سننے یا تجربے سے معلوم کی ہیں اور جو عموماً مشہور اور مسلم ہیں اور جنکا بُرا اثر بچوں کی عادتوں اور خصلت پر پڑتا ہے۔

(۱) اول یہ کہ لڑکے ہندوستانی گھروں میں بالکل نوکروں پر چھوڑ دئے جاتے ہیں اور دائیں اپنے فرض منصبی اور ذمہ داری سے جیسا کہ چاہیئے واقف نہیں ہوتیں کہ بچوں کی طبیعت کی نشوونما پر غور کریں اور مثل ایک دوراندیش باغبان کے اپنے باغ کو خس و خاشاک سے پاک رکھیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ بچے بچپن میں ان ورزشوں اور کھیلوں کی طرف متوجہ نہیں کئے جاتے جس میں ملکر کھیلنے سے اُنکو ہار جیت کا موقع ملے اور انصاف و درگذر کے عادی ہوں۔

(۳) تیسرے یہ کہ اُنہیں اپنے لواحق سے الگ ہوکر اپنے وقت کو کام میں لانا نہیں سکھایا جاتا۔

(۴) یہ کہ یہانکا ایک عام دستور ہے کہ لڑکوں کو لڑکیوں پر ہر چیز میں ترجیح دیجاتی ہے اور اچھے سمجھے جاتے ہیں۔ برخلاف ہمارے ملک کے کہ جہانکا رواج برعکس ہے۔

اگر میری رائے غلطی پر نہیں ہے اور واقعی ایسا ہی ہے تو پہلی قباحت کو لیجئے یعنی بچوں کا بچپن میں زیادہ وقت نوکروں کی صحبت میں رہنا۔ بھلا یہ تو بتلائے کہ نوکروں اور لونڈی غلاموں کو مالک کے بچوں کے شائستہ یا ناشائستہ حرکات کا خیال ہو سکتا ہے کہ وہ اُنکے افعال یا الفاظ کی برائی یا بھلائی کا خیال رکھیں۔

جہانتک میرا تجربہ ہے پہلے جو عیوب بچوں میں ظاہر ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔ نافرمانی کرتے ہیں کہنا نہیں مانتے اور سچ بولنا کچھ ضروری نہیں سمجھتے اور دوسروں کے آرام و تکلف کی پروا

نہیں کرتے یہ عادتیں بچہ اپنے ساتھ لیکر نہیں پیدا ہوتا بلکہ اکثر نوکروں کی صحبت اور ماں کی بے پروائی سے یہ باتیں بچے کے مزاج میں پیدا ہوجاتی ہیں۔ جب پہلے پہل یہ باتیں بچہ میں پیدا ہونی شروع ہوں تو آسانی سے دور ہوسکتی ہیں لیکن اگر شروع سے اُنکی روک ٹوک نہ کیجائے تو بچہ نافرمانی دروغگوئی اور دوسروں کی اذیت دہی کا عادی ہوجاتا ہے اور یہ سب بُری عادتیں اُسکی سرشت میں بیٹھ جاتی ہیں اور نکالے نہیں نکلتیں جب تک کوئی ہر وقت کا روکنے ٹوکنے والا اور نصیحت کرنیوالا نہو۔

اب بتائے کہ سوائے ماں کے کون ایسا خیرخواہ اور بچے کی آیندہ بہبودی اور شائستگی اور خوش اطواری کا خواہاں ہوسکتا ہے کہ ہر وقت اُس کی کل عادتوں اطوار اور حرکتوں اور الفاظ پر خیال رکھے اور بتدریج ہمدردی اور محبت کے ساتھ ان ناپسندیدہ افعال سے اُسے باز رکھے۔ اور کوئی ماں اپنے اس متبرک فرض منصبی کو پورا نہیں کرسکتی۔ جب تک کہ وہ اپنے بچوں کو زیادہ تر اپنی ہی صحبت میں نہ رکھے اور بات چیت ملاقات اور کل اشغال سے بعض اوقات علٰحدہ ہوکر ہمہ تن انکی طرف متوجہ نہو۔

یہ کہنا میرا اپنی تعریف کرنا نہو گا کہ میرا ہمیشہ یہی قاعدہ رہا کہ اپنے بچوں کو ہر روز زیادہ وقت تک اپنے ہی پاس رکھتی ہوں اور خود ہی طرح طرح کے کھیل تماشوں سے اُنکا جی بہلاتی ہوں اور میں نے کبھی انکی کسی بات کو جو سچ کے خلاف اُنھوں نے بیان کی ہو یا اُنکے کسی آپس کے برتاؤ کو جو میرے نزدیک شائستگی کے خلاف سرزد ہوا ہو جائز نہیں رکھا۔ بلکہ جب کسی بچے نے کوئی بات خلاف واقعہ بیان کی تو ضرور اُسکو قرار واقعی تنبیہ کی گئی اور کبھی مناسب گوشمالی بھی کی گئی۔

جن عیوب کا ذکر میں نے کیا وہ اکثر میں نے اُن انگریز بچوں میں بھی پائے جن کی مائیں کسی نہ کسی وجہ سے زیادہ اپنے بچوں کے ساتھ رہنے سے معذور رہی ہوں اور اُنھیں نرسوں اور نوکروں پر چھوڑ دیا ہو۔

دوسری خرابی جو مینے بیان کی وہ یہ ہے کہ بچوں کو بچوں کی طرح آپس میں کھیلنا نہیں ملتا یہاں بھی شاید میں آپ لوگوں کے اندرونی حالات سے ناواقف ہوں اور میری رائے غلطی پر ہو مگر مینے یہ بھی سنا ہے کہ یہاں بچوں کو جیسا کہ چاہیئے آپس میں کھیلنا نہیں ملتا اور اگر میرا خیال درست ہے تو میں یہ کہنے کی جرأت کرتی ہوں کہ اس سے بہتر کوئی تدبیر بچوں کی جلد بازی اور خودغرضی کے دفع کرنے کی نہیں کہ زسری یعنی طفولیت میں آپس میں کشتی اور کود پھاند کرنیکو چھوڑ دئے جائیں اور دھکے کھا کر ٹھیک بنجائیں۔

میں دیکھتی ہوں کہ اس نقص کے دفع کرنے کی تدبیر ایک حد تک کی گئی ہے اور اس تھوڑے عرصے میں کرکٹ فٹ بال ہاکی اور دوسرے کھیل یہاں کے لڑکوں میں پھیل گئے ہیں۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ صرف لڑکے اور مرد ہی ان ورزشوں سے بہرہ مند ہیں لڑکیاں ابھی تک اُس سے مستفید نہیں ہوسکتیں۔ شاید آپ لوگوں میں سے بعض اسبات کو سُن کر خوش ہوں کہ اس قسم کے کھیل اور ورزشیں انگلینڈ میں لڑکیوں نے بھی اختیار کی ہیں۔ اور ہر سکول میں سکھائی جاتی ہیں اور جسقدر جلد یہ کھیل ہندوستان کے لڑکوں میں پھیل گئے اُسیطرح انگلینڈ میں لڑکیوں میں دفعتاً رواج پا گئے ہیں۔ اخیر مرتبہ جب میں چلتہام میں تھی جسکو کوئی پندرہ مہینے کا عرصہ ہوا تو ہاکی کے کھیل میں ہم لوگوں نے اپنی دونوں لڑکیوں کو کھیلتے دیکھا اُنکی بازی ختم ہونے تک ہلوگ تماشا دیکھتے رہے کہ کس زور سے اور بیتحاشا وہ گیند لینے کے لئے دوڑتی تھیں کہ اچھے اچھے مرد کھیلنے والے بھی اسیقدر دوڑتے ہونگے۔

میری کم سنی کے زمانے میں یہ بات کبھی سننے میں بھی نہ آتی تھی۔ ماں باپ ہرگز اپنی لڑکیوں کا ایسے مردانے کھیلوں میں شریک ہونا گوارا نہ کرتے تھے۔ اب زمانہ بدل گیا ہے اور بہتر ہوا کیونکہ آجکل کی انگریز لڑکیاں پچیس برس قبل کے انگریز لڑکیوں سے زیادہ قد آور قوی اور مضبوط اور تندرست ہوتی ہیں خیر یہ سب تو ایک جملہ معترضہ تھا اسکو جانے دیجئے

ترکیب سے بچہ جب چہہ برس کا ہو جائے تو پڑہنے لگے گا اور ماکو محنت کا پہل ملجائیگا۔

اپنی چہوٹی بچی کو مینے اس طرح تین برس کے سن سے تہوڑا تہوڑا ہر روز پڑہانا شروع کیا اب وہ سات برس کی ہے اور کوئی چہہ مہینے سے جو جو آسان کتابیں میں اُسکو دیتی ہوں سب پڑہ ڈالتی ہے اور اب وہ ایسی کتاب دیکہنے کی شوقین ہو گئی ہے کہ تین وقت کے کہانے کے بجائے ایک ہی وقت کا اُسکو دیا جائے تو اُسے قبول ہے۔ مگر کتاب دیکہنے سے باز رہنا ہرگز قبول نہیں۔

خیر اب مجہے اس بارہ میں زیادہ کچہہ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں دیکہتی ہوں کہ آپ لوگوں میں ہی مسز کریم خاں ایک عمدہ مثال موجود ہیں۔ جنہیں کتب بینی کا شوق بچپن سے دلایا گیا ہوگا میں کہہ سکتی ہوں کہ اسوقت اُنکی علمی قابلیت مجہہ سے بہتر ہے۔

میری نصیحت یہ ہے کہ آپ لوگونکو چاہئے کہ اگر خود انگریزی نہ بہی آتی ہو تو اپنے بچونکو بچپن سے انگریزی زبان کی تعلیم دلائیں تاکہ وہ کتابیں جو خاص بچونکے لیئے لکہی جاتی ہیں پڑہ سکیں اور اُنہیں پڑہنے کا شوق پیدا ہو۔ میں انگریزی کتابیں اسلئے کہتی ہوں کہ میں نہیں سمجہتی کہ بچونکے بکار آمد کتابیں جیسی انگریزی زبان میں موجود ہیں ویسی اردو زبان میں بہی ہوں انگریزی کے علم کی وسعت بے انتہا ہے اور اُنکی شائستگی بہ نسبت اور کتابوں کے بڑہی ہوئی ہے۔ جو تہا نقص لڑکوں اور لڑکیونکے بچپن کے برتاؤ کے درست کرنے سے رفع ہو سکتا ہے۔ مینے سنا ہے کہ آپ لوگونکے یہاں تہوڑے ہی دنوں تک لڑکے اور لڑکیاں مل جلکر کہیل کود سکتے ہیں تو چاہئے کہ یہ تہوڑا زمانہ بہی اچہی طرح کام میں لایا جائے جہانتک ممکن ہو سکے ماں بہائیونکو بہنونکے ساتہہ مہذبانہ برتاؤ برتنا سکہائیں تاکہ بہائی ابتدا سے اپنی بہنوں سے محبت اور نرمی سے پیش آئیں۔ اور اُنہیں درگذر کرنے کی عادت پڑے سب لوگ یہ خیال کر سکتے ہیں کہ کسقدر قابل توجہ یہ امر ہے کیونکہ اسکا اثر آئندہ کی زندگی اور برتاؤ پر پڑتا ہے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ہر قوم میں صدہا ایسے گہر ہیں جہاں بیٹے ماں

سے بے پرواہیں اور بھائی بہنوں سے اور میاں بیبیوں نے بدزبانی اور بدسلوکی کرتے ہیں۔ اسیطرح سے بچپن میں یا بڑے ہوکر ماں کو نہیں چاہئے کہ بیٹے کی کسی قسم کی بدزبانی یا بیہودگی کو جائز رکھے یا درگذر کرے اگر ایسا قصور اُس سے ہو تو ماں کو چاہئے کہ فوراً اُسکو سزا دے جسطرح پر اُسکے امکان میں ہو نہیں تو خوف ہے کہ وہ لڑکا بدتمیز لاپروا اور خودغرض ہوجائیگا۔ اور رفتہ رفتہ اُسکا بڑا پھل پائیگا۔

اب اے میرے دوستو میں نے آپ لوگونکو بہت دیر تک تکلیف دی اور اب میں اس تقریر کو ختم کرتی ہوں۔

۲۱۹

منجھلا بچہ - مارا -

بیگم - مارا ہیں (مارتے ہوئے) دہوں دہوں پٹ پٹ پٹ پٹ - ہیں ہیں - ہیں ہیں - اب بھی مارےگا ؟

بچہ - ہاں مارینگے -

بیگم - ہائیں -

بچہ - (ہاتھ چھڑکر) اے ئے ئے - (منہہ چڑاتا ہوا بھاگ جاتا ہے)

سعیدہ - توبہ بی کیسے ڈھیٹ بچے ہیں - مار کا بھی اثر نہیں - اماں ذرا اچھی طرح خبر نہ لی

بیگم - اچھی طرح خبر نہ لی تو کیا مار ڈالتی - کمبخت - نامراد - نوج ایسی کڑہن ہو - اچھی طرح خبر نہ لی - کرتوت اپنے خبرلوں بچونکی - دن دیکھیں نہ رات - دوپہر دیکھیں نہ تیسرا پہر ہر وقت لاڈو کی کتابیں بکھری پڑی رہتی ہیں بڑی پڑھنے والی نکلیں - ایک یہی تو پڑھنے والی رکھی ہیں نا -

سعیدہ - اے لو اب میرے سر ہوئیں - اچھی بی میں نے کیا کیا - آخر کسی وقت پڑھنے کا حکم مجھے بھی ملیگا یا نہیں صبح تھی تو صبح دو پٹے رنگنے میں لگا دیا شام کو وہ چھڑا ہوتا ہے کہ کانوں پڑی آواز نہیں سنائی دیتی دوپہر کو فرصت کا وقت نکالا تھا سو . . . . .

بیگم - بس اب آتھمیگی تہوڑا ہی - میں یہ کہتی ہوں کہ کتابیں ڈھنگ سے کیوں نہ رکھکر گئی -

سعیدہ - اور کیا ڈھنگ سے رکھتی - صبح کوٹھے طاق میں رکھیں تیں وہاں یہ شیطان پہنچگئے اب الماری میں رکھکر کنڈی لگا گئی تھی -

بیگم - وہاں بھی یہ پہونچ گئے کنڈی ہی کھول لی کیوں خواہ مخواہ طوفان لیتی ہے -

سعیدہ - طاق پر تو گاؤ تکیہ پر سے چڑھکر پہنچے اور یہاں لکڑی سے کنڈی کھول لی -

بیگم - بس مجھسے زبان نہ چلا - مجھے یہ زبان درازی اچھی نہیں معلوم ہوتی - زبان چلائیو اپنی

بیگم - مارا؟ اجی مارتی تو خدا جانے یہ کیا دُہائی مچاتی جو بن مارے یہ سال ہے - اسے تو مینے اتنا کہا تہا کہ کتابیں ڈہنگ سے رکہا کر کہ ٹپ ٹپ ٹپ آنسو بہنے شروع ہوگئے -

میاں - غیرت مند نرم دل لڑکی ہے سنتے ہی تو خواہ مخواہ اسے ڈانٹا -

بیگم - نرم دل ہے - بہائی بہن سے تو ایسی کڑی کہ نوج ایسی بہن ہو کسی کی دو کتابیاں کیا پہٹ گئی ہیں کہ اُنکے بدلے بہائیوں کا خون پینے کو تیار ہے بس چلے تو -

میاں - بس کیوں الٹی سیدہی اُس غریب کے سر ہوئیں چہوڑو اُسکا پیچہا اور بچوں کی خبر لو کیسا بڑا اُٹہایا ہے -

بیگم - بڑا اٹہایا ہے - میرے بچے تو ایسے ہیں کہ کسی کے ہو تو لیں - مگر وہ تو کمبختو نکی قدر ہی نہیں -

میاں - اچہا اچہا سن لی تعریف آپ کے بچوں کی اب ذرا ماما کو اُٹہاؤ شام کو کچہ نکی فکر کرو - دو دوستوں کی دعوت ہے (یہ کہکر میاں لڑکی کو پچکارتا ہوا اوپر کوٹہے پر اپنے کمرے میں چلا جاتا ہے)

بیگم - تو یک نہ شد دو شد - بڑہیا پکانے والی کے گہر میں وہ بیماری پہیلی ہے کہ آج تین دن سے انکا پتہ نہیں - کمبخت کے گہر جلنے کو ر ذرا گ لگتی ہے اب تک بازار سے سودا سلف لیکر نہیں آئی مریم ہیں کہ بارہ بجے سے سنا رہی ہیں - .... اری او مریم - مریم - مریم - اری او مریم سانپ سونگ گیا - (ماتہوں سے ہلاکر) اری اُٹہ مردار -

مریم - (آنکہیں ملتی ہوئی غصے سے) بس بی بس یہ نہو گا کہ بے قصور جوتیاں کہائینگے - صبح سے ایک پاؤں پہرتی رہی اب گہڑی بہر کو ذرا کمر سیدہی کرنے لیٹی تہی کہ - ....

بیگم - بس بس زبان درازی اس نگوڑی کو روز روٹی کو دن لگے ہیں وہ وقت بہول گئی کہ قحط زدہ آئی تہی تن پہ لتہ تک نہ تہا - نمک حرام کمبخت مردار -

ماما۔ بس بی بس۔ رکھو اپنی نوکری کو ہاتھ بیچا ہے ذات نہیں بیچی۔
بیگم۔ ہائیں ہائیں۔ یہ برقعہ اوڑھکر کدہر چلی۔ ننھے ذرا باہر عبداللہ کو آواز دیکھو کہ اس چڑیل کو جانے نہ دے۔

دوسرا ایکٹ

(وہی مکان وقت ۸ بجے شب)

میاں۔ کہانے میں کیا دیر ہے۔
بیگم۔ اپنی ماما سے پوچھو۔ صاحب یہ عذاب ہم سے نہیں اُٹھایا جاتا۔ دعوت کیا کرو تو باورچی کو بلایا کرو۔ اور خدا جانے۔ کمبخت کہانے کہانے کو آجاتے ہیں انکے اپنے بہی گہر ہیں یا نہیں۔
میاں۔ اجی جاؤ تم کہانے کو دیکھو اور جو تیار ہوگیا ہو تو جلد باہر بہیجدو ایک صاحب ریل پر جانے والے ہیں۔ (باہر چلا جاتا ہے)
عبداللہ ملازم۔ (زور سے پکار کر) باہر کہانا دیدو۔
ماما۔ صبر کر ایسی دہائی نہ ڈال۔
عبداللہ (تہوڑی دیر بعد) دسترخوان اُجلا دیدو۔
بیگم۔ (ماما سے) اُجلا کہاں دہرا ہے اس موئے کو یہی صفائی رہتی ہے۔
ماما۔ بیگم کل ہی تو ایک دسترخوان دہوبی کے ہاں سے آیا تہا۔
بیگم۔ اُسکا بچوں نے جزدان بنا لیا۔ تو کہدے کہ اب تو یہی بچہادے۔ اور دیکھیو ان بچوں کو جلدی سے کپڑے پہنا دے یہ کیسے میلے ہو رہے ہیں باہر مردوں میں کہانا کہائینگے۔

ایکٹ تیسرا

(مکان زنانہ وقت دس بجے شب)

میاں۔ یہ کیا۔۔۔۔

بیگم۔ آئے گرم ہوتے ہوئے۔ پیس موئی پکا موئی ۔۔۔۔۔ یہ تو ہم جانتے ہی تھے کہ آخر میں یہ انعام ملیگا۔ صبح سے یہ وقت آگیا ہے کہ انہیں مہمانوں کے دھندے میں لگی ہوں اسوقت تک کھیل کا دانا منہ میں نہیں گیا چولہا جھونکتے جھونکتے آنکھیں پھوٹ گئیں دو ڈھنٹوں مامائیں سو انہیں کسی بات کا شعور نہیں۔۔۔۔

میاں (غصے میں) اجی مامائیں پڑیں چولہے میں۔ تم نے آج میری ساری عزت خاک میں ملادی چار بھلے مانسوں کی دعوت کی تھی سو وہ کرکری ہوئی کہ توبہ ہی ہے۔ سیلا دستر خوان جس میں سے بو کے بھپکے کے بھپکے چلے آتے تھے۔ بے قلعی کے برتن پھر کھانا اس بے ڈھنگ پنے سے نکالا گیا کہ اللہ کی پناہ۔ میٹھے چاول رنگارنگ کی تشتریوں میں تھے کوئی تانبے کی تو کوئی تام چینی کی کوئی غوری تھی تو کوئی ہشت پہلو۔ قورمہ چار کی پیالی کی پچوں میں نکالا گیا تھا پلاؤ اُن گہرے تام چینی کے ڈھوبروں میں۔ غرضکہ کوئی چیز قرینہ سے نہ تھی۔ کیا چینی کا کھانے کا سٹ غارت ہوگیا تھا یا لڑکی کے جہیز کے لئے سینتا گیا ہے پھر کھانے پکتے تو میٹھے چاول بالکل گلتی۔ پلاؤ میں نمک ہلاہل۔ قورمے میں رونق کا تار تک نہیں۔ کباب سخت پتھر کے روڑے جیسے اور پھر ہلدی کی ہراند ایسی کہ بس توبہ ہی بھلی اور پھر سب پر طرّہ یہ کہ صاحبزادہ کو ننگا دھڑنگا باہر بھیج دیا وہ سیدھے ایک بھلے مانس کے گلے میں بانہیں ڈالکر چمٹ گئے افسوس میں اپنی قسمت کو کہاں جاکر پھوڑلوں۔

بیوی - لو صاحب یہ دن بھر کے دیدے پھوڑنے اور چولھے میں منہ جھونکنے کا انعام مل رہا ہے۔ کہا! خراب کیا نوکروں نے خفگی اُتری ہم پر۔ برتن جیسے تمہارے گھر میں تھے سینے رکھدئے اور کہا میں اپنے برتن بنا دیتی۔ اور میری جوتی کو کیا غرض ہے جو میں بیٹی کے جہیز کے لیئے جوڑ دنگی اسکے نصیب کا ہو گا تو بہت کچھ ہو جائیگا۔ چینی کا سٹ تو آپکے بلند اقبال نے توڑ ڈالا۔ وہ تو خیر ہوئی کہ بچے کا منہ بچگیا۔ چھوٹے کا صبح ہی ہونٹ پھٹ چکا ہے۔

میاں - کیا سٹ شہید ہوا۔ لاحول ولا قوۃ۔ سچ مچ نصیب پھوٹ گئے۔

بیوی - بس صاحب بس۔ مجھے یہ فقرے نہیں سے جائینگے ایک دفعہ سن لیا دو دفعہ سن لیا بس سلام ہے آپ کے گھر بار کو کہ ہر پھر کے وہی فقرے نصیب پھوٹ گئے نصیب پھوٹ گئے نصیب تمہارے پھوٹ گئے یا میرے پھوٹ گئے۔ تمہارے تو نصیب پھوٹے جب ہے بڑے میاں اور بڑی بیوی مریں کہ وہ کچا دیدیتے تھے اور میاں گلچھرے اُڑاتے تھے۔ گھر میں تو میاں کے کچھ نصیب نہیں اور ذرا ایسا چلاتے ہیں کہ جیسے کوئی راجہ نواب ہو۔ اور پھر نہ موقع دیکھیں نہ وقت جو منہ میں آیا کہدیا۔ اپنی طرف سے کسّا ہی کر دو مگر کچھ نہیں۔ میں اب کسی کو ہاتھ نہیں لگا نیکی تم اپنا گھر بار جسطرح جی چاہے چلانا۔ اور جس طرح سمجھ میں آئے اللّے تللّے سے روپیہ اُڑانا۔ لو اور سنو کہ نصیب پھوٹ گئے۔ . . .

(باہر سے کسی کی آواز آتی ہے) اری کریما جا ذرا دیکھیو یہ عبد اللہ کیوں آواز دے رہا ہے

کریما - (دوڑی ہوئی جاکر دروازے سے باہر آتی ہے) سرکار، تحصیلدار صاحب آئے بیٹھے ہیں

میاں - ستم ہوا، ساری آوازیں باہر دیوانخانے میں جا رہی ہونگی۔ یہ گھر تو بھٹیار خانہ ہو گیا۔ خدا اپنی امان میں رکھے (باہر چلا گیا)

بیگم - بھٹیار خانہ تو آپ سے آپ ہو گا جب تا نا شاہی مزاج ہونگے۔

(زاہدی دہلوی)

تعلیم اور اُسکے فائدے اور نقصان

ناظرین اس سے پیشتر جناب ایس بی صاحبہ دہلوی کا مضمون پڑھ چکے ہیں۔ ایس بی صاحبہ بلحاظ اپنی علمی لیاقت اور خاندانی اعزاز کے ایک اعلیٰ درجے کی خواتین میں سے ہیں۔ مفصلہ ذیل مضمون میں جو خیالات اُنہوں نے ظاہر کئے ہیں اُس سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ کس درجے پاکیزہ اور عالی خیال خاتون ہیں۔ جو حضرات اسوقت تک پرانے خیالات کی تقلید میں مبتلا ہیں اور بلا تجربے اور مشاہدے کی شہادت کے کہا کرتے ہیں کہ عورتیں تعلیم حاصل کرکے امور خانہ داری سے اور بچوں کی پرورش سے لاپروائی کرنے لگینگی اُنکے لئے ہمارے قابل عزت نامہ نگار کا مضمون شافی جواب ہے۔ ہمارا یقین ہے اور اُس یقین کی بنیاد پر ہم عملی کام کرنیکو آمادہ ہیں کہ جب تک مستورات تعلیم یافتہ نہونگی اُسوقت تک مردوں کی تعلیم کے لئے کوشش محض لاحاصل ہے۔ مرد کتنی ہی ڈگریاں اور ڈپلومے کیوں نہ حاصل کریں لیکن جب تک سب سے بڑی ڈگری جو صرف آغوش مادری میں حاصل ہوتی ہے حاصل نہ کرینگے اُن کی تعلیم ادھوری رہیگی اور وہ نیم مُلا خطرہ ایمان کے مصداق رہینگے۔ ہوم ایجوکیشنل یعنی وہ تعلیم اور تربیت جو تاریخ پیدایش سے شروع ہوتی ہے اور جسکی معلم ایک یعنی ماں ہے ہندوستان میں ابتک شروع ہی نہیں ہوئی۔

اڈیٹر

لیکن علم کا درجہ دستکاری سے بہت بڑا ہوا ہے چونکہ علم کی حاجت ادنیٰ اعلیٰ سب کو یکساں ہے ایک متمول بہن اور ایک غریب بہن دونوں تعلیم سے ایک ہی قسم کا فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ لیکن دستکاری سے ضرورتمند مستورات کو جتنا فائدہ پہونچ سکتا ہے اُتنا اور کسی کو نہیں ملتا پس اس خیال سے کہ پڑھکر لڑکیاں کسی دستکاری کی طرف توجہ نہیں کرتیں اسلئے اول تو تعلیم دلوائی نہ جائے اور دلوائی ہی جائے تو بہت معمولی درجے کی ایک غلط اور ناسمجھی کی بات ہے۔

آیس-بی- دہلوی

ملکہ جوسیفین کی سرگذشت

•• آجکل دنیا میں کون ایسا آدمی ہوگا جو بوناپارٹ نپولین کے نام سے واقف نہو۔ نپولین ایک بہت ہی بڑا نامی سپہ سالار اور بہادر شخص ہوگذرا ہے۔ وہ دنیا کے حکمرانوں اور فاتحوں میں ایک چوٹی کا شخص سمجھا جاتا ہے۔ وہ تہا تو ایک سپاہی زادہ۔ لیکن خداداد بہادری اور قابلیت اور ہمت نے اوسکو ایسا اوبہارا کہ اپنے زمانہ کے سب بادشاہوں میں اول درجہ کا بادشاہ بن گیا۔ دکل فرنگستان کو تہوڑے عرصہ میں کچہہ کا کچہہ بنا دیا۔ فرانس جرمن۔ اٹلی۔ ہسپانیہ اور آسٹریا اور مصر اور شام اور ہالینڈ اور بلجیم وغیرہ ملکوں کو اپنی تلوار کے زور سے فتح کرکے کسی ملک کا بادشاہ اپنے بہائیوں میں سے کسیکو بنایا اور کسیکا بادشاہ اپنے بہنوئی کو کیا۔ اور بہت بڑے حصہ پر خود حکومت کرنے لگا۔ بہت بڑی بڑی فوجیں یہہ بہادر شخص آناً فاناً میں اپنے جہنڈے تلے جمع کرلیتا تہا لاکھوں آدمی ایک ایک لڑائی میں گاجر مولی کیطرح کٹ کٹ کر ڈہیر ہوجاتے تہے لیکن اس نے بہی اونپر کچہہ ایسا جادو کر رکھا تہا کہ روز بروز لوگونکی وفاداری اور محبت میں ترقی ہی ہوتی جاتی تہی اور نپولین کے نام پر اپنی جان کا قربان کرنا کچہہ بڑی بات نہ سمجھتے تہے ایک مرتبہ نپولین نے روس پر حملہ کیا۔ روس کا اکثر علاقہ بالکل ویران پڑا ہے سیکڑوں کوس تک جنگل ہی جنگل نظر آتا ہے۔ نہ آدمی کا کہیں پتہ چلتا ہے نہ دیہات اور قصبات کا۔ ندی۔ نالے۔ جھیلیں بہت ہیں۔ اور بھیڑیوں کی تعداد ٹڈی دل کو بہی مات کرتی ہے۔ ایسے خوفناک ملک پر نپولین نے چڑھائی کی اور آٹھہ سو میل خشک جنگلوں اور ویرانہ دشتگاہوں کو طے کرکے اوسکے دار الخلافت ماسکو میں پہونچا۔ روسیوں نے اپنے دشمن کے

جنگلوں۔ پہاڑوں۔ ویرانوں اور برفانی ملکوں میں جہاں کہیں بہی نپولین فوج لیکر پہونچتا تہا جوسیفین سایہ کیطرح اوسکے ساتہہ رہتی تہی۔ نپولین کے خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اوسے رات کو اپنے مکان یا خیمہ میں لوٹکر آنے میں کتنی ہی دیر کیوں نہ لگ جاتی لیکن جوسیفین ہمیشہ اوسکا انتظار کرتی رہتی اور بلا اوس کے آئے کہانا و سونا اپنے اوپر حرام سمجہتی تہی۔ ایک مرتبہ نپولین نے اوس سے وعدہ کیا کہ میں تم کو ایک بڑے سفر میں ساتہہ لیچلونگا۔ لیکن یکایک اوسکو اپنے ماتحتوں کا خط پہونچا کہ [illegible] پہونچو ورنہ تخت لوٹ جائیگا۔ یہ خط اوسکو شام کے قریب ملا اوس نے راتوں رات کوچ کا حکم دیا۔ لیکن اپنی پیاری جوسیفین پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ کہ وہ بہی ساتہ جانے پر اصرار کرے گی اور ایک خطرے کے مقام پر اوسکا ساتہہ چلنا کسیطرح مناسب نہیں آدہی رات کو اوس نے پیار گہوڑے کی گاڑی منگوائی اور سوار ہونے کو کمرے سے باہر نکلا۔ جوسیفین اپنے کمرے میں سو رہی تہی کہ پانوں کی آہٹ سے آنکہہ کہل گئی اوسنے کہڑکی سے جہانک کر دیکہا تو نپولین کو گاڑی کے پاس کہڑا پایا۔ اور سفر کی سب تیاری ہو چکی تہی۔ وہ فوراً بے تاب ہو کر اوسیحالت میں سونے کے کپڑے پہنے ہوئے باہر نکل آئی اور پیشتر اس کے کہ نپولین گاڑی پر سوار ہوتا اوسکے گلے میں باہیں ڈالدیں اور التجا اور آرزو سے مغلوب کرنے والے لہجے میں کہا کہ مجہے چہوڑ کر آپ کہاں جاتے ہیں۔ بادشاہ ایسے زبردست محبت کرنے والے کی خواہش کے خلاف کیا کر سکتا تہا اوسیحالت میں کمبلوں اور گرم بارانکوٹ میں اوسکو لپیٹ کر اپنے پہلو میں بٹہا لیا اور چلدیا بعض وقت ایسا بہی ہوا کہ بادشاہ اوسکو اپنے ساتہہ نہ لیجا سکا تو جب تک روزانہ اوسکا خط نہ پہونچ جاتا تہا بے چین رہتی تہی۔ بادشاہ کا ایک چہوٹا سا باغ تہا اوسمیں جاکر تنہائی میں بیٹہکر اوسی کے خیال میں ڈوبی رہتی تہی گویا کہ حاضری اور غیر حاضری میں ہر دم جوسیفین کا دل اپنے شوہر ہی میں پڑا رہتا تہا۔ بادشاہ بہی اسقدر جذ

جوسیفین سے محبت کرتا تہا کہ جب کبہی جوسیفین اوس سے علحدہ ہو جاتی تہی تو رنجیدہ اور بیکل ہو جاتا تہا۔ سخت لڑائی کے ہنگامے میں جہاں ہزاروں آدمیوں کی جانیں تلف ہوتی تہیں وہاں بہی اپنی جوسیفین کا خیال اوسکا پیچہا نہ چہوڑتا تہا۔ ایک خط میں اوس نے جوسیفین کو لکہا کہ نہ معلوم تم نے مجہپر کیا جادو کیا ہے رات کو لڑائی کے بعد لوگ تہکے ماندے اپنے اپنے خیمہ میں آرام کرتے ہیں اور مجہے تمہارا خیال بے چین رکہتا ہے۔ ضروری کاموں کے علاوہ جتنا وقت ہوتا ہے وہ تمہاری ہی یاد میں کٹتا ہے +

نپولین اور جوسیفین کے لیئے ایک دوسرے کی محبت اور چاہت کی زندگی گویا دنیا میں ایک پر لطف بہشت تہا۔ اب ان کی شادی ہوئے پندرہ برس گذر گئے لیکن کسی نے کہا ہے کہ جہاں پہول ہے وہاں کانٹا بہی ضرور ہوگا۔ اب دونوں کی عمر بہی چالیس سے تجاوز کر گئی۔ لیکن اون کے کوئی اولاد نہوئی۔ نپولین کو یہ خیال کانٹے کی طرح ہر وقت کہٹکنے لگا۔ جہاں وہ جواں مرد اور بہادر اور مدبر تہا وہاں وہ اول درجہ کا حریص اور خود غرض بہی تہا۔ اپنی زندگی کی تو وہ سب امنگیں پوری کر چکا تہا لیکن اوسکی حرص اور خواہش ایسی محدود نہ تہی کہ اوسکی زندگی کے ساتہ اوسکا بہی خاتمہ ہو جاتا۔ وہ قیامت تک اپنے نام کا سکہ بٹہا کر دنیا چہوڑنا چاہتا تہا۔ ایک معمولی آدمی سے بادشاہت کے درجہ کو پہونچا اب اوسکو یہ کیسے گوارا ہو سکتا تہا کہ اوسکی بادشاہت اوسی کی زندگی کے ساتہ ختم ہو جائے اور اوس کے بعد دوسرے لوگ اوس کے جانشین [illegible] اولاد کی خواہش اسدرجہ بڑہی کہ آخر کار وہ جوسیفین جیسی بی بی کی وفاداری اور چاہت پر غالب آگئی اور نپولین نے ارادہ کر لیا کہ اولاد کی خاطر جوسیفین کو طلاق دیکر کسی دوسری عورت سے شادی کریگا۔ دل کا راز ایک عرصہ تک جوسیفین پر ظاہر نہ ہونے دیا لیکن آخر کار جوسیفن کے کانوں تک بہی بہنک پہونچ گئی اب وہ مغموم رہنے لگی

چہرہ کا رنگ بدل گیا وہ محل جہاں ہر وقت جشن رہتے تھے اب رفتہ رفتہ ماتم کدہ سا
نظر آنے لگا نپولین خود بھی اندر ہی اندر گھلا جاتا تھا اور اوس کے چہرہ کا بھی رنگ نکل
اوڑگیا تھا اور زرد پڑگیا تھا۔لیکن لطف یہ ہے کہ رنج کا سبب دونوں جانتے تھے
مگر اس بارہ میں کسیکو دوسرے سے ذکر کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔نپولین کو تو وہ
جوسیفین سے بات کرنے کی بھی جرأت نہوتی تھی۔لیکن تا بکے اعلان کا تکلیف دہ
وقت بھی آ پہونچا۔ایک روز شام کو دعوت تھی۔مہمان کھانا کھاکر رخصت ہوئے
نپولین اور جوسیفین دونوں میں سے کیسکے حلق سے ایک نوالہ نہ اُترا تھا۔آنیوالی
مصیبت نے محل کے در و دیوار پر ایک بھیانک ماتمی چادر اوڑھا دی تھی۔جب سب
لوگ چلے گئے اور کمرہ میں صرف بادشاہ اور ملکہ رہگئی تو نپولین ہمت کرکے اوٹھا
اوسکے ہاتھ کانپ رہے تھے پانوں لڑکھڑا رہے تھے چہرہ پر مردنی چھائی ہوئی تھی
اول دروازہ بند کیا پھر جوسیفین کے پاس پہونچا اور اوسکا ایک ہاتھ لیکر اپنے
کلیجے پر رکھہ لیا اور نہایت ہی پر درد آواز میں اوسکی طرف مخاطب ہوکر بولا "
جوسیفین۔میری اچھی جوسیفین۔میری اچھی جوسیفین۔تم جانتی ہو مجھے تم سے
کسدرجہ محبت ہے۔مجھے اپنی زندگی بھر میں جو کچھہ بھی خوشی نصیب ہوئی ہے وہ
صرف تمہاری ہی برکت سے ہوی ہے۔جوسیفین میری تقدیر میرے ارادہ پر غالب
آگئی ہے۔میں دنیا میں سب سے پیاری چیز یعنے تمہاری محبت کو اپنے ملک کی آیندہ
بہبودی پر قربان کرنے کے لیئے مجبور ہوں۔ابھی نپولین کے مُنہ سے پوری
بات بھی نکلنے نہ پائی تھی کہ جوسیفین کے دل پر ایک بجلی سی گری اور وہ بیہوش
و حواس غش کھاکر کرسی سے گری۔نپولین پر سخت خوف طاری ہوا کہ کہیں مر نہ جائے
اوس نے ملازموں کو بلایا جو جوسیفین کو اوٹھاکر دوسرے کمرے میں لے گئے
لیکن جنون کی حالت میں یہ فقرے اوسکی زبان سے سنائی دیئے "ہائے نہیں

صاحبو کیا خدائی میں بھی آپ ہیں ۔ کسیکو کچھ دخل ہے کیا جوسیفین اور نپولین کا قصہ آپکے لیئے کافی عبرت نہیں کہ انسان کے سب منصوبے ہیچ ہیں اور جو خدا کی مرضی ہوتی ہے ۔ وہی ہوکر رہتا ہے ۔ نپولین نے اس خودغرضی سے کہ آیندہ یہ نام رہے اور میری پیدا کی ہوئی سلطنت میری اولاد کو ملے اپنی پیاری اور پیار کرنے والی جوسیفین کو طلاق دی اور اوس پر مصیبت اور تکلیف کا پہاڑ گرایا لیکن کیا نتیجہ ہوا ۔ دوسری شادی بھی ہوئی ۔ بیٹا بھی پیدا ہوا ۔ لیکن اوس کے دیکھتے ہی دیکھتے نہ حکومت رہی نہ آیندہ نام چلنے کی کوئی امید باقی رہی میاں جیسے تھے ویسے ہی رہگئے اِن وفادار اور محبت کی پتلیوں کو طلاق دیکر علیحدہ مت کیا کرو اگر اولاد نہیں ہوتی تو تم سے بڑھکر کہیں تمہاری بیویوں کو رنج اور صدمہ ہوتا ہے کیا آپکا انصاف اور حمیت اِس بات کو گوارا کرتے ہیں کہ آپ بجائے اون کی تشفی اور دلجوئی کے اونکو طلاق دیدیں یا دوسری شادی کرکے جلتے کو اور بھی جلائیں ۔

طلاق بالخصوص بری چیز ہے یہ ایک اخلاقی بدی ہے جس سے ہر نیک خداترس اور مہذب انسان کو پرہیز کرنا چاہیئے ۔ ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں :۔

اَبْغَضُ الْمُبَاحَاتِ عِنْدِی الطَّلَاقِ

(یعنے جو کام جائز قرار دیئے گئے ہیں اون سب میں طلاق ایک ایسی بری چیز ہے جس سے مجھے سخت نفرت ہے)

(ایڈیٹر)

برسات

از نتائج طبع منشی محمد صادق علیخانصاحب صادق

ذیل کی نظم ہمارے دوست منشی محمد صادق علیخانصاحب صادق نے ایسے زمانے میں لکھی ہوگی جب موسم کی کیفیت اور کشمیر کی کالی کالی دلفریب گھٹائیں انکی آنکھوں کے سامنے ہونگی اور وہ اس عجیب نظارے کا لطف اٹھا رہے ہونگے جو انہوں نے اس نظم میں ظاہر کیا ہے۔ گو موسم تو باقی نہیں رہا لیکن اس خوشگوار موسم کی یاد تو ناظرین کے دل میں ہنوز تازہ ہوگی۔ اسلئے یقین ہے کہ یہ نظم لطف کیساتھ پڑھی جائیگی۔

آؤ گھٹاؤ، آؤ گھٹاؤ
مینہ برساؤ مینہ برساؤ
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آئیں
پتے پتے نے تان اڑائی
مردہ زمیں پھر زندہ ہوئی ہے
آئیں گھٹائیں آئیں گھٹائیں
اودی گھٹائیں جھوم کے آئیں
مستانہ رفتار ہے پائی
دوش صبا پر بیٹھ کے آئیں

سطح فلک پر آکر چھاؤ
موتی فرش زمیں پہ لٹاؤ
پیاری پیاری صدائیں آئیں
بوٹے بوٹے میں جان آئی
ہر وادی زینده ہوئی ہے
آؤ راگنیاں مل گائیں
پربت کا منہ چوم کے آئیں
اڑتے ہیں رہوار ہوائی
دھوم میں پرندوں نے ہیں مچائیں

جوگن کی صورت میں آئیں
دشت وچمن ہلاکر نکلیں
کوہ ہمالہ سے ٹکرائیں
چلتی ہے کیا ہی نسیم بہاری
چھا ہی گئیں گھنگھور گھٹائیں
نارنجی کافوری گھٹائیں
کیا ہی اُفق پہ چمکی ہے بجلی
دل بادل بڑھتی ہیں گھٹائیں
سانپونکی صورت ہیں اُچھلتی
برق کا شور اور رعد کا کڑکا
سارے جگت میں حشر مچایا
شور رہا اب کچھ کچھ مدہم
چلتے ہیں بادل رپ رپ جھم جھم
ٹپ ٹپ ٹپ ٹپ چھم چھم چھم چھم
آئی ہیں کالی کالی گھٹائیں
اودی پیاری کافوری گھٹاؤ
کالی دھواں دھار گھٹاؤ
کیسے ہیں اُڑکر تم تک آؤں
جال جہاں پر تمنے بچھایا
پڑ گیا لو گھمسان کا وہ رن
اب کس ملک پہ ہوگا دھاوا

گیسو کھولے جہان پر چھائیں
شہر اور بن کو بسا کر نکلیں
پنجاب اور کشمیر پہ چھائیں
ہلکی ہلکی پیاری پیاری
پرزور اور پرشور گھٹائیں
چھائیں محشر خیز گھٹائیں
کیا ہی اُچھلتی لپکتی ہے بجلی
کیا کشتی لڑتی ہیں گھٹائیں
مُنہ سے ہیں انگارہ اُگلتی
ڈالتا ہے سینوں میں دھڑکا
عالم کو سر پر ہے اُٹھایا
بارش پڑتی ہے کم کم کم کم
ہوتی ہے بارش جھم جھم جھم جھم
رُک رُک رُک رُک تھم تھم تھم تھم
کالی اور متوالی گھٹائیں
گوری بھوری بھوری گھٹاؤ
سانولی گوہر بار گھٹاؤ
کیسے میں آکر تم میں سماؤں
ہوش مرا پھندے میں پھنسایا
چلتی ہیں توپیں دن دن دن
کچھ بولو ہے عزم کدہر کا

میرے وطن پر چھاؤ گھٹاؤ
آؤ گھٹاؤ آؤ گھٹاؤ
تمنے جو اپنا آنچل جھاڑا
تمنے جو موتی رول دئے ہیں
ہری بھری ہے کونپل کونپل
کھیت کھڑے ہیں دھانی دھانی
کوئیل اور پپیہا بولا
سن لو قمری کی کوکو کوکو
طوطے نے کیا شور مچایا
ٹیں ٹیں ٹیں ٹیں چوں چوں چوں چوں
کرتے کبوتر ہیں غوں غوں غوں
پیاری ہے بلبل کی بولی
پڑتے ہیں سب ڈالی ڈالی
صادق للہ اب باز آؤ
نکلو کاندھے پہ رکھکر کمبل

رحمت کا پانی برساؤ
پر اک چھینٹا دے کر جاؤ
سارے جگت کا روپ نکھارا
پھولوں نے منہ کھول دئے ہیں
اور جنگل میں ہوگیا منگل
ہوگئے میداں پانی پانی
ناچ رہا ہے مور ممولا
اس میں ہے مجبور دنگی خوشبو
منہ اسکا مینا نے چڑایا
میں میں میں میں توتو توتو
میٹھی چڑیاں چوں چوں چوں چوں
پھولوں نے ہیں آنکھیں کھولی
ہر ڈالی نازوں کی پالی
گھر میں بیٹھے ملہار نہ گاؤ
دیکھو جاکے پہاڑ اور جنگل

کوریا کی عورتیں

روس اور جاپان کی لڑائی کے زمانے میں کوریا کی عورتوں کا مختصر حال لکھنا دلچسپی سے خالی نہوگا۔ کوریا جزیرہ جاپان کے مغرب اور چین کے شمال و مشرق میں واقع ہے۔ ۱۸۹۴ء تک کوریا چین کا ایک صوبہ تھا ۱۸۹۵ء میں جاپان نے کوریا فتح کرکے ایک خود مختار حکومت کی بنیاد ڈالی۔ روس نے جاپان کو کمزور پاکر اپنا قدم جمایا اور چاہتا تھا کہ کوریا ہضم کرجائے کہ جاپان نے لڑائی کی تیاریاں کردیں اور اس چھوٹی سی حکومت کو روس کے پنجہ سے چھڑایا۔

دنیا میں شاید ہی کوئی دوسرا ملک ہوگا جس کی عورتوں کے حالات اسقدر کم معلوم ہوں جتنا کہ کوریا کی مستورات کے۔ انکے زنانہ میں مرد تو کیا غیر ملک کی عورتیں بھی دخل نہیں پاسکتیں حال میں ایک جاپانی ڈاکٹر کی بیوی نے بمشکل تمام کوریا کی مستورات کے حالات دریافت کئے ہیں۔ ان حالات کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خاوند اپنی بیوی کے ساتھ نہایت عزت اور وقعت کے ساتھ پیش آتا ہے۔ بچہ پیدا ہونے کے زمانہ میں محبت اور وقعت میں اور بھی ترقی ہوتی ہے۔

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو دروازے پر ایک رسی لٹکائی جاتی ہے۔ اگر لڑکا ہوتا ہے تو اس رسی میں ایک پتہ اور کوئلے کا ٹکڑا باندھا جاتا ہے اور اگر لڑکی پیدا ہوتی ہے تو رسی میں کچھ نہیں باندھا جاتا۔ اہل کوریا کی یہ عجیب رسم ہے کہ اپنی اولاد کے شمار کے وقت وہ لڑکیوں کو نہیں گنتے۔ اگر کسی شخص سے پوچھئے کہ تمہارے کتنے بچے ہیں تو وہ ہمیشہ اپنے لڑکوں کی تعداد بتلاویگا۔ کسی لڑکی کے وجود کے متعلق نہایت مشکل سے اطلاع ملتی ہے۔ سات برس کی عمر تک لڑکیوں کے خاص نام ہوتے ہیں اسکے بعد وہ یا تو اپنے

باپ کے نام سے یا کسی مرد کی بیوی کے نام سے یا بہن کہکر پکاری جاتی ہیں۔

جب کوئی بچہ پیروں چلنے کے قابل ہوجاتا ہے تو ایک کُتا اُسکی حفاظت کے لئے ہروقت اُسکے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ کوریا والونکا خیال ہے کہ روشنی سے بچے کی عقل بڑہتی ہے اسلئے اُسکے کمرے میں ہروقت چراغ جلتا رہتا ہے۔

آٹھ برس کی عمر تک لڑکے اور لڑکیاں ساتھ پڑہتے ہیں اُسکے بعد لڑکے اپنے پیشے کے لئے ضروری علوم سیکھتے ہیں۔ اور لڑکیاں اخلاقی تمثیلیں اور مذہبی مراسم سیکھتے ہیں۔ غریب گھروں میں لڑکیونکو صرف سلائی کا کام سکھایا جاتا ہے۔ غریب لڑکیاں سوئی کے کام میں نہایت ہوشیار ہوتی ہیں اور بہت عمدہ کشیدہ کاڑہتی ہیں جسکے نمونے یورپ کے عجائب خانوں میں رکھے جاتے ہیں۔ کوریا میں سفید لباس زیادہ تر مقبول ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی عزیز مرجاتا ہے تو اُسکے سوگ میں تین سال تک سفید لباس پہنا جاتا ہے۔ اور جب بادشاہ مرجاتا ہے تو تمام ملک کو ماتمی لباس پہنا ہوتا ہے ایک مرتبہ دس سال کے عرصے میں تین بادشاہ مرے اسلئے تمام لوگونکو سفید لباس پہنا پڑا چونکہ بار بار لباس تبدیل کرنے میں بہت خرچ ہوتا ہے اسلئے عام طور پر لوگ سفید لباس پہننے لگے۔

یہ بات عجائبات سے ہے کہ کوریا کی لڑکیاں بہ نسبت لڑکونکے زیادہ دیر میں سن بلوغ کو پہونچتی ہیں اسلئے عام طور پر بیویاں اپنے شوہروں سے چند سال عمر میں بڑی ہوتی ہیں۔

کوریا میں شادی کی مراسم حسب ذیل ہوتی ہیں۔

مرد اپنے کسی دوست کی معرفت ایک خط اُس لڑکی کے والدین کے پاس بھیجتا ہے جسکو وہ اپنے بیوی بنانیکے لئے پسند کرتا ہے۔ لڑکی کے عزیز تحریری جواب بھیجتے ہیں اگر شادی کرنی منظور ہوتی ہے تو خط کتابت کے ذریعے سے

طرفین کے خاندانی حالات معلوم کئے جاتے ہیں اور تاریخ اور وقت پیدائش نہایت احتیاط سے تحریر کیجاتی ہیں کیونکہ اُسی کے لحاظ سے اچھی ساعت نکاح کے لئے مقرر ہوتی ہے۔ نکاح کے دن دُلہن کے گھر سے۔ جہیز میں ہر قسم کی تیاری کیجاتی ہے دولہا کسی سواری پر اپنے باپ کے ساتھ آتا ہے۔ دروازہ پر اُتر کر اپنا منہ شمال کی جانب کرکے دہلیز میں داخل ہوتا ہے۔ وہاں دولہا دوزانو ہوکر دولہن کے لئے ایک جنگلی ہنس رکھ دیتا ہے۔ اگر جاندار ہنس نہیں ملتا تو لکڑی کا ہنس رکھا جاتا ہے دو مرتبہ جھک کر سلام کرکے کسیقدر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اور پھر مغرب کی جانب مُنہ کرکے ٹھیر جاتا ہے اس عجیب و غریب تحفے کی کہانی یوں بیان کیجاتی ہے کہ کسی زمانہ میں ایک شکاری نے ایک ہنس کو شکار کیا لیکن اُس کی مادہ ہمیشہ اُسی جگہ نظر آیا کرتی تھی جہاں اسکا نر مارا گیا تھا۔ اسلئے اس تحفے سے یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ زوجہ اپنے خاوند کے ساتھ ایسی ہی محبت اور وفاداری سے پیش آویگی۔ نکاح کے وقت میاں بیوی راج ہنس کی قسم کھا کر ایک دوسرے سے وفاداری اور محبت کا اقرار کرتے ہیں۔

نکاح کے دن دُلہن اول مرتبہ بالغ عورتوں کا لباس پہنتی ہے مُنہ پر پوڈر ملا جاتا ہے بھووں پر سیاہی اور ہونٹوں پر مسّی لگائی جاتی ہے تین ہیرپن (بالوں کی سوئیاں) جنکے سر پر چڑیاں بنی ہوتی ہیں۔ بالوں میں لگا کر اوپر سے ہلکی ٹوپی پہنی جاتی ہے۔ کرتے کی آستینوں پر اودی پٹی لگائی جاتی ہے اور سرخ رنگ کا پاجامہ پہن کر کمر پر سفید رنگ کی ایک بالشت چوڑی پٹی کس کر باندھی جاتی ہے۔ سفید کف۔ سفید موزے اور سرخ سبز یا اودے ریشم کی جوتیاں عروسی لباس کو مکمل کرتی ہیں۔

آہستہ آہستہ تین خادموں کے سہارے سے دولہن زینہ سے اُتر کر نیچے دہلیز میں آتی ہے اور اپنا مُنہ پنکھے سے چھپا کر مشرق کی طرف رخ کرکے کھڑی ہوجاتی ہے

دو مرتبہ جھک دولہا کو سلام کرتی ہے وہ بھی اسی طرح سلام کا جواب دیتا ہے۔
اسکے بعد دو لڑکیاں دو پیالوں جنمیں سرخ اور سبز رنگ کی دھجیاں پڑی ہوتی ہیں شربت
بھر کر دولہا دلہن کو پلاتے ہیں۔ دولہا دلہن ایک ساتھ گھونٹ پیتے ہیں اور اسطرح نکاح
کی رسم ختم ہوجاتی ہے پھر انکو علیحدہ علیحدہ گھر میں لیجاتے ہیں اور دولہا اور اسکے باپ کو
دلہن کے تمام عزیز ونکے ساتھ دعوت دیجاتی ہے۔ دعوت کے بعد دولہا اپنے گھر کی
راہ لیتا ہے لیکن دلہن جبتک کہ اچھی ساعت نہ آئے رخصت نہیں ہوتی۔

اس دن سے عورت کے لئے نہایت سخت پردہ کی زندگی شروع ہے اپنے شوہر
کے سوا کسی متاہل مرد کے سامنے نہیں ہوسکتی یہانتک کہ اپنے کنبے کے مردوں سے
بھی پردہ کرتی ہے۔

گذشتہ زمانے میں کوریا میں یہ دستور تھا کہ رات کے وقت جب شہر کا دروازہ
بند ہوجاتا تھا تو تمام مرد گھروں میں بیٹھ جاتے تھے اور کوئی شخص باہر نہیں جاسکتا تھا کیونکہ
بڑے گھرانوں کی بیویاں سیر کے لئے باہر آتی تھیں۔ چہرے پر نقاب ڈالے کاغذ کی ایک
قندیل ہاتھ میں لے کر اپنے ملنے والیوں کے گھر پھرتی تھیں۔ لیکن حال میں یہ رسم جو
پہلے قانون کا حکم رکھتی تھی موقوف ہوگئی ہے۔ چوروں اور اچکوں کو خوب لوٹ کھسوٹ
کا موقع ملتا تھا اکثر بیویوں کے زیور اتار لیتے تھے چونکہ پولیس ان چوروں کا کافی انسداد نہ کر سکی
اسلئے رفتہ رفتہ یہ رسم جاتی رہی۔ اب شریف خاندانوں کی بیویاں بہت کم باہر نکلتی ہیں اور جب کبھی رات
کے وقت کسی جگہ جاتی ہیں تو خوب اوڑھ لپیٹ کر اپنے خاوند کے ہمراہ ہوتی ہیں۔ نیچے درجے
کی عورتیں بعض وقت دن کے وقت بھی گلیوں میں دکھی جاتی ہیں لیکن سر سے پیر تک
سبز برقع میں لپٹی ہوتی۔ برقع میں سرخ رنگ کی آستینیں منہ چھپانے کے لئے ہوتی ہیں

ظفر عمر۔

عورتوں کے ساتھ طریقہ برتاؤ

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ نے بیویوں کے ساتھ برتاؤ کرنے کے مفصلۂ ذیل طریقے بتلائے ہیں جو آداب دین میں داخل ہیں اور جنکا اختیار کرنا ہر مسلمان شوہر کے لئے نہایت ضروری و مفید ہے۔

ا- بیویوں کے ساتھ خوئے نیک اختیار کرے اور معنی خوئے نیک کے یہ نہیں ہیں کہ انکو رنج نہ دیوے بلکہ انکی آزردگی اور غصے کی برداشت کرے اور انکے سخت کہنے اور انکی ناسپاسی پر صبر کرے کیونکہ حدیث میں ہے کہ عورتوں کو ضعف سے پیدا کیا ہے اور انکے ضعف کا علاج خاموشی ہے۔ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو خاوند اپنی بیوی کی بدعادت پر صبر کرے اسکو اسقدر ثواب ملتا ہے جتنا حضرت ایوب علیہ السلام کو۔ اور وفات سے بہت تھوڑی دیر پہلے حضور سرور کائنات نے جو تین باتیں زیر لب فرمائیں اُن میں سے ایک یہ تھی کہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرو کیونکہ وہ تمہارے ہاتھ میں قیدی ہیں۔ لکھا ہے کہ حضرت صلعم ازواج مطہرات کا غصہ و تلخی برداشت فرماتے تھے۔ ایک روز حضرت عمرؓ کی اہلیہ نے حضرت کو سخت جواب دیا۔ تو آپ نے نہایت غصے سے اس جواب دینے پر اعتراض کیا۔ تو جواب ملا کہ حضرت صلعم آپ سے بہتر ہیں لیکن ازواج مطہرات انجناب کو بھی ایسے ہی جواب دیتی ہیں۔

اس سے زیادہ نرمی اور برداشت اور کیا ہوگی کہ ازواج مطہرات میں سے کسی نے ایک دن غصہ میں حضرت صلعم کے سینہ پر ہاتھ مارا۔ والدہ نے اپنی بیٹی پر خفگی کی کہ کیوں ایسا کیا۔ اسپر حضرت نے فرمایا کہ معاف کرو کیونکہ وہ اس سے بھی زیادہ کریں تو میں درگذر کروں۔ علاوہ ازیں آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔

خیرکم خیرکم لاہلہ وانا خیرکم لاہلی ،، یعنی تم میں بہترین مرد وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آوے اور میں سب سے زیادہ اپنے اہل کے ساتھ بہتر ہوں -

۲- خاوند اپنی اہلیہ کے ساتھ مزاح و بازی کرے اور اُنکے ساتھ دل گرفتہ نہ رہے لکھا ہے کہ حضرت رسول کریم صلعم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑتے تھے ایک دفعہ حضرت رسول صلعم آگے ہوگئے دوسری دفعہ پھر دوڑے تو حضرت عائشہ آگے ہوگئیں تب آپنے فرمایا کہ اب دونوں برابر ہوگئے - ایک روز زنگیوں کی آوازسنی جو ناچتے کودتے جاتے تھے - آپنے حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ کیا وہ انکو دیکھنا چاہتی ہیں - حضرت عائشہ نے کہا ہاں تو آپ کھڑکی کے پاس آئے اور اپنا ہاتھ آگے کردیا اور حضرت عائشہ نے دست مبارک پر سر رکھکر دیکھنا شروع کیا او بہت دیر تک دیکھتی رہیں یہانتک کہ جناب صلعم نے تین دفعہ فرمایا اب بس کرو - حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اُس سختی کے جو اُنکے اور کاموں میں پائی جاتی ہے فرماتے ہیں کہ مرد کو چاہئے کہ اپنی بیوی کے ساتھ مثل کودکو نکے رہے - یہ بھی لکھا ہے کہ مرد کو چاہئے کہ جب وہ گھر میں آوے تو ہنستا ہوا آوے اور جب باہر جاوے تو خاموش جاوے اور جو کچھ ملے وہ کھاوے اور جو نہ ملے اُسکی بابت سوال نہ کرے - اس سے یہ مطلب ہے کہ بیوی پر غضب و غصہ نہ کرے - ایک اور جگہ لکھا ہے کہ عورتوں میں ایسا ضعف ہے کہ اُسکا علاج صرف تحمل ہے اور ہر وقت عورتوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں صبر و تحمل کو غالب رکھنا چاہئے - حدیث میں ہے کہ عورت مثل پسلی کے ہے - اگر اسکو سیدھا کیا جاوے تو ٹوٹ جاویگی -

۳- بلاوجہ بدگمانی نہ کی جاوے اور بیوی کی ذلت نہ کرنی چاہئے اور تجسس حال باطن میں مبالغہ نہیں کرنا چاہئے - حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ بیویوں کو حد سے زیادہ غیرت مت دلاؤ کیونکہ اس سے اور لوگ واقف ہونگے اور انکو طعنہ دینگے -

[illegible]ت ہی ہی ہے۔ کسی نے دریافت کیا کہ اگر تین ہوویں تو آپنے جواب دیا " اسے
[illegible]لبانو۔ اسکی یاری کرو وہ میرے ساتھ بہشت میں ہوگا اور صرف اسقدر فاصلہ پر جتنی
[illegible]نگلی سے دوسری انگلی۔ آنحضرت صلعم کا یہی فرمان ہے کہ مرد جب کوئی چیز بازار
[illegible]خرید کر گھر میں لیجاوے تو ابتدا لڑکی سے کرے کیونکہ جو شخص لڑکی کو خوش کرتا ہے
[illegible]حقتعالی کے ڈر سے روتا ہے اسپر آتش دوزخ حرام ہے۔

نیاز احمد۔

ازمیرٹھ

چار خاتونوں کا بیان

بیویو! صاحبزادیو!! اگلے زمانہ میں جسکو آج پوری چھ صدیاں گذر گئیں ایک بیوی سیدہ ماہ نور نامی بڑی نیک اور پارسا خاتون تہیں۔ انکا مکان سنجر میں تھا جو کابل سے پرلی طرف کے ملک کا ایک شہر ہے۔ ان بیوی کے حسن نامی ایک صاحبزادے تھے۔ بڑے کم سخن۔ بھولے۔ اور ماں باپ کے فرمانبردار ابھی چھوٹی سی عمر میں مکتب جانے لگے اور ایسا جی لگا کر پڑھا کہ چند روز میں کچھ سے کچھ ہو گئے۔ لیکن ابھی انکی عمر پوری پندرہ برس کی بھی ہوئی تھی کہ انکے والد سید غیاث الدین دنیا سے کوچ کر گئے۔ اور تعلیم و تربیت کا سارا بوجھ بی بی ماہ نور پر آن پڑا۔ یہ خاتون دیکھنے میں تو عورت ذات تہیں مگر ہمت مردوں کی سی رکھتی تہیں۔ اپنے بے پدر فرزند کی اس خوبی سے پرورش کی اور انکو ایسا سعادتمند اٹھایا کہ آجتک تمام زمانے میں دھوم ہے۔ تمنے سنا ہوگا کہ اجمیر شریف میں خواجہ معین الدین چشتی رح کی درگاہ کیسی مشہور ہے۔ ہزاروں لاکھ آدمی انکی مزار کی زیارت کرنے جاتے ہیں۔ مگر یہ بھی خبر ہے کہ یہ خواجہ صاحب کون ہیں؟ مجھسے سن لو۔ یہ بی بی ماہ نور کے لاڈلے بیٹے حسن ہیں۔ جنکا نام لوگوں میں خواجہ معین الدین حسن سنجری ثم اجمیری شہرت پاگیا ہے۔ جس زمانہ کا ذکر ہے اس سے کچھ ہی عرصے بعد ادش میں جو ملک خراسان کا شہر ہے ایک بیوی جنکا نام قرسم بانو تھا رہتی تہیں۔ ان بچاری کی گود میں ڈیڑھ برس کا بچہ تھا کہ انکے خاوند کا انتقال ہو گیا۔ مگر تقدیر کی مصیبت سے ذرا نہ گھبرائیں۔ جب گود کا پالا ساڑھے چار برس کا ہوا تو قرآن خوانی کے مدرسے میں بٹھا دیا۔ عصہ تو بہت ہے۔ اس بیوہ خاتون نے اپنے یتیم فرزند کی ایسی اچھی نگ

سے تربیت کی۔ اور ایسی اچھی تعلیم دلائی کہ آج تمام عالم میں انکے نونہال کی خواجہ قطب الدین بختیار کے نام سے دہوم مچی ہوئی ہے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا مزار دہلی میں ہے اور یہ حضرت خواجہ صاحب اجمیری کے خاص خلیفہ اور جانشین تہے۔

خواجہ قطب صاحب کے خلیفہ اور سجادہ نشین حضرت بابا فرید الدین گنج شکر ہیں انکی والدہ بہی بڑی نیک اور لائق خاتون تہیں۔ لکہا ہے کہ بابا صاحب کی تعلیم کا زیادہ حصہ انکی والدہ نے پورا کیا۔ چنانچہ جب نماز شروع کرائی تو شوق بڑہانیکو مصلے کی نیچے شکر کی پڑیا رکہدیتی تہیں۔ کیونکہ بابا صاحب کو مٹہاس بہت بہاتی تہی۔ آپ نے نماز پڑہی اور پڑیا نکال لی۔ اسطرح نماز کی پابندی ہوگئی۔

باباصاحب کے لائق سجادہ نشین حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی کی پرورش بہی آپ کی والدہ بی بی زلیخا نے کی تہی کیونکہ آپکے والد مولانا سید احمد انکو پانچ برس کا چہوڑکر رحلت کر گئے تہے۔ بی بی زلیخا کا گذارا سوت کاتنے پر تہا۔ حضرت محبوب الہی کے علاوہ ایک لڑکی بی بی جنت اور ایک ماما کا خرچ اور تہا۔ آمدنی کی قلت اور خرچ کی زیادتی کبہی کئی کئی دن کے فاقے ہوتے تہے۔ جس دن کہانیکو کچہہ نہوتا تو والدہ حضرت محبوب الہی سے کہتیں۔ نظام! آج ہم خدا کے مہمان ہیں۔یعنی فاقہ ہے۔ آپ یونہی بہوکے مکتب میں چلے جاتے۔ وہاں خوش حال لوگونکے بچے کہاتے پیتے تو یہ گردن جہکائے پڑہنے میں مشغول رہتے اور کسیکو آنکہہ اٹہاکر نہ دیکہتے حضرت محبوب الہی فرماتے ہیں کہ جب کئی دن برابر کہانا نملے جاتا تو میں دل میں کہتا تہا کہ یا اللہ وہ دن کب آئیگا کہ اماں خدا کی مہمانی کا ذکر کریں جب سولہ برس کی عمر ہوئی اور آپ نے تمام علوم داخل درس کی سند حاصل کر لی تو بی بی زلیخا نے شہر کے علما و مشائخ کو جمع کیا اور رسم دستاربندی ادا کی۔ یہ دستار جو حضرت محبوب الہی کے سر پر باندہی گئی تہی بی بی زلیخا کے ہاتہہ کے سوت

کی تھی -

اندنوں دہلی تمام علوم کا خزانہ تھا اور یہاں سلطان شمس الدین التمش کے استاد مولانا شمس الملک کا بڑا شہرہ تھا۔ بی بی زلیخا نے ارادہ کیا کہ حضرت محبوب الٰہی کو ان سے سند دلواؤں۔ چنانچہ اپنے بچوں بی بی جنت اور حضرت محبوب الٰہی کو ہمراہ لیکر بدایون سے دہلی آئیں۔ اور یہاں مقیم رہکر حضرت کو سند دلائی۔

کہنے کو تو ذرا سی بات ہے۔ مگر غور کرو کہ آجکل کتنے بچے ماں کی محبت کے طفیل پڑھنے لکھنے سے محروم رہتے ہیں۔ ماںتا روادار نہیں ہوتی کہ بچہ آنکھ سے اوجھل ہو اور کسی غیر شہر میں پڑھنے جائے۔ اگر بی بی زلیخا بھی ایسی جھوٹی ماںتا اور محبت کرتیں تو آج کو حضرت محبوب الٰہی کی لاکھوں کروڑوں آدمیوں میں کیونکر یادگاری ہوتی -

حسن نظامی - دہلوی -

لیڈیز۔ بیگمات۔ بیبیاں یا عورتیں

جناب اڈیٹر صاحب ناظرین خاتون سے دریافت طلب یہ بات ہے کہ مذکورہ بالا خطابات میں سے ہم اپنی مستورات کو کونسا خطاب دیں اور کس نام سے خطاب کیا کریں۔ انگریزی زبان میں دو لفظ مستعمل ہیں۔ لیڈیز تو اون کو کہتے ہیں جو معزز اور شریف خاندان کی بیبیاں ہوتی ہیں اور جو خود بھی شرافت کا جوہر رکھتی ہیں ادنے درجہ کی عورتیں یا ایسی عورتیں جو خود ذاتی شرافت نہ رکھتی ہوں اونکو "ویمن" کہتے ہیں۔ ہندوستان میں انگریز بجز گورے چمڑے کی انگریزنوں کے اور سب کو "ویمن" کہتے ہیں۔ کوئی ہندو یا مسلمان خواہ کتنا ہی بڑا اور معزز اور شریف کیوں نہو اوسکے گھر کی مستورات اوس حقیر خطاب "ویمن" سے پکاری جاتی ہیں اور کوئی انگریز کسی ہندوستانی بی بی کو لیڈی کے معزز لفظ سے خطاب کرنا پسند نہیں کرتا۔ اسکی وجہ کیا ہے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ ہم خود اپنی مستورات کی عزت نہیں کرتے اور اون کے لیئے کوئی عزت کا لفظ تجویز اور مقرر نہیں کرتے۔ آئندہ سے اس بات کا قطعی طور پر فیصلہ ہونا چاہیئے کہ ہم اپنی مستورات کو کس لفظ سے خطاب کیا کریں تاکہ عام عورتوں اور شریف بیبیوں میں ایک بین فرق معلوم ہوا کرے اور انگریز اور دوسری قوموں کے لوگ بھی ہمیشہ اس فرق کا لحاظ اور خیال رکھنے کے عادی ہو جائیں۔ اسمیں ہندوؤں اور مسلمانوں اور پارسیوں وغیرہ سب اقوام کو اتفاق رائے سے ایک ہی نام اختیار کرنا چاہیئے۔ تاکہ سب ہندوستانی شریف مستورات کے لیئے ایک عمدہ اور عزت کا خطاب شہرت پا جائے۔ لفظ لیڈی واحد کے لئے اور لیڈیز

جمع کے لیئے مقرر ہے۔ میرے نزدیک اِن الفاظ کے اختیار کرنے میں کچھ بھی ہرج نہیں اور اس زمانہ میں اِن الفاظ سے بڑھکر اور کوئی عزت کے الفاظ نہیں ملتے۔ تنگ خیال انگریز جلینگے لیکن ہمیں کسکی کچھ پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ ہندوستانی الفاظ بیگم یا بیگمات لکھنو کی نواح میں اور بی بی یا بیبیاں دہلی کے نواح میں اور دیگر شہروں میں شریف مستورات کے لئے بولے جاتے ہیں اور آخر الذکر الفاظ عام طور پر ہندو اور مسلمان قومیں استعمال کرتی ہیں گو بیگم کا لفظ صرف مسلمانوں کے لیئے مخصوص ہے۔ دہلی میں خود شریف مستورات بیبیاں کہلانا بہت پسند کرتی ہیں اور اونکو عورت یا عورتیں کہنا گویا گالی دینا ہے۔ بی بی یا بیبیوں کے لفظ میں درصل کوئی قباحت نہیں صرف یہ خرابی ہے کہ بی بی کا لفظ زوجہ کے لیئے بھی آتا ہے۔ اسلیے اگر کوئی مرد کسیکو بی بی کہکر پکاریگا تو اوسمیں ایک قسم کا ابہام پیدا ہوگا۔ غیر بی بی پسند نہیں کرے گی کہ تحریر میں یا تقریر میں کوئی غیر مرد اوسکو بی بی کے لفظ سے خطاب کرے۔ بہرحال بہنے۔ یہ سلسلہ اپنے ناظرین کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اہمیں سب اپنی اپنی رائے دیں اور وجوہات بیان کریں آخر جس بات پر اتفاق رائے ہوگا اوسیکو اختیار کر لیا جائے گا۔ لیکن اِس بات کا سبکو خیال رہے کہ موجودہ الفاظ عورت یا عورتیں بہت مکروہ ہیں اور شریف بیبیوں کو کہیں عورت یا عورتیں کہلانا پسند نکرنا چاہیئے۔

(خیر اندیش)

ایڈیٹوریل

ہم گذشتہ پرچے میں اعلان کر چکے ہیں کہ اگر ایک ماہ کے اندر ہمیں اُن صاحبان کی طرف سے امید دلائی گئی جنپر ہمکو بہت زیادہ بھروسہ ہے کہ وہ کوشش کرکے اشیار ساخت و دست کاری مستورات بہم پہونچا دینگے تو ہم کانفرنس کے متعلق نمایش کرینگے ورنہ اِس سال کے لیئے اِس خیال کو چھوڑ دینگے۔ ہمعصر پیسہ اخبار کے مشورے سے ہمنے جناب ڈائرکٹر صاحب پنجاب سے تعلیمی نمایش کی رپورٹ منگا کر دیکھی تو معلوم ہوا کہ صاحب ڈائرکٹر بہادر پنجاب نے مفصلہ ذیل اشیار تعلیمی نمایش کے لیے بہم پہونچائی تہیں:-

کتب نصاب انگریزی و ہندوستانی ۔ کتب نصاب کے متعلق تصاویر نقشے وغیرہ

آلات متعلق طبیعات و ہندسہ ۔ اسکول یا کالج یا بورڈنگ ہوس کا سامان آرایش

آلات جمناسٹک و کہیل تماشہ ۔ آلات متعلق کنڈر گارٹن ۔

مختلف قسم کی اشیار کے نمونے ۔ فوٹوگراف وغیرہ ۔

جلد بندی کے آلات ۔ اشیائے متعلق تعلیم شا[illegible]دہ

ہاتہ اور آنکہہ سے درستی کام کے لیئے تعلیم کے آلات ۔

ہندوستانی چہاپہ اور اوسکا سامان ۔ انگریزی یا ہندوستانی خوشخطی ۔

ہر قسم کا سوئی اور سلائی کا کام ۔ صنعت و حرفت کے اسکولونمیں بنی ہوئی اشیا

اندہوں کے اسکول میں بنی ہوئی اشیار یتیمخانوں میں بنی ہوئی اشیار

مکاتب تربیت میں بنی ہوئی اشیار ۔ تادیب کے اسکولوں میں تیار شدہ اشیار

کاغذ قلم لفافہ دوات وغیرہ نوشت کی اشیاء - کپڑا وغیرہ بننے کی اشیاء -
موسیقی کے آلات اور کتابیں - قلمی کتابیں وغیرہ -

اب جہاں تک غور کیا گیا ہمکو بجز سوئی سلائی سینے پر دونے کے کام کے ہمارے
ملک کی مستورات اور کوئی چیز نمایش گاہ میں رکھنے کے لیئے نہیں دے سکتیں
نقاشی یا تصویر سازی تو ایک بڑا ہنر ہے یہاں تو اس بات کی بھی اُمید نہیں
ہوسکتی کہ کوئی بی بی کسی عمدہ بیل یا پہول یا بیل بوٹے کا مٹی یا کاغذ یا لکڑی
کا عمدہ نمونہ تیار کرسکیں یا کسی عمدہ بیل بوٹے کا ہو بہو نقشہ کپڑے پر کاڑھ کر دکھا
زیادہ سے زیادہ ہم یہ اشیاء بہم پہونچا سکتے ہیں منقش کا کام - جالی کا کام سلمہ
ستارے کا کام - بخئے کا کام وغیرہ اب کوئی یہ تو بتائے کہ کیا یہ چیزیں
ایک نمایش کے لیئے کافی ہوسکتی ہیں - ہمنے اپنے طور پر تفتیش کی اور ہمیں
سخت افسوس ہوا کہ ہماری مستورات دستکاری میں نہایت ہی پیچھے ہیں اور
بجز ایسی لڑکیوں کے جنہوں نے مشنری میموں سے کچھ سیکھ لیا ہے - باقی پرانے
زمانے کی بیبیاں تو بہت ہی کم جانتی ہیں -

ان بیبیوں کی تیار کردہ اشیاء کی نمایش کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی بے پڑھے
آدمی کو امتحان کے کمرے میں بٹھا دے اور اوس سے علم ادب اور ہندسہ اور
تاریخ پر سوال کرنا شروع کر دے - ہم انشاء اللہ بہت جلد دکھا دینگے کہ ہمارے
ملک کی غیرت والی بیبیاں ہماری اس شکایت کو رفع کر دینگے اور ایسی اشیاء کا
بنانا سیکھ لیں گی جن سے اون کی قابلیت اور ہنرمندی ثابت ہو - بالفعل
ہم اپنے ناظرین کو مایوس بھی نہیں کرنا چاہتے ہیں - اور مفصلہ ذیل اشیاء پر
انعام دیں گے ✣

خوشخطی - بچوں کے لباس کا عمدہ نمونہ - جالی کا کام - بخیہ - منقش کا کام - اور

سلمے ستارے کا کام اور کسی ایسے وضع کے برقعہ کا نمونہ جسمیں پردہ بھی پورا قایم رہے
اور چلنے پھرنے میں پوری آزادی بھی ہو۔ بخیہ وغیرہ کسی خاص کپڑے کرتے یا چغے
یا ٹوپی یا جاہ کوزی پر دکھانا چاہیئے۔ شرط یہ ہے ہر چیز کسی بی بی کے ہاتھ کی تیار کی ہوئی
ہو جو شخص کے لیئے ہم اوس شہر کے کسی معزز آدمی کی سند طلب کرینگے جہاں کی
لکھنے والی ہونگی کہ در اصل یہ تحریر کسی بی بی کی ہے۔ یکم دسمبر تک ہمارے پاس تمام
معہ قیمت اشیاء آنی چاہیئے۔ ہم بطور نمایش کے تو اشیاء کو نہیں رکھیں گے
لیکن کانفرنس کے کل ممبروں کو ملاحظہ کرا کے انعام تجویز کرائینگے +

جناب لفٹنٹ گورنر بہادر صوبہ متحدہ نے ایک کمیٹی اِس غرض سے قائم کی ہے کہ
وہ بعد تحقیق و تفتیش کے ایک رپورٹ پیش کرے کہ ہندو مستورات میں تعلیم پھیلانے
کا عمدہ کیا طریقہ ہوگا۔ غالباً لوگوں کو تعجب ہوگا کہ جناب ممدوح نے مسلمان مستورات
کو کیوں مستثنے کیا ہے۔ تعجب کی کوئی بات نہیں ہندو صاحبان کی خواہش اور
رغبت معلوم ہوئی کہ وہ اپنی مستورات کو تعلیم دلانا چاہتے ہیں تو گورنمنٹ بھی مدد اور
ہمت افزائی کے لیے آمادہ ہو گئی۔ جاہل اور ضدی مسلمانوں میں ابھی تک مردوں کی
تعلیم کا بھی خیال پورے طور پر پیدا نہیں ہوا۔ چہ جائیکہ لڑکیوں کی تعلیم۔ لیکن گورنمنٹ
کو کم از کم یہ کرنا چاہیئے کہ جو مسلمان مستورات کی تعلیم کے حامی ہیں اون کی مدد کرے
باقی جو نہیں چاہتے کہ وہ یا اون کی مستورات جہالت کی تاریکی سے نکلیں اُن کو
اپنی حالت پر رہنے دے اور تباہی کے گڑھے میں گرنے دے۔ بنی اسرائیل
کے حالات سے اِس متشکی المزاج گروہ کی موجودہ حالت بہت مشابہ ہے۔ جو ان کی
بہتری کی کوئی بات نکالتا ہے۔ یا ان سے ہمدردی کرتا ہے اوس کی مخالفت اپنے
فرضِ عین ہو جاتی ہے +

ہماری لیڈی ناظرین کو کچھہ یہ بھی خبر ہے کہ اسوقت دنیا میں کیا آفت برپا ہو رہی ہے۔ روس اور جاپان کی نہایت سخت اور خونریز جنگ ملک منچوریا میں چھڑی ہے ایک ایک دن میں ہزاروں آدمی توپ بندوق اور تلوار کے شکار ہو رہے ہیں اسوقت لاکھوں بیبیاں بیوہ اور لاکھوں لڑکیاں یتیم ہو چکی ہیں۔ جنکے جوان بچے میدان جنگ میں موجود ہیں ڈاکئے کی یا تار والے کی آواز سنتے ہی کلیجہ تہام کر کوئی بڑی خبر سننے کو بیٹھہ جاتی ہیں لیکن واہ رے ہمت والی جاپانی و روسی خاتونوں تمہاری بہادری اور جوانمردی کی تعریف نہیں ہو سکتی تم جانتی ہو کہ میدان جنگ میں تمہارے عزیز بیٹوں۔ پیارے شوہروں اور شفیق باپوں کے لئے سوا ے موت کے اور کیا رکہا ہے لیکن تم اپنے ملک پر اُن کی جانیں قربان کرنے پر رضامند ہو۔ تم اُنکو مجبور کرتی ہو کہ وہ جائیں اور اپنے پیارے وطن کی شمع پر مثل پروانہ اپنی جانیں قربان کریں۔ تم پرے باندہ کر کوسوں اُنکے ساتھ الوداع کہنے کو جاتی ہو اور راستے میں خوشی کے گیت گاتی ہو گویا کہ تمہارے بیٹے یا بہائی کی برات جا رہی ہے کیوں نہو۔ تمہاری قوم اور تم ابہی تک زندہ ہو اور زندہ قوموں کے یہی لچھن ہوتے ہیں۔ جب تک تمہارے دل حب الوطنی اور خود داری کا سب سے پاک اور عمدہ جوہر رکھتے ہیں اسوقت تک تمہارے ملک تمہاری قوم اور سب سے بڑھکر خود تمہاری عزت قائم ہے۔ جب یہ نہیں رہیگا تو پہر تم بہی ہمارے ملک کی بیبیوں کی طرح ہر شجاعت اور جرأت اور بہادری کے کام سے اپنے مردوں کو روکوگی۔ لڑائی میں بہیجنے پر رضامندی تو درکنار اگر پڑوسی کے گہر میں آگ لگ جائیگی تو اپنے میاں یا بہائی یا بیٹے کو اُس کی مدد کے لئے کبہی نہ جانے دوگی کہ کہیں اُسکی جان کو صدمہ نہ پہونچ جائے۔ پہر تم اور تمہاری قوم مردوں میں شامل ہو جائیگی

جاپان کی اکثر معزز خاتونیں اسوقت میدان جنگ میں موجود ہیں۔ وہ ہزارہا سپاہی جو لڑ لڑکر زخمی ہو جاتے ہیں اور زخموں سے چور ہو کر گر پڑتے ہیں اُنکو اٹہوا لاتی ہیں۔ الگ مکانوں میں اُنکی مرہم پٹی کرتی ہیں۔ دن رات اُسکے پاس بیٹھی رہتی ہیں۔ اپنے ہاتھہ سے

اُنکو کھلاتی ہیں اور اپنی آسائش اور آرام کو اُن کی تکلیف پر قربان کرتی ہیں۔

منجملہ اور درد انگیز واقعات کے ایک عجیب واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ جاپانی قانون کی رو سے وہ شخص جو اپنے گھر میں اکیلا ہو اور جسکے ماں باپ زندہ ہوں فوج میں بھرتی ہوکر لڑائی میں نہیں جا سکتا کیونکہ جاپانیوں کے نزدیک ماں باپ کی خدمت سب باتوں سے مقدم ہے۔ اب عجیب واقعہ سنیئے۔ جاپان کے کسی گاؤں میں ایک بڑھیا رہتی تھی اور اُسکا ایک ہی بیٹا تھا۔ جب روس سے لڑائی چھڑی تو گاؤں کے لوگ جاکر فوج میں بھرتی ہونے لگے۔ بڑھیا نے بھی اپنے بیٹے کو اجازت دی کہ تو بھی جاکر بھرتی ہوکر لڑائی پر جا اور اس نازک وقت میں اپنے پیارے ملک کی مدد کر۔ بڑھیا کا لڑکا فوجی افسر کے پاس بھرتی ہونے کو گیا افسر کو جب معلوم ہوا کہ اُسکے ملک کا ہے اور گھر میں سوا اُسکے اور کوئی مرد نہیں تو اُسنے لڑکے کو بھرتی نہ کیا بلکہ حکم دیا کہ جا تو اپنی ماں کی خدمت کر اور جب تک وہ زندہ ہے کسی فوج وغیرہ میں بھرتی ہونیکا قصد مت کرنا۔ لڑکے نے جاکر ماں کو کل حال سنایا۔ ماں نے کہا ہاں یہ میں ہی کمبخت ہوں جو تمکو اپنے ملک کی مدد سے روک رہی ہوں کاش کہ میں ابھی مر جاؤں کہ تم آزادی سے ایک عمدہ اور سب سے اعلیٰ کام یعنی اپنے ملک اور قوم کی مدد کر سکو۔ یہ کہکر وہ ایک کوٹھڑی میں گئی اور وہاں سے ایک بڑا سا چھرا نکال لائی اور اپنے پیٹ میں بھونک دیا اور بیٹے سے کہا کہ جاکر افسر سے کہدے کہ میری ماں اب مر گئی ہے مجھکو ضرور بھرتی کرلو۔ یہ کہتے ہی اُسکی روح قالب سے پرواز کر گئی۔ اس واقعہ نے جاپانیوں میں ہمت اور بہادری کی نئی روح پھونک دی۔

خاتون

۱ - یہ رسالہ ۸۰ صفحہ کا علی گڈہ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اس کی سالانہ قیمت ے ۱ر ہی
۲ - اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑہی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔
۳ - مستورات میں تعلیم پھیلانی کوئی آسان بات نہیں اور جب تک مرد اس طرف متوجہ نہوں گے معلق کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور اُسکے بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اُس کی طرف ہم ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے۔
۴ - ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیئے عمدہ اور اعلی لٹریچر پیدا کیا جاے۔ جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی انکو ضرورت محسوس ہو۔ تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم پڑہنے سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔
۵ - ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھی جائیں
۶ - مستورات کے مضامین اور خطوط جیسے بھی ہونگے ہم ضروری اصلاح کے بعد شائع کردینگے۔
۷ - اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیئے اسکو خریدنا گویا اپنی مدد آپ کرنا ہی۔ اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیئے تیار کیا جائیگا۔

ےا

مسلمانوں کے عروج کا زمانہ ایسا تھا کہ آج کل بڑی سے بڑی تہذیب یافتہ قومیں بھی مانتی ہیں اور دل سے مسلمانوں کی عزت کرتی ہیں۔ دفتر کے دفتر اُنکے کمالات اور حوصلہ مندی کی باتوں سے بھرے پڑے ہیں تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہی کہ اُس اچھے زمانہ میں علمی اور اخلاقی ترقی صرف مردوں ہی پر موقوف نہ تھی، بلکہ عورتوں میں بھی بڑی اعلیٰ درجہ کی بیبیاں موجود تھیں جنکی مرد اُنکی بڑی عزت کرتے تھے۔ اور بعض تو ایسی لائق فائق بیویاں ہو گزری ہیں مثلاً بی بی رابعہ بصری اور بی بی ہاجرہ فخر النساء وغیرہ کہ دنیا میں سدا اُنکا نام رہیگا۔ خود حضرت خاتون جنت جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا صلواۃ اللہ علیہا کا ذکر حدیث میں ہو کہ ہمارے پیغمبر خدا جناب سرور کائنات اُنکی بہت تعظیم کیا کرتے تھے اور جب بی بی فاطمہ (رض) تشریف لاتی تھیں تو آنحضرت (صلعم) کھڑے ہو جاتے تھے کوئی باپ اپنے بیٹا بیٹی کیساتھ ایسا نہیں کیا کرتا۔ تو بات اصل یہ تھی کہ حضرت فاطمہ (رض) بڑی لائق اور بڑی فاضلہ تھیں اور سیدۃ النساء کے معزز لقب سے یاد کی جاتی تھیں اسوجہ سے ہمارے رسول پاک (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نہ صرف زبان سے بلکہ اپنے فعل سے حضرت بی بی کے اعلیٰ مرتبہ کو ظاہر کیا۔ اب ہمیں ہمارے ملک میں زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ زیب النساء بیگم (مخفی) اور نور جہاں اور جہاں آرا بیگم علمی قابلیت میں کیسی مشہور ہو گزری ہیں۔ زیب النساء بیگم حافظ قرآن تھیں فقہ اور حدیث بھی جانتی تھیں اور اپنی کتابیں لکھتی تھیں۔ شعر ایسا کہتی تھیں کہ آج تک اچھے اچھے شاعر انکے آگے گردن جھکا لیتے ہیں۔ کچھ علمی قابلیت پر موقوف نہ تھا عورتیں جہاں بانی اور بادشاہی بھی کر گئی ہیں سلطانہ رضیہ بیگم ایک مثال تھیں کہ سلطنت کے تخت و تاج کی مالک تھیں، ہندوستان کی ملکہ تھیں، اور بڑی ہوشیاری اور عقلمندی سے حکومت کر گئیں۔ بیگم صاحبہ مرحومہ بھوپال ان کی بابت بھی سنا گیا ہی کہ بڑی دانا زیرک اور معاملہ فہم ہو گزری ہیں۔

مگر یہ تو پرانی کہانیاں ہیں۔ اس زمانہ کو دیکھنا چاہیئے کہ مسلمانوں کی کیا حالت ہی۔ بات یہ ہی کہ خدا کبھی بُرا وقت نہ ڈالے، اور کسی پر مصیبت نہ آئے۔ ہر انقلاب کے بعد کا زمانہ کچھ ایسا ہی ہوا کرتا ہی اور کچھ عجیب ہوا کرتا ہی مسلمانوں کی حالت میں جو کایہ پلٹ ہوئی اُسکا اثر [illegible] ہر چیز میں دکھائی دیتا ہی۔ مردوں کو دیکھو تو وہ اپنی حالت میں گرفتار ہیں عورتوں کو دیکھو تو وہ اپنی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ مردوں نے کچھ

اپنی اصلاح اور بہبودی کا کام شروع کیا ہی مگر جیسی کہ چاہیئے کامیابی نہیں اور کوششوں میں یکسوئی کا پتہ
نہیں۔ علی گڈہ کا مدرسہ ہی مگر ساری قوم نے ابھی تک اُسے اپنا مدرسہ قرار نہیں دیا ہی۔ بلکہ اپنی اپنی جگہ پر
ہر ایک اپنی ڈیڑہ اینٹ کی الگ مسجد بنا رہا ہی۔ کانفرنس ہی لیکن ابھی تک کوئی اُسکی قدر نہیں سمجھا۔ آپس
میں اتفاق نہونے کیوجہ سے کامیابی اُتنی نہیں ہوئی جتنی کہ سید صاحب کو اُمید تھی۔ مختصر یہ کہ ہمارا زمانہ
انتشار کا ہی ہمیں یہ توفیق نہیں کہ مل جلکر اپنی قوتوں کو اکٹھا کریں اور نیک کاموں میں لگا کر فائدہ اُٹھائیں
ترقی کے جو اُصول ہمارے پاک مذہب نے بتاسے ہیں اُنپر عمل کریں اور چاہے ادہر کی دنیا اُدہر ہو جائے
مگر اپنے کام سے نہ ہٹیں اور اپنی دھن میں لگے رہیں۔

خیر۔ یہ تو مردوں کا حال ہی۔ اُنکی دیکھا دیکھی عورتوں کی طبیعتوں میں بھی ہراس اور پژمردگی دکھائی
دیتی ہی۔ خاصکر جب میں آج کل کی لڑکیوں کو دیکھتی ہوں تو مجکو بڑی حیرت ہوتی ہی اور حیرت کے ساتھ
افسوس ہوتا ہی۔ ان میں ہراس اور پژمردگی کے علاوہ کچھ ایسی باتیں پیدا ہوگئی ہیں کہ جو عیب میں داخل
ہیں۔ اگلے وقتوں کی جو بڑی بوڑھیاں بیویاں زندہ ہیں اُنسے پوچھو تو وہ اس نئی تانتی کو بالکل نالائق
بتائینگی۔ کرنے دھرنے کے نام خاک نہیں، ہاں زبانیں بارہ بارہ ہات کی سُنلو۔ سارے دن کی تو تو میں میں
اور جھگڑوں سے گھروں میں آفت مچی رہتی ہی۔ یہ لڑینگی تو ایسی کہ میرٹھ کی بھٹیاریوں کو بھی مات کر دینگی، یا نچو
ہلاتے اپواں کھلوائی لیتے پڑی رہینگی۔ نہ اُن میں بڑوں کا ادب لحاظ ہی اور نہ چھوٹوں کا لحاظ، آئے گئے
کی شرم نہیں، پرانے ادب قاعدے اور جو تمیز کی باتیں تھیں سب بھلادی ہیں۔ گھر کے کام دہندے میں
ماں کے ہات بٹانے سے ہات ٹوٹتے ہیں، ہل کر پانی پینا قسم ہی، کیا مجال کہ کبھی دو ٹانکے بھر لیں یا کھڑے
کھڑے باورچیخانہ کو جھانک آئیں۔ کسی دن کپڑے دہوپ میں نکال کر رکھے تو بس بخار چڑہ آیا، اور اسپر سب
ہو رہے ہوتے ہیں۔ اور ایک سب میں بڑا عیب یہ ہوگیا ہی کہ نماز اور روزہ کی پابندی بھی کم ہوگئی ہی۔
غرض یہ کہ اس زمانہ کی لڑکیوں نے تو حد گزار دی ہی۔ خدا نہ کرے جو ہمارا زمانہ ایسا ہوتا۔ دلی کے بڑے
بڑے گھرانوں میں جتنی بڑی بوڑھیاں ہیں کیسی سلیقہ والی ہوشیار اور عقلمند ہیں۔ اُنکے ہر کام میں ایسی صفائی
ہوتی ہی کہ بس آدمی دیکھا ہی کرے۔ اپنے ہاتوں لاکھوں روپیہ صرف کر دیئے، بڑے بڑے کار کیئے،

بھرے گھروں کا انتظام کیا، غرض جو کچھ کیا ایسا کیا کہ گھر کے مرد جو سیانے اور عقلمند اور بڑے پڑھے لکھے ہوتے
ہیں وہ بھی مان گئے۔ ابھی تک دلی میں ایسی مغلانیاں موجود ہیں جنکے سامنے آج کل کی لڑکیوں کو سوئی
پکڑنے کی بھی تو تمیز نہیں ہی، سینا پرونا تو خیر اُن جیسا کیا کرینگی

یہ ہی انقلاب کا اثر۔ افسوس کیسے بُرے دن آئے ہیں، اور خدا جانے ابھی اور کیا ہونا ہی، خدا اپنے
امان میں رکھے۔ جو لوگ اس بُری حالت کو سنوارنا چاہتے ہیں اور انقلاب کے اثر سے جسقدر بچنا ممکن ہے
بچانا چاہتے ہیں، خدا اُن کو ہمت اور طاقت دے اور اُنکو ارادوں میں کامیاب کرے۔ مجھے نہ مضمون
لکھنے کی عادت ہی نہ کبھی مضمون لکھنے کا شوق ہوا اور نہ یہ پہلے دستور تھا، مگر خاتون علی گڈہ سے نکلا ہے
اور مجھے بتایا گیا ہی کہ اُسکے لئے مضمون لکھنا میرا فرض ہی، اسلیئے یہ ٹوٹا پھوٹا مضمون لکھدیا، اور جو خیال
میں مختصر طور پر ابھی لکھونگی اُسکا بوجھ میں کسی پر ڈالنا نہیں چاہتی۔

میرا خیال یہ ہی کہ جو لوگ انقلاب کے اثر سے عورتوں کو بچانا چاہتے ہیں اور اُنکی تعلیم کے حامی ہیں
اُنکو ابھی سے بخوبی سمجھ لینا چاہیئے کہ عورتوں کی تعلیم سے اُنکا کیا مطلب ہی جبتک صاف طور پر دلمیں
نقشہ نہیں جما لیا جائیگا کہ کیا اور کس قسم کی اور کیونکر عورتوں کو تعلیم دی جائیگی اُسوقت تک لوگوں کا تعلیم
تعلیم پکارنا اندھیری کوٹھری میں چیز بست ٹٹولنا جیسا ہی۔ سید صاحب نے جسوقت مردوں کی تعلیم کی فکر
شروع کی تھی اُس ہی وقت سے اُنکے دل میں مدرسہ کا اور تعلیم کی اور سب باتوں کا پورا پورا نقشہ جما ہوا تھا
ویسے ہی وہ حرف بحرف کیئے گئے اور میرے نزدیک اُنکو اس سے بہت آسانی ہوئی۔ اب مثال کے
طور پر یہ بات ہی کہ عورتوں کو کیسی تعلیم دیجائے۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ اس بات کے فیصلہ میں اُنکی حالت
کا اور اُنکی ضرورتوں کا پورا خیال کیا جائے۔ اعلیٰ تعلیم بیشک بہت اچھی ہی اور اُس سے بڑھکر اور کیا بات
ہوسکتی ہی کہ گھر کی بیویاں بڑی بڑی کتابیں اور اچھے اچھے مضمون پڑھ سکیں اور مشکل مشکل باتوں کو سمجھ سکیں
اُن میں چھچورے پن کی باتیں نہ رہیں اور اعلیٰ اور علمی مذاق پیدا ہو جائے۔ ایسی بیویاں جو بڑی فاضلہ
ہوتی تھیں اس گئے گزرے زمانہ میں غدر کے بعد تک تھیں اور اب بھی کہیں کہیں ہونگی۔ مگر اب ایسا وقت
آن پڑا ہی کہ معمولی پڑھنا لکھنا اور سینا پرونا سکھانا بھی مشکل ہی اور اعلیٰ تعلیم کا سرانجام کرنا ناممکن سا ہی۔ ایسی

مکالمہ

(۲)

جو کچھ ہم پہلے عالی جناب مسز مارلین کی اعلیٰ لیاقت اور ہماری مستورات کے لیئے سچی دلسوزی اور ہمدردی کی نسبت لکھ چکے ہیں اُسکا اعادہ ضروری نہیں ہی کیونکہ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب، خود جناب کے مضامین اصلی حقیقت آپ بیان کر رہے ہیں، مگر ہمیں بتاکید دوبارہ لکھنے کی ضرورت ہے کہ ہماری معزز لیڈی ناظرین کے ان مضامین کو نہایت غور کے ساتھ اور خوب سمجھکر پڑہیں اور انپر عمل بھی کریں ایسا رفیق کسکو ملتا ہی اور خاتون کی خوش نصیبی ہی کہ جناب مسز مارلین کی مفید نصیحتیں اسکے ذریعہ سے گھر گھر پہنچ سکینگی جس کی بابت ہمارے پاس جناب ممدوح کا شکریہ ادا کرنے کو کافی الفاظ نہیں ہیں۔

اڈیٹر

دوسری ملاقات ۔ امیر بیگم کا مکان

مسز سمتھ۔ کہیئے بیگم صاحبہ آپ اچھی طرح ہیں؟ میں آج اس ارادہ سے آئی ہوں کہ اُسدن جو بچوں کی تندرستی کے بارہ میں آپ مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتی تھیں اُن باتوں کے جواب دینے کی کوشش کروں۔

امیر بیگم۔ میں آپ کی بہت ہی مشکور ہوں۔ مجھے اُسدن سے آج تک برابر آپ کی باتوں کا خیال رہا ہی، اور سلیم بھی روز بلاناغہ شام کے ساڑھے سات بجے ہی سے پڑ کر سو جاتا ہی۔ سلیم نے کہا تھا دیکھو چارلی تو ہمیشہ ایک وقت پر سوتا ہی، بچہ پر اسکا ایسا اثر ہوا کہ وہ خوشی خوشی برابر وقت پر سو رہتا ہی

مسز۔ آہا بیگم صاحبہ میرا یہ سُنکر بہت ہی دل خوش ہوا، اور مجھے یقین ہی آپ اسکی وجہ سے دیکھینگی بچہ کی تندرستی بہت اچھی ہو جایگی۔ اچھا اب ان دونوں بچوں کو کھیلنے کے لیئے پرے بھیجدیں اور اپنی

کام کی باتیں شروع کریں نا؟

بیگم- تو ہی اگر سلیم تو یہی چاہتا ہو کہ میرے کولے سے لگا بیٹھا ہے اور ہماری باتیں سُنے-

مسز- نہیں بیگم نہیں- میری مانو تو دونوں بچوں کے لیئے حقیقت میں یہی بہتر ہو کہ یہاں سے جائیں اور جی بھر کے گیند بلا کھیلیں- چارلی اسی ارادہ سے ایک گیند اور ایک بلا ساتھ لایا ہو بہن بس اب نہیں جانے دیجیئے اور کھیلنے دیجیئے-"

(بیگم سلیم سے کہتی ہیں کہ جاؤ چارلی کے ساتھ انگنائی میں کھیلو- پھر بچے چلے جاتے ہیں اور بیویاں اکیلی رہ جاتی ہیں-)

مسز- مجھے خوشی ہوئی کہ دونو بچے چلے گئے، اسواسطے کہ بچوں کے لیئے بہت بُرا ہو کہ اپنی تندرستی کی بابت باتیں بیٹھے سنا کریں- بچے ایسے خوش خوش اور شوخ ہونے چاہئیں کہ کبھی اپنے لیئے بُری بھلی چیز کا خیال بھی نکریں، یہ کام ماں باپ کا ہو کہ اُنکو بتا دیں کہ کونسی چیز اُنکے لیئے اچھی ہی اور کونسی بُری، بچوں کا تو فقط یہ کام ہو کہ کان تک نہ ہلائیں اور کچھ چون و چرا نکریں ماں باپ جو کہیں وہی کریں میں یہ بہتر سمجھتی ہوں کہ چارلی کوئی بیوقوفی کرکے ذرا سا بیمار پڑجاے بجائے اسکے کہ وہ بیوقوفی کرنے سے اس خیال سے ڈرے کہ میں بیمار پڑجاؤنگا-

بیگم- تو بہ میم صاحب، اور جو وہ دُور پار بیمار پڑگیا تو آپ کا دل نہیں دکھیگا-

مسز- کیوں نہیں، بہت تکلیف ہوگی- مگر جو وہ نڈر نہ ہوا تو مجھے اس سے زیادہ تکلیف ہوگی، مجھے پسند نہیں کہ چھوٹے بچے نگوڑے اپنی دیکھ بھال آپ ہی کریں- خیر اسے جانے دیجیئے اسوقت تو ہمیں اس سے کچھ بحث نہیں ہی-

بیگم- ہاں تو میم صاحبہ آج مجھے آپ بتائینگی کہ ہمارے بچے آپ کے بچوں سے کیوں زیادہ جھیجو بیمار [illegible]

مسز- ہاں آج میں جسقدر مجھ سے ہوسکیگا وہ بات بتاؤنگی- مگر وہ تو ایک بہت بڑا مضمون ہی آپ سے اسدن ملنے کے بعد سے میں برابر ہندوستان کے ایک بہت بڑے نامی گرامی ڈاکٹر کی کتاب پڑہتی رہی ہوں، اور میں نے اُس ڈاکٹر کے بعض لفظ حرف بحرف نقل بھی کرلیئے ہیں، اسواسطے کہ میں

اس مضمون کو ایسا اعلیٰ درجہ کا ضروری سمجھتی ہوں کہ میرے دل کو لگی ہوئی ہو کہ جو بات میں کہوں
اُس کی تصدیق بڑے سے بڑے ڈاکٹر کے قول سے ہو سکے۔ میں نہیں کہہ سکتی میرا کیسا دل خوش
ہو گا اگر میری کسی بات سے کسی ایک ہندوستانی بیوی کے دل میں بھی یہ پڑ جائے کہ جس طرح
ہملوگ اپنے بچوں کو اُٹھاتے ہیں اور پرورش کرتے ہیں اُسی طرح وہ بھی اپنے بچوں کی پرورش
کرنے لگیں، لے لو میں ابھی سے بڑائی کی بات کہنے لگی۔

بیگم۔ نہیں، بہن آپ کیا بات کہتی ہیں۔ میں تو حقیقت میں دل سے چاہتی ہوں کہ معلوم کروں آپکے ہاں
بال بچوں کے ساتھ کیا کیا جاتا ہی۔ بلکہ مجھپر تو اُن کی (سلیم کے والد کی) تاکید ہو کہ میں بہت غور سے
آپ کی باتیں سنوں۔

مسیز۔ اچھا تو مینے جو کچھ یادداشت کے لیئے لکھ رکھا ہی۔ اسے دیکھکر بتاؤں گی اور جسقدر مجھ سے صاف
صاف بتایا جاسکیگا بتاؤں گی۔ ہندوستانی بچے جو بکثرت مرتے ہیں تو ان تین وجہ سے مرتے ہیں۔

(۱) ایام حمل میں یعنی بچہ پیدا ہونے سے پہلے ۹ مہینے تک ماں کی حالت

(۲) بچہ کی ولادت کیوقت دائیوں کی بدسلیقگی جس کی وجہ سے زچہ اکثر اسقدر ناطاقت ہو جاتی
ہی کہ بچہ کو کافی دودھ نہیں پلاسکتی۔

(۳) پہلے سال میں بچہ کی بُری طریقہ سے پرورش

پہلی بات کے متعلق آپ جانتی ہیں کہ ماں پر بڑی جوکھوں ہوتی ہی۔ مگر اپنی بداحتیاطی و بدپرہیزی
سے تندرست نہیں رہتی یا ایسے مکانات اور ایسی آب و ہوا میں رہتی ہی جو تندرستی کو نقصان پہنچانے
والے ہیں، غالباً اُسکا بچہ جو پیدا ہو گا توانا نہیں ہو گا یا ماں بچہ کو کافی دودھ نہیں پلاسکیگی۔

بیگم۔ مگر ہم تو بچہ کی خاطر بہت احتیاط کرتے ہیں اور تندرست رہنے کی کوشش کرتے ہیں، اور وہ ایسا کیا
ہی جو ہم نہیں کرتے۔

مسیز۔ کیوں نہیں، میں سمجھتی ہوں، ہندوستان کی بیویاں ٹھیک طور سے تندرستی کے قاعدوں سے
واقف نہیں ہوتیں، اور یہ تو مینے بھی دیکھا ہی کہ اسکی وجہ سے مائیں اکثر دل چھوٹا ہوا مرندا اور

مرجھائی ہوئی ہوتی ہیں، اکثر بدہضمی اور سر کے درد کی شکایت رہتی ہے۔ کیوں آپ ہی بتائیے ایسا نہیں ہوتا کیا؟

بیگم۔ یہ سچ ہے، مگر جب میرے سر میں درد ہوتا ہے تو میں ایک بہت ہی عمدہ دوائی پی لیتی ہوں اُس سے آرام ہوجاتا ہے۔

مسیز۔ میں نے مانا، مگر کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ بالکل سر میں درد ہی نہ ہو؟ اچھا اب سنیئے اگر ہندوستان کی بیویاں حفظانِ صحت کے قاعدے جانیں تو اس سارے روگ سے چھوٹ جائیں۔

بیگم۔ یہ تو بتائیے کہ حفظانِ صحت کے قاعدوں سے آپکا کیا مطلب ہے؟

مسیز۔ بڑے بڑے ڈاکٹروں اور حکیموں نے اپنی زندگیاں انسان کے جسم کی رگ رگ پہچاننے اور اُسکی ضروریات کی چھان بین میں اگزار دی ہیں، اور اُنہوں نے سبب معلوم کر لیئے ہیں کہ کیوں کوئی انسان جو چند خاص حالتوں میں نہیں رہتا اور چند خاص قاعدوں کی پابندی نہیں کرتا، تندرست نہیں رہ سکتا۔

بیگم۔ مہربانی فرما کر مجھے بتائیے کہ وہ قاعدے کیا ہیں؟

مسیز۔ اچھا میں کوشش کر کے بتاتی ہوں، اور میں جو کچھ کہوں گی اُسکی حکمت کی رو سے دلیلیں بھی دونگی، مگر اُنکو بہت غور سے سمجھنے کی ضرورت ہے، اور مجھے ڈر ہے کہ اسوقت اس طرح سننے پر آپکا دل نہیں لگیگا۔

بیگم۔ نہیں، کیوں نہیں لگیگا، اگر میں پہلے وہ قاعدے سُننا چاہتی ہوں۔

مسیز۔ اچھا تو سُنیئے۔ سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ آپ کسی ایسے اچھے موقعہ میں اور کسی ایسے اچھے مکان میں رہیں جہاں آپ کی تندرستی کو ضرر نہ ہو۔ ہندوستان میں بہت سے قسم کے بخار محض سیلی گندی زمینوں کی وجہ سے اور بہت قریب قریب ملے ہوئے مکانوں کی وجہ سے ہوجاتے ہیں۔ بہت برس گزرے ہمارے ملک انگلستان میں بھی جاڑا اور بخار ایسے ہی پھیلے ہوئے تھے جیسے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں، مگر اب تو ہمارے ہاں جب سے مکانوں میں موریوں کا اچھا انتظام ہوا،

اور ہم لوگوں کے رہنے سہنے کے طریقے اور عادتیں صحت کے قاعدوں کے مطابق ہوگئیں،
موئی ساری بیماریاں کافور ہوگئیں۔ ہمیں عقل آگئی کہ اگر ہمیں کثرت سے کھلی ہوا اور روشنی نملے
تو ہم مُرجھانے لگیں اور بیمار پڑجائیں۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہوگیا ہی اگر زمین سیلی ہی یا ترکاری چھلکے
وغیرہ اِدھر اُدھر پڑے ہوئے ہیں تو آج یا کل ضرور ہمیں بخار ستائیگا۔ میں بارہا دیکھتی ہوں کہ آپکے
ہاں انگنائی میں برسوں کا میلا پانی کھڑا رہتا ہی یا ترکاری کا ڈھیر اور کوڑا کرکٹ اور خاک پڑی رہتی
ہی، اور یہ دیکھکر ہمیشہ میں اپنے دل میں کہا کرتی ہوں ہو ہی خدا جانے کیا بیماری اس کھڑے ہوئے
پانی اور پتوں اور چھلکوں کے ڈھیر میں پل رہی ہی“
بیگم۔ مگر وہ پانی تو ذرا پتیلیوں اور برتنوں کی دھوون ہی ہوتا ہی۔
مسز۔ خیر وہ کیسا ہی ہو، مگر پانی کے تام انگنائی میں کوئی چیز کھڑی نہیں رہنی چاہیئے۔ سب چھوٹی چھوٹی
نالیوں میں بہ جانا چاہیئے۔ برتنوں کا دھوون اور برتا ہوا پانی ہرگز ہرگز کھلی انگنائی میں اِدھر اُدھر پھینکنا
نہیں چاہیئے، بلکہ اُسکے لیئے اینٹوں کی نالیاں بنی ہوئی ہوں جس میں سے وہ بہ جاے۔ خاک کے
تودے اور ترکاری کے چھلکے اور کوڑا کہیں کسی جگہ قریب پڑے رہنے نہیں چاہئیں۔ اور اسی طرح
اگر مکان کے آس پاس جنگلا اور جھاڑیاں ہوں تو اُنکو بھی صاف کرا دینا چاہیئے ورنہ اُن میں خاک
اور پُرانے چیتھڑوں کے ڈھیر جمع ہو جاینگے اور کسی کو نظر نہیں پڑینگے۔ ساری خاک، دھول، پھکڑ،
الا بلا، روز بلا ناغہ گھر سے دور کسی جگہ پھکوا دینے چاہئیں جہاں وہ جلا دیئے جائیں یا دبا دیئے
جائیں یا کمیٹی والے اُٹھا لیجائیں۔ روز کے روز گھر میں ستھرائی ملنی چاہیئے، اور گھر والی بیوی کا خود
یہ کام ہو کہ وہ دیکھیں ٹھیک طرح سے صفائی ہوگئی یا نہیں۔ اور ماما یہ کرے کہ گیلی جھاڑن لیکر سب
کمروں کی ایک ایک چیز پر سے خاک پونچھے۔ اس سے کچھ فائدہ نہیں کہ ماما سوکھی جھاڑن سے خاک
جھاڑ دے کیونکہ اس سے تو خاک چیزوں پر سے گر کر فرش پر جمتی ہی۔ اور اسے خوب یاد رکھئے کہ خاک
ہی میں بیماری ہوتی ہی۔ تو بس آپ سمجھیں کہ اگر آپ تندرستی چاہتی ہیں تو سب سے پہلے اپنا مکان
اور صحن اچھی طرح صاف رکھئے اور ذرا سی بھی خاک اور چھلکے وغیرہ سڑنے نہ دیجیئے اور نہ پانی کھڑا

رات کو بھی خواہ کیسی ہی کڑکڑاتے جاڑے کی رات ہو کم سے کم ایک کھڑکی کھلی رہنی چاہیئے۔
بیگم۔ کیا خوب، اور ہوا بھی بھی اندر آئیگی تو سردی کے مارے کیا حال ہوگا؟ مجھے اکثر نزلہ کھانسی کا زور رہتا ہی، جو دروازے اور کھڑکیاں رات کو کھلی رکھوں تو اور بھی بُری گت ہو جائے۔
میر۔ اُلٹی بات، میں تو جانتی ہوں کہ بلکہ اکثر اُس سے آپ کے نزلہ کھانسی کو آرام ہی ہوگا۔ اسواسطے کہ آپ کی سانس کے ساتھ تازی تازی ہوا پھیپڑوں میں جائیگی یہ نہیں ہوگا کہ بند گھٹے ہوئے کمرہ کی زہریلی ہوا آپ کی سانس کے ساتھ اندر جائیگی۔ آپ نے یہ بھی سُنا ہی کہ اب دِق کے بیماروں کا ایک نیا علاج نکلا ہی اور اس علاج سے بہت سوں کو شفا ہوئی ہی۔ اس علاج کو ہماری زبان میں کھلی ہوا کا علاج کہتے ہیں، اور اس میں سچ مچ بیماروں کو کھلی ہوا دی جاتی ہی، ایسی جگہ رکھتے ہیں جہاں خوب تازی تازی ہوا آئے۔ ہم بھی انگلستان میں پرانے وقتوں کی بابت ہی) تازی ہوا سے بہت خوف کھایا کرتے تھے، اور جب کبھی نزلہ وزلہ کی شکایت ہوئی تو خوب چاروں طرف کی کھڑکیاں اور ہوا دان بند کر لیتے تھے، مگر اب ہم لوگوں کو عقل آگئی ہی اور اپنی غلطی سجھائی دے گئی۔ ہاں ایک چیز اور کرنے کی ہی اور وہ یہ ہی کہ ہوا کے آنے جانے کے لیئے مکانوں میں ایک چمنی (انگریزی وضع کے مکانوں میں شہ نشین کی جگہ ایک انگیٹھی دیوار میں بنی ہوئی ہوتی ہی، اور وہاں سے چھت تک دیوار کھوکھلی ہوتی ہی، جہاں سے ہوا آتی جاتی رہتی ہی، اور جاڑوں میں اس انگیٹھی میں آگ سلگائی جاتی ہی جس سے دھواں تو دیوار کی راہ اوپر نکل جاتا ہی، مگر سارا کمرہ گرم ہو جاتا ہی، تازہ ہوا کی آمد و رفت کے لیے یہ عمدہ انتظام ہی) بنائی جائے، اگر اسکا انتظام ہو سکے تو اور اگر یہ بس کی بات نہو تو کمرہ کے کسی کونہ کی طرف چھت میں روشن دان تو ضرور بنا لیا جائے، ایسا ہی خیال ہو تو گرمیوں اور برسات میں اُسے ڈھکے دیا کریں۔ مگر گھر میں اُسی کمرہ میں اگر کپنا رینا ہوا کرے تو اسی چمنی یا روشندان کے نیچے ہوا کرے، اور اسی کونہ کی طرف کہیں لیمپ یا چراغ رکھا جایا کرے تاکہ جو کچھ بدبو اور بُری ہوا ہو کمرہ میں نہ اُلٹے اُسی راستہ نکلجایا کرے کمرہ ویسا ہی صحت بخش رہے۔ بس ہیں دیکھتی ہوں دیر ہوئی جاتی ہی اور اب مجھی چل کھڑا ہونا چاہیئے

تھی اور جسکا مقصد یہ تھا کہ شریف پردہ نشین مستورات کی تعلیم کا کوئی خاطر خواہ باقاعدہ انتظام کیا جائے
چنانچہ بعد پورے غور کے انجمن کے جلسہ منعقدہ ۱۹- نومبر ۱۹۰۲ع میں بہن لے۔ ڈبلیو۔ جے بیگم صاحبہ
اور بہن ایس۔ یو۔ بیگم صاحبہ نے ایک تجویز پیش کی تھی کہ دہلی میں ایک مدرسہ شریف پردہ نشین مسلمان
لڑکیوں کا جاری کیا جاوے انجمن ضرور اس کام کو کرتی لیکن کچھ ایسے حالات پیش آگئے کہ خود انجمن کا
جاری رہنا ہی دشوار ہوگیا، اُسکے بعد اردو اخباروں میں ہم نے لوگوں کے مضمون دیکھے جو انجمن کی
تجویز کی تائید کرتے تھے، پارسال ہم نے یہ بھی سنا تھا کہ بمبئی کی کانفرنس میں یہ بات پاس ہوئی ہی کہ
لاہور میں ایک مدرسہ اُستانیوں کے تیار کرنیکا جاری کیا جاوے لیکن کسی تجویز یا مضمون کا ابتک عملی
نتیجہ نہیں نکلا اس سے معلوم ہوتا ہی کہ در اصل کرنے دہرنے کا کچھ خیال نہیں ہی محض باتوں سے اور
مضمونوں سے دل خوش کرنے کی غرض ہی۔ اب اگر واقعی مسلمانوں کو تعلیم نسوان کا کچھ بھی خیال ہی تو میں
آنکی خدمت میں عرض کرتی ہوں کہ وہ اب ایک مدرسہ جاری کرنے کے لیئے روپیہ جمع کریں اور چندہ
کی فہرست فوراً کھولدیں، خواہ یہ مدرسہ دہلی میں قائم ہو یا علیگڈہ میں یا لاہور میں ہمیں اس سے غرض
نہیں، غرض یہ ہی کہ مدرسہ فوراً جاری ہوجانا چاہیئے، ہماری انجمن کے ماہواری چندوں سے جو کچھ
جمع ہوا تھا اُس میں سے بعد خرچ کے مبلغ ۶۲ باسٹھ روپیہ اسوقت موجود ہیں جو ہم کمیٹی کے حوالہ کرنے کو
آمادہ ہیں اور یہ مدرسہ کا اوّل چندہ سمجھا جاوے، اگر فہرست چندہ کھُل جاویگی تو ہماری انجمن کے سب ممبر
اور نیز اُمید ہی کہ دیگر مقامات کی روشن خیال بہنیں روپیہ سے بہت کچھ مدد دینگی اور اگر ہماری قوم کے
معزز لوگ اب بھی پورے طور سے متوجہ ہونگے اور مدرسہ جاری نکرینگے تو پھر اُنکو فضول تقریر اور مضمون
نویسی میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں نہ مستورات سے ہمدردی کے اظہار سے کچھ
فائدہ پہونچ سکتا ہی اُنکو اپنے حال پر رہنے دیں۔

راقمہ

سکندر جہاں بیگم

وہ زمین پر گریں آئی نے اُٹھایا ارل نے یہ دیکھکر فرمایا کہ اب تو آپ پاؤں پٹنے کے معنی خوب اچھی طرح سے سمجھ گئی ہوں گی تو اُنہوں نے فرمایا کہ اب میں رپٹن کے معنی ایسے سمجھی ہوں کہ اپنی ساری عمر نہیں بھولوں گی۔

ایک اور یہی ہی حکایت ہی کہ وہ کُتے سے کھیل رہی تھیں کہ آدمی نے اُنکو سمجھایا کہ اس کُتے سے مت کھیلو۔ مگر اُنھوں نے اُسکا کہنا نہ مانا۔ کُتے سے کھیلتی رہیں یہانتک کہ اُسنے اُنکے ہات پر ایک دانت مارا تو اُس آدمی نے پوچھا کہ کتے نے کہیں کاٹ تو نہیں کھایا شہزادی نے جواب دیا کہ کاٹا تو نہیں مگر دانت لگا کر مجھے سمجھایا ہی کہ میں آیندہ کتوں کے ساتھ کھیلنے میں احتیاط کروں میں تمہارا شکر ادا کرتی ہوں۔ میں خطا پر تھی تم صواب پر۔

بچپنے کے حالات کی دلچسپی

اس شہزادی کے بچپنے کا حال ایسا دلکش ہی کہ خواہ اُسکو کتنا ہی بیان کیجیے دل نہیں بھرتا۔ بیختیار دل یہی چاہتا ہی کہ اس قیصر جلیل القدر کے بیانات اُس زمانہ کے بیان کیے جائیں کہ تخت سلطنت اُنکے خواب میں بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔ وہ بیساختہ سادہ لباس پہنتی تھیں جو اُنکو ہزار ہزار بناؤ دیتا تھا۔ وہ دوستوں کے ساتھ نیک سلوک کرتی تھیں۔ بزرگوں کے کہنے میں چلتی تھیں۔ اپنے کھیل کود سے خوش ہوتی تھیں۔ اپنے پلے ہوئے جانوروں کی خبر لیتی تھیں اپنے باغ کے پھولوں میں پانی ڈالتی تھیں اور پھولوں کے درخت میں اتناہی پانی ڈالتیں جو اُسکے لیئے مناسب ہوتا۔ اُنکی ہر بات میں سادگی پائی جاتی تھی۔ اُنکی والدہ مکرمہ جو اُنکی خاص ذات کے لیئے مشیت ایزدی کا اوتار تھیں سراپا اُنکی تعلیم و ترتیب و پرورش میں محو تھیں۔ ابتدا عمر سے نیک عادتیں ڈلوائی تھیں اور اُنکی تعلیم میں ایسا ہی اہتمام کرتی تھیں جیسے کہ ان لوگوں کی تعلیم میں ہوتا ہی کہ علم سے روٹی کماتے ہیں۔

حکایت گڑیا خریدنے کی اور ایک بھوکے کو اُسکی قیمت دینے کی

مسٹر سٹوری اُنکے آٹھ سات برس کی عمر کی یہ کہانی بیان کرتے ہیں کہ شہزادی نے ایک دوکان کے دروازہ میں ایک گڑیا رکھی دیکھی۔ جسکے خریدنے کے لیئے بے اختیار اُنکا دل چاہنے لگا۔ مگر اُنکی جیب

خاص کا خرچ جو معمولی تھا وہ سب خرچ ہو چکا تھا۔ اُنکی والدہ نے ارشاد کیا کہ میں اب تم کو اُسکے خریدنے کی اجازت نہیں دونگی۔ جب تم کو آیندہ جیب خاص کا خرچ ملیگا تو اُسکو خرید لینا۔ پس جب اُنکو پھر خرچ ملا تو وہ دکان سے گڑیا خرید کرکے جلدی جلدی چلی آتی تھیں کہ راہ میں ایک فقیر پر اُنکی نظر پڑی جو اُنکی برابر کھڑا ہوا تھا۔ وہ بڑا خستہ حال تھا توجہ فرماکر اُسکا حال پوچھا تو اُسنے لرزلرز کر اپنا حال بیان کیا کہ اگر میں بھوکا نہ مرتا ہوتا تو سوال نہ کرتا۔ اُس کی آنکھوں میں ایسے حلقے پڑے ہوئے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ بھوک کے مارے اُسکا دم نکل رہا ہی۔ شہزادی اپنا سارا روپیہ گڑیا کی قیمت میں دے آئی تھیں۔ اُنھوں نے کہا کہ مجھے افسوس ہی کہ میرے پاس روپیہ نہیں ہی کہ میں تمکو دوں تو سائل نے لرزتی ہوئی آواز سے کہا کہ لیڈی میں تمہارا شکر ادا کرتا ہوں وہ گھسٹ گھسٹ کر چلنے لگا۔ معلوم ہوتا تھا کہ بھوکا مر جائیگا۔ یہ حال دیکھکر شہزادی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور غمناک آواز سے کہا کہ سائیں اگر آپ کی خوشی ہو تو کچھ دیر بیٹھ جائیں۔ وہ اُلٹی دکان پر دوڑی گئیں اور جس لیڈی سے گڑیا خریدی تھی اُس سے کہا کہ آپ کی خوشی ہو تو اس گڑیا کو واپس لے لیجیے اور چند روز تک اسے رہنے دیجیے کہ میں پھر آنکر اسے خرید لوں تو دوکاندار نے کہا کہ میں بخوشی اسے رہنے دونگا۔ آپ اسکی قیمت مجھ سے واپس لینا چاہتی ہیں؟ شہزادی نے کہا کہ ہاں۔ اگر آپکی خوشی ہو۔ اُنھوں قیمت واپس لیکر ساری فقیر کو دیدی۔ فقیر اُسے لیکر متحیر ہو گیا۔ اور اُسنے کہا۔ اس نیکی کے سبب سے تم ملکہ ہونے کی مستحق ہو۔ خدا تمکو ملکہ بنائے گا۔

شہزادی وکٹوریہ کی تعلیم کا نتیجہ

ڈچس کنٹ اپنی صاحبزادی میں خدا پرستی اور نیک سیرتی زیادہ پیدا کرنا چاہتی تھیں اس لیئے اُنکو دربار شاہی سے علیحدہ رکھتی تھیں۔ شہزادی دربار سے دور رہکر تحصیل علوم و فنون میں کوشش کرتی تھیں۔ اس تعلیم کا نیک سرانجام یہ ہوا کہ ابھی بارھواں سال تھا کہ لیاقت علمی کی یہ کیفیت تھی کہ فرنسیسی و جرمنی زبانیں بے تکلف بولتی تھیں۔ ان دو زبانوں اور انگریزی زبان کا بولنا تو اُنھوں نے اپنے مہد ہی میں سیکھا تھا۔ لیٹن زبان میں استعداد تھی۔ یونانی زبان کی تحصیل شروع کی تھی۔ علم حساب اور موسیقی میں

جائیگی تو میری ان مشکلوں کو آسان کر

(ذکار اللہ)

انعامی مضمون

ہمارے ایک دوست نے، جو اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں فرماتے، عالیجناب مسیز مارلین کے نام پر سالانہ ایک چاندی تمغہ خاتون کے سب سے اعلیٰ مضمون کے لیئے دینا تجویز کیا ہی۔ شرائط یہ ہیں کہ تمغہ صرف مستورات کو مل سکیگا اور انھیں کے مضامین کا مقابلہ ہوگا۔ مضمون کا پہلے سے اعلان کر دیا جائے گا اور ہر سال ماہ نومبر کے ختم پر تمام مضامین دفتر خاتون میں آجانے چاہئیں۔ ہم نے بہ منظوری جناب مسیز مارلین بخوشی اس تمغہ کی تجویز اور مقابلہ کی شرائط کو منظور کر لیا ہی۔ آیندہ سال سے مقابلہ شروع ہوگا، مگر آیندہ سال بجائے ماہ نومبر کے ماہ فروری سنہ ۱۹۰۵ء کے ختم تک تمام مضامین ہمیں وصول ہو جائیں۔ اس دفعہ کے لیئے خود جناب مسیز مارلین نے مضمون تجویز کیا ہی، جسکو ہم بغرض اعلان درج ذیل کرتے ہیں۔ یقین ہی کہ ہماری قوم کی لائق مستورات اس معاملہ میں شریک ہونگی اور مضامین روانہ فرمائینگی۔

انعامی مضمون۔ موجودہ حالات اور ضروریات کے لحاظ سے لڑکیوں کے لیئے سب سے بہتر تعلیم و تربیت کیا اور کس قسم کی اور کیونکر ہو سکتی ہی۔"

(اڈیٹر)

بیوقوف نہیں ہیں بلکہ ان میں مردوں کی نسبت زیادہ قابلیت کا مادہ پایا جاتا ہی۔ بس اب تعلیم النساء کے
انکار کی کوئی وجہ نہ رہی اور اگر ہی تو صرف اتنی کہ یہ اس تعلیم کا حق بھی رکھتی ہیں یا نہیں اور ان کا حق
مردوں کے حق کے برابر ہی یا نہیں۔ اگرچہ یہ کوئی بات نہیں ہی کہ علم سی عام شئے کسی خاص گروہ یا فرقہ
پر مخصوص کیجائے کیونکہ جو دل دماغ جگر ناک آنکھ کان ہات پاؤں وغیرہ خدائے تعالےٰ نے مردوں
کو عطا کئے ہیں وہی عورتوں کو بھی بخشے ہیں۔ جسقدر عقلی قوی کے مادے مردوں میں کوٹ کوٹ کر
بھرے ہیں اُسیقدر عورتوں کے رگ و ریشہ میں بھی بندے پڑے ہیں پھر کیا وجہ ہی کہ ہم انکو علمی حصہ
نہ دیں۔ افسوس ہی کہ مرد تو اپنے عقلی قوی کو روز بروز تجربوں اور مختلف وسائل سے بڑہاتے جائیں
اور بیچاری عورتیں ان قوی کو کام میں نہ لانے کے باعث بالکل کند اور نکما کردیں۔ تم کہو انھیں کون
روکتا ہی؟ ہم کہتے ہیں تم تم تم۔ کیونکہ تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ عورتوں نے پڑہا اور ہمارے ہات سے نکلیں
اس ڈر کے مارے مذہبی مسائل تک سے انھیں واقف نہیں ہونے دیتے۔ جہانتک ممکن ہوتا ہی زبانی
تیر تکوں ہی سے کام نکالنا چاہتے ہو حالانکہ ہمارے شارع دوراندیش ہادی کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے
پہلے ہی فرما دیا ہی کہ "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ" یعنے علم کی جستجو کل مسلمانوں
اور اُنکی عورتوں پر فرض ہی۔ کوشش تو درکنار تم گھرائے علم کو دھکے دے دیکر نکالتے ہو۔ ہم کہتے ہیں
جو تعلیم بگاڑنیوالی ہی وہ تعلیم ہی نہیں۔ اگر علم کا نتیجہ یہی ہی تو پہلے مردوں میں سے اس رسے سہے چرچے کو
اُٹھاؤ اور یہ بات ثابت کرکے دکھاؤ کہ جتنے عالم فاضل حکیم و دانشمند گزرے ہیں اُن سب کو اس علم نے
خراب کیا ہی کیونکہ جب تعلیم مخرب اخلاق ٹھیری تو اُسکا اثر مرد اور عورت پر برابر یکساں ہونا چاہیئے۔ پھر
تم اور بیچاری قہر کی ماری بیویاں دونوں ملکر حیوانوں میں شامل ہو جاؤ۔ کس لئے کہ حیوان اور انسان
میں سب کے نزدیک صرف تعلیم اور تہذیب ہی کا فرق ہی ورنہ جو تمہیں خدا نے اعضا بخشے ہیں وہی
اُن میں بھی موجود ہیں۔ جنگلی آدمیوں کو دیکھو وہ بھی تو تمہارے ہی بھائی ہیں۔ صرف انسانیت یعنی
تعلیم و تہذیب کے نہونے سے تم اُنسے بھاگتے ہو اور وہ تم سے نفرت کرتے ہیں۔ بلکہ تم تو آدمیت کے
باعث انھیں جان سے مارنا گوارا نہیں کرتے مگر وہ تمھیں اپنی جہالت کے سبب کچا کھا جانے تک کا ارادہ

ہند کی عورتوں میں سے علم کیوں اُٹھ گیا

جناب مولوی سید احمد صاحب دھلوی نے تعلیم نسوان کے بارے میں جو جو خدمات کی ہیں اُنسے پبلک ناواقف نہیں ہی۔ مولوی صاحب موصوف نے ایک طرح سے اپنے قلم کو اس مفید مقصد کی انجام دہی کے لیئے وقف کر دیا ہی۔ خاتون کے حال پر مولوی صاحب کی خاص توجہ اور عنایت ہی۔ ہند کی عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ اسوقت اسقدر پیچیدہ ہی کہ گورنمنٹ کی بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ ایسے وقت میں مولوی صاحب کا یہ ثابت کرنا کہ کبھی زمانہ میں علم تھا اور اب نہیں رہا کل مسئلہ تعلیم نسوان پر ایک روشنی ڈالنے اور عمدہ نتیجہ پیدا کرنے میں مدد دیگا۔

اڈیٹر

اگرچہ خاص ہند کی نسبت ہمارے پاس کوئی ایسی تاریخ نہیں ہی جس سے ہم یہ ثابت کر دیں کہ ہندوستان کی عام عورتوں میں تعلیم و تعلم کا دستور تھا کیونکہ یہاں ذاتوں کی تمیز دہرم شاستر کے عملدرآمد نے ہر قوم کو اپنے ہی مقررہ پیشہ میں ترقی و کوشش کرنے پر مجبور کر رکھا تھا۔ اُتم ذاتوں کے سوا اور لوگوں کا مقدور نہ تھا کہ وہ دینی یا دنیاوی علوم میں ہات ڈال سکیں۔ گویا خدا کے ہاں سے بھی نیچ قوموں کو یہ مادہ عطا نہیں ہوا تھا یا وہ لوگ انکے نزدیک اس جوہر لطیف کے قابل ہی نہ تھے۔ دینی علوم اگر طرح جب بھی خاص برہمنوں سے مخصوص تھے۔ البتہ حکمت ریاضی تمدن معاشرت اخلاق وغیرہ کو اور شریف قومیں بھی حاصل کر لیا کرتی تھیں۔ جو فنون و علوم راجاؤں کو سیکھنے لازم تھے اُنھیں وہ سیکھ لیا کرتے تھے اور اس حکومت کے تصدق میں اُنکی عورتیں بھی اپنے شوق سے علمی لیاقت بہم پہنچا لیا کرتی تھیں جس کے سبب سے تارا مندودری سیتا شکنتلا کُنتی گندھاری رکمن پریچ دیوکی ملکہ ہند لیلاوتی وغیرہ وغیرہ بہت سی مشہور و نامی عالمہ ہو گزری ہیں جس سے ثابت ہوتا ہی کہ ہند کی شریف عورتوں میں بھی ابتدا سے علمی مادہ اور یہ جوہر انسانی موجود تھا۔ مگر مسلمانوں کی عورتوں میں

علی العموم اس امر کا چرچا پایا جاتا تھا گو اب بالکل مفقود ہو جانے کے قریب ہو گیا۔ اس چرچا ہونے کی بڑی
وجہ یہ تھی کہ ہمارے یہاں قرآن مجید کا پڑھنا جس پر پنج وقتہ نماز کا مدار ہے اور اُسکے ساتھ ضروری مسائل
سے واقفیت حاصل کرنا جس پر صوم و صلوٰۃ و ارکان مذہبی کا انحصار ہے ہر مرد و عورت پر واجب بلکہ
فرض تھا چنانچہ جہاں بچہ ساڑھے چار برس کا ہوا اور اُسے بسم اللہ پڑھا کر اس امر پر ڈال دیا۔ اس دینی
حروف شناسی و شُد بُد کے طفیل کثیر ذہین و سمجھدار عورتیں از خود اور اکثر ماں باپ کی توجہ سے علم
اخلاق و ادب میں پیرا پا کر لی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ اُن کی اولاد اُس زمانہ میں شائستہ لائق
جری اور بہادر ہوا کرتی تھی مگر یہ باتیں اُسوقت تک قائم رہیں کہ جب تک ہم نے دولت کو سرمایۂ
عشرت نہ جانا یا جسوقت تک ہمارے پاس اسقدر دولت نہیں ہوئی کہ ہم اُس کی بدولت اپنے سارے
کام سرانجام پاتے دیکھکر علم و ہنر سے بے فکر اور یک لخت سست ہو بیٹھیں۔ تا وقتیکہ ہم کو آرام یا
سہولت سے بلا مشقت دولت ملے گی ہم کبھی کسی قسم کا ہنر یا علم سیکھنے کا ارادہ نہ کرینگے۔ غرض جوں جوں
ہمارا ہر ایک کام آسانی سے ہونے لگا ہم مجہول اور نالائق محض بنتے گئے۔ جب مردوں نے علم اور فرائض
دین کی طرف سے توجہ اُٹھا دی تو بیچاری عورتیں جنکے سارے کام انکی مرضی پر منحصر ہیں کیونکر علم حاصل
کرتیں وہ بھی روز بروز جاہل اور گندۂ ناتراش بنتی گئیں۔ جب تک عام مرد اور عام عورتیں پڑھنے لکھنے
پر توجہ نہ کریں ممکن نہیں کہ ہماری قوم یا کوئی اور ملک اصلاح پذیر ہو اور اس تدبیر منزل کی پڑی ہوئی غلطیاں
نکلیں۔ غرض جب سے مردوں نے مذہبی فرائض میں سستی اور دولت نے ترقی پکڑی سب نے عیش
میں پڑکر سارے طریقے گنوا دیئے۔ مردوں نے خود بھی جہالت اختیار کی اور اپنی عورتوں کو بھی جاہل
رکھا جسکے باعث اُن میں وہم و وسواس کی بنیاد پڑکر اعتقاد میں ضعف اور علوم و فنون کے حصول کا
وبال آگیا۔ جب جہالت عام ہو گئی اور اُسنے ہماری رگ و پے میں بخوبی سرایت کر لی تو اب دفعتًہ نکلنا
معلوم۔ پس یہ ساری خرابیاں ہماری راحت طلبی کی ڈالی ہوئی ہیں۔ اگر ہم لوگ انضباط اوقات سے
کام لیتے اور اپنے وقت کی قدر جانتے تو بھی ممکن تھا کہ دس بُرے کاموں کے ساتھ چار اچھے کام بھی ہوتے
چلے جاتے اور اب بھی اس طرف توجہ فرمائی جائے تو صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے۔ سید احمد دہلوی

خانہ ویرانی

اگر پیدا ہوتے ہی مرجاتی تو یہ قسمت کا لکھا کیونکر پورا ہوتا۔ ان بُرے دنوں کا مُونھ کون دیکھتا۔ ج
بی اماں نے مجھ ناشاد کے جینے کی خاطر سارے جہان کے سیانے مُلّا چھان مارے۔ مگر اب کوئی جا کر
پُوچھے کہ تم تو آرام سے گور میں آن سوئیں بیچاری صغری کی خبر نہیں کہ اُسپر کیا بن رہی ہے۔ اُن [illegible]
رُوح خوش ہوتی ہو گی کہ صُغریٰ کو امن کے گنبد میں چھوڑ آئی ہوں، اور یہاں یہ حال ہے کہ دنیا بھر
مصیبت سہنی اور رات بھر آٹھ آٹھ آنسو رونا۔

بہن! میرے غم کی کہانی سُنکر کیا لو گی۔ مرنوالے ماں باپ کا دلّی میں مکان تھا۔ ابا جان [illegible]
فراش خانہ محلہ میں رہتے تھے۔ گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ تھا، مگر اولاد نہونے کے سبب کسی کو کل نصیب
نہ تھی۔ اماں جان کو تو جتنی پھڑک ہوتی جا سر تھی، پر ابا کا یہ عالم تھا کہ جھوٹے کو کسی فقیر، عامل یا جوگی
سُن لیتے اور سچ مچ اسکو ڈھونڈھنے جا دوڑتے۔ غرض خدا خدا کر کے میں نگوڑی دُکھیاری پیدا ہو
اُس دن کی خوشی کچھ نہ پوچھو۔ بس سیکڑوں عیدیں آگئی تھیں۔ خالہ نور وزی کہتی تھیں کہ تیرے
ویسے تو بھاری بھر کم اور اپنے تئیں لیئے دیئے رکھتے تھے، مگر اُس دن اُنکا بھاری بھر کم بنا سب فو چکا
تھا۔ بات بات پر باچھیں کھلی جاتی تھیں، اور اندر باہر دوڑے دوڑے پھرتے تھے۔ سیکڑوں روپیہ
خیرات اور ہزاروں کا ناچ رنگ کھانا دانا ہوا۔ مجھے بڑے لاڈ سے پالا، اور جس چاؤ چو چلے سے پلی
ہی خصلتیں ہوئیں۔ بات بات پر روٹھنا، شوخیاں کرنا، کھانا سامنے آتا تو ناک مار کر کھاتی۔ کبھی ایسا
ہوا کہ کوئی چیز خوش ہو کر کھائی ہو۔ لیکن خدا بخشے اماں جان سب طوے اُٹھاتیں اور میرا جی بہلا
کی روادار ہوتیں۔ ذرا ہوش سنبھالا تو ماں پڑوس کی عورتوں نے اماں سے کہا کہ "بی صُغریٰ
سے پڑھواؤ، جو روز محلہ میں آتی ہے۔ کیسی نیک ملنسار عورت ہے"۔ اتنا سُننا تھا کہ اماں آپے سے
اور بولیں۔ لو بُوا! مجھے اپنی بچی کو کرسٹانی بنانا ہے، یا پڑھا لکھا کر نوکری پر بھیجنا ہے۔ سلام ہے تمہار
اور تمکو۔ ابتو کہا، اب کہو گی تو تمھیں جانو گی۔ میں ان فرنگنوں سے پناہ مانگتی ہوں۔ لے کیا سُنا

سید نعیم کی لڑکی کا کیا حشر ہوا۔ صاحبزادی چپ چاپ گر جا بھاگ گئیں۔ پیچھے سارے جہان کے جتن کیئے لیکن کچھ بھی نہوا۔ اول تو میرا ارادہ ہی نہیں کہ اپنی صغریٰ کو پڑہا لکھا کر حرافہ بناؤں، اور اگر اسکے نصیب میں ہی یہ لکھا ہے تو کسی ہُستانی کو رکھکر نماز، روزے سے واقف کرا دونگی۔ جب میری عمر تیرہ برس کی ہوئی تو ابا جان کو شادی کی سُوجھی نجب نہیں کیا اندر ہی اندر کھچڑی پکائی کہ ایکا ایکی سُنا تو یہ سنا کہ بی صغریٰ کی عید کے مہینے ۴ تاریخ کو شادی ہے۔ عید کا مہینہ بھی آگیا، ماں باپ نے بڑی دہوم دھام سے میری شادی رچائی، اور رخصت کیا۔ اب یہ تم خود ہی اندازہ کرلو کہ مجھ جیسی چاہتی لاڈلی اور اکلوتی بیٹی کی اس ان بان سے وداع ہوئی ہوگی۔ تسو کی ایک بات ہے کہ تمام ارمان نکالے گئے، سب چاؤ پورے کیئے گئے، اور مجکو رونا دہوتا اکیلا رخصت کردیا گیا۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں سسرال اکیلی گئی۔ نہیں۔ بلکہ امّاں ابا سے جُدا ہوکر اکیلی ہوئی، ورنہ یوں تو کئی عورتیں ساتھ تھیں۔ جس سے سنجوگ ہوا پڑھا لکھا کھاتے پیتے گھرانے کا تھا۔ میرے سسرے سید کاظم حسین دلی کے خاصے شریف آدمیوں میں گنے جاتے تھے۔ حیدرآباد میں کسی بڑے روزگار پر تھے۔ بیچاروں کے ایک ہی لڑکا تھا، باقی اللہ کا نام۔ اسلیئے یہاں آکر میری گھر سے بھی زیادہ آؤ بھگت اور قدر ہوئی۔ لیکن میرے سسرے کو جسقدر شادی گھر کی آبادی سے خوشی ہوئی اس سے زیادہ اسکا غم تھا کہ اُنکے لڑکے کا مزاج میرے مزاج کے خلاف تھا۔ وہ انگریزی تعلیم اور انگریزی میل جول کے سبب عجیب عجیب قسم کے خیال رکھتے تھے۔ اور ادہر میں بیچاری، اول تو نادان عمر اور دوسرے اُنپڑھ۔ دن بدن اُلجھن پڑنے لگی۔ برس دن میں مزاجوں کی ناموافقت کُھل گئی۔ اُنکے وقت بندہے ہوئے، وقت پر سونا وقت پر کھانا وقت پر پڑہنے لکھنے کا شغل کرنا اور وقت پر کھیلنے یا باہر ہوا خوری کو جانا، یہاں میری کوئی بات قرینہ کی نہ تھی۔ وہ مجھ سے اخباروں کی اور سارے زمانہ کی باتیں کرتے، میں کمبخت اوزبک، میں ان باتوں کو کیا جانوں، ہاں میں ہاں ملانا بھی نہیں آتا تھا۔ آخر وہ بہت کم مجھ سے بات چیت کرنے لگے اور مہینے اکثر چُپ چُپ گردن جھکائے بیٹھے ہوئے ہی دیکھا۔ اُسوقت میں بیوقوف یہ سمجھی کہ انکے دل پر کاہیکا صدمہ ہے۔ کتاب ہات میں ہے تو اور کوئی اور کام کررہے ہیں تو ہر وقت سوچتے اور غور کرتے اور رہ رہ کر ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے ہی پایا۔ برس دن کے بعد ہم سب کا حیدرآباد جانا ہوا

میں تو ساتھ نہ جاتی، اور اماں جان نے بہتیرا چاہا کہ میرا جانا نہ ہو، مگر اب ساس سسرے کا اختیار تھا، و
کیا کرتیں اور میں کیا کرسکتی تھی۔ حیدرآباد آنے کے بعد بھی وہی حال رہا، گھر میں ساس سسرے ایسی خا
کرتے کہ کیا کوئی کریگا، مگر ان کا وہی حال تھا کہ ع یہ غم آٹھوں پہر جو پنسٹھ گھڑی ہو۔ انکے طور نہ بد
بلکہ دن بدن زیادہ ہی غم بڑھتا گیا۔ مجھے بھی یہ حالت مصیبت ہوگئی، اور انکی تکلیف سے دل کڑھتا
جب کبھی چپ چپ رہنے کا سبب پوچھتی تو یہی کہکر ٹال دیتے کہ "تم کیا جانو" یا "نہیں مجھے تو کسی با
کا فکر نہیں" اور پھر میری دلدہی کردیتے۔ حیدرآباد کے برس دن ہی گزرا تھا کہ دلی سے خط پہ خط بیمار
کے ذکر کے چلے آتے تھے، اور یہی سنتی رہی کہ نناوے (ہیضہ) کا شہر میں زور ہو رہا ہے۔ اماں جان ا
اباجان کی خیریت کی دعائیں مانگا کرتی تھی کہ یکایک ایک تار آیا کہ اباجان ہیضہ کرکے رخصت ہو
بس نہ پوچھنا کہ یہ سنکر مجھ پر کیا گزری، نہ رونے چین آتا تھا اور نہ چپکے رہتے بن پڑتی تھی، آٹھ دس د
دوسرا تار آیا کہ اماں جان بھی اللہ کے ہاں سدھاریں۔ اب تو رہی سہی اور بھی دیوانی ہوگئی۔ مہینوں میر
اوسان آئے ساس سسرے کی محبت سے غم غلط ہوا۔ تھوڑے دن بعد انکے والد نے رخصت لی
اور ہم سب دلی آئے۔ اباجان کی جو جائداد تھی اس میں سے میرا حصہ بھی ملا، اور اماں جان کی ساری
بست سسرال اٹھ کر آگئی۔ یہاں سسرال میں یہ قیامت پڑی کہ انکے والد کی رخصت ختم ہونے میں
دس بارہ روز ہی باقی تھے، اور وہ بیچارے ضعیفی کا زمانہ، علیل تو رہتے ہی تھے کہ انکی آنکھیں بھی بند
ہوگئیں۔ ساس کی جب عدت ختم ہوئی تو بیٹے نے حیدرآباد کا قصد کیا کہ باپ کی جگہ ملجائے۔ وہ۔
اور خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ انکو وہ نوکری تو نہیں مگر ایک دوسری نوکری تین سو روپیہ ماہوار کی مل گئی
وہاں رہنے سہنے لگے۔ برس چھ مہینے یوں ہی گزر گئے اور نہ میرے پاس انکا کوئی خط پتر آتا تھا اور نہ
میرے بلانے کا نام لیتے تھے۔ میں اس غم میں مری جاتی تھی کہ اب انکو کیا ہوگیا۔ اور طرح طرح کے برے
خیال ان کی طرف سے کئے تھے اور اپنا دل مسوس کر رہ جاتی تھی۔ آخر ایکدفعہ یہاں سے لکھا گیا
والدہ اور میں دونوں حیدرآباد آتے ہیں۔ اسپر انہوں نے تار دیکر منع کردیا، اور تین دن بعد ان
والدہ پاس خط آیا کہ میں تین مہینے تک دورہ پر رہونگا، اور اسکے بعد رخصت لیکر خود ہی آپکی قدمبو

دہلی حاضر ہونگا۔ تار اور خط آنے پر ہمارا جانا رُک گیا۔ مگر میں نے دو تین مہینے دن گن گن کر کاٹے۔ تین مہینے
کی جگہ برس دن گزر گیا گر وہ نہ آ سے۔ خرچ برابر بھیجے جاتے تھے، اور جب کبھی انکی والدہ کی طرف سے بلاوے
کا تقاضا جاتا، یہی لکھ دیتے اب اس چاند میں آؤنگا، اور اب اُس چاند میں آؤنگا۔ میں کیا اپنے نصیبوں
کو روؤں، تھوڑے دن بعد جو سنا تو یہی سُنا کہ اُنھوں نے وہاں دوسری شادی اور نیا گھر آباد کر لیا ہی
اس خبر سے میرا تو یہ حال ہوا کہ کاٹو تو بدن میں خون نہیں، دم بخود سہم کر رہ گئی، اور اندر ہی اندر گھلکر مرنے
لگی۔ اُن کی والدہ کو بھی اس بڑھاپے میں تھوڑا صدمہ نہیں ہوا۔ پہلے تو وہ بات چھپاتے رہے اور غیرت
کے مارے کسی کو نہ لکھ سکے، مگر جب یہاں سے پُوچھ گچھ زیادہ ہوئی، تو آخر کو قبول دیئے، اقرار کر لیا
پھر مجھے بھی ایک خط لکھا جسکو اسوقت تک میں نے تعویذ کی طرح سینت کر رکھ چھوڑا ہی، اور جب کبھی
اکیلی ہوتی ہوں اور دل غمزدہ ہوتا ہی، اُسے نکال کر دیکھتی ہوں اور جی بھر کے رو لیتی ہوں۔ وہ خط یہ ہے
" صاحب من سلامت۔ میں بفضلہ خیریت سے ہوں، تمھاری خیر و عافیت چاہتا ہوں۔ آج میں پہلا
خط تمکو لکھتا ہوں، اور کسقدر شرمندہ ہوں کہ بہت ہی افسوسناک خط لکھتا ہوں۔ پہلے تو مینے بہتیرا
چاہا کہ اس معاملہ کی دِلّی میں کسی کو کانوں کان خبر نہو، مگر جب خبر ہو ہی گئی اور میری رسوائی ہو گئی تو
میں کئی کئی دن تک اور راتوں کو دیر تک اپنے تئیں طرح طرح سے ملامت کرتا رہا، روتا رہا، اور یہ
سوچتا رہا کہ تمکو کس طرح یہ خط لکھوں۔ آخر آج ہمت کر کے اپنی خطا بتاتا ہوں۔ خدا کے لیئے تم اپنا دل
میلا نہ کرنا اور تم رنجیدہ نہونا۔ میں تم سے اسقدر شرمندہ ہوں کہ اب کبھی تمکو اپنی صورت نہیں دکھاؤنگا
خیر سُنو۔ میری رسوائی کا قصہ یہ ہی کہ شادی کے بعد سے میں برابر رنج و مصیبت میں ہوں جسکو تم بھی
دیکھکر ملول ہوتی تھیں اور بار بار اسکا سبب پوچھتی تھیں۔ مگر میں خود رنج اُٹھانا گوارا کرتا تھا اور تمہارے
نازک دل کو اپنے دل کا حال بتانا پسند نہیں کرتا تھا۔ شادی سے پہلے میں سمجھتا تھا کہ میری بیوی
میری خوشی اور رنج میں شریک ہوگی، میرے تمام مشاغل میں ہات بٹائیگی، اپنے علمی مذاق سے میرے
دل اور دماغ کو خوش کریگی۔ مختصر یہ کہ اگر جنس کا فرق نکال دیا جاے تو دوسری صفدر (انکا نام) ہوگی
اور مجھ میں اور اُس میں کوئی فرق نہوگا۔ مجھے خود بیوی پسند کرنی چاہیئے تھی، مگر دستور کے خلاف تھا،

اور والد مرحوم کی پسند ہر طرح قبول کرنی ضروری تھی۔ افسوس شادی کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ نہ صرف
میں اور تم میں مزاج کا اختلاف ہی، بلکہ تم میرے علمی مشاغل میں کوئی حصہ نہیں لے سکتیں اور میرا او
تمھارا ساتھ نبھنا نہایت مشکل ہی۔ میں کسی اور دنیا میں رہتا ہوں اور تم کسی اور دنیا میں۔ اس تج
سے سخت قلق ہوا۔ اور معلوم ہوگیا کہ میری زندگی برباد ہوگئی۔ اسی صدمہ میں میں گھلا جاتا تھا، ا
یہی وہ رنج تھا جسکو تم گھڑی گھڑی مجھ سے پوچھتی تھیں۔ اتنے برس مینے اس صدمہ اور تکلیف
گزار دیئے، آخر اب مجبور ہوکر اور لوگوں کی صلاح سے یہاں کے ایک شریف خاندان کی لڑکی
نکاح کرلیا۔ یہ بیوی پڑھی لکھی اور ہوشیار ہیں، کچھ مینے خود اور کچھ میموں کے ذریعہ سے تعلیم د
ہی اور اپنے مذاق کے لائق اور اپنے مطلب کا بنالیا ہی۔ مگر میں تمکو یقین دلاتا ہوں کہ میں کبھی تم
خیال دل سے نہیں نکالوں گا۔ تم مجھے ہمیشہ عزیز ہوگی۔ اور جو آمدنی ہوگی اُس میں برابر کا آدھا حصہ
تمھارا ہوگا۔ اس میں کبھی فرق نہیں آئیگا۔ خدا کے لیئے مجھے اپنا وہی پُرانا خادم سمجھو اور بالکل رنج
اور میری مجبوری پر غور کرکے میری خطا معاف کرو۔ میں پھر کہتا ہوں کہ للہ مجھے وہی اپنا صفدر سمجھ
میں کبھی تمھاری اطاعت سے باہر نہیں ہونگا۔ خدا کرے تم ہزاروں برس جیو۔ فقط تمھارا صفدر
اس خط کے بعد سے میری زندگی بالکل بدل گئی۔ سوت کا جلا پا بہت برا ہوتا ہی اور گو مجھے انھوں
کسی طرح کی تکلیف نہونے دی اور مرتے دم تک اپنے وعدہ کو نبابا، مگر میں تو دنیا سے گئی گزری
اپاہجوں سے بدتر ہوگئی۔ برا حال برا دہاڑا، نہ کسی سے ہنسنے کو جی چاہے اور نہ بات کرنے کو۔ ہر
اپنے ہی غم میں گھلتی رہتی تھی۔ دس بارہ برس اسی حال میں گزر گئے، بیچاری ساس بھی رخصت ہ
اور وہ بھی مجھ بدنصیب کو چھوڑ کر خدا کے ہاں سدہارے۔

ہائے کیسی خانہ ویرانی ہوئی۔ ایک وہ وقت تھا کہ میرے پیدا ہونے کے ارمان ہوتے
اور مجھ بچہ سی کو سب نے آنکھوں پر بٹھاے رکھا۔ ایک وہ وقت آیا کہ میں میاں والی تھی اور بھرا گھر
اور ایک یہ زمانہ ہی کہ سب رخصت ہوگئے اور میں بدنصیب زندہ ہوں۔ مگر غور کرتی ہوں تو انکا خیا
ٹھیک معلوم ہوتا ہی۔ وہ ایسے لائق فائق کہ جنکے علم کا چار دانگ عالم میں شہرہ تھا، جن کی ہر محفل

ہر مجلس میں تعظیم اور تکریم ہوتی تھی، اور میں ناشدنی بالکل جاہل الف کے نام ب بھی نہیں جانتی تھی کیونکر اُن کا میرے ساتھ گزارا ہو سکتا تھا، اور کیونکر وہ میرے ساتھ خوش رہ سکتے تھے۔ علم اور جہالت بھی کہیں ساتھ رہ سکتے ہیں۔ افسوس عقل آئی تو کب، جب لکھا پورا ہو چکا۔ مگر مجھ بدنصیب ہی کا قصور نہ تھا، بزرگوں نے ہی نہ پڑھایا لکھایا تو میں کیا کرتی۔

(صغریٰ)

بقلم حسن نظامی دہلوی

اور ڈھایا جائے تو ہم زمین کو زندہ اور جاندار کہینگے اور اُن ستاروں اور سیاروں کو بے جان جنمیں انسان یا حیوانات کے قسم کی جاندار چیزیں یا سبز درخت نہوں۔ اور دوسرے سیاروں کا حال تو ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں مگر ہمارا چاند ہماری زمین کا پیارا اکلوتا بچہ چونکہ ہم سے بہت قریب ہی اسیلئے اُسکے حالات کچھ کچھ معلوم ہیں۔

خدا کے عجیب کارخانے ہیں اُس ہیں کس کو دخل ہو۔ ماں بیچاری اگرچہ بڑھیا ہو چلی ہی مگر جیتی جاگتی ہی۔ لیکن اُسکا پیارا بچہ مدت ہوئی مر چکا۔ یعنی چاند میں اب کوئی جاندار شے نہیں ہی اور کسی طرح کی زندگی کا وجود پایا جاتا ہی۔ جس طرح مردہ جسم ٹھنڈا ہو جاتا ہی۔ ہمارے چاند کا جسم بھی ٹھنڈا ہو گیا ہی اور ہر وقت برف سے ڈھکا رہتا ہی۔ دوربین سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ اس کی سطح پر بڑے بڑے پہاڑ۔ میدان اور غار ہیں اور سب کے سب برف کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ آفتاب کی گرمی سے بھی یہ برف نہیں پگھلتی ہی۔ چاند میں نہ پانی ہی اور نہ ہوا جس سے بارش ہو۔ اب چاند پر مدت سے بارش ہی نہیں ہوتی۔ یہ سب کچھ ہی مگر واہ ری دھرتی ماتا کی ممتا کہ اپنے بچہ کو اپنے پاس سے علیحدہ ہی نہیں کرتی اور ساتھ ساتھ لیے دوڑتی پھرتی ہی اور ہماری طرح مونھ دیکھی محبت نہیں جتاتی کہ اپنے مردوں کو نہلا دُھلا، دفن کر دو دن میں دل سے بھلا دیتے ہیں۔ زمین کو ایک دم چین نہیں، سورج کے گرد چکر لگانے سے ایک لمحہ فرصت نہیں مگر بندریا کی طرح اپنے بچہ کو ساتھ ساتھ لیے پھرتی ہی۔ مگر زمین اور چاند وغیرہ سیاروں میں ایک خاص صفت خدا نے یہ رکھی ہی کہ جب تک انکا جسم قائم ہی چاہے زندہ ہوں یا مردہ وہ اپنی لٹو کی سی حرکت اور چاک پھیری نہیں چھوڑ سکتے۔ یعنی چکر کھاتے ہوئے دوڑے بھاگے چلے جاتے ہیں۔ مگر ان کی یہ دوڑ بھاگ اصل میں اپنی ماں باپ پر صدقہ قربان ہونے کی ہوتی ہی۔ چنانچہ چاند اپنی ماں زمین کے گرد صدقہ ہوتا ہی اور زمین اور اسکے بھائی بہن زہرہ۔ مشتری۔ مریخ وغیرہ جنکا پہلے ذکر ہوا ہی اپنے باپ آفتاب کے گرد گھومتے ہیں۔ زمین تین سو پینسٹھ دن میں سورج کے گرد ایک چکر پورا کرتی ہی اور چاند زمین کے گرد قریب قریب ساڑھے اُنتیس دن میں گھوم کر پھر اُسی مقام پر آجاتا ہی اور یہی وجہ ہے کہ کبھی اُنتیس دن میں اور کبھی تیس دن میں ہمارا پیارا ہلال ہم کو پھر نظر آتا ہی۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے

چاند کی مختلف صورتیں

۲۱ تاریخ	بدر	۱۰ تاریخ	۷ تاریخ	۳ تاریخ	ہلال

تاریک گول جسم بھی دُھندلا دُھندلا نظر آتا ہی۔

یہ تو ناظرین جانتے ہیں کہ چاند یکم تاریخ کو پچھم کی طرف نکلتا ہی اور پندرہ بیس منٹ میں نظر سے غائب ہوجاتا ہی۔ دوسری کو ذرا اور اوپر سے نکلتا ہی اور کچھ دیر کے بعد غائب ہوتا ہی۔ یہاں تک کہ ساتویں تاریخ کو ٹھیک سر پر نمودار ہوتا ہی۔ بعد کی تاریخوں میں پورب کی طرف سے نکلتا ہی اور چودھویں کو بالکل پورب کی طرف سے نمودار ہوتا ہی۔ پندرہویں سولھویں کو ذرا دیر کے بعد نمودار ہوتا ہی اور بعد طلوع آفتاب بھی موجود ہوتا ہی۔ ہم پھر کبھی بتائینگے کہ چاند سورج کی طرح ایک ہی وقت میں طلوع اور غروب کیوں نہیں ہوتا۔ اب اور سُنئے کہ جسوقت ہمارے یہاں چاند کی پندرہویں سولھویں ہوتی ہی۔ دنیا کے دوسری طرف کے حصہ یعنی ملک امریکہ وغیرہ میں چاند کی پہلی دوسری شروع ہوتی ہی۔ اور جب اُنکی چودھویں پندرہویں ہوتی ہی ہمارا مہینہ ختم ہوتا ہی اور پھر چاند پچھم میں نمودار ہوتا ہی۔ اسکا سبب بھی پھر بتائینگے۔

چاند کی حالت جو آنکھ سے نظر آتی ہی اُسکے متعلق ایک بات اور رہ گئی۔ یعنی چاند کی سطح پر سیاہی جسکو عام طور سے کہتے ہیں کہ بڑھیا چرخہ کات رہی ہی۔ یہ سیاہی چاند کے بڑے بڑے پہاڑوں کے سایہ کی ہی۔ اوپر لکھا گیا ہی کہ چاند میں اپنی روشنی نہیں ہی۔ ورنہ یہ سیاہی نہوتی۔ چونکہ اسکی سطح برف سے

نوٹ۔ مٹی کے گولہ میں ایک لمبی لکڑی سیدھی وار پار ڈالدیجائے جسکے سرے سفید اور میلے حصوں کے جوڑ پہ سے دونوں طرف سطح کے باہر نکلے ہوں۔ اس سے گولہ کے پھیرنے میں آسانی ہوگی۔ مگر واضح رہے کہ چاند میں کوئی ایسی لکڑی بالکل نہیں ہی۔ مٹی کے گولہ سے تجربہ آسان ہی اور اس سے چاند کا مختلف صورتیں بدلنا بخوبی ذہن نشین ہوجائیگا۔

ڈھکی ہو آفتاب کی روشنی میں چلکتی ہو مگر جہاں سایہ پڑتا ہو وہاں اُسقدر تیز چمک نہیں معلوم ہوتی اور وہ حصہ سیاہی مائل نظر آتا ہو پس اس سیاہی اور سفیدی کے ملنے سے دور ایک بڑھیا اور چرخہ کی صورتیں نظر آتی ہیں۔

ہماری زمین سے تمام سیارے اور ستارے بہت بڑی بڑی دوری پر ہیں جیسا کہ پچھلے مضمون سے معلوم ہوا ہوگا۔ چاند اوروں کی نسبت زمین سے بہت قریب ہو اور ایسے ہی جسم میں بھی بہت چھوٹا ہو۔ چاند زمین سے صرف دو لاکھ چالیس ہزار میل کے فاصلہ پر ہو۔ جبکہ زہرہ جو کہ قریب ترین سیارہ ہو جب بہت قریب ہوتا ہو تو تین چار کروڑ میل کے فاصلہ پر ہوتا ہو۔ زمین کی موٹائی قریب آٹھ ہزار میل کے ہو اور ہمارے چاند کی موٹائی صرف دو ہزار میل ہو۔ زمین کا جسم چاند کے جسم سے پچاس گنا بڑا ہو اور زمین کا وزن چاند کے وزن سے اسّی گنا زیادہ ہو یعنی اسّی چاند ترازو کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں اور زمین دوسرے میں تو ڈنڈی برابر رہیگی۔ اسی طرح زمین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پچاس برابر برابر گولے بنائیں تو ایک گولا چاند کے برابر ہوگا۔ پچھلے مضمون کے اخیر صفحہ کے مقابلہ سے معلوم ہوگا کہ ہمارا چاند عطارد سے جو سب سے چھوٹا سیارہ ہو بہت چھوٹا ہو۔

چونکہ خاتون نے اپنے اور مضامین کا طرز تحریر بدلکر بہت آسان کر دیا ہو مجکو بھی اس مضمون میں اسکا لحاظ رکھنا پڑا اور تھوڑی سی باتوں کو پھیلا کر اتنی وسعت دینی پڑی جس سے اندیشہ ہو کہ کام کی اور قابل یاد رکھنے کی باتیں مضمون کی طوالت میں کھو نہ جائیں اسلئے توضیحات اور تمثیلات کو علیحدہ کر کے نفس مضمون کو بطور خلاصہ کے ذیل میں درج کرتا ہوں جو آسانی سے ذہن نشین ہو سکتے ہیں۔ اگر کوئی مسئلہ نہ سمجھ میں آوے یا کوئی امر اس مضمون کے متعلق اور دریافت کرنا ہو تو اڈیٹر صاحب خاتون کو لکھنے سے اور خاتون کے ذریعہ سے حل ہو سکیگا۔

خلاصہ مضمون نمبر۲ متعلق چاند

۱ - چاند پر جاندار چیزیں مثل انسان، حیوان کے نہیں ہیں اور نہ ہری ہری گھاس یا پھول یا درخت پاے جاتے ہیں۔

۲ - چاند زمین کے گرد چکر لگاتا ہوا زمین کے ساتھ ساتھ سورج کے گرد دورہ کرتا ہی

۳ - چاند زمین کے گرد تقریباً ساڑھے اونتیس دن میں ایک دورہ ختم کرتا ہی اور یہی وجہ ہی کہ کبھی اونتیس دن اور کبھی تیس کا مہینہ ہوتا ہی۔

۴ - چاند کی سطح پر پہاڑ اور غار معلوم ہوتے ہیں۔ اور تمام میدان اور پہاڑ برف سے ڈھکے ہوے ہیں نہ پانی ہی نہ ہوا اور اسی وجہ سے بارش کبھی نہیں ہوتی۔

۵ - چاند میں اپنی ذاتی روشنی نہیں ہی۔ آفتاب کی روشنی سے چمکتا ہی۔ سیاہ سیاہ دھبے جو نظر آتے ہیں یہ پہاڑوں کے سایہ کی وجہ سے ہیں

۶ - چاند کی مختلف صورت ہلال بدر وغیرہ اُسکے گول ہونے اور زمین اور سورج کی مختلف سمت میں ہونے پر منحصر ہی۔ اسکا تجربہ مٹی کے گولے سے ضرور کرنا چاہیئے۔

۷ - چاند کا فاصلہ زمین سے تقریباً دو لاکھ چالیس ہزار میل ہی۔ زمین کی موٹائی آٹھ ہزار میل اور چاند کی صرف دو ہزار میل ہی۔ زمین کا جسم چاند کے جسم سے پچاس گنا بڑا ہی اور زمین کا وزن چاند سے اسی گنا زیادہ ہی۔

منطق کی پہیلیاں

منطقیوں کی نسبت جو قصے ملک میں مشہور ہیں اُنکا خیال کرکے تو شاید کسی کا دل نہ چاہتا ہوگا کہ منطقی بننے کی کوشش کرے۔ مثلاً ایک منطقی کی نسبت مشہور ہی کہ پھرتے پھرتے ایک تیلی کے گھر پر آنکلے۔ دیکھا کہ گھر کے اندر تو تیلی کا بیل کولھو چلا رہا ہی اور تیلی گھر کے باہر بیٹھا ہوا اپنے بچہ کے ساتھ کھیل رہا ہی۔ اسکے دل میں خیال پیدا ہوا کہ تیلی تو باہر بیٹھا ہی مگر بیل بغیر تیلی کے اپنے فرض کے ادا کرنے میں مشغول ہی (کولھو کا بیل تو مشہور ہی ہی) اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ بے شعور جانور کس طرح بغیر کہے بغیر سمجھائے اس مشکل کام کو انجام دیتا ہی۔ آخر تیلی سے پوچھا کہ کیوں میاں تیلی تم تو باہر بیٹھے ہو مگر تمہارا بیل خود بخود چل رہا ہی یہ کیا بات ہی؟ تیلی نے جواب دیا میاں اسکو عادت ہوگئی ہی وہ برسوں سے اسی کام میں ہی اور اسلیئے اب اسپر کسی آدمی کے رکھنے کی ضرورت نہیں منطقی نے سوال کیا کہ اچھا اگر چلتے چلتے بیل تھم جاے تو تمکو کیسے پتہ چلے، تیلی نے کہا میاں دیکھتے نہیں کہ بیل کی گردن ایک گھنٹی بندہی ہی جب تک بیل چلتا رہیگا ہمکو باہر بیٹھے گھنٹی کی آواز سے معلوم ہوتا رہیگا کہ بیل اپنا کام کررہا ہی۔ اسپر منطقی نے جلکر پوچھا "واہ! اگر بیل کھڑا کھڑا گردن ہلائے اور تمکو گھنٹی کی آواز آتی رہی تو کیا تم یہ خیال کروگے کہ کولھو چل رہا ہی۔ تیلی نے کہا کہ میاں ہمارا بیل منطقی نہیں وہ اپنا کام جانتا ہی"

الغرض اسی قسم کے اور بہت سے قصے منطقیوں کی نسبت مشہور ہیں، جنکو سنکر منطقیوں کی نسبت کچھ اچھا خیال نہیں ہوتا۔ مگر درحقیقت منطق نہایت عمدہ فن ہی یہاں میں علم منطق پر کوئی مضمون نہیں لکھتا، بلکہ صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ کس طرح انسان بعض اوقات منطق کے نہ جاننے سے سخت مشکل میں پڑ جاتا ہی۔

یہ سب جانتے ہیں کہ ہر شخص اپنے دعووں کے ثبوت میں دلیلیں پیش کیا کرتا ہی۔ بعض اوقات وہ دلیلیں صحیح ہوتی ہیں اور اسلیئے جو نتیجہ اُنسے نکالا جاتا ہی وہ بھی صحیح ہوتا ہی۔ مگر اکثر اوقات ہم غلط حجتیں کرکے غلط نتیجے پیدا کرتے ہیں۔ اب منطق کا یہ کام ہی کہ دلائل کے کھرے کھوٹے کو الگ الگ کر دکھائے۔

گویا منطق دلیلوں کی کسوٹی ہی اور اُسپر رکھکر ہم اپنے دعووں کے جھوٹ سچ کی جانچ کر سکتے ہیں۔

منطق کا ایک حصہ یعنی جس میں مغالطہ پر بحث ہو نہایت ہی دلچسپ ہی۔ مغالطہ غلط دلیل کو کہتے ہیں اور یہی منطق کی پہیلیاں ہیں۔ میں ذیل میں چند اسی قسم کی پہیلیاں درج کرتا ہوں۔ اور چونکہ ان دلیلوں کی غلطیوں کو ہر ذی فہم آسانی سے پہچان سکتا ہی، اسلیئے اُنکی تشریح کرنے کی ضرورت نہیں سب کو معلوم ہو جائیگا کہ ہر مثال میں جو نتیجہ نکالا گیا ہی وہ صریحاً غلط ہی، لیکن اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیوں غلط ہی تو اسکا جواب سوائے منطق کے اور کوئی نہیں دیسکتا۔ اب میں چند مغالطوں کو نمونتاً پیش کرتا ہوں۔

مغالطے

۱ - کریمن اور رحیمن دونوں دو چیزیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مگر کریمن ایک انسان ہی تو اسکے یہ معنی ہوے کہ رحیمن انسان نہیں؟

۲ - اگر تم سے کہا جائے کہ تم گدہے ہو تو گویا تمکو حیوان کہنا ہی۔ مگر تمکو حیوان کہنا بالکل بجا اور درست ہی کیونکہ ہر انسان حیوان ہی تو گویا یہ کہنا کہ تم گدہے ہو بالکل بجا اور درست ہی۔

۳ - مفتیوں اور قاضیوں کے جسقدر فیصلے ہیں وہ سب غلطیوں کا مجموعہ ہی۔ کیونکہ مفتی اور قاضی انسان ہیں۔ فرشتے تو ہیں ہی نہیں۔ اور انسان تو آپ جانتے ہیں مرکب من الخطاء والنسیان ہی ہی، اُس سے غلطی، بھول چوک ہو ہی جاتی ہی۔

۴ - قرآن شریف پڑہنا ہر مسلمان کا فرض ہی۔ جو شخص کسی کو قرآن شریف پڑہنے سے منع کرے وہ سخت گنہگار ہی۔ اسلیئے کل جو ستانی جی نے میرے سامنے سے قرآن شریف اُٹھالیا اور مجھے کہا کہ مت پڑہو نماز کا وقت ہی اب نماز پڑہو تو وہ بھی سخت گنہگار ہوئیں۔

۵ - میرا سر گردن سے جوڑا ہوا ہی اور گردن شانوں سے اور شانے ہاتوں سے ملے ہوئے ہیں اور میرا ہات قلم سے ملا ہوا ہی۔ اور قلم کاغذ سے۔ کاغذ میز سے اور میز زمین سے تو گو میں کرسی پر بیٹھا ہوا اپنے دوست کو خط لکھ رہا ہوں مگر میرا سر زمین سے مصافحہ کر رہا ہی۔

۶ - تعلیم اچھی سہی مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس سے کسی قسم کا نقصان نہیں - کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تھوڑے سے تعلیم یافتہ جو اسوقت ملک میں موجود ہیں ہات سے کوئی کام کرنا عار اور موجب ذلت خیال کرتے ہیں - اب اگر تعلیم عام ہوگئی تو اسکا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک کی صنعت و حرفت بالکل معدوم ہو جائیگی کیا اب بھی آپ یہ کہینگے کہ تعلیم میں کوئی نقصان نہیں ؟

۷ - اس سے غالباً کسی کو انکار نہوگا کہ کسی پر حملہ کرنا نہایت کمینہ، ذلیل اور قابل نفریں حرکت ہے مگر پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جاپانی سپاہ بھی تو پورٹ آرتھر پر اور روسی سپاہ پر حملہ کر رہی ہے کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ انکی یہ حرکتیں کمینہ، ذلیل اور قابل نفریں ہیں - اگر ایسا ہے تو تمام یورپ جو جاپانیوں کی تعریف سے گونج رہا ہے سخت بیوقوف ہے

۸ - تاریخ کے پڑہنے والوں کو معلوم ہوگا کہ تخت نشینی کے وقت اکبر کچھ اوپر تیرہ برس کا تھا - اس زمانہ میں اسکا اتالیق بیرم خاں معاملات سلطنت کو طے کرتا تھا - بیرم کو اپنی بیوی سے نہایت الفت تھی - درحقیقت وہ گویا اُسکا غلام تھا - بیرم کا ایک صغیر سن بچہ بھی تھا جس سے اُسکی والدہ کو انتہا درجہ کی محبت تھی اور اُس کی ہر ضد کو پورا کرتی تھی - الغرض ایک طرح یہ لڑکا اپنی والدہ پر حکومت کرتا تھا - اب اگر منطقی سلسلہ قائم کیا جاے تو دیکھیے کیا نتیجہ نکلتا ہے -

بیرم کا لڑکا اپنی والدہ پر حکومت کرتا تھا - اس کی والدہ ایک طرح بیرم پر حکمران تھی - بیرم اکبر کا اتالیق تھا - گویا اس رتبہ کی وجہ سے تمام امیر و وزیر اور درباریوں پر حکومت کرتا تھا - اُمرا و وزرا ملک پر حکومت کرتے تھے - تو گویا وہ بچہ تمام ہندوستان پر حکومت کرتا تھا - دیکھیے منطق نے ایک چھوٹے سے بچہ کو ہندوستان کی شہنشاہی دلوا دی -

۹ - سنتے ہیں کہ مٹی کے تیل کے رواج سے پہلے امیر گھروں میں عمدہ روشنی کے لیے موم کی بتیاں جلتی تھیں جب شروع شروع میں مٹی کا تیل استعمال کیا جانا شروع ہوا تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ اس تیل کی ایک بوتل سے روشنی کا خرچ آدھا رہ گیا - اب اگر کوئی منطقی کہے کہ اگر مٹی کے تیل کی ایک بوتل سے خرچ آدھا رہ گیا تو ظاہر ہے کہ دو بوتلوں کے استعمال کرنے سے یہ آدھا خرچ بھی

جاتا رہیگا یعنی روشنی پر کچھ خرچ ہی نہ کرنا پڑیگا" تو کہاں تک اسکے دلائل قابل عملدرآمد ہونگے

۱۰ - میرے دوستوں میں ایک شخص محمد ابراہیم نامی دہلی کا رہنے والا تھا۔ وہ دہلی والوں سے کچھ
ایسا بیزار اور آزردہ خاطر تھا کہ ہمیشہ مجھ سے کہتا تھا کہ دہلی والے دغاباز اور جھوٹے ہوتے ہیں
ایک دن بیٹھے بیٹھے مجھے خیال آیا کہ محمد ابراہیم کہتے ہیں کہ دہلی والے سب کے سب جھوٹے
ہوتے ہیں مگر محمد ابراہیم خود دہلوی ہیں اسلیئے وہ بھی جھوٹے ہوئے۔ اب اگر وہ جھوٹے ہوئے
تو اُنکے کہنے کا اعتبار کیا۔ جو کچھ وہ کہیں جھوٹ، اسلیئے انکا قول کہ "دہلی والے جھوٹے ہیں"
یہ بھی جھوٹ۔ جب یہ جھوٹ ہوا تو اسکے یہ معنی ہیں کہ سب دہلی والے سچے ہیں۔ مگر محمد ابراہیم خود
دہلوی ہیں اسلیئے وہ بھی سچے ہیں۔ جب وہ سچے ہیں تو اُنکے کہنے کا اعتبار کرنا چاہیے یعنی اُنکا
یہ قول کہ دہلی والے جھوٹے ہیں سچ ہی۔ مگر پھر وہی دقت آن پڑتی ہی کہ وہ خود دہلوی ہیں اسلیئے
وہ بھی جھوٹے۔ انکا کہنا بھی جھوٹ۔ اسلیئے دہلی والے سچے ہیں۔ الغرض ایک گھنٹہ کامل تک اسی
اُلٹ پھیر میں رہا۔ مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اپنے دوست کو سچا کہوں یا جھوٹا۔ براہ عنایت ناظرین بتائیں
کہ میں اپنے دوست پر اعتبار کروں یا نہ کروں۔ اور وہ جھوٹے ہیں یا سچے۔؟

گومگو (ادہر کنواں ادہر کھائی)

اکثر کہا کرتے ہیں کہ عجب گومگو میں پڑا ہوا ہوں۔ یعنی عجیب مشکل میں مبتلا ہوں کہ نہ
کہہ سکتا ہوں اور نہ کہے بغیر رہ سکتا ہوں۔ اس مشکل کی مثال 'ادہر کنواں اُدہر کھائی' کی
کہاوت سے دیجاتی ہی۔ اگر اس طرف بچنا چاہو تو کنوئیں میں غوطہ کھاؤ اور اُس طرف بچنا چاہو
تو کھائی میں سر کے بل جاؤ۔ واقعی عجب مشکل ہی جس سے نجات نہیں۔ ایسے وقت انسان کیا
کرے؟ اور دن رات ہمیں اس قسم کی مشکل باتوں سے سابقہ پڑتا رہتا ہی، جنکو ہم نے گومگو
کا نام دیا ہی اور جنکو منطقی انگریز 'ڈائی لیما' کہتے ہیں منطق میں یہ گومگو بھی شامل ہی، اور اسکی
مثالیں بڑے مزے کی ہوتی ہیں جنکو سنکر بیویاں ہنستے ہنستے لوٹ جائیں اور جواب [illegible]

اوپراُن پڑے تو سب کی سٹی گم ہو جائے۔ کچھ عجب تماشہ کی باتیں ہیں، خیر میں اُن کی
چند مثالیں دیتا ہوں۔

۱ ۔ مسئلہ تقدیر کو ماننا نجات کا ذریعہ ہو یا نہو مگر اس میں ایک دنیاوی فائدہ تو ضرور ہے وہ یہ کہ تقدیر کا
لکھے پر اعتقاد رکھنے سے آدمی ڈاکٹر کی فیس اور دوا دارو وغیرہ کے اخراجات سے خوب بچ جاتا
ہے کیونکہ اگر کوئی شخص بیمار ہو اور تقدیر پر ایمان رکھتا ہو تو بغیر ڈاکٹر اور اُس کی دوا کے اس طرح
اپنی اور دوسروں کی تشفی کر سکتا ہے کہ " اگر میری قسمت میں مرنا ہے تو کسی قسم کی دوا اور علاج سے
فائدہ نہوگا اور اگر زندگی ہے تو پھر ڈاکٹر کی فیس اور علاج معالجہ پر روپیہ خرچ کرنے سے فائدہ ؟ "
میں سمجھتا ہوں کہ ہر شخص خواہ تقدیر پر ایمان رکھتا ہو یا نہیں، کوئی اس پر عمل نہیں کرتا۔ مگر کیوں ؟
اسکا جواب صرف منطقی ہی دیسکتا ہے۔

۲ ۔ کسی شخص کو کچھ مشورہ دینا یا نصیحت کرنی منطق کی رو سے بالکل بیقاعدہ ہے کیونکہ جس کام کے
کرنے یا نہ کرنے کے لیئے آپکا دوست آپ سے مشورہ طلب کرتا ہے اگر اسکا ارادہ اس کام کے
کرنے کا ہے تو یقیناً وہ اُسکو آپ کے مشورہ کے بغیر بھی کریگا۔ اور اگر اسکا ارادہ اسکے کرنیکا نہیں
تو پھر اُسکو آپ کے مشورہ کی پرواہ نہوگی اسلیئے آپ خواہ مخواہ دخل در معقولات کرکے کیوں
اپنی بات کھوئیں۔

۳ ۔ سُنتے ہیں کہ یونان میں ایک زمانہ ایسا گزرا ہے کہ وہاں کی حالت نہایت ابتر تھی۔ لوگوں میں اخلاق
حیا۔ نیکی وغیرہ صفات نام کو بھی نہ تھے۔ خوشامد۔ جھوٹ وغیرہ ہر کس و ناکس کا رویہ تھا۔ بالخصوص
جھوٹ بولنا تو اُن کی زندگی کا ایک ضروری جزو ہو گیا تھا۔ اس زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک لڑکے نے
جسکو اُس کی والدہ نے اخلاق حمیدہ و صفات ستودہ کے زیور سے آراستہ کیا تھا سرکاری
نوکری کرنی چاہی۔ مگر اُس کی والدہ نے اُسکو منع کیا۔ اور کہا کہ سن مشکل یہ ہے کہ اگر ملازم ہوکر
تو نے راستبازی سے کام لیا تو آج کل حالت یہ ہے کہ عوام اور تیرے حکام تجھ سے خوش نہونگے
تجھ کو بہت سی مشکلوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ اور اگر تو نے دروغگوئی اختیار کی تو تیرا خدا تجھ سے

ناراض ہوگا۔ اس لیئے بہتر یہ ہے کہ ملازمت بلکہ لوگوں کے سامنے آنے سے کنارہ کر"
لڑکے نے جواب دیا۔ نہیں اماں جان۔ مجھ کو ملازمت کرنے دیجئے۔ اگر میں راستبازانہ
تو میرا خدا مجھ سے خوش رہیگا اور اگر میں نے دروغگوئی اختیار کی تو لوگ اور میرے حکام
مجھ سے خوش رہینگے۔" کہیئے اس لڑکے کو ملازمت کرنی چاہیئے یا نہیں۔ آپ کیا رائے
دیتے ہیں۔

- ایک اور قصہ مشہور ہے کہ کسی شہر میں ایک مشہور ادیب۔ فلسفہ و قانون داں رہتا تھا جسکی روزی
اسی پر تھی کہ لوگوں کو مختلف علوم میں سبق دیا کرے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص اس کے
پاس قانون پڑھنے کے لیئے آیا تاکہ پیشۂ وکالت اختیار کرے۔ اُستاد نے وعدہ کیا کہ ایک
سال کے اندر وہ اپنے شاگرد کو قانون میں طاق کر دیگا۔ اور شاگرد نے اُسکے عوض اُستاد کو
چارسو روپیہ دینے کا اقرار کیا۔ جسکے آدھے تو اُسنے شروع ہی میں دیدیئے اور باقی روپیہ
کی نسبت یہ وعدہ کیا کہ پہلے مقدمہ کے جیتنے پر ادا کر دیا جائیگا۔ سال بھر میں اُستاد نے حسب
اقرار اپنے شاگرد کو قانون میں پوری طرح ماہر کر دیا۔ مگر اب شاگرد نے دوسو روپیہ سے بچنے
کے لیئے یہ ترکیب کی کہ عرصہ دراز تک کسی مقدمہ کی پیروی میں شریک نہوا (کیونکہ اقرار یہ تھا
کہ پہلے مقدمہ کے جیتنے پر باقی روپیہ ادا کیا جائیگا)۔ جب اُستاد نے یہ دیکھا کہ اسکا شاگرد اسکو
دھوکا دینا چاہتا ہے تو اسنے خود عدالت میں چارہ جوئی کی اور اُسپر مقدمہ دائر کر دیا۔ جب یہ مقدمہ
عدالت میں پیش ہوا تو اُستاد نے بڑے یقین کے ساتھ برسر اجلاس اپنے شاگرد سے کہا کہ
"او بیوقوف لڑکے۔ سُن اب تجھ کو دوسو روپیہ کی رقم ادا کرنی ہوگی۔ کیونکہ اگر مقدمہ کا فیصلہ
تیرے حق میں ہوا تو اپنے معاہدہ کے موافق (پہلے مقدمہ کے جیتنے پر) تجھ کو یہ رقم ادا کرنی ہوگی
اور اگر عدالت نے میرے حق میں فیصلہ کیا تو گویا عدالت تجھ کو مجبور کریگی کہ دوسو روپیہ مجھ کو دے
الغرض ہر صورت میں تجھ کو دوسو روپیہ دینا ہوگا"
مگر شاگرد بھی بلا کا تھا۔ ذہین۔ طباع۔ منطقی اور پھر اُسپر پرلے درجہ کا قانون داں آخر ایک بس تک

ایسے فلسفہ داں کا شاگرد رہ چکا تھا۔ وہیں جواب دیا کہ "مولوی صاحب قبلہ! سنیئے میں کسی صورت سے روپیہ نہیں دونگا۔ کیونکہ اگر مقدمہ کا فیصلہ میرے حق میں ہوا تو گویا عدالت نے میرے اور آپکے معاہدہ کو منسوخ کر دیا اور اگر میں ہار گیا تو آپ کو یاد ہوگا کہ میرا آپ کا معاہدہ ہی یہ ہے کہ پہلے مقدمہ کے جیتنے پر باقیماندہ روپیہ ادا کیا جائیگا۔ اسلئے ہر صورت میں میں دینے سے بچتا ہوں"

سنا ہے کہ عدالت ان دونوں کی حجت سنکر اسقدر چکرائی کہ بہت عرصہ تک فیصلہ ملتوی رکھا۔

اب ناظرین خود سوچیں کہ فیصلہ کس کے حق میں ہوا ہوگا۔

جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں میرا مقصد اس مختصر تحریر سے محض یہ تھا کہ چند منطقی چٹکلے ناظرین کی خدمت میں پیش کروں تاکہ وہ کم از کم اپنی اس رائے کو بدل دیں کہ منطق بالکل بیکار چیز ہے اگر موقعہ ملا تو انشاء اللہ کسی دوسرے موقعہ پر ان پہیلیوں کی توجیہ یعنی دلائل کی غلطی معلوم کرنے کے طریقہ پر کچھ لکھونگا۔

(عبدالقادر خاں)

اعلان

اس رسالہ کی قیمت نظر بحال موجودہ سے ؍ سالانہ رکھی گئی ہے۔ اور ششماہی عہ۱۲ فی پرچہ ۵؍ ۔

درخواستیں بنام شیخ محمد عبداللہ صاحب بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل ہائیکورٹ علیگڈہ آنی چاہییں قیمت ہرحال میں پیشگی لیجائیگی۔

تمام مضامین اڈیٹر کے پاس آنے چاہییں۔

خاتون

جلد (۲)	ماہ ذی الحجہ ۱۳۲۲ سنہ و محرم ۱۳۲۳ سنہ ہجری مطابق ماہ فروری و مارچ ۱۹۰۵ سنہ ع	نمبر (۲ و ۳)

اوڈیٹر شیخ محمد عبد اللہ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

(فہرست مضامین)

شبیہ عالیجناب مسز تھیوڈور ماریسن

باہتمام خان صاحب سید خلیل احمد

مطبع مسی علی آرٹ مین طبع ہوا

(سنہ ۱۹۰۵ء)

۱۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحہ کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اس کی سالانہ قیمت (عے) ہے

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانی کوئی آسان بات نہیں اور جب تک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعے سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور اُسکے بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اس کی طرف ہم ہمیشہ مردونکو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴۔ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لئے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جاوے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُنکو ضرورت محسوس ہو۔ تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم پڑھنے سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶۔ مستورات کے مضامین اور خطوط جیسے بھی ہونگے ہم ضروری اصلاح کے بعد شائع کردینگے۔

۷۔ اس رسالہ کی مدد کرنے کے لئے اسکو خریدنا گویا اپنی مدد آپ کرنا ہے۔ اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیونکو وظائف دیکر استانیونکی خدمت کیلئے تیار کیا جائیگا۔

شبیہہ عالیجناب مسیز تھیوڈور ماریسن

خاتون کے سلسلہ تصاویر میں پہلی تصویر آج عالیجناب مسیز تھیوڈور ماریسن کی شائع کیجاتی ہے۔ جو احسانات جناب کے خاتون پر ہیں، اور جو دلچسپی دلی ہمدردی اور سچّی دلسوزی جناب کو ہماری مستورات کی تعلیم و ترقی کے مسئلہ سے ہے اس لحاظ سے سب سے پہلے آپ کی تصویر خاتون میں شائع ہونی مناسب تھی۔ یقین ہے کہ ہماری معزز لیڈی ناظرین مسیز ماریسن سے تعارف پیدا کر کے اور صورت آشنا ہو کر خوش ہونگی، اور یہ سنکر بھی خوش ہونگی کہ گو جناب ممدوحہ ہندوستان سے قطع تعلق کر کے انگلستان تشریف لیگئی ہیں مگر وہاں سے بھی برابر خاتون کیلئے مضامین روانہ فرمایا کرینگی ہم تہ دل سے جناب کے تمام احسانات کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

Mrs. THEODORE MORISON.

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معدہ حلق تک بھر جاتا ہے، اور غذا کا جو حصہ ہضم نہیں ہوتا۔ وہ
کوئی بیماری جگر کی یا انتڑیوں کی پیدا کر دیتا ہے۔ یہ بھی خیال رکھنے کی نہایت
ضروری بات ہے کہ ہلکے ہلکے اطمینان سے کھانا کھانا چاہیئے، کیونکہ کھانا
جو جلدی جلدی بغیر چبائے نگل لیا جاتا ہے وہ اُن کو فائدہ اتنا نہیں کرتا جتنا
نقصان پہنچاتا ہے۔

بیگم۔ کیا آپ لوگ کھانا کھانے کے بعد سو جایا کرتے ہیں؟ ۔کیا یہ طریقہ اچھا ہے؟

مسیز۔ نہیں تو، ہمارے ڈاکٹروں کا تو یہ قول نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ اگر ممکن
ہو تو کھانا کھانے سے پہلے اور کھانا کھانے کے بعد آدھ گھنٹہ کے لیئے
خاموش رہنا چاہیئے اور ذرا آرام کرنا چاہیئے، تاکہ ہاضمہ کو اپنا فعل ٹھیک
طرح سے کرنے کا موقعہ ملے۔

بیگم۔ مگر آپ اپنا کھانا تو سدا ایک ہی وقت پر پابندی کے ساتھ کھاتی ہیں، کیوں نا؟

مسیز۔ ہاں بیشک، اور میں کہتی ہوں کہ میری رائے میں اس معاملہ میں ہمارے ہاں کا
دستور اچھا ہے۔ ہاضمہ ممکن نہیں کہ ٹھیک طور سے رہے جبتک کہ آدمی
کے کھانے کے وقت بندھے ہوئے نہوں۔ ہمارا تو اسبات پر اعتقاد
ہے کہ کھانا کھانے کے وقتوں کے بیچ میں منہ چھلاتے رہنا اور ہر بے دربے
پیٹ میں کوئی چیز ڈالتے رہنا بہت ہی نقصان کی بات ہے۔

بس اب میں سمجھتی ہوں کہ میں نے غذا کے خاص قاعدے آپ کو
سب بتا دیئے۔ یعنے ایک تو یہ کہ کھانا بندھے ہوئے وقتوں پر کھانا چاہیئے،
دوسرے آہستہ آہستہ اپنے اطمینان سے کھانا کھانا چاہیئے، تیسرے یہ کہ
میوے اور ترکاریاں کھانی چاہیں، چوتھے گرم مسالوں اور زیادہ گھی سے پرہیز
کرنا چاہیئے، پانچویں کھانے روز ادلتے بدلتے رہنے چاہیں، چھٹے خدانخواستہ

آزادی کے ساتھ اپنے ہاتھ پاؤں ہلانے اور پھیپھڑے کو حرکت دینے کا موقعہ ملتا ❊

بیگم۔ تو کیا واقعی آپ ورزش کو اتنا ضروری سمجھتی ہیں۔

مسیز۔ کیونکر بتاؤں کہ میں کتنا ضروری سمجھتی ہوں۔ میں سمجھتی ہوں کہ صرف آدمی ہی نہیں، نہ صرف عورتیں ہی، بلکہ پوری قومیں ورزش نہ کرنے سے تکلیف اور نقصان اٹھاتی ہیں۔ اسی قسم کی سست قومیں ہوتی ہیں، جو اکثر لڑائیاں ہار جاتی ہیں، ملک کھو دیتی ہیں اور خود پشیکر مر جاتی ہیں، حالانکہ طاقتور قومیں جنکی زندگی چالاک رہنے اور ادہر اُدہر پہرنے میں صرف ہوتی ہے، اُنمیں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ زور ظلم کو روک سکیں اور دشمنوں کے حملہ کا مقابلہ کر سکیں اور اپنا ملک بچا سکیں۔

بیگم۔ اچھا جو کوئی ورزش نہ کرے اُسپر کیا بیتی ہے؟۔

مسیز۔ ہاں اوسکی بھی سنیئے، میں پھر میجر برٹش کی کتاب میں سے باتیں بتاتی ہوں ورزش نہ کرنے سے بدن کے رگ پٹھے ڈھیلے پڑ جاتے ہیں، نرم ہو جاتے ہیں، اور چربی سے پھول جاتے ہیں، اور اسکی بعد بیماریاں اکثر کرکے دلکی بیماری پیدا ہوتی ہیں بھوک بگڑ جاتی ہے۔ بدہضمی اور قبض کی شکایت ہو جاتی ہے۔ پھر اسکے بعد دلی تکالیف، پریشانی اور دل کی پژمردگی پیدا ہو جاتی ہے زندگی کے معمولی روزمرہ کے کاروبار میں کسیطرح کی خوشی نہیں معلوم ہوتی، اور پھر بدن ہر قسم کی بیماری کا آسان شکار ہو جاتا ہے۔ جسم کی تندرستی کی حالت کے لیئے ورزش ضروری ہے۔ اسسے رگ پٹھے مضبوط ہوتے ہیں، پھیپھڑوں میں طاقت آتی ہے۔ اُن مردوں کو دیکھو جو دن بھر گھر سے باہر دورہ میں رہتے ہیں یا کھیتی کیاری کرتے ہیں، کیسے توانا اور طاقتور دکھائی

ڈیتے ہیں اور کس عمر تک جیتے ہیں اور یہ تو آپ نے خود دیکھا ہوگا کہ وہ عورتیں جو
کھیتوں میں کام کرتی ہیں گھر کی بیٹھنے والی بیویوں سے جنکو ہاتھ پاؤں ہلانے
قسم ہیں کیسی زیادہ مضبوط اور بشاش اور تندرست ہوتی ہیں۔ کوئی صورت ہی نہیں
یہ توکسیطرح پر ممکن نہیں کہ ہندوستان کی لڑکیاں، اگر مناسب درجہ کی ورزش
نہ کریں اور ہوا نہ کھائیں اور جیسا کہ قدرت کا تقاضہ ہے اپنے جسموں کو بڑھائیں
نہیں تو تندرست اور طاقتور بچوں کی مائیں بن سکیں۔

بیگم۔ مگر میم صاحب بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم لوگ۔ اور ہماری بہو، بیٹیاں، پردہ کی
بیٹھنے والی، میموں کی طرح ورزش کر سکیں؟۔

مسیز۔ ہاں یہ تو میں جانتی تھی کہ آپ مجھسے یہی بات کہینگی، اور میں بھی اپنے دلسے
یہی سوال کرتی ہوں۔ یہ بہت بڑی مشکل ہے، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ پردہ کی
بیٹھنے والی بیویوں کو اسقدر ورزش جسقدر تندرستی کے لیئے ضروری ہے
قدرتی ذرائع سے حاصل کرنی قطعی ناممکن ہے۔ انگلستان میں ہر تندرست عورت
کم سے کم گھنٹہ بھر صبح کو چہل قدمی کرتی ہے، اور اسی طرح گھنٹہ بھر تیسرے پہر
اور باقی دن میں وہ زیادہ وقت زینے سے اترنے چڑہنے میں صرف کرتی ہے
بیشک یہ تو پردہ والی بیویوں کو میسر آ نہیں سکتا۔ اور اُن کے لیئے اسکا کیا ذکر۔ اس لیئے
اب جو بات رہ جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ورزش کے مصنوعی طریقے نکالنے چاہئیں
ہاتھ اور پاؤں کی ایک خاص طور کی حرکتیں ہیں جو اب انگلستان میں سکھائی جاتی ہیں
ان سے جسم کے تمام حصوں کو ترقی ہوتی ہے، اور مینہ بوندی کے دنوں میں جو
لوگ گھر سے باہر نہیں نکل سکتے، اکثر گھر میں یہی ورزش کیا کرتے ہیں تاکہ تندرستی
قایم رہے۔ میں یہ صلاح بتاتی ہوں کہ مسلمان مرد یہ ورزش سیکھیں اور اپنی
بیویوں کو سکھائیں۔ دوسرے یہ کہ ہر پردہ والے گھر میں ایک جوڑی ڈنبل

ڈورس" (کھیلنے کے بلّے) کی ہوا اور ایک شٹل کاک (چڑیا۔ ایک قسم کی پروں کی گیند) ہو۔ آپ کے میاں آپکو بتا دینگے کہ یہ کیا کھیل ہیں۔ آپ یہ کھیل روزمرہ اپنے صحن میں کھیلا کریں۔ علاوہ ازیں ہر گھر کا صحن اتنا بڑا تو ہوتا ہے کہ بیڈمنٹن دیہ ایک انگریزی کھیل ہوتا ہے جسمیں تین چار گز اونچے بانس چھہ گز فاصلہ سے کھڑے کیئے جاتے ہیں اور اُن کے سروں میں جال باندہ دیا جاتا ہے، اور دونوں طرف ایک ایک یا دو دو آدمی کھڑے ہوکر بلّوں سے پروں کی گیند سے کھیلتے ہیں) کھیلا جاسکے۔ اب اِس کھیل کا سامان صرف پانچ روپیہ میں آتا ہے۔ یہ بڑے مزے کا کھیل ہے اور بڑا ہی دل بہلتا ہے، یہی نہیں کہ اِس کھیل میں آپ کا جسم کام کرتا ہے بلکہ آپ کا دل بھی کام کرتا ہےاسلیے۔ میں ایک پردہ والی بیوی کو جانتی ہوں۔ اُن کو سدا سر کے درد کی شکایت رہتی تھی۔ میں نے اُنہیں بیڈمنٹن کا سامان لیجا کر دیا اور وہ کھیل بھی خود سیکھایا۔ اب وہ اپنی زبان سے ہی اقرار کرتی ہیں کہ اِس کھیل سے اُن کے سر کے درد کا عارضہ بالکل جاتا رہا۔ آپ دیکھیں گی کہ میاں اور بھائی اپنے ہاں کی بیویوں کے ساتھ یہ کھیل کھیلنا بہت ہی پسند کرینگے اور بہت ہی لُطف اُٹھائینگے۔ اور مجھے تو پورا یقین ہے کہ ہندوستان کی بیویاں اگر اُنکو بیڈمنٹن کھیلنا آجائے اور چستی اور پھرتی کے کھیل سیکھ لیں، تو اُن کی نری تندرستی ہی زیادہ اچھی نہیں ہوجائے گی، بلکہ اپنے خاندان میں اُن کی زندگی بہت زیادہ ہنسی خوشی اور مزے کی ہوجائے گی۔ میں نے تو صرف دو کھیل بتائے ہیں، اور آپ کے ہاں کے آدمی ضرور اور کھیل نکال لینگے۔

بیگم۔ خدا آپ کا بھلا کرے، میں ضرور اپنے لوگوں میں اسکا ذکر کروں گی، اور اگر وہ کھیلنے پر رضامند ہوئیں تو میں بھی شوق سے کھیلوں گی۔

تعلیم نسواں

جناب سُہروردیہ صاحبہ کا دوسرا مضمون آج ہم شائع کرتے ہیں، جو یقین ہے کہ توجہ اور غور سے پڑھا جائے گا۔ اِس مضمون کے کئی حصے ہوں گے اور اِس پہلے حصے میں عقل اور نقل دونوں اعتبار سے تعلیم نسواں کی ضرورت ثابت کیگئی ہے۔ ہم جناب موصوفہ کے بہت مشکور ہیں کہ خاتون میں ایسے عالمانہ مضامین کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ ایڈیٹر

الحمدللہ کہ اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ تعلیم نسواں ایک مسلم الثبوت قومی ضرورت مان لیگئی ہے کہ خود خاتون کی ہستی اسپر دال ہے۔ اسوقت شاید ہی کوئی ایسا "اگلے سکول" کا متعصب ہوگا کہ جسکو اس کے جواز و مصلحت میں کلام ہو۔ پس اِس امر پر بحث کرنا کہی ہوئی کہانی کا دوہرانا ہے۔ مگر کچھ دنوں پیشتر جب تعلیم نسواں کے متعلق چھیڑ چھاڑ یہاں شروع ہوئی تھی اِس ہیچمدان نے کسی کرمفرما کے اصرار سے اِس مسئلہ پر ایک تحریر (اے سے) لکھی تھی۔ فرمایش کے موافق اوس تحریر کی تین مدیں قایم کی گئی تھیں۔ (۱) جواز تعلیم نسواں۔ معقولاً و منقولاً۔ (۲) رواج تعلیم نسواں۔ در زمان ماضی و حال۔ اور (۳) طریقۂ تعلیم نسواں۔ اوس میں سے تھوڑا سا اقتباس کرکے ملاحظۂ ناظرین کے لیئے پیش کیا جاتا ہے۔ شاید اس پراگندہ تحریر میں کوئی ایسی بات ہو جس کی طرف ہمارے خیرخواہان قوم کی توجہ مبذول ہونے سے کوئی اور بکار آمد صورت نکل آئے۔

جواز تعلیم نسواں معقولاً و منقولاً

(۱) عورتوں کی خلقت کا سبب اور نظام عالم میں اون کا دخل اور اونکی ضرورت

آجکل تعلیم نسواں کیطرف بہی خواہان قوم کی توجہ کسی حدتک مبذول ہو رہی ہے۔ دیکھنا چاہیئے کہ جس مخلوق کی ترقی قوائے روحانی کے لیے ہم اسقدر زور شور سے مصر ہیں کارخانۂ قدرت میں اوس کا کسقدر دخل ہے۔

قواعد قدرت اور قوانین فطرت پر اگر غور و تعمق سے دیکھیں تو خلقت میں کوئی چیز عبث اور فضول اور بے وجہ نہیں ہے۔ جمیع مکونات و موجودات جزر سے کل تک ذرہ سے خورشید تک جزر لایتجزیٰ سے شمس الشموس تک کسی نہ کسی غرض کے لئے جسکو ہم اونکی خلقت کی علت غائی کہتے ہیں بنائے گئے ہیں اور کارخانۂ قدرت اور نظام عالم میں وہ اپنے اپنے فرائض متعینہ و مناصب مقررہ انجام دے رہے ہیں۔

عورتوں کی خلقت کی مصلحت از روئے عقائد کے اس آیہ کریمہ سے ظاہر ہے خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ و رحمۃ۔ مگر اسوقت اون کے وجود کی ضرورت کو از روئے قواعد حکمت ثابت کر دکھانا منظور ہے۔ قانون قدرت کے موافق سلسلۂ وجود کے قائم رکھنے میں اس نوع خاص کی کیا ضرورت ہے اس مسئلہ سے یہاں ہمکو بحث نہیں ہے۔ اس مبحث حکمی کو کسی اور موقع کے لئے اوٹھا رکھنا مناسب ہے۔ پھر بھی اتنا تو صاف ظاہر ہے کہ معاشرت میں مردوں

اور عورتوں کا برابر حصہ ہے۔ اور اگر بحث کم کرنے کے لئے مردوں ہی کو ہم
افضل المخلوقات تسلیم کرلیں جب بھی عورتوں کی خلقت کی اشد ضرورت ثابت ہے۔

اس دار المحن میں جتنے کام جتنے فرائض ہر مخلوق کے ذمہ کئے گئے ہیں کسی شخص
واحد سے اونکا انجام محال ہے۔ مرد تنہا کیا کرسکتے ہیں کیونکہ اون کاموں کا انجام
اُن ضرورتوں، اُن فرائض کا پورا ہونا بغیر دوسرے کی مدد کے اُسنے ہو سکتا ہے؟
اسلئے تقسیم محنت (ڈیویژن آف لیبر) کے لیے عورتوں کی ضرورت ہوئی۔ عورتوں کو
فطرتاً جو جو مناصب اور فرائض عطا کیے گئے ہیں کسی دوسرے مخلوق سے اون امور
کا سرانجام پانا محال ہے۔ بھلا عورتوں سے بڑھکر مردوں کا رنج میں غمگسار محنت
میں ہاتھ بٹانے والا راحت میں شریک دوسرا کون ہو سکتا ہے۔ اس لئے خدا
نے اون کی ذات کو مردوں کے حق میں رحمت قرار دیا ہے۔ لفظ رحمت پر اگر غور کیجئے
تو عورتوں کی ہستی ایسی مہمل نہیں معلوم ہوگی جیسا کہ مرد خیال کرتے ہیں اگر اسپر بھی
مرد اونکو وجود معطل یعنی بیکار چیز خیال کریں تو بیشک خدا کی اس رحمت سے وہ محروم
ہیں تقسیم محنت کے لیے اقسام قدرت نے معاشرت میں جیسے مردوں کو کچھ فرائض
عطا کئے ہیں ویسی ہی عورتوں کو بھی کچھ ذمہ داریاں دی ہیں تاکہ دونوں مل جل کر
ایک دوسرے کی مدد سے زندگی نباہیں۔ باہم گر صلاح و مشورہ سے ہر امر کا فیصلہ کریں اور
آپس کی ہمدردی اور باہمی یکجہتی سے دنیا کی سختی و درشتی کو اپنے حق میں سہل کریں۔
والمومنون والمومنات بعضہم اولیاء بعض۔

(۲) عورتوں کے فرائض (ڈیوٹیز)

عورتوں کو اور اور ذمہ داریوں کے علاوہ تین بہت بڑی ذمہ داریاں عطا کیگئی ہیں

ایک فرض تو اونکا یہ ہے کہ وہ مردوں کی ہر طرح مددگار رہیں اور ہر بات میں ان کی مشیر و صلاح کار بنیں اور ہر امر میں خیر خواہی اور ہمدردی سے اونکی حتی المقدور تائید کرنے کی کوشش کریں۔

دوسرا فرض بچوں کی تعلیم پرورش اور تربیت ہے۔ اس میں عورتوں کو بڑا حصہ دیا گیا ہے۔ قانون فطرت پر غور کر کے دیکھیے کہ کیا جانوروں کے حق میں اور کیا ان کے لیے مدبران قضا نے آغوش مادری کو بے بس بے پروبال مخلوق کے لیے جائے پناہ و تربیت گاہ بنایا ہے۔ اور اپنے چھوٹے سے بچے کی تربیت اور حفاظت کے لیے ماں کے دل میں عجیب شوق اور درد کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے کہ دنیا کے کسی قسم کے لگاو اور تعلق کو اس سے رتبہ ہمسری حاصل نہیں ہے۔ اسی کو محبت مادری یا ماں کی ممتا کہتے ہیں۔ حیوان مطلق کے لیے فقط تربیت جسمانی کا بار فطرت حیوانی نے ماؤں کے سپرد کیا ہے۔ برخلاف حیوان ناطق کے کہ ماؤں کو نہ فقط جسمانی بلکہ روحانی پرداخت کا بھی ذمہ دار بنایا ہے۔ اس کی نسبت آیندہ تفصیل بحث کی جائے گی۔

تیسرا فرض عورتوں کا انتظام خانہ داری ہے اوسمیں عورتوں کا پورا حصہ ہے۔ تمام قدرت نے طریقہ معاشرت کچھ اسطرح قایم کر دیا ہے کہ مردوں کے ذمہ کسب معاش اور عورتوں کے ذمہ خانہ داری کا بار لگا دیا ہے۔ اور یہ عورتوں کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے کہ امور خانہ داری اور اون کے متعلق جتنے کام ہوں اونکو نہایت خوبی و خوش اسلوبی و سلیقہ و کفایت شعاری سے انجام دیں۔ اگر وہ اس امر میں کوتاہی کریں گی تو خدا اور رسول کے نزدیک اور دنیا کے نزدیک معرض الزام ہونگی جیسے نکھٹو مرد۔ باقی آیندہ۔

(مشہور وردیہ)

ہماری رسمیں

اِس عنوان سے قصہ کے طور پر ایک دلچسپ مضمون جناب م۔ بیگم صاحبہ دہلوی نے ہمیں بھیجا ہے، جسکو ہم شکریہ کے ساتھ ذیل میں درج کرتے ہیں۔ ہم اسے نہایت مبارک فال سمجھتے ہیں کہ مسلمان مستورات، خصوصاً دلّی کی بیویاں جو اپنے ہاں کی رسموں اور قاعدوں کی حد سے زیادہ محبت کرتی ہیں، خود اپنی رسموں کی بُرائی بھلائی سمجھنے لگی ہیں، اور بُری رسموں سے جو تکلیفیں۔ اور نقصان ہوتے ہیں، اُن کو محسوس کرکے اُن کے خلاف اپنے خیالات ظاہر کرنے لگی ہیں۔ خدا کرے تعلیم اسقدر پھیل جائے کہ بُری اور مضر باتوں کا پورا پورا احساس عام طور پر ہونے لگے اور اتنی قوت ارادوں میں پیدا ہو جائے کہ اِن مضر رسومات کو ترک کر دیں۔ اِس قصہ میں قدم قدم پر ایسی باتیں نظر آئینگی جو ہم لوگوں میں عام ہیں، مگر بہت مضر ہیں، اور جنکی وجہ سے، افسوس قصہ کی ہیروئن، اکبری بیگم کی صاحبزادی، جان جوان اِس جہان سے رخصت ہو جاتی ہیں ع این ماتم سخت است کہ گویند جوان مُرد۔ ہماری لیڈی ناظرین کا دل بانو کی قسمت پر بہت کڑہے گا، مگر سب کو ایسی احتیاط لازم ہے کہ اِس قصہ کی باتیں خدانخواستہ سچ مچ سچ نہو جائیں۔

ایڈیٹر

مولوی اشرف علی دہلی کے باشندے بڑے لائق اور خلیق شخص ہیں اِن کا مکان بڑا عالیشان ہے دیوان خانہ میں داخل ہوجئے تو ایک طرف دالان در دالان،

اسکے آگے چبوترہ ہے، اور اسکے مقابل میں ایک کمرہ انگریزی وضع کا بنا ہوا ہے۔ صحن کے بیچوں بیچ میں ایک چھوٹا سا چمن لگا ہوا ہے جس میں چنبیلی گلاب موتیا اور خوشنما پھولوں کے درخت لگے ہوئے ہیں۔ اس کے درمیان ایک چھوٹا سا خوبصورت حوض ہے اسمیں ایک فوارہ لگا ہوا ہے۔ اب اندر کے مکان کی سیر کیجئے۔

واہ کیا شاندار حویلی ہے بہت وسیع صحن ہے اور صحن سے تین سیڑھیاں چڑھکر ایک پکے فرش کا چبوترہ ہے، کمرہ اور دالان ہے، اس کے پہلوؤں میں نہایت خوبصورت صحنچیاں ہیں دونوں دالانوں میں سفید برف سی چاندنیاں بچھی ہوئی ہیں اندر کمرہ میں قالین بچھا ہوا ہے اور اوسپر گاؤتکیہ لگا ہوا ہے ایک بیگم بیٹھی ہیں آگے کسنا نہایت عمدہ چین کے کام کا سلا ہوا اسمیں چھالیا رکھی ہوئی ہے، کتر رہی ہیں، پاس ہی قلعی دار پٹاری جھمکتی ہوئی رکھی ہے اسپر گردی پڑی ہوئی ہے، گردی پر نہایت اچھا اور نازک ریشم کا کام بنا ہوا ہے۔ ایک طرف کسا کسایا پلنگ بچھا ہوا ہے۔ اسپر پلنگ پوش پڑا ہوا ہے۔ آؤ اندر صحنچی کی بھی سیر کریں واہ واہ کیا خوب سجایا ہے فرش ایسا صاف اور سفید ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی قطعے لگے ہوئے ہیں ایک جانب مسہری لگی ہوئی ہے اسکا پردا بڑا ہی خوبصورت جھالردار پڑا ہوا ہے اور دوسری طرف ایک نماز کی چوکی ہے اسپر سوزنی بچھی ہوئی ہے۔ ایک جانماز بہت خوبصورت چین کے کام کی سلی ہوئی رکھی ہے اسکے آگے ایک تپائی رکھی ہے جسپر نہایت صاف منجھے ہوئے لوٹے اور آفتابے رکھے ہیں نیچی ایک سیلاپچی بھی رکھی ہے۔

بیگم صاحبہ نے (انکا نام اکبری بیگم ہے) اپنی صاحبزادی کو آواز دی لڑکی آج تم کدھر ہو، دکھائی نہیں دیں۔ تمہاری طبیعت کیسی ہے، بیگم صاحبہ نے اپنی باتوں کا جواب نہ پایا تو سروتے کو پٹخ جھٹ پٹ کھڑی ہوگئیں اور صحنچی میں گئیں جب وہاں

صاحبزادی کو نہ پایا تو چبوترے سے نیچے اتر گئیں۔ دیکھتی کیا ہیں کہ کھری چارپائی
دوپٹے سے منہ ڈھانکے پڑی ہیں۔ پاس آکر دوپٹہ منہ پر سے اٹھا کر پوچھا "بانو کیسی ہو"
او ہو تمہیں تو خوب شدت سے بخار چڑھا ہوا ہے۔ لڑکی کیا تمہارے دشمنوں کو کچھ ہونا
نصیب نہیں ہوا۔ یہاں کھرّے پلنگ پر ہوا میں لیٹی ہوئی"
بانو (یہ انکی صاحبزادی کا نام ہے انکی عمر کوئی ۱۴ برس کی ہوگی) "امی جان مجھکو تو گرمی
لگ رہی تھی اسلیئے باہر آکر لیٹی تھی"۔ بیگم صاحبہ نے لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا لیا
اور اندر لیکر چلی گئیں۔ بیگم صاحبہ نے "کریمن سے کہا کہ جا ذرا میاں کو بلا لا۔ کریمن سر پر
دوپٹہ رکھکر دوڑی باہر گئی اور میاں کو بلا لائی۔ ابھی میاں نے گھر میں قدم رکھا ہی تھا
کہ اکبری بیگم وہیں سے بولیں کچھ خبر بھی ہے کہ لڑکی کا کیا حال ہے۔ اس کو بخار
چڑھ رہا ہے اتنا نہیں کہ حکیم جی کو بلائیں اور حکیم جی بھی دور نہیں وہ بھی دو قدم پر رہتے
ہیں۔ میاں وہیں سے لوٹ گئے اور ذرا سی دیر میں حکیم صاحب کو بلا لائے حکیم جی
ان کے پرانے آشنا اور بڑے لائق اور تجربہ کار شخص ہیں باہر کے نوکر غلام علی
نے ڈیوڑھی پر کھڑے ہو کر آواز دی "اری کریمن حکیم صاحب آگئے ہیں۔ پردہ جلدی
کرا دے"۔ یہ سنکر بیگم صاحبہ نے بیمار ن پلنگ پر رکھ لی کریمن اور وحیدن پردہ
تان کر کھڑی ہو گئیں۔ بی کریمن وہیں سے چلا کر بولیں "ارے غلام علی" حکیم صاحب کو
بھیجدے" حکیم صاحب اور مولوی صاحب اندر آگئے کرسیوں پر جو پلنگ کے قریب
بچھی ہوئی تھیں بیٹھ گئے۔ مولوی صاحب اپنے ساتھ قلم دوات اور کاغذ بھی لیتے
آئے تھے حکیم صاحب نے نبض دیکھکر نسخہ لکھدیا اور کہا کہ شام کو قلیا پھنکا اور پاڑ
دینا اور صبح کو احوال کہلا بھیجنا۔ پھر حکیم جی کے لیئے پان آیا اور حکیم صاحب پان کھا کر
اور مولوی صاحب بھی باہر چلے گئے پانچ روز تک حکیم صاحب کا علاج رہا مگر لڑکی کو
کچھ آرام نہوا۔ چار حکیم اور بدلے لیکن جب کچھ فائدہ نہ دیکھا تو مولوی صاحب

جا کر سین کو بلا لائے - یہ بڑا پرانا ڈاکٹر ہے اور ہندوستان کے آدمیوں کے مزاج سے
خوب واقف ہو گیا ہے - جب پردا ہو گیا تو مولوی صاحب اور ڈاکٹر اندر گئے اول تو
ڈاکٹر نے نبض دیکھی اور پھر اپنی جیب سے ایک شیشی کی نلی جسے تھرما میٹر کہتے ہیں نکالی
اور کہا کہ اسکو اپنے منہ میں زبان کے نیچے رکھہ لو پانچ منٹ کے بعد تھرما میٹر دیکھا
تو معلوم ہوا کہ ۱۰۴ درجہ کا بخار ہے - ڈاکٹر نے نسخہ لکھا اور مولوی صاحب کیطرف
مخاطب ہو کر بولا "حضرت، ہمارے ہندوستان کی عورتوں کو تو سب دن ایک نہ ایک
شکایت سنلو کسیکے سر میں درد رہتا ہے کسیکو کہا ہضم نہیں ہوتا اسکا سبب
یہ ہے کہ اول تو خوراک اچھی نہیں ہوتی - دوسرے کھانیکو کوئی وقت مقرر نہیں اور
سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ جب ہاتھہ پاؤں نہ ہلاؤ گے تو کھانا کیسے ہضم ہوگا اور
بیماریاں کیونکر نہ ہجوم کریں گی - بس تو سارے دن ہاتھہ پہ ہاتھہ رکھے بیٹھی رہتی
ہیں بڑا ہی تیر مارا تو چھالیا کتر لی" خیر وہ یہ باتیں کر نسخہ لکھ چلدیا ڈاکٹر حکیموں کے
علاج ساتھ ساتھ اور لوگونکا بھی علاج ہو رہا تھا، جو مریض کو بغیر کسی قسم کی دوا پئے
اسکا مرض کھو دینے کا دعوے کرتے ہیں - اے پیاری بہنوں ذرا غور کی جگہ ہے
کہ کاغذ پر ٹیڑے کوڑے کھچے ہوئے دوا کے برابر اثر کرتے ہیں؟ کیا تمہاری
سمجھ میں بات آتی ہے؟ میری تو عقل میں کچھ نہیں آتا! اکثر اسی بات کا خیال کیا
کرتی ہوں کہ الٰہی یہ کیا بھید ہے، سوچا کرتی ہوں کہ کاغذ پر ٹیڑے کوڑے دونوں
کھینچتے ہیں حکیم بھی اور مولوی بھی، مگر حکیم کی لکیریں کھینچنے کا تو یہ عمل ہے کہ اس کے
نسخہ کے مطابق وہ اشیا جو خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کی ہیں عطار کی
دوکان سے لاکر پیس کوٹکر یا جوش دیکر بیمار کو پلا دیتے ہیں تاکہ وہ دوا اسکے پیٹ میں
پہنچکر اپنا اثر کرے یا حکیم کوئی لیپ بتاتا ہے کہ وہ بیمار کی جلد پر لگاتے ہیں تاکہ
دوا مسامات سے گذر کر اپنا اثر کرے - مگر مولوی صاحب کا نسخہ (یعنی تعویذ) ایسا ہے

کہ کوئی بات یاد نہیں رہتی۔ اسے کہوگی وہ اپنے آپ بلا لائیں گے۔ کریمن! جاکر ذرا بانو بیگم کے پہوپا کو تو بلا لا۔"
(باقی آیندہ)

م بیگم۔ از دہلی۔

ناول دکن

مسمے بہ

بسم اللہ بیگم

(سلسلہ کے لیے دیکھو گذشتہ نمبر)

پیازی کرتی۔ پاپجامہ سبز مشروکا۔ پیر میں چاندوڑی جوتیاں۔ ہاتھ میں بلوری چوڑیاں۔ گلے میں کالی پوت کا پھا۔ وجیر ٹیک۔ کان میں بگڑے۔ دہیمی چال سے اپنے کمرے سے نکلکر اپنی ماما اچھو کو آواز دیں +

بنو بی "۔ اری اچھو۔ مائی ملا میرا ناک میں دم آگیا۔ اجڑ و چیل کے پاؤں سے۔ جدہر گئی ادہر کی ہوگئی۔ (ذرہ زور سے) اری وہ اچھو"!

اچھو "۔ جی بی بی آئی نا"

بنو بی "۔ اری مونڈی کٹی کاں گئی تہی"؟

اچھو "۔ جی بی بی اڈگر و جی کے یاں۔ جہوٹے میاں (یعنے میر قدرت اللہ۔ میر تسلیم کا اکلوتا بیٹا) نے دھمکیاں دیکر مجھے وہاں بھجوائے۔ اوئی بی بی میں آپسے کیوں جاؤں"

بنو بی "۔ اری بس جہوٹے (یعنے قدرت اللہ) نے کیا کہلوایا؟

اچھو:" اجی وہی۔ کہ اج رات کو آنگن میں ناچ گانا ضرور ہونا چاہیئے۔ انہو کا کوئی نوجدار دوست آیا ہے تو کہتے ہیں کہ اسکی اچھی خاطر داری کرو۔ کام کا آدمی ہے بکرا نہو تو دو چار مرغیاں کٹوا کر حسنو کے ہاتھ تیار کروا لینا۔ آنگن میں گادی تکیے لگوا دینا۔ بس آج مزہ کرینگے۔"

بنو بی:" اری وہ (یعنے میر تسلیم) کہاں ہیں۔ انہیں معلوم ہوگا تو اوس کی چمڑی اتار لینگے۔"

اچھو:" لو بی بی تمہیں معلوم ہی نہیں کچہری کا انہیں بلاوا آیا تھا۔ کل اپنے چھوٹے باغ کا نیلام ہے۔ (خود ہی کو زور سے) اری اماں میری! اب وہاں شاہ مدار کی کندوری کون کرے گا؟ ڈھولک گیت کون بجائے گا گائیگا؟ اجبڑ میرا کلیجہ پانی پانی ہوئے جا رہا ہے۔۔"

بنو بی:" اری چل دور ہو نگوڑی چوٹی کٹی۔ وہ میری ہو کے منگنی کے وقت دیا ہوا باغ ہے۔ اسے کون موئی کٹا نیلام کروائے گا۔ اتنا سمدھن سے لڑ جھگڑ کر دولہن کے نام پر سے چھوٹے کے نام پر کر لی۔ وہ آئیں تو پھر مونہ کھولوں۔"

حسنو:" (غلام گردش کی دیوار کے باہر سے) اچھو بوا۔ اچھو بوا۔! بوا جلدی آؤ۔ چھوٹے میاں نے تو میرا ناک میں دم لے آئے۔"

اچھو:" (ڈوڑی ہوئی گئی) کیوں؟ خیر تو ہے۔"

حسنو:" بوا خیر ہے۔ چلو جلدی کرو۔ آدہ سیر گرم مصالحہ۔ سیر بھر ادرک سیر بھر لہسن دو سیر پیاز۔ ایک گھڑا بھر دہی۔ پانچ سیر کمود کے چانول۔ دس سیر گھی۔ اور کیا۔۔۔۔ دیکھو۔ میں بھولا جا رہا ہوں۔۔۔۔۔

اچھو:" ارے بچے کیا ہوا۔ دیوانہ تو نہیں؟

حسنو:" بوا! دیوانہ تو نہیں۔ مگر دیوانہ بجانے کا وقت آگیا۔ چلو جلدی سے

ادھر یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ دالان کے دروازے سے سہانی پیاری آواز آئی" میں بندگی کرتی ہوں اماجان!" یہ بسم اللہ بیگم ننھو بیگم کی بہو کی آواز تھی۔ دبی چال۔ آہستہ مگر معززانہ وضع سے اپنی خوشدامن کیطرف چلیں بدن نہ میانہ نہ بہت اونچا۔ چھریرا سر کے بال چوٹی کیے ہوئے۔ موباف نیلم رنگ کا۔ چوٹی کے سرے سے تین سونیکی کٹوریں لٹکی ہوئیں۔ چوٹی کی گوندھن میں کچھ یوروپین وضع۔ پیشانی کشادہ اور اٹھی ہوئی۔ ابرو میانہ۔ پیشانی لمبی سرخ رخسار ونہر گرہی۔ آنکھیں غزال سی۔ کاجل اور مسی قدرتی کاجل سے کالی تھیں۔ ناک سیدھی جیسے تلوار کی دھار۔ نتھنے میانہ رخسار شفاف سرخی مایل۔ کان میانہ۔ گگرٹے اور ایر رنگ جسمیں نیلم کے ٹکڑے جڑے ہوئے۔ لب اوپر کا باریک مگر نیچیکا ذرہ موٹا۔ گردن صراحی دار قاز کی سی لچکدار۔ کالی پوت کا پچھا ٹھستی۔ چانول دانے۔ وجیر ٹیک رست لڑی پتلیاں کا ہار۔ بالو نکی مانگ سے مرزا بے پرواہ لٹکا ہوا۔ ہاتھوں میں سونے کے کنگن اور بلوری چوڑیاں۔ پیر میں اورنگ آبادی وضع کے توڑے اور پائے زیب ناک میں جڑاو کی پھولی نتھو سے جڑاوی ہلال لٹکا ہوا۔ سر پر پیازی پھلواری ڈوپٹا بدن پر فلالین کا قمیص اسپر نیلم رنگ کا ریشمی پولکا۔ جس کے اطراف اور آستین جالیدار جھالر سے مزین۔ پائے جامہ سورتی پیازی مشروکا۔ پیر میں سرخ ریشم کے موزے۔ اور پیٹنٹ لیدھر سلیپرس (انگریزی جوتیاں) دوبارہ مسکراتی آواز دیں" اماجان بندگی کرتی ہوں"!

ننو بی بہو کا آواز سنکر دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گئیں +

(باقی آئندہ)

بسم اللہ بیگم - اماں جان آپ کے دشمنوں کی طبیعت بدمزہ ہے - اُدہر وہ (یعنی میر تسلیم) مشوش الخاطر - اور ہنو بی (یعنی قدرت اللہ کی) طبیعت پریشان - بہلا فرمائیے کونسی بدبخت کنیزک ایسے ایام میں اپنے میکے کا خیال کریگی بہلا اماں جان میرے دوائی کے بکس میں چہار ادویات ہیں - اگیو کیپہر ایک ڈوز پی لیں ابی آرام ہو جائیگا - میرے صندوق میں کافی اسپیس (عرق قہوہ) بہی ہے فرمائیے تو ابی ایک دومنٹ میں تیار کرکے آوں ذرا اُسے بہی پی لیں اور بستر پر آرام فرمائیں - اللہ چاہے تو مزاج لپسینہ آئے بعد حالت اصلی پر آجائیگا -

ہنو بی - اری او بختاور - میں کہتی ہوں نہ - کہ بجز نگیوں کی دوا راست نہیں - فرنگی زبان سے کان پٹے جاتے ہیں - اری - اچہو - ذرا اجوان چاب کر پیشانی پر ملدے آٹہ پہیری اجوان لے آ - تپ کے مارے کلیجے میں آگ پہنک گئی - دیکہہ تو کالی آسلیٹے پر والی مرغی نے انڈا دی ہوگی - لے آ - اتار کر پہینکدے - چولہے میں لال مرچیاں نمک پکوا کے ساتہ پتہر لے آ - ساتہ مرتبہ سر سے پیر تک اتار کر - انہیں ٹہکرا کر پہینکدے - مشائخ زادے کے پاس سے رکابیاں لکہوا کر لے آ - دیکہیو - شیو رام مارواڑی کے پاس سے زعفران لیجیو - اری اچہو میں صحن میں نیم کے تلے کہڑی تہی - کچہ سایہ ہو گیا - ہو نامت ری او مونڈی کٹی - مشائخ زادے سے یہ سب حقیقت کہنا - یا پیر شدو - باشاہ مدار تمہیں گنگنیاں - کلگلے ستہریاں کن دوری کہلواؤنگی - یا بارہ امام پنجتن کے نام پانچ تولے چاندی کا پنجہ چڑہواؤنگی"

استنے میں اچہو نے اجوان پیشانی پر گہس دی - اور مشائخ زادے کے مکان کی راہ لی - مگر اجوان کی سوزش سے ہنو بی بلبلا اُٹہیں - اور اب تو سچ مچ اُنہوں کے سر پر بہوت چڑہا - بہت سے لام - قاف بہو کے سرزد کریں - اپنی قسمت پر رو لیں - اور اپنے کمرے میں جاکر لیٹ رہیں - مگر شاباش اور مرحبا ہے بسم اللہ بیگم کو - اپنی خوشدامن

کو سمجھاے مناے رہیں۔ اتنے میں میر تسلیم نے آواز دی۔ بہو بیگم! بسم اللہ بیگم مردانے دیوانخانے کے دروازے پر جا کھڑی ہو گئی۔ میر تسلیم نے چلمن ہٹا کر کہا کہ چھوٹے حجرے میں دسترخوان بچھوا کر رکابیاں چنوا دو۔ میں عمامہ انگرکھا اُتار کر آتا ہوں۔

بسم اللہ بیگم کی شادی ہونے کے اول اس حجرے کا یہ حال تھا کہ جا بجا کاے کڑی کے جالے لگے ہوے۔ زمین پر گرد جمی ہوئی۔ فقط ایک جونی پرانی چٹائی بچھی ہوئی رہتی۔ وہی فرش اور دسترخوان دونو کا کام دیتی تھی۔ حجرے میں روزن نہ ہونیکے باعث اندھیرا رہتا تھا اور کسی قسم کا سامان وہاں موجود نہ تھا۔ ہاں ایک دو پھوٹی ٹوٹی مٹی کی ہنڈیاں دکھائی دیتی تھیں۔ اور اچوجب کھانا کھانے کے پہلے چٹائی پر جھاڑو دیا کرتی تو ضرور دو چار تو سے چوہوں کی مینگنیاں کونے سے لگا دیتی۔ اب دالان اور دوسرے کمروں کی حالت اسی پر سے سمجھ لیں۔

ذرا بسم اللہ بیگم کے والد کا حال بھی سن لیں۔ اُنکا نام شیر دلخاں اور گلبرگے کے رئیسوں سے نسبت رکھتے ہیں۔ جوانی میں گھر دار چھوڑ کر گردش میں داخل ہو گئے کچھ اردو فارسی نوشتخواند آتی تھی پچیسویں پلٹن یا کونسی پلٹن میں بھول گئی اسمیں بھرتی ہوئے بہت جلد انگریزی زبان میں تھوڑی شُد بُد حاصل کر لی۔ ذاتی جوہر ایک ہی سال میں نایک کی جاے ملگئی۔ انہوں کی رجمنٹ جشتان بھجوائی گئی۔ وہاں خیریت سے لڑائی بھڑائی نہیں ہوئی سالماً غانماً بمبئی واپس آے۔ فوراً جمعدار ہوئے اور اسپینین بیڈل بھی ملگیا۔ بعد افغانستان پر چڑھائی ہوئی۔ پاس حق نمک تو مسلمانونکا اور خصوصاً اہل عرب کا مقولہ ہے۔ برٹش راج کی خدمت خوب ہی جوانمردی سے کی۔ کرنل صاحب کی سفارش سے فوراً سونے کا بلا ملگیا۔ اور صوبہ دار میجر بنگئے۔ انہونکی رجمنٹ نصیر آباد یا کیا جانئے پہنچ گئی۔ وہاں کسی شریف زادی سے نکاح کیا ایک ہی سال میں خدا نے فرزند عطا کیا۔ وہاں سے بنگلور بدلی ہوئی۔ اب تو افسروں میں نہایت ہی رسوخیت ہوگئی

شیردل خاں کا نام کپتانوں اور کرنلوں کے نوک زبان ہوگیا۔ ہر ایک گل کے ہمراہ خار ہے انکا فرزند عبدالرحیم آٹھ برس کی عمر میں اس دنیا سے انتقال کرگیا۔ اور اسی غم میں انہوں کی بیوی بھی جہان فانی سے رخصت کرگئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

شیردل خاں تھے صاحب ہمت۔ اور اسلامی قانون پر سر جھکائے ہوئے ان آفتوں کو سہل جھیل لیا۔ دوست آشناؤں کے کہنے سننے سے پھر دوبارہ شادی کی ٹھہری۔ بیوی کی برسی ہوئے بعد سکندرآباد میں حیدرآباد کنٹنجنٹ کے سردار بہادر صوبہ دار میجر۔ کیا انہونکا اور انہوں کی دختر کا نام؟ دیکھو ابھی سلیمن سے یہی گفتگو ہی...... ہاں سکندرخاں اور رحمت خانم۔ رحمت خانم مکان میں آتے ہی کوٹھیہ بدلی ہوگئی۔ مال موب پیش عرب کہتے ہوئے وہاں اپنی بیوی کو ہمراہ لے گئے۔ مگر غضب کی سردی۔ تپ خیمے کے سایہ تلے رہنا بیچاری رحمت خانم رحمت الٰہی کو پہنچی۔ شیردل خاں کا چند پنجاب کے رئیسوں سے تعارف ہوگیا تھا۔ اور ماسوا سرکار سے سردار بہادر کا خطاب انہیں عنایت ہوا تھا۔ بس چہلم ہوتے ہی عشرت خانم سے شادی ہوگئی۔ دو مہینہ بعد انہونکی رجمینٹ پونا بھجوائی گئی۔ یہاں انہوں نے مین اسٹریٹ میں ایک مکان خرید کرلیا۔ چند باغ اور مزارع بھی خرید کرلئے۔ اور پنشن بھی معقول ملگئی۔ جہاں انہونکا مکان تھا وہاں ہمسایوں میں سربرآوردہ قوم یعنی پارسیوں کے مکانات تھے۔

(باقی آیندہ)

ساری قوم ایک دم فرنٹ ہوگئی۔ بجائے اِس کام میں امداد ملنے کے مخالفت ہونے لگی ع
اپنی ہی فوج بن گئی لشکرِ غنیم کا۔ سرکار، دولتمندار اور چند رفیقوں کے سوا کوئی حامی مددگار
نہیں ہوا۔ لیکن استقلال اور لگاتار کوشش سے مرتے دم تک آخر جس کام کا بیڑا اٹھایا تہا
اُسے چلاکر اور قوم کو، جو غفلت کی گہری نیند اور جہالت کے اندہیرے کمرے میں
دروازہ بند کیے بے خبر سو رہی تہی، جگاکر اپنے پیارے کالج اور مصیبت ماری قوم
کی صلاح وفلاح کی فکر میں اور اسیکی دُہن میں مارچ ۱۸۹۸ء میں اس عالمِ فانی سے
کوچ کیا +

سید احمد خاں کی زندگی اور اون کے کارنامے کا یہ خلاصہ ایسا ہی ہے جیسے کسی
بخیل کے عقیل مہمان نے دسترخوان پر زیادہ باتوں میں نوالے کا ہرج سمجھکر حضرت
یوسف کا قصہ مختصر بیان کیا تہا کہ "پیرے بود پورے داشت + گم کردہ باز یافت"۔
مولوی حالی نے ساڑہے چار سو صفحوں میں سید احمد خاں کے حالاتِ زندگی لکھے ہیں
جن کے لیئے خاتون کے مختصر اوراق چنے کی دال پر قل ہو اللہ کا حکم رکھتے ہیں۔
سید احمد خاں کی ذاتی بڑائی اور ان کے کام کی عظمت سمجھنے کے لیئے
یوں غور کرنا چاہیئے کہ دنیا میں کوئی تو اپنی نام آوری۔ ذاتی عیش و آرام اور اپنے
بیوی بچوں کے لیئے کوششیں کرتا ہے اور مصیبتیں جھیلتا ہے مگر اس شخص نے
جوانی سے لیکر بڑھاپے تک اپنی زندگی قوم کے لیئے وقف کر دی تہی۔ قوم ہی کے
لیئے کی جو کوشش کی۔ دم سے۔ درم سے۔ قدم سے۔ قلم سے۔ کسی طرح دریغ نہیں
کیا۔ طرح طرح چاہا اور کیا کہ قوم میں تعلیم عام ہو، جہالت اور تعصب دور ہو، تہذیب و
شائستگی آوے۔ حکام کی نظر میں وقعت پیدا ہو، دولت اور عزت پائیں۔ ڈوبتے ہوئے
تریں اور گرتے ہوئے سنبھلیں۔ خدا نے اُنکی کوششوں کا یہ نتیجہ دیا کہ جیسا وہ چاہتے
تہے مدرسہ مسلمانوں کے لیئے قائم ہوا۔ مسلمان یا تو تعلیم کیطرف پہٹکتے نہ تہے یا جوق جوق

اپنے پاؤں چل کر آنے لگے۔ سینکڑوں ایم۔اے۔ اور بی۔اے۔ ڈاکٹر۔ اور انجنیر۔ بیرسٹر اور خدا جانے کیا کیا ہونے لگے۔ دس روپے بھی کسی سے لینے دشوار ہیں سید احمد خاں نے دس بارہ لاکھہ روپیہ انھی بگڑے ہوئے تعلیم کے دشمن مسلمانوں سے مدرسے کے لیئے چندوں میں وصول کر لیا اور جب وقت مرے ہیں ساٹھہ ستر ہزار کی سالانہ آمدنی مدرسہ کی چھوڑی۔ حکام میں وقعت مسلمانوں کی قائم ہوگئی اور جو غلط خیالات کہ مسلمانوں کی طرف عام خیر خواہی اور بغاوت کے تھے سب رفع ہوگئے۔ شیعہ سنی کے اور شیعہ شیعہ اور سنی سنی کے جھگڑوں کو مدرسہ کی چاردیواری میں لاکر ایسا سمویا کہ دونوں کو گھی شکر کر دیا قوم کی صلاح وبہبودی کی تدبیریں کرتے رہنے کے لیے ایک سالانہ جلسہ کانفرنس کے انگریزی نام سے شہر در شہر منعقد کیا جس میں ہندوستان وپنجاب ودکن اور بنگالہ ہر طرف اور ہر صوبہ کے مسلمان آکر ہر سال جمع ہوتے ہیں۔ قوم کی حالت پر غور کرتے ہیں کہ کیا تھی بادشاہ تھی۔ اور کیا ہوگئی؟ مفلس قلاش کس طرح درست ہو؟ تعلیم تربیت اور اخلاق کی درستی سے صحیح مذہب کی پابندی سے تعصب دور کرنے سے۔ نااتفاقی چھوڑنے سے قومی کاموں میں دل کھول کر چندے دینے سے قوم کی عزت کو اور قوم کی صلاح وفلاح کو ذاتی نفع اور ذاتی ضروریات پر ترجیح دینے سے ٭ یہ سب باتیں ہیں جو سید احمد خاں نے قوم کو سکھائیں اور خود کر کے دکھائیں۔ کہا جاتا ہے کہ قوم کی مستورات کے لیئے سید احمد خاں نے کیا کیا؟ جواب یہ ہے کہ جو کچھہ مردوں کے لیئے سید احمد خاں نے کیا عین عورتوں کے حق میں کیا۔ جو دقتیں کہ عورتوں کی اصلاح میں درپیش ہیں ان کا رفع ہونا مردوں کی اصلاح پر منحصر ہے۔ یہ مردوں کی تعلیم کی کمی ہے جو عورتوں میں تعلیم کی کمی ہے حضرت آدم کے گناہ معاف ہوئے تو حضرت حوا کو بھی عتاب الٰہی سے نجات مل گئی۔ تعلیم یافتہ مرد قوم میں پیدا ہونے لگے تو عورتوں کو تعلیم یافتہ کرنے کے کام بھی شروع ہوگئے یہ رسالہ خاتون بھی اسیکی برکت ہے۔

جاے سے نیچے پڑ جاتے ہیں اور پھر اس میں روز بغیر صاف کئے پانی بھر اجاتا ہے برتن اکثر توا
کی لگن یا کونڈے میں دُھلتے ہیں اگر کونڈا ہے تو کنارے پر چکنائی جمتی جاتی ہے اور برتن بھی ڈھنگ
سے صاف نہیں ہوتے اسی کونڈے میں روز آٹا گوندھا جاتا رہتا ہے۔ چینیوں کی بھی یہی حالت ہوتی
ہے کھانا پکنے کے وقت سے کھانا ختم ہونیکا وقت قابل دید ہوتا ہے باورچیخانے میں پانی بہتا
رہتا ہے کونڈے جھوٹے برتنوں اور پتیلیوں پر مکھیاں بھنکتی ہوتی ہیں اور کھانے کے دھون
کی کیچڑ موری میں سڑتی ہے اور سخت بدبو آتی ہے۔ میں نے ماماؤں کو دیکھا ہے کہ آٹے کے
گوندھنے سے جو پانی بچتا ہے طبیعت کی غلاظت اور کاہلی کی وجہ سے اس میں ترکاری دھو کر
ڈال دیتی ہیں اور یہ سب ہماری بہوؤں کی غفلت اور چشم پوشی سے ہوتا ہے۔
اچھا کھانا تو مقدرت پر منحصر ہے لیکن کھانا پکوانے یا پکانے میں احتیاط لازمی اور ضروری
ہے اور کھانا بہت پاکیزہ طور سے پکانا چاہئے باورچی خانہ اگر کچا ہو تو ہر مہینہ لپوانا چاہئے
نہیں تو جُڑوانا اور پنڈول مٹی جو مشہور ہے، پھروا دینی چاہئے اور چھت کی کڑیاں تو ہفتہ

زیور ہی سچ ہے۔ زر و زیور دار بیوی سے ایک پھٹے کپڑوں کی مگر اچھی تعلیم یافتہ عورت ہزار درجہ اچھی ہے پارسی اور بنگالی عورتیں کیسی عزت پا رہی ہیں، کیا وجہ ان کی قدر دانی کی؟ اب ہمیں چاہئے کہ ظاہری نمایش اور زیور اور کپڑونکی محبت دل سے نکالکر علم کی محبت کریں، اور اسے حاصل کریں پھر دیکھیں ہم کسطرح مہذب اور شائستہ نہیں کہلاتے؟ ڈیر سسٹرز! کیا یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ ہماری قوم نیم وحشی کے بُرے خطاب سے یاد کیجائے۔ افسوس! اگر ہم مردونکے ہم پلہ ہو کر اپنی اصلاح کی کوشش کریں تو کچھ مشکل نہیں کہ ہماری قوم ایک مہذب اور شائستہ قوم ہنجائے۔ اے خدا میری سب بہنونکو توفیق دے کہ اپنی اصلی عزت کی دل سے خواہاں ہوں

اثر فلک سے اتر آ و زا خدا اسکے لئے
کہ ہنے ہاتھ اُٹھائے ہیں اب دعا کے لئے

بنت نذر الباقر

تعلیم کی ضرورت

تعلیم کی ضرورت پر یہ ایک مختصر سا مضمون غور کے ساتھ پڑھنے کے لائق ہے۔ جناب ایم فاطمہ بیگم صاحبہ نے تعلیم نسواں کے مخالفین کو بڑی خوبی سے قایل معقول کیا ہے، اور ہم اس مفید مضمون کی بابت شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اڈیٹر

میںنے خاتون کا پرچہ دیکھا پڑھکر نہایت دل خوش ہوا اور یہ معلوم ہو گیا کہ ہدایت کا چراغ روشن ہو گیا، اب بہت جلد امید ہے کہ تعلیم یافتہ بہنونکا شوق بڑھیگا اور تعلیم النسواں کا چرچہ بہت جلد پھیل جاویگا۔ مگر افسوس ہے کہ اب تک مردوں کے وہی خلاف خیالات نظر آتے ہیں بعض تو کہتے

کا لفظ عام طور پر جنٹلمین کا ہم معنی تسلیم کر لیا گیا ہے اور مروج ہے۔

اڈیٹر

خاتون نمبر ۹ جلد اول (سنہ ۱۹۰۴ء) میں ایک مضمون عنوان بالا سے میری نظر سے گذرا۔ اُسکے راقم نے مضمون کے آخر میں اپنا نام لکھنا کسی وجہ سے پسند نہیں کیا بلکہ صرف خیراندیش لکھنے پر اکتفا کیا ہے (خیر یہاں مجھے اسبات پر بحث کرنی نہیں ہے) میں صرف یہ عرض کرنا چاہتی ہوں کہ راقم مضمون کا خیال فی الحقیقت بہت ہی معقول ہے۔ راقم مضمون نے ناظرین خاتون سے یہ بات دریافت فرمائی تھی کہ وہ اپنی لیڈیز کو مذکورہ بالا خطابوں میں سے کونسا خطاب دینا پسند کرتے ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ راقم مضمون کا خیال قدرتی طور پر مردوں کی جانب ہے۔ اسوجہسے میں اُسکے جواب دینے کی اگرچہ مستحق تو نہیں ہوں لیکن اس سبب سے کہ اُسکے بعد کے پرچے یعنی نومبر و دسمبر کے خاتون میں اس مسئلہ کی نسبت کوئی راے نہیں چھپی میں یہ چند سطور لکھنے کی جرأت کرتی ہوں۔ زیادہ تر تعجب کی یہ بات ہے کہ اڈیٹر صاحب خاتون نے بھی اسکی بابت اپنا کوئی خیال ظاہر نہیں فرمایا۔ حالانکہ سب سے مقدم اُنکی راے تھی اور اگر وہ اپنی قطعی راے ایک دم سے اس میں نہیں ظاہر فرما سکتے تھے تو اُن کو بطور ہدایت بارک کرنا ضرور تھا۔ ایسی حالت میں سوائے اسکے اور کیا خیال ہو سکتا ہے کہ یا تو اڈیٹر صاحب نے ایک سرسری نگاہ سے دیکھکر اسکو ایک معمولی بات سمجھی یا فی الحقیقت کسی مصلحت سے خاموشی اختیار کی۔ حالانکہ جو خیال مضمون میں ظاہر کیا گیا ہے وہ فرقہ اناث کے لئے نہایت ضروری ہے۔ مگر قبل اسبات کے کہ میں اپنی کوئی راے ظاہر کروں اتنا کہنا ضرور غیر مناسب نہوگا کہ میرے نزدیک ابھی یہ سوال قبل از وقت ہے۔ راقم مضمون کو پہلے مردونکو یہ مشورہ دینا چاہئے تھا کہ وہ اپنے لئے پہلے کوئی خاص نام مقرر کر لیتے تو اُنکو ہمارے لئے نام تجویز کرنے میں آسانی ہوتی۔ راقم مضمون نے لکھا ہے کہ انگریزوں میں شریف اور اعلیٰ خاندان کی مستورات کو لیڈیز کے نام سے خطاب کرتے ہیں۔ میں عرض کرتی ہوں کہ راقم مضمون کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ

کہ انگریز آپس میں ایک دوسرے کو جنٹلمین کہتے ہیں۔ لیکن کیا کوئی اس بات کو کہہ سکتا ہے کہ جب عورتوں نے اپنے لئے لیڈیز کا خطاب پسند کرلیا تب اُسکے بعد انگریز مردوں نے اپنے آپکو جنٹلمین کہنا شروع کیا۔ نہیں میرے خیال میں تو کوئی یہ نہ کہے گا۔ بلکہ سب جانتے ہیں کہ جنٹلمین انگریز مردوں نے جو اپنے لئے پہلے پسند کرلیا تب عورتونکو بعد میں لیڈیز کہنا لازمی ٹھہرا۔ اس طرح سے جب ہمارے ہاں کے مرد بھی اپنے لئے کوئی خاص نام تجویز کرلینگے تو ہمارے واسطے نام خود بخود پیدا ہو جائیگا۔

م۔ ف۔ بیگم

زنانہ لباس

یہ خوشی کی بات ہے کہ " زنانہ لباس " کے مسئلہ پر بحث شروع ہوگئی ہے اور امید ہوتی ہے کہ غور اور بحث کے بعد کم سے کم شمالی ہندوستان کے لئے کوئی لباس عام طور پر پسند ہو کر تجویز و رائج ہو جائیگا۔ یا سب کی خوشی مروجہ لباس کے قائم رکھنے کی ہوگی، تو مروجہ لباس ہی قائم رہیگا۔ لباس میں ہمیشہ تین باتیں مدنظر ہونی چاہئیں، مہذب ہو، آرام کا ہو، اور خوبصورت ہو۔ مہذب ہونیکا معیار قائم کرنا اور موجودہ لباس کو مناسب یا نامناسب قرار دے لینا زیادہ دشوار نہیں ہے۔ آرام کا معیار قائم کرنا زنانہ سوسائٹی کی ضرورت زندگی پر منحصر ہے، اور اس بات کا طے ہو جانا کہ معاملات زندگی میں عورتونکا کیا اور کتنا حصہ ہے، اُنکے کام اور کام کو بآرام انجام دینے کے لئے کسی لباس کے تجویز کرنے میں مدد دے گا۔ البتہ خوبصورتی کا معیار قائم کرنا بہت مشکل ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ ہر متنفس کی پسند پر معیار قائم کیا جائے کیونکہ مذاق اور پسند میں اختلاف عام ہے اور انسان کا خاصہ ہے اور اس اختلاف کی بنا پر مختلف معیار خوبصورتی کے قائم ہونگے۔ پر خوبصورتی کی ہی دو شاخیں پیدا ہوتی ہیں، ایک تراش کی اور دوسری بالائی۔

سبق

(۱)

مشق ۹۹

کی شناخت کریں۔ وہ تو سوائے اسکے کچھ نہیں کرسکتے کہ خوراک انکے سامنے رکھی جائے وہ اسکو کھا پی لیں۔ جیسے کہ ماں اپنے بچوں کے پاس جو خود غذا نہیں حاصل کرسکتے اُسوقت تک غذا پہنچاتی ہے کہ وہ ضعیف اور بن پروں کے ہوتے ہیں۔ اسیطرح خداوند تعالیٰ جو کل مخلوق کا خالق ہے عین حکمت سے اپنی بے بس بیچاری مخلوق کو وہ چیزیں پہنچاتا ہے جسکے وہ محتاج ہیں۔ کسی نے کیا سچ کہا ہے کہ قوی تو اپنے گذارے کے لئے اپنا آپ سرانجام کرتے ہیں۔ مگر ضعیف بیچاروں کی امداد ازغیبی ہوتی ہے۔

ذکاءاللہ

جاپانی عورتیں

آجکل جبکہ دنیا کی آنکھیں جاپان پر لگ رہی ہیں اور کل دنیا میں جاپان کی ترقی اور تہذیب کا شہرہ بلند ہو رہا ہے غالبًا یہ تاریخی مضمون میری ہندوستانی بہنوں کے لئے خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ میری بہت سی ہندوستانی بہنیں یوروپین عورتوں کے حالات سے بخوبی واقف ہیں مگر بہت ہی کم ایسی بہنیں ہونگی جو جاپانی عورتوں کے حالات سے کچھ واقفیت رکھتی ہوں۔ امید ہے کہ یہ مضمون انکی معلومات میں مفید اضافہ کریگا۔

جاپان میں بدھ مذہب رائج ہونے سے پیشتر عورتیں ہر لحاظ سے مردوں کے مساوی سمجھی جاتی تھیں۔ اور انکے حقوق مردوں کے برابر تسلیم کئے جاتے تھے۔ بعض بیگمات اور شہزادیاں سوار ہوکر شکار کھیلنے جاتی تھیں اور خوفناک جنگلوں میں گھوڑوں پر بےخوف وخطر پھرتیں۔ وہ سپاہیوں کی طرح اسلحہ زیب بدن کرتیں اور اپنے آقاؤں پر جاں نثاری کے لئے فوجوں کے آگے آگے ہو کر لڑائیاں لڑتیں اور دشمن پر حملہ کرنے میں پیشقدمی کرتیں۔ انکو نہ صرف فنونِ جنگ ہی میں کمال

حق اور فرض

ہمیں نہایت فخر ہو رہا ہے شادمانی ہے کہ آج ہم فخر قوم عالی جناب نواب محسن الملک بہادر
کا مضمون خاتون میں شائع کرتے ہیں یہ بزرگ نام سرسید کے نام کی طرح ہندوستان کے
ہر گوشہ میں ادب اور عزت اور محبت سے لیا جاتا ہے، اور فی الحقیقت ایسے بڑے محسن
اور فدائے قوم اور علامہ وقت کا نام اسی عزت اور محبت کا مستحق ہے۔ آپ کی ذات بابرکت
سے جو فیض اور فائدہ ہم سب کو پہنچ رہا ہے اسکو عیاں راچہ بیاں سمجھکر خاتون کی معزز لیڈی
ناظرین کے سامنے ہم اسوقت نہیں بیان کرینگے، مگر ہم انکو یہ خوشخبری سنانا چاہتے ہیں
کہ وہ عورتوں کی تعلیم و ترقی کے باب میں مایوس نہوں، اسلئے کہ نواب صاحب موصوف
جیسے بزرگ انکی حالت پر متوجہ اور ہمدرد ہیں۔ اس مضمون میں، جسکو ہم بعد شکریہ ذیل میں
درج کرتے ہیں، نواب صاحب نے تعلیم نسواں کی ضرورت کو بہت زور کے ساتھ ثابت کیا ہے
اور مسلمانوں پر تعلیم نسواں کا انتظام کرنا فرض بتایا ہے۔ انکی تاکید کا اثر ممکن نہیں کہ نہو۔ وہ
لوگ جو حق ناحق سرسید اور نواب صاحب کو تعلیم نسواں کا مخالف سمجھتے ہیں، مناسب ہے،
کہ اس مضمون کو غور کے ساتھ پڑھیں اور اپنا غلط خیال درست کریں، کیونکر ممکن ہوسکتا
تھا کہ ایسے روشن خیال بزرگ، جو قومی ضروریات سے واقف اور قومی بیڑے کے ناخدا
ہیں جن کی بدولت قوم کو دوبارہ زندگی میسر ہوتی نظر آتی ہے، وہ تعلیم نسواں جیسی
ضروری چیز کو غیر ضروری اور مضر سمجھتے اور بتاتے۔ نواب صاحب بذات خود تعلیم نسواں
کے بہت بڑے حامی ہیں اور اس سے زیادہ اور کیا ثبوت تعلیم نسواں کی حمایت کا ہوسکتا ہے
کہ عالیجناب بیگم صاحبہ نواب صاحب موصوف فرانسیسی انگریزی عربی اور فارسی زبان میں
اچھی دستگاہ رکھتی ہیں، اور انکے اعلیٰ مذاق اور لیاقت کی تعریف عالی مرتبہ اور لایق

یورپین لیڈیاں بڑے بڑے انگریزی اخباروں میں لکھتی ہیں۔ ہم دوبارہ اس قابل قدر مضمون کی بابت
عالیجناب نواب محسن الملک بہادر کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اڈیٹر

یہ کہا جاتا ہے کہ سرسید مرحوم تعلیم نسواں کے سخت مخالف تھے، اور ہم لوگ بھی جو پرانے سکول کے تعلیم یافتہ ہیں، آجکل کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے محسوسات سے محروم ہیں اور تعلیم نسواں کی قدر قیمت نہیں سمجھتے، بلکہ مخالفت پر آمادہ ہیں۔ مجھے یہ دیکھکر خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے نوجوان تعلیم نسواں کے اسقدر حامی ہیں اور اسکے لئے اسقدر سرگرم ہیں کہ اپنی جوش حمایت کے آگے دوسروں کو مسئلہ تعلیم نسواں سے بے تعلق بلکہ مخالف سمجھتے ہیں، اور ہزار طرح سے تعلیم نسواں پر زور دیتے ہیں۔ خوشی اسواسطے ہوتی ہے کہ تعلیم نے اُنکے دل و دماغ روشن حوصلے بلند، نیتیں نیک کر دی ہیں، اور تقاضائے سن اپنی ہمتوں کے آگے مشکلات کی پروا نہیں کرتے، خواہ وہ مشکلات رفع نہ ہو سکیں، اور خوشی ہوتی ہے اسلئے بھی کہ آج سے بیس بیس اور چالیس چالیس برس پہلے جو قیاس اور اندازہ کیا گیا تھا وہ صحیح ثابت ہو رہا ہے۔ مگر اس خوشی کے ساتھ ان کی دلیرانہ آرزوؤں پر اور ان خیالات پر کہ ہم لوگ تعلیم نسواں کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، ہنسی بھی آتی ہے۔

لوگ سُنیں اور میں کہتا ہوں کہ سرسید ہرگز تعلیم نسواں کے مخالف نہ تھے۔ وہ تعلیم نسواں کو بہت بڑی قومی ضرورت سمجھتے تھے۔ الہ آباد کی کانفرنس میں وہ تعلیم نسواں کے متعلق رزولیوشن پر کچھ اختلاف کے بعد رائے دے چکے تھے۔ کانفرنس کا صیغہ تعلیم نسواں انکی حیات میں اور انکی پسند سے قایم ہو چکا تھا۔ خلوت اور جلوت میں میں تعلیم نسواں کے مسئلہ پر اُنسے کئی بار گفتگو کر چکا ہوں، اور اُنکے مافی الضمیر سے واقف ہوں۔ بیشک کئی بار تعلیم نسواں کے متعلق بعض باتوں میں میری اور اُنکی رائے کا اختلاف رہا ہے، اور وہ اس جوش اور سرگرمی کے ساتھ تعلیم نسواں کے مؤید نہیں بنتے تھے جتنے کہ آجکل نوجوان تعلیم یافتہ

کیسا مفید اور بڑا انقلاب ہوجائیگا اور یہ کونسی انسانیت ہے کہ عورتوں کو تعلیم سے محروم رکھا جائے؟ انکو تعلیم نہ دینا اُن پر ظلم کرنا ہے مسلمان عورتوں کے اس جائز حق کو اور اپنے اہم فرض کو اچھی طرح سمجھ لیں، ورنہ پچھتائینگے نقصان اُٹھائینگے اور سدا ذلیل و خوار رہینگے۔

محسن الملک

شریف بیٹی

بتول بڑے امیر گھر کی بیٹی تھی۔ اس کی تین بہنیں بھی خوشحال گھروں میں بیاہی گئیں تھیں مگر جب اس کی باری آئی تو کنبے میں کوئی کھاتا پیتا لڑکا نہ ملا۔ اسکا باپ بڑا ضدی تھا اس لئے خاندان کے ایک غریب لڑکے سے بتول کی نسبت ٹھہرا دی۔ بتول کی ماں نے ڈرتے ڈرتے دبی زبان سے ایک دن کہا کہ اگر نواب خرسند علی کے اکلوتے بیٹے سے بتول کا رشتہ ہوجاتا تو کیا اچھا ہوتا۔ وہ ہم سے حسب نسب میں گھٹے نہیں ہیں۔ اگرچہ مدت سے لین دین ترک ہے۔ مگر ہوا کرے۔ کامل کے مقابلہ میں تو وہ ہزار درجہ اچھا گھر ہے۔ میاں کامل سوائے اسکے کہ کنبے میں ہیں اور کیا لیاقت رکھتے ہیں۔ رہنے کو گھر نہیں۔ روٹی ہے تو کپڑا نہیں اور کپڑا ہے تو روٹی نہیں۔ ایسی حالت میں لڑکی دیدینی اپنے ہاتھ سے پیر میں کلہاڑی مارنی ہے۔ بتول کا باپ اتنا سنکر آگ بگولا ہوگیا۔ اور بولا "بس صاحب تمہیں کیا سروکار۔ ہم اپنی لڑکی کو جہاں چاہیں بیاہیں تم کون ہوتی ہو۔ مجھے روپیہ پیسے کی پروا نہیں۔ میں تو خاندان اور شریف ہڈی چاہتا ہوں۔ کامل اگرچہ اپڑھ اور مفلس قلاش ہے۔ پر ہے تو عزیز۔ اور اپنے کفو کا۔ میں لالچ میں آکر غیر جگہ قیامت تک نہ کرونگا۔ اب تو کہا۔ آئندہ کہو گی تو تم ہی جانوگی" اتنا سنکر بتول کی ماں بیچاری سہم کر چپ ہوگئی۔ کچھ دن بعد شادی

اور بدکلامی کرنے لگا - بس آنکھ کھل گئی دیکھا تو اسی اندھیرے گھر میں پڑی ہے - اور بادل گرج رہا ہے - جوں توں کرکے سویرا ہوا - اور بتول کی ماں ملنے کو آئی - پوچھا - کامل کہاں ہے - بولی ابھی باہر گئے ہیں - مگر وہ شکایت کا ایک حرف زبان پر نہ لائی - اگرچہ بار بار کرید کرید کر دریافت کیا گیا) (کہتے ہیں کہ ہندوستان میں اس قسم کی ہزاروں شریف بیٹیاں ظلم و ستم سہتی ہیں اور منہ سے اُف نہیں کرتیں -

حسن نظامی - از خانقاہ حضرت محبوب الہی -

خیرات

ہم مسلمانوں میں جہاں بچہ چار پانچ برس کا ہوا ، ایک رسم ہوتی ہے جسے بسم اللہ کہتے ہیں - سچ پوچھو تو بڑی پیاری رسم ہے - ایک رسم سے یہ مراد ہے کہ ماشاء اللہ چشم بد دور بچہ اس قابل ہوا کہ زندگی کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھے ، اور بسم اللہ کہکر قدم رکھے تاکہ خدا کے نام کی برکت سے قدم لغزش سے محفوظ ہو - بسم اللہ کے موقع پر بڑی خوشی منائی جاتی ہے ، خوب مہمانداریاں ہوتی ہیں ، بچہ کو جھم جھم کے کپڑے پہنا کر طرہ بدی اور ہار پھول گہنا پہنا کر اور دولہا بنا کر بیچ مجلس میں ریشمی مسند پر اطلس کے گاؤ تکیہ سے لگا کر بٹھلایا جاتا ہے ، اور چاروں طرف صف بستہ عزیز دوست آشنا بیٹھ جاتے ہیں - پھر کوئی سفید ڈاڑھی کے بوڑھے حافظ یا کوئی خاندان کے بزرگ بچہ کے قریب آن کر بیٹھتے ہیں ، اور با آواز " اقرا " کی صورت پڑھتے ہیں ، اور بچہ بھی ساتھ کے ساتھ اپنی شیریں آواز اور معصوم زبان سے سورت دہراتا جاتا ہے - اسکے ساتھ ہی سبز سرخ تختی پر بچہ کے ننھے ننھے ہاتھوں سے یہی سورت لکھواتے ہیں ، اور پھر مبارک سلامت مبارک سلامت کا غل زنانخانہ اور

یعنی دنیا میں بھی خیرات کرنیوالا سرخرو ہے اور آخرت میں بھی اُسکے مُنہہ کا اُجالا رہے گا۔ دین اور دنیا دونوں کی بھلائی ہے۔ خدا تعالیٰ نے خیرات کرنے والے کے لئے بڑی بڑی نعمتوں کا وعدہ کیا ہے، اور خیرات کا بہت ثواب لکھا ہے، اور کہا ہے ہمنے اپنے بندوں پر طرح طرح کی نعمتیں اُتاری ہیں، طرح طرح کے عیش و آرام دیئے ہیں، دولت ثروت عزت جاہ و مرتبہ عطا کیا ہے اور اُنپر لازم ہے کہ وہ ہمارے اس احسان کا شکریہ اس طرح ادا کریں کہ جو بنی نوع انسان میں سے تکلیف اور بُرے حال میں ہیں، اُنکی مدد اور دستگیری کریں۔ خدا کے پیارے نبی، ہمارے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کیسے رحمدل اور غریب اور بیکسوں کے دُکھہ درد میں شریک تھے۔ آپ بھوکے اور پیاسے رہتے مگر دوسروں کو بھوک اور پیاس میں مبتلا نہ کرتے، آپ ہر طرح کی تکلیف اُٹھاتے مگر کسی دوسرے کی تکلیف اُنکو کبھی گوارا نہ ہوتی، اور جو پاس ہوتا فوراً دیدیتے۔ غور کرنیکی بات ہے کہ ہمارا چین عیش و آرام کس کام کا جب ہمارے پاس پڑوس کے لوگ بھوکے مریں اور ننگے پھریں، ہماری قوم اور ہمارا ملک مفلس اور دنیا کی آنکھوں میں ذلیل اور خوار ہو۔ دولت کو لیکر انسان چولہے میں ڈالے اگر غریبوں اور محتاجوں کی دستگیری میں کام نہ آوے۔

خدا تعالیٰ نے نہ صرف اپنے کلام پاک میں خیرات کی تاکید کی ہے، بلکہ زکوٰۃ فرض کردی ہے۔ مگر ممکن تھا کہ انسان عیش و تنعم میں اور دولت کے نشہ میں غافل ہوجائے اور خدا کے حکم سے لاپرواہ ہوجائے، اور ذوق کے اس شعر کا مصداق بنجائے۔ ؎

نشہ دولت کا بد آئین کو جس آن چڑھا
سر پہ شیطان کے اک اور بھی شیطان چڑھا

اسی لئے خدا نے خود انسان کی طبیعت میں غریب اور بیکسوں پر رحم کرنے اور مدد کرنے کا مادہ پیدا کیا، اور طبیعت سے ہمدردی کرنے پر مجبور کردیا۔ خصوصاً یہ مادہ عورتوں میں زیادہ

نہ قوم کا بھلا ہوا اور نہ خدا کا حکم پورا ہوا اور نہ خیرات سے اپنی غرض نکلی۔ بلکہ اُس فقیر کا
الٹا نقصان ہوا کہ مفت کا کھانے اور بیکار رہنے کی اُسے عادت پڑگئی۔

بس اب دیکھ لیا جائے کہ ایسی خیرات سے جو صبح سے شام تک بھیک منگوں کو دیجاتی،
اور جو پیسہ پیسہ اور دو دو پیسہ کرکے مہینہ میں کئی روپیوں کے برابر ہو جاتی ہے کوئی
فائدہ نہیں، اور قوم کا بڑا نقصان ہو رہا ہے۔ ہزاروں ہٹے کٹے محنت مزدوری کے
لائق آدمی سست اور بیکار اور قوم پر بار ہوئے جاتے ہیں، اور ان کمبختوں کی تعداد روز بروز
بڑھتی جاتی ہے اور نئی نئی طرح کے فقیر پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ کوئی شاہ صاحب بنجاتے
ہیں، کوئی بم قلندر، کوئی رسول شاہی، کوئی کچھ کوئی کچھ، اور علاوہ بیکار رہنے کے
یہ بدمعاش بزدلی اور نادان اور نرم دل بیویوں کو طرح طرح سے دھوکے دیکر بہت سا
روپیہ پیسہ لیکر چلدیتے ہیں، اور دوکانوں میں اور تکیوں میں جاکر بھنگ اور چرس پیتے ہیں
اور طرح طرح کا ننگ پاپ کرتے ہیں۔ ایسے بدمعاشوں کو کبھی مکان کے پاس پھٹکنے
بھی نہیں دینا چاہیئے۔ دیکھو یورپ والوں نے خیرات کے کیسے اچھے طریقے نکالے ہیں
کہ سینکڑے چندے جمع کرکے یتیم خانوں، مدرسوں، کتب خانوں وغیرہ میں روپئے
دیتے ہیں، یا اور ملک اور قوم اور مذہب کی بھلائی کے کاموں میں روپیہ دیتے ہیں اور
ایسے اللہ رکھی اور بھکمنگوں کو جیسے ہمارے ہاں خدائی خوار پھرتے ہیں، ایک کوڑی نہیں
دیتے۔ اسکا نتیجہ بھی دیکھ لو کہ اُنکے ہاں ایسے فقیر ہی نہیں ہوتے، اور پھر اُنکا ملک ماشاءاللہ
کیسا بھرا دولت اور علم سے مالا مال ہے، اور وہ کیسے قابل ہیں کہ سات سمندر پار بیٹھے
بیٹھے ہم پر حکومت کر رہے ہیں۔ پھیتوں پھیتوں تال بھرتا ہے، اور اگر ہم بھی تھوڑا تھوڑا
اسی طرح جمع کرکے اچھے کاموں میں روپیہ دیا کریں، تو قوم کے بُرے دن اور یہ بُرا
حال جاتا رہے۔ مثلاً عورتوں کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ علیگڈھ میں کھولا جاتا ہے، اس
میں جو پیسہ کا مقدور ہو دے پھر دیکھیے کہ اس سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ اپنا خدا اور رسول

اکبر بادشاہ ہوا، اور اس کی سلطنت تمام ہندوستان اور ہندوستان سے بھی پرے تک پھیل گئی۔ اس کے زمانہ میں آگرہ ہندوستان کا دارالخلافہ تھا اور آگرہ کا قلعہ اسی کا بنایا ہوا ہے۔ یہ بادشاہ بڑا صاحب نصیب گذرا ہے، اسکے زمانہ میں سلطنت کو بڑی قوت تھی بڑے بڑے عالم محدث مورخ شاعر بڑے بڑے باکمال لوگوں سے اسکا دربار بھرا رہتا تھا۔ اسنے ہندوؤں کے ساتھ خاص محبت اور دوستی کا سلوک کیا اور ہندو رانیوں سے شادیاں کیں۔ اکبر کے سلوک کو آجتک سب احسانمندی کے ساتھ مانتے ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ اگر اکبر کی اولاد اکبر جیسی ہوتی تو ہندوستان میں مغلوں کی سلطنت کبھی نہ جاتی۔ اکبر کے بعد اسکا چاہیتا اور لاڈلا بیٹا جہانگیر ۱۶۰۵ء میں بادشاہ ہوا۔ نورجہاں بیگم اسی کی حسین اور چاہیتی بیوی ایرانی نسل سے تھی، جہانگیر نے بھی باپ کی سلطنت باپ کی طرح کی۔ اور مغلیہ سلطنت کی شان وشوکت میں فرق نہ آیا۔ سب سے پہلے جہانگیر کے وقت میں انگریز داخل ہندوستان میں ہوا، اور انگریزوں نے تجارت شروع کی۔ جہانگیر کے بعد اسکا بیٹا شاہجہاں ۱۶۲۸ء میں تخت پر بیٹھا، اور اس شان وشوکت کی سلطنت کی کہ ہمیشہ کے لئے اپنا نام زندہ چھوڑ گیا۔ عجیب نفیس مزاج نازک دماغ اور عالی خیال بادشاہ تھا جسکی طبیعت کی نفاست اسکے جشن اور درباروں، اس کی عمارتوں مثل جامع مسجد و قلعہ معلیٰ دہلی اور تاج گنج سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ وہ عمارتیں ہیں جنپر دنیا فخر کرتی ہے، اور جنکو دیکھنے کے لئے لاکھوں اور ہزاروں میل سے لوگ کھچے چلے آتے ہیں۔ شاہجہان کے بعد اورنگ زیب ۱۶۵۸ء میں بادشاہ ہوا، مگر دکن کی لڑائیوں ہی میں مصروف رہکر اس جہان سے رخصت ہوا اس بادشاہ کے علم وفضل زہد اور پرہیزگاری کی زمانہ میں دھوم ہے۔ گو کسیقدر سخت گیر تھا مگر و کہا جائے تو خاندان مغلیہ میں سب سے بڑا بادشاہ ہوا ہے۔ بیٹیاں چاروں لائق تھیں خصوصاً زیب النساء بیگم تو ایسی نازک مزاج اعلیٰ مذاق لائق اور فائق بیٹی تھی کہ دنیا میں مثال کے طور پر اس کا ذکر ہوتا ہے۔ اورنگ زیب کے بعد سے خاندان مغلیہ کے عروج کا ستارہ

غروب ہونا شروع ہوا، بہت سے بادشاہ یکے بعد دیگرے ہوئے، ادہر سلطنت کے ٹکڑے ہونے شروع ہوگئے اَوَدھ میں ایک سلطنت اور دکن میں دوسری سلطنت قائم ہوگئی، بنگال اور مدراس میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی لڑائیاں اور پہر مرہٹوں نظام حیدر علی اور ٹیپو سلطان میسور سے لڑائیاں۔ ان خانہ جنگیوں اور خودمختارانہ و خودسرانہ کارروائیوں نے، ہندوستان میں بےعملی پہیلادی۔ دلی کی سلطنت کو گھن لگنے لگا اور لاعلاج زوال شروع ہوگیا۔ نادرشاہ نے رہی سہی طاقت اور بہی کہودی۔ سنہ ۱۷۳۹ء میں ایران سے آکر کرنال پر محمد شاہ رنگیلے بادشاہ دہلی کو شکست دی، اور دُرّانہ قلعہ دہلی میں داخل ہوا۔ تخت طاؤس اور دولت سمیٹ کر اور دہلی میں قتل عام کراکر رخصت ہوا۔ پہر انکے جرنیل احمد شاہ درانی نے دہلی کو تاخت و تاراج کرنا چاہا، مگر پہلی دفعہ شکست کہائی۔ یہ مغلوں کی آخری فتح تہی۔ مگر وہ فتح مرض الموت میں بیمار کا آخری سانس تہا۔ درانی نے پہر حملہ کیا اور ۱۷۴۸ء میں پنجاب چہین لیا۔ مرہٹوں کا اثر اور انگریزوں کا زور تمام ہندوستان میں پہیل گیا تہا، حتّی کہ شاہ عالم بیچارا دلی میں معطل اور بیکار سا ہوگیا تہا، ناگذاری تک وصول نہوتی تہی، ناچار دیوانی کے اختیارات انگریزوں کے حوالہ کئے اور خود انگریزوں کی پنشن قبول کرلی۔ یہ بہی رخصت ہوئے اور بہادر شاہ دلی کے بادشاہ ہوئے، مگر برائے نام بادشاہ تہے، قلعہ معلّی کے باہر بہی انکا حکم نہیں چلتا تہا۔ یکایک ۱۸۵۷ء کا غدر ہوا، جسنے دلی پر وہ آفت ڈہائی کہ بیان سے باہر دلی کا طبقہ ہی اُلٹ گیا، اور بہادر شاہ یہ کہتے ہوئے ؎

دمدموں میں دم نہیں اب خیر مانو جان کی

اے ظفر بس چل چکی شمشیر ہندوستان کی

رنگون قید ہوکر چلے گئے۔ اور خاندان مغلیہ کا آفتاب غروب ہوگیا۔

غدر کے مصائب اور دہلی کی حالت زار پر داغ مرحوم نے ایک مرثیہ لکہا ہے جسکا نام شہر آشوب ہے، اگرچہ دہلی کے لئے کیا خوب کہا ہے ؎

فلک زمین وملائک جناب تھی دہلی	بہشت وخلد میں بھی انتخاب تھی دہلی
جواب کاہے کو تھا لاجواب تھی دہلی	مگر جو غور سے دیکھا تو خواب تھی دہلی

اب غدر کے بعد سے انگریزوں کا راج ہے، اور وہ نعمتیں اور برکتیں جو ہندوستان کو کبھی آج تک میسر نہیں ہوئیں دہلی کے حصہ میں بھی آئی ہیں، مگر آں قدح بشکست وآں ساقی نماند۔ نہ وہ صاحب کمال نظر آتے ہیں اور نہ وہ علم وفضل وہاں دکھائی دیتا ہے جس کی اتنی تعریف سننے میں آئی ہے۔ اب کیا باقی رہا۔ ع

وہ چل دیے جو رونق بزم جہان تھے
ای درد پا سے اُٹھیئے کہ سب یار چل بسے

دہلی کی تاریخ کے ساتھ اس بات کا خیال رہے کہ مختلف زمانوں میں مختلف جگہ مگر اسی دس بیس میل کے چکر میں دہلی آباد رہی ہے اور مختلف نام ہر بادشاہ نے رکھے ہیں۔ موجودہ دہلی شاہجہان آباد ہے اور شاہجہان نے اسکو سنہ [illegible] ہجری سنہ [illegible] جلوس شاہجہانی میں اسکو بنایا تھا

حقی دہلوی

اڈیٹوریل

زنانہ نمایش

لکھنؤ کی کانفرنس میں زنانہ نمایش بہ اہتمام سکرٹری صیغہ تعلیم نسواں ہوئی تھی اُس کی مفصل رپورٹ کل اردو اخبارات اور اکثر انگریزی اخبارات میں شائع ہو چکی تھی اسلئے خاتون میں اُسکے درج کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اُسی رپورٹ میں سکرٹری نے جملہ منتظمین

کے لئے بہم پہنچانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

۶۔ اشیا کے فراہم اور تیار کرانے میں اسباب کا ہمکو مطلق کوئی لحاظ نہیں رکھنا چاہئے کہ وہ کسی ہندو لیڈی نے بنائی ہے یا مسلمان لیڈی نے۔ اگر ہند و لیڈی اپنی مہربانی سے ہمکو اپنی دستکاری کی اشیا دینگے تو ہم بڑی شکرگزاری کے ساتھ اُس کو نمائش میں رکھینگے۔

۷۔ زنانہ نمائش کے ساتھ ہم ایک تعلیمی نمائش بھی کھولنا چاہتے ہیں اور اُس میں ہمکو امید ہے کہ پنجاب اور ممالک متحدہ اور بنگال اور صوبہ بمبئی اور مدراس کے صاحبان ڈائرکٹران سررشتہ تعلیم خاص مہربانی سے ہماری سرپرستی فرمائینگے کیونکہ یہ کام کسی قوم کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ کل ملک کی ضرورت اور بہتری کا ایک کام ہوگا۔

۸۔ اگر کوئی جنٹلمین یا لیڈی ابھی سے کوئی چیز ہمارے پاس بھیجنا چاہیں تو ہم بڑی احتیاط سے اسکو اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔

آیندہ ہر ماہ میں ہم نمائش کے متعلق اپنے اخبار میں حالات لکھتے رہینگے اور ہمکو امید ہے کہ اڈیٹر اخبارات اپنے اخبارات میں اس مضمون کو اور آیندہ دیگر مضامین کو نقل فرماکر ممنون فرمائینگے۔

تعلیم نسوان ایسوسی ایشن

لکھنؤ کی کانفرنس میں جو ایسوسی ایشن قائم ہوئی تھی اور جس کے ممبروں کے نام جنوری کی خاتون میں شائع ہوچکے ہیں آج ہم مختصر طور پر اس ایسوسی ایشن کے مقاصد درج رسالہ

کرتے ہیں تاکہ اگر کوئی خاتون یا کوئی جنٹلمین اسکا ممبر ہونا چاہیں تو انکو سکرٹری سے صیغہ کے بارے میں دریافت کرنیکی ضرورت پیش نہ آئے۔

۱۔ اول اور بڑا مقصد یہ ہے کہ تعلیم نسواں سے پوری ہمدردی پیدا کیجائے اور ملک میں تعلیم نسواں کے موافق خیالات پھیلائے جائیں اور جاہلانہ مخالفت رفع کی جائے اور مخالفین کے اعتراضات کی معقول طور پر تردید کیجائے۔

۲۔ بالفعل حسب رزولیوشن جلسہ تعلیم نسواں سکیشن منعقدہ لکھنؤ علی گڈہ میں ایک سنٹرل نارمل سکول استانیوں کی تعلیم کے لئے قائم کیا جائے اور اسکے لئے کافی سرمایہ بہم پہنچایا جائے۔

۳۔ ہر ممبر کو لازم ہوگا کہ وہ اپنے خاندان اور برادری اور دوستوں کی لڑکیوں کی تعلیم کے لئے کوئی عملی صورت پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اگر کانفرنس کے جلسہ میں شریک ہو تو اس کوشش کے نتیجے سے ایسوسی ایشن کے ممبروں کو اطلاع دے ورنہ ایک مختصر سی رپورٹ اپنی کارکردگی کی ماہ دسمبر میں سکرٹری صیغہ تعلیم نسواں کے پاس بھیجدیا کرے۔

۴۔ ہر ممبر کا فرض ہوگا کہ وہ سنٹرل نارمل اسکول کے استحکام اور تکمیل کے لئے پوری کوشش کرے۔

نہایت خوشی کی بات ہے کہ ہماری ہردلعزیز وائسرین ہز اکسلنسی لیڈی کرزن بخیریت تمام ہندوستان واپس تشریف لائیں جسطرح تمام ہندوستان نے انکی تشریف آوری پر خوشی کا اظہار کیا ہے، ہم بھی اس خوشی میں دل سے شریک ہیں، لارڈ اور لیڈی کرزن دونوکو مبارکباد دیتے ہیں، اور دست بدعا ہیں کہ لیڈی صاحبہ سالہا سال تک زندہ سلامت رہیں۔ لیڈی کرزن کی تشریف آوری پر کلکتہ کی بیگمات نے اظہار خوشی و مبارکباد کا ایڈریس پیش کیا تھا، جسکا لیڈی صاحبہ نے بڑے محبت بھرے الفاظ میں جواب دیا اور سب کا شکریہ ادا کیا۔

اعلان

اس رسالہ کی قیمت نظر بر حال موجودہ (ے) سالانہ

رکھی گئی ہے۔ اور ششماہی (عہ) فی پرچہ (۵/)

درخواستیں بنام شیخ محمد عبد اللہ صاحب بی۔ اے

ایل ایل۔ بی۔ وکیل ہائیکورٹ علیگڈھ آنی چاہئیں

قیمت ہر حال میں پیشگی لیجائیگی۔

تمام مضامین اڈیٹر کے پاس آنے چاہئیں۔

خاتون

۱۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحہ کا علیگڈہ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اسکی سالانہ قیمت [illegible]) ہے۔

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پہیلانا اور پڑہی لکہی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳۔ مستورات میں تعلیم پہیلانی کوئی آسان بات نہیں اور جب تک مرد اسطرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعے سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور اسکے بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہورہے ہیں اسکی طرف ہم ہمیشہ مردونکو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴۔ ہمارا رسالہ اسبات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لئے عمدہ اور اعلی لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی انکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکہنا جو علم پڑہنے سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہوسکیں اور بامحاورہ اردو زبان میں لکہے جائیں۔

۶۔ مستورات کے مضامین اور خطوط جیسے بہی ہونگے ہم ضروری اصلاح کے بعد شائع کردینگے۔

۷۔ اس رسالہ کی مدد کرنے کے لئے اسکو خریدنا گویا اپنی مدد آپ کرنا ہے اگر اسکی آمدنی سے کچہ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیونکو وظائف دیکر استانیونکی خدمت کے لئے تیار کیا جائیگا۔

ا- بس یہی تو ٹھیک نہیں، تم نے غور تو کیا ہوتا، اچھا خیر اب میں تم سے پوچھتی جاتی
اور جو بات تم نہیں بتا سکو گی اُسے خود سمجھا دونگی۔

س- جی بہت اچھا۔

ا- اچھا بتاؤ صحت کیسی چیز ہے؟

س- اُستانی جی صحت تو بڑی نعمت ہے، خدا سب کو صحت اور سلامتی دے۔
آپ دیکھیں نا، جو تندرست ہوتا ہے۔ وہ سارے دنیا کے دھندے کرسکتا ہے، اور
ہزار طرح کی خوشیوں کو جانے دیجیے، یہی خیال کیجیے کہ تندرست آدمی اپنا اور
اپنے بال بچوں اپنے عزیزوں اور پیاروں کا پیٹ پال سکتا ہے، مگر بیمار آدمی اور لڑکا
کیا اپنا ہی پیٹ نہیں پال سکتا، آئے گئے کا محتاج رہتا ہے، اور اور دوبھر بار
بنا ہوا ہوتا ہے، خدا کسی کو بیمار نہ ڈالے، بیمار کی زندگی ہی کیا۔ کوئی ٹکڑا توڑ کر آگے
رکھ جائے، کوئی نوالہ بنا کر منہ میں دے جائے، کوئی حلق میں پانی کی بوند ڈال جائے
کوئی اٹھائے بٹھائے دوا دارو کرے، حکیم طبیب کے ہاں سیر دوڑی کرے
رات دن بیمار کی زبان تالو سے نہ لگے اور آہ آہ کرتے گذر جائے، اور جو اس مکان
میں رہیں انکی زندگی حرام۔ یہ تو خیال کئے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔
انہیں دیکھیے نا مولوی سبحان اللہ کو۔ یوں ہی وہ ایسا کیا کرتے تھے، بے محنت
مشقت گھر بیٹھے روٹی ملتی تھی، تعویز گنڈے کرتے تھے اور عملی عمل کرتے تھے،
محلے اور ادھر اُدھر کے لوگوں سے روپیہ دو روپیہ روز کما لیتے تھے۔ مگر پھر خود بیمار پڑے
تو انکے تعویز گنڈے کچھ نہ چلے، اپنے تئیں ہی تندرست نہ کر سکے اور اپنا ہی علاج
نہ کر سکے۔ جو کچھ دس پچاس کا اندوختہ تھا وہ ایک ایک کر کے سب دارو میں اٹھ گیا
اور بیچارے دوسروں کے محتاج ہو گئے۔ محلے والوں نے جو کچھ بن پڑا دیا اور اُن
بیچاروں کی خبر لی، آخر ایڑیاں رگڑتے رگڑتے مر گئے۔ ہے ہے خیال کئے سے

سوچو کہ جب سارا ملک مریض رہیگا تو روز بروز کام کرنے کی قوت کم ہوتی جائیگی، زندگی کے معمولی فرائض بھی ادا نہ ہو سکینگے، عقل بھی کمزور ہوتی جائیگی۔ اور دنیا میں ہماری عزت تو کیا زندگی بھی مشکل ہو جائیگی۔ اگر ہم زندہ رہے تو کس حال سے کہ سدا غلامی میں رہینگے اور کسی قوم سے مقابلہ نہیں کر سکینگے، اور ذلیل و خوار مفلس اور بُرے حال، پھٹے کپڑے پھٹی ٹوپی اور پھٹی جوتی، کراہتے اور بھیک مانگتے دردناک بسر کیا کرینگے۔ اس میں کچھ مرد اور عورت کی قید نہیں ہے، بلکہ عورتوں کا حال تو سوا بدتر ہوگا۔ بیماریوں کا عام ہونا اور آئے دن کے امراض، یہ کچھ اچھی بات تھوڑا ہی ہے، اسوقت چاہے نہ معلوم ہو مگر سو دو سو برس بعد اسکا اثر ایسا معلوم ہوگا کہ پھر دوا دارو بھی کارگر نہ ہوگی۔ اب ذرا غور کرو کہ ہمارے ملک اور ہمارے مذہب کی شان کیا رہیگی، ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے ع

چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرو رہنا

س ۔ استانی جی آپ نے ایسی بات کہی ہے کہ میرا دل لرزنے لگا، خدا بُری گھڑی نہ لائے اور وہ وقت نہ آئے کہ ہمارے ملک کا مرض لاعلاج ہو جائے۔ اسے ہے سچ مچ کیا ہوگا لوگ تو سمجھتے نہیں اور بیماریاں ہیں کہ روز بروز بڑھتی جاتی ہیں۔ مجھے یاد ہے ابھی اس بقر عید والے دن ابا جانی ماموں میاں سے کہہ رہے تھے کہ عید کی نماز میں جب سب لوگوں نے نیت باندھ لی اور امام صاحب نے نماز پڑھانی شروع کر دی تو بالکل سناٹا سا ہو گیا اور سب نماز کی طرف دھیان کرنے لگے۔ مگر ہر چوتھوں نہوں اور کھانسی کا زور چاروں طرف سے سنائی دیا ہے تو خدا کی پناہ دماغ پریشان ہوا جاتا تھا، اور یہ خیال کر کے دل کٹا جاتا تھا کہ ہزاروں آدمی کھانسی اور نزلہ میں مبتلا ہیں اور یہ امراض سینہ قومی ضعف اور زوال کی علامتیں ہیں۔ جسطرح دق میں پہلے یونہی سا بخار اور کھانسی ہوتی ہے پھر کھانسی

بڑہتی جاتی ہے اور بخار ہی رگ وپے میں پیوست ہوتا جاتا ہے، یہانتک کہ آدمی کا غسل نیت غسل صحت ہوجاتا ہے، یعنی وہ مرکر بیاری کے دُکہہ درد سے نجات پاتا ہے، اسی طرح قومی ضعف اور زوال جسمانی اور اسکی وجہ سے عقلی بھی ان عالمگیر امراض سے شروع ہوگیا ہے، اور یہ گھر گھر کہانسی اور بخار قوم کو مردہ کرکے چھوڑ ینگے۔ اباجانی کی ان باتوں کو میں اُسوقت نہیں سمجھ سکی، مگر اب انکا کہنا صحیح معلوم ہوتا ہے، ورنہ آپ ہی بتائے کہ وہ جو کہتے تھے کہ ہزاروں آدمی نمازوں میں کہانستے کہانستے نہکے جاتے تھے، آخر کیوں ؟

ا- بیٹی اسوقت میرا بڑا ہی جی خوش ہوا، خدا رکہے، ہو تو آخر اپنے باپ کی بیٹی کیسی اچھی طرح سے سب باتیں سمجھ گئی ہو۔

س- استانی جی ابھی یہ اور بتا دیجیے کہ اب اسکا کیا علاج ہوگا ؟

ا- ہاں دیکھو میں بتاتی ہوں۔ مگر تم نے جو خاتون میں مسیز بارسین کے مضامین جو کلمۃ کے نام سے چھپا کرتے تھے، سب پڑہے ہیں اور اللہ رکہے سب سمجھکر پڑہے ہیں، پہر یہ سوال کیوں کرتی ہو، صحت کی بابت جو باتیں اُنہوں نے بتائی ہیں سب لوگ انکی پوری پوری پابندی شروع کردیں، پہر خدا چاہے تو کوئی خوف کی بات نہیں رہیگی۔ بیٹی ہر بات میں صحت کے لحاظ کی ضرورت ہے۔ صفائی ستہرائی ہی پر موقوف نہیں ہے ہر چیز میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ زندگی کا طریقہ بدلنا چاہیے اور ہر چیز کو دیکہنا چاہیے کہ یہ کہانتک صحت کے لئے مفید ہے۔ کہانوں ہی کو لو، اب تمہیں کیا خبر کہ جتنے سلونے اور میٹھے ذائقے کے کہانے ہم لوگوں میں کہائے جاتے ہیں وہ صرف مزے ہی کے اچھے ہیں یا صحت کے لئے بھی مفید ہیں۔ اسی طرح لباس کو دیکھو کہ کہانتک ہمارا لباس تندرستی کے لئے اچھا ہے۔ اسی طرح اور ہزاروں باتیں ہیں، کن کن کو بتاؤں۔

تعلیم نسواں

بسلسلہ سابق

(۳) ہر فریضہ کے ادا کرنے میں تعلیم کا دخل

(ا) زوجیت یعنی ہمسری

خدا نے عورتونکو مردونکے لئے مددگار صلاحکار اور ہمدرد اور غمگسار جو بنایا ہے اُس سے اُسکا منشا حسن تدبیر و سیاست مدن کا قائم رکھنا ہے۔ حکما نے خلقت آدم کی ابتدائی حالت اور تمدن یعنی سوسائٹی کی بنا پر غور کر کے یہ رائے قائم کی ہے کہ مرد اور عورت میں شروع عالم سے یہ تعلق چلا آیا ہے کہ مرد آذوقہ کی تلاش میں مشغول ہو اور عورت اُسکی خانہ داری اور بال بچونکی پرورش کی ذمہ دار ہو۔ اور مرد کے پہلو سے عورت کا پیدا ہونا بھی شاید اسی کی طرف اشارہ ہے کہ عورت مرد پر اسباب معاش کے لئے تکیہ کرے اور اُسکی ہمدرد و شریک رنج و راحت بنے۔ مگر فی زمانا باستثنائے شاذ (پھر شاذ کی گنتی ہی کیا الشاذ کالمعدوم) عورتونکی حیثیت لونڈیونکی سی ہوگئی ہے۔ نہ تمدن میں انکا کوئی حصہ ہے نہ معاشرت میں کوئی دخل۔ نہ اُنکی صلاح سے کسی امر کا فیصلہ ہوتا ہے اور

انکے مشورہ پرکیسی مہم کا انحصار ہے۔ بعضوں کو تو یہ تک خبر نہیں کہ انکے شوہر کس فکر
میں غرق ہیں کس مصیبت میں گرفتار ہیں کس سوچ میں مبتلا ہیں رنگ برنگ کے کپڑوں کا
پہننا اور نئے نئے زیور ونکا بنانا گویا انکی زندگی کی علت غائی ہے۔ میاں کو فکر معاش
کیسی ہی کیوں نہ ستاتی ہو انکو ڈیڑہ حاشیہ کی جوتیوں اور سلمہ تارے کی چوڑیونکی
سوجھتی ہے۔ معاملہ ذاتی سے ترقی کرکے اگر کبھی کوئی اور گفتگو میاں سے آئی تو کسی
کی غیبت کسی کی شکایت کسی کی بدگوئی کسی کا حسد کسی کا رشک اس قسم کی صدہا ہل
باتیں ہیں جنکے بیان کی یہاں ضرورت نہیں۔ بہلا ایسی مخلوق کی وقعت مردوں کی
نگاہ میں کیا ہوگی۔ اور اس سے صلاح کار اور آرام اور تائید کی کیا توقع رکہہ سکتے ہیں
مگر انصاف شرط ہے کہ اس میں عورتونکی تقصیر کیا ہے؟ جہالت اور عدم تربیت کی وجہ
سے ان میں وہ قابلیت اور حیثیت ہی کہاں کہ مردونکی ہمسری کا سچا دعوی کریں۔ یہ تو
حضرات ذکور کی ساری کارستانی ہے کہ عورتونکو چاہ جہالت اور ضلالت میں ڈبوکر
سارے جہان میں مطعون اور مذموم کر رکہا ہے عورتونکے ہاتہ سے فریاد کرتے ہیں
اور یہ نہیں سمجھتے کہ از ماست کہ بر ماست۔ عورتیں تو انکے خیال میں ناقص العقل ہیں
مگر جب عورتونکا نقص اور فتور عقل مردونکے تعصب اور جہل مرکب کا نتیجہ ہے تو ایسے
مردونکا کامل العقل ہونا معلوم۔ پس جب یہ ایک مسلم مسئلہ ہے کہ بغیر علم کے عقل کی
ترقی ناممکن ہے توہمکو واجب اور لازم ہے کہ اپنی لڑکیونکو ایسا علم و ہنر سکہائیں کہ وہ
بڑی ہوکر اپنے شوہر کی زندگی کو پرلطف بنائیں انکے دلکو چین اور آسایش بخشیں انکی
رنجشونکو گہٹائیں انکی خوشیونکو دوبالا کریں۔ انکے رنج سے ہمدردی ہو۔ انکی کوشش سے
دلچسپی ہو۔ مشیر معتبر مؤید وفادار بنیں۔ غرض بطور انکے دا ہنے ہاتہ کے تدابیر معاشرت
میں کافی حصہ لیکر انکے بوجہ کو ہلکا کریں۔

(ب) امیت یعنی مادری

اس فرض کے ادا کرنے کے لئے علم کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ مگر ہمارے ناعاقبت اندیش مخالف تعلیم نسواں چاہتے ہیں کہ اولاد سی نعمت عظمیٰ اور امانت الٰہی کی پرورش گہوارہ جہالت سے شروع ہو حیف کہ وہ بے علم بے عقل لڑکیاں اور ناتمیز بے شعور عورتیں کہ جنکو ایک کل کی گڑیا یا جیبی گھڑی حوالہ کرنیکی جرأت نہیں ہوتی خاندانوں کے وارثوں سجادوں کے جانشینوں گرانوں کے مالکوں کنبوں کے سرداروں اجداد کے نام روشن کرنیوالوں کی پرداخت کی ذمہ دار بنائی جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارے بچوں کی روحانی و جسمانی صحت پر اور اُنکی افتاد طبیعت پر اُنکی عادات و اخلاق پر ناخواندہ ماؤں کی جہالت کا بہت بڑا ضرر رساں اثر پڑتا ہے اتنی خیریت ہے کہ لڑکوں کو بہت جلد اس قتلگاہ سے (جہاں حقیقتاً اُنکے قوائے دماغی کا خون ہوتا ہے) نجات پانیکا توقع ملتا ہے اور اُن میں بعض خارجی تعلیم کے اثر سے اور اپنی جبلی قابلیت اور فطرتی صلاحیت سے جوانی تک اُنکو لگی ہیں سدھر جاتے ہیں اور دنیا میں چار بھلے مانسوں میں شمار ہونے لگتے ہیں۔ مگر ہماری لڑکیوں کو کہاں مفر ہے وہ اپنے بچوں کے لئے وہی گہوارہ تیار کرتی ہیں جس میں وہ خود پلی ہیں اور یونہی قومی تنزل کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

تعلیم یافتہ عورت اگر چاہے تو بچے کی اوٹھان بہت عمدہ طور سے کر سکتی ہے۔ شروع ہی سے اُس کی صحت کی پرداخت اصول علم صحت کے موافق کرتی ہے علالت کی حالت میں مناسب وقت مناسب علاج سے خبر لیتی ہے۔ پھر جب لڑکا بولنے چالنے لگا اور معلوم ہوا کہ اُس میں اخذ تعلیم کا مادہ آگیا جب ہی سے تربیت یعنی اُسکے مزاج کی اصلاح اور افتاد کی درستگی کی طرف متوجہ ہوگئی۔ یہ بات مسلم ہے کہ ماں کی تعلیم کا بہت

گولے برسیں، پھینکنے والے کے ہاتھوں میں کیڑے پڑیں، الہی اسکی بھکتی کہیا جا (جوان کو موت آجائے) الہی پھینکنے والے کی مَیا (ماں) کلیجہ پکڑ کر رہجائے۔

شیرا کی ماں کے ہمسایہ میں ایک نہایت شریف سیدانی رہتی تھیں جنکو شیرا کی اماں خالہ کہکر پکارتی تھی اب کنکر آنے کے بعد بہت دیر تک کوس چکی پہر دیوار پر چڑھکر پکارا

شیرا کی اماں اے بی خالہ، خالہ

خالہ۔ کیوں بی کیا ہے

شیرا کی اماں اے خالہ اور بھی سنا کسی ناشاد نامراد نے ڈہیر کے ڈہیر کنکر میرے ہاں پھینکے ہیں آسکا جائے ستیاناس مجھکو کیا پاگل سمجھا ہے۔

خالہ۔ تم کوستی ہو لوگوں کو یہ بھی ہنسی معلوم ہوتی ہے تم بولا نہ کرو پہر کوئی نہیں پھینکیگا۔

شیرا کی ماں ؤ ی خالہ۔ میں کس نامراد ناشاد پیاردں پیٹے سے بولتی ہوں یا کوستی ہوں، میں تو مولا کی ماں سے باتیں کر رہی تھی کہ ڈہیر سارے کنکر آئے پہر کوسوں کہ نہ کوسوں مجھے جلا کے کیا کوئی نہال ہوگا، اللہ نے چاہا تو عمر بہر جلیگا، نہ پیٹ کو روٹی ہوگی نہ تن کو کپڑا

خالہ۔ (بات کاٹکر) چلو بی جانے دو تمہارا شیرا کہاں ہے ؟

شیرا کی ماں۔ کام پر گیا ہوا ہے روٹی مینے رشید (اپنے چہوٹے بیٹے کا نام لیکر) کے ہاتہ بہیجدی اب خبر نہیں کیا حشر توڑتا آئیگا۔ صبح کیسی کیسی گالیاں دی ہیں، کیا خالہ تنے نہیں سُنا

خالہ۔ ہاں بی آواز تو آرہی تھی لیکن پوری بات سمجھ میں نہیں آئی ستنے بھی تو دیوانہ بنادیا ہے بہلا بیٹا ماں کو اسطرح کہے تم کیوں بولتی ہو جو گالیاں سنتی ہو۔

شیرا کی ماں۔ روبی جگاتی نہیں کام پر بہیجتی اس موسے پر خدا کی مار ایسا بیٹا تو مرا بہلا، لوگ

رخت لگاتے ہیں چاؤں کے لئے بیٹا پالتے ہیں آرام کے لئے ۔ اصلی بالی کمائینگے، یہ موا جوان ہوگیا کمائی کھلانا تو درکنار اپنے پیٹ لاح (لائق) بھی نہیں کرتا اور پیر گالیاں دے، ایسے کو کیا چولہے میں ڈالنا ہے

خالہ (قصہ ختم کرنے کی غرض سے) ہاں بی وہ ہی (یعنی شیرا) بڑا ہے ۔ تمہارے پاس گوٹہ نہیں ہے ؟

شیرا کی ماں۔ ہے تو سہی دو ڈانٹیں اور رکھی ہیں جاتی ہوں ۔

شیرا کی ماں کو گوٹہ بنتے بنتے تھوڑی دیر پیچھے کچھ خیال آیا وہ پھر دیوار پر جا چڑھی اور خالہ کو پکارا ۔

شیرا کی اماں" خالہ خالہ کیا سوتی ہو ؟

خالہ ۔ (تھوڑی دیر بعد بولیں) نہیں بی میں دیوانی تو نہیں ہوگئی ہوں کہ پانچ بجے سونے لگی نماز پڑھ رہی تھی کہو کیا کہتی ہو ؟

شیرا کی ماں (لاڈ میں آکر) خالہ جی! پانچ بجگئے میرا شیرا ابھی نہیں آیا خبر نہیں کیوں نہیں آیا کہیں بیمار تو نہیں ہوگیا کسکو بھیجوں کون جا کر دیکھ آئے خالہ میرا سات میں ایک ہے میں تو گلی کوچہ بھی نہیں جانتی رشید نامراد سے کہتی ہوں کہ جا بھائی کو لے آ وہ بھی نہیں جاتا ۔

خالہ ۔ توبہ ہے بی تمکو تو یونہی بے چینی رہتی ہے ، لڑتی ہو کوستی ہو مارتی ہو نوچتی ہو تو پھر اب کام پر گیا ہوا ہے تو یہ بے چینی ہے کہ آیا نہیں ۔ سات میں ایک کہتی ہو تمہارا چھوٹا لڑکا بھی تو ہے ۔

شیرا کی ماں آگ لگے میری زبان کو خاک میرے منہ میں دل جلتا ہے تو کوستی ہوں دلکا حال تو میرا اللہ جانتا ہے میری ماتا کو کوئی دیکھے اسوقت کلیجہ چیر کر دکھاؤں تو خالہ تم جانو کہ ماں کی ماتا ایسی ہوتی ہے ، اسکے پالنے میں مینے جو جو مصیبتیں بھری ہیں

شیرا کی ماں - ارے یہ کون خدائی مارا ہے، اُسکو ہیضہ کہائے اُسکو کالا سانپ ڈسے جو میری ماں جادو کرکے پہینکتا ہے - ارے مجہے نہیں جانتا کہ میں کون ہوں میں اصل نسل سید انی ہوں میرے سر پر ماموں (دلی میں جاہل عورتوں میں مشہور ہے کہ الٰہی بخش نامی ایک جن بڑے زبردست ہیں اُنکا نام نہیں لیتے ہیں اُنکو ماموں کہتے ہیں) آتے ہیں - میں پہینکنے والے کے گہر کا ناس کردونگی جسوقت میرے سر پر ماموں آتے ہیں اپنی انگنائی میں کوئلے دہکاکر اُنپر لوٹتی ہوں مجہپر جادو کا کیا اثر ہوگا وغیرہ وغیرہ -

اتنے میں ترشح شروع ہوا اور شیرا کہیں سے گہومتے گہامتے آ گئے - اور بات کی بات میں لڑائی شروع ہوگئی -

شیرا کی ماں - الٰہی شیرا بندہ تجہکو ہاتہی کا دانت گہوڑے کی لات اور موذی کا چنگل، الٰہی تو نکلے اور تیرے اوپر دیوار گرجائے - الٰہی تجہپر بجلی کا پتہ پہرجائے، الٰہی تو نہر میں نہانے جائے اور تیرا پاؤں پہسل کر تو ڈوب جائے، الٰہی تجہپر غیبی مار آئے الٰہی تجہپر غضب کا گولہ ٹوٹے الٰہی تیرہ تو اپنی جوانی کا سکہ نہ دیکہے اور اس قسم کے بیسیوں کوسنے جو سب کسکو یاد رہ سکتے ہیں وہ دے گئی اور بیشمار گالیاں دیتا رہا - اتنے میں مینہ خوب زور کا برسنا شروع ہوا شیرا نے کہیں سے بڑا سا بانس اپنی ماں کو مارنے کے لئے اُٹہایا - شیرا کی ماں ننگے سر ننگے پاؤں بال کہلے ہوئے بہاگی - اور پیچہے پیچہے بانس ہاتہ میں لئے ہوئے شیرا بہی دوڑا - بہلا برخوردار سعادت مند بیٹا اپنی عقلمند ماں کو بلا خاطر کئے کیسے کہیں جانے دیتا - شیرا کی ماں دیوار پر چڑہ گئی اور پکارا

شیرا کی ماں (نہایت گہبراہٹ اور بولاہٹ میں) اے بی خالہ اے بی خالہ اچہی بی خدا کے لئے میں آجاؤں (اسوقت وہ دیوار پر خالہ کی طرف کودنے کو بیٹہی ہے اور شیرا اسکے سر پر بڑا بہر بانس بجارہا ہے)

خالہ (تعجب سے شیرا کی ماں کی پریشان حالت دیکہکر) اے بی خیر تو ہے کیا ہوا -

شیرا کی ماں - ام ام یہ یہ موا شیرا اسپر خدا کی مار رسول کا دھکا بانس مار رہا ہے (کیتی ہوئی دہم سے خالہ کے صحن میں کود پڑی)

شیرا کی ماں کے کودتے ہی شیرا نے پکار کر کہا کہ دے میں تیرے بھائی بھتیجے میں نہریں ڈوبنے جاتا ہوں (یہ کہتا ہوا دروازہ سے نکل گیا)

شیرا کی ماں - جا موئے ڈوب مرا الہی تجھکو پہ گھر آنا نصیب نہو الہی جیتا نہ آئے تیری لاش (نعش) آئے -

تھوڑی دیر بعد شیرا کی ماں تشویش کی حالت میں پردیوار سے کود کر اپنے مکان میں گئی اور شیرا کو پکارنا شروع کیا جب کئی دفعہ پکار چکی اور شیرا کی آواز نہ آئی تو دروازے کے پاس منہ ڈھانک کر رونے اور بیان کرنے لگی -

شیرا کی ماں - ہائے شیرا تو کہاں گیا، ہائے بچے تجھے کہاں سے لاؤں، ہائے میری بارہ برس کی کمائی ڈوب گئی - ہے ہے ہے - ہائے مجھے کس پر چھوڑ گیا ارے بیٹا بیٹا وکیباری رو رہی ہے، اے شیرا تو اپنی صورت تو دکھادے (دروازہ پکڑی ہوکر) اچھی بھائی الیسب (یوسف) اچھی خدا کے لئے شیرا کو ڈھونڈھکر لادو اچھی میں تمہاری لونڈی ہو جاؤنگی ہائے نہر میں ڈوب گیا ہوگا -

یوسف حسین - ارے بی گھبراؤ نہیں کہیں کھیل رہا ہوگا اب آتا ہی ہوگا -

شیرا کی ماں - نہیں بھائی الیسب اللہ کے لئے جاکر لادو، اری مولا کی ماں تو ہی لادے -

مولا کی ماں - اری کی (کیا) کہے ہے چیل ابھی تو لڑ رہی تھی ابھی ماتنا پہ پڑا ذ کوئی تیرے باوا کے نوکر تو نا ہیں، کہ تو نکال رہے اور ہم ڈھونڈ ھ لاویں -

شیرا کی ماں - تو اللہ کی شان چار یونکو دن لگے اری تو ری کرکے بولتی ہے مری تیرا مولا -

(۸)

اُنکے باوا جاکر ڈاکٹر کو بلالائے خدا اسکا ستیاناس کہوے چار روپیہ فیس کے بہی لئے اور ایسی دوا دی کہ لڑکی تین روز میں لوٹ پوٹ ہوگئی جبسے میں تو اُسسے ایسی ڈری ہوں کہ کچھ حد نہیں اور مجھے اُنکے نام سے نفرت ہے۔ (محمودی بیگم کی طرف اشارہ کرکے) بیگم ان حکیموں کا کیوں نہیں علاج کرتیں وہ بڑے اچھے حکیم ہیں۔

تہوڑی دیر بعد بانو کے ابا آئے اور دوا دیکر چلے گئے اور کہہ گئے کہ ایک خوراک ابہی دیدو۔ اکبری بیگم نے ایک خوراک پیالی میں نکالکر لڑکی کو دی۔

بانو۔ امی جان میں نہیں دیے کی۔

اکبری بیگم۔ لڑکی کیوں؟ تمہارے ابا ابہی خود جاکر لائے ہیں۔ یہ تو مشہور ڈاکٹر ہے اکثر لوگ اُنکا علاج کرتے ہیں۔

خیر بانو نے ماں کے کہنے سننے سے بڑی مشکل سے دوا پی کوئی ایک گھنٹہ کے اندر بانو کی پہوپیاں چچیاں موانیاں نانی خالائیں سب جمع ہوگئیں اور اسکے پلنگ کے پاس ایسی باتیں کرنے لگیں کہ جنسے لڑکی سہم گئی بجائے اسکے کہ اسکے قریب بیٹھکر کہانیاں قصے بیان کرتیں اسکو بہلاتیں اور اسکو ڈرا دیا۔ ڈاکٹر سین کا بہی کئی دن تک علاج رہا مگر بانو کی طبیعت نہ سنبھلی اسکا دن پر دن بدتر ہی حال ہوتا گیا اُٹھنا بیٹھنا مشکل ہوگیا آواز میں کمزوری آگئی اور اب جو حکیم یا ڈاکٹر دیکھتا تہا صاف جواب دیدیتا تہا آخر کار پیر کی صبح کو اس جہان فانی سے انتقال کیا افسوس کہ ابہی کلی کہلنے نہ پائی تہی کہ مرجہا گئی۔ اسوقت کی حالت کچھہ نہ پوچھو کر کیا تہی اس گہر میں عجب کہرام تہا کسی کو ہوش نہ تہے اکبری بیگم کا تو یہ حال تہا کہ چیخ مارتی ہیں اور وہم ہو جاتی ہیں مولوی اسوقت زار و قطار اپنی آنکہوں سے اشک بہا رہے تہے اور سب رشتہ دار بہی رو رہے تہے کہ اتنے میں نہلانیوالی آئی نہلایا، کفنایا اسکے بعد اکبری بیگم جہٹ صندوق میں سے ایک بہاری سا ٹکا ہوا کپڑونکا جوڑا اور ایک دوشالہ نکالکر لائیں اور نہلانیوالی

کو دیدیا۔ افسوس یہ رسومات کیسی ہیں کہ شادی اور غمی سب میں یاد رہتی ہیں۔ اے
میری پیاری بہنوں اگر آپ اسطرح خدا اور رسول کی پابند ہوتیں تو کیسی مفید بات تھی یہ کیا
برا خیال ہے کہ اگر یہ رسومات ادا نہونگی تو بدنامی ہوگی اسکا ڈر ہے۔ اے میری نیک
بہنوں اگر خدا تعالٰی کا بھی ایسا ہی خیال کرو تو کیسی عمدہ بات ہے۔ خیر قصہ مختصر سب مرد
قبرستان میں دفن کرنے گئے اُدہر بی اکبری بیگم نے ماما کے ہاتھ تمام کنبے والوں کے ہاں
بلاد بہیجا اور کہلا بہیجا کہ پرسوں بُدہ ہے اسلئے جمعرات کے پہول ہیں۔ اکبری بیگم نے کہا
دیکھو میں ابھی سے کہے دیتی ہوں کہ جمعرات کے پہول ہیں دو طرح کا سالن زردہ بریانی
ہو مگر دیکھنا شیرمال یا باقرخانی بھی ضرور ہوں۔ خوب عمدہ اور زیادہ پکوانا کیونکہ اتنے
آدمی تقریبًا یہاں آئینگے اور حصے بھی جائینگے کہیں ایسا نہو تھوڑ جائے۔
وہ گہر جو چار دن سے ماتم کدہ بنا ہوا تھا آج عجب ہی رونق ہے باہر دیگیں
کہنک رہی ہیں، بہت سے آدمی بیٹھے ہیں، چنے پڑہے جارہے ہیں، قرآن مجید ختم ہو رہے
زنانہ میں جاکر ملاحظہ کیجئے تو اور ہی بہار ہے جمعرات کی صبح سے جو ڈولیاں اُترنی شروع
ہوئیں تو دن کے دو بجگئے جو بیوی ڈولی میں سے اُترتی ہیں اکبری بیگم کے پاس جاکر اُوہو
کرتی ہیں اور بیٹھ جاتی ہیں اور باتیں کرنے لگتی ہیں بچوں کی عجب چل پہل ہے اور ایک
چیخم دہاڑ مچی ہوئی ہے کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی اور اسقدر بیویاں آتی ہیں کہ
الامان۔ کیا مجال ہے جو تل رکھنے کو جگہ ہو دو بجے کے قریب کمرہ اور دالان میں دسترخوان
بچھے اور کوئی ڈہائی بجے کہانے پینے سے فارغ ہوگئے مگر بی اکبری بیگم کو سر اُٹھانے
کی فرصت نہ تھی کوئی اِدہر سے آتا ہے کہ بوا ذرا گرم زردہ دینا، کوئی کہتا ہے کہ بریانی دینا
کوئی بوٹی مانگتا ہے کوئی شوربا غرض بیچاری کی آفت میں جان ہے۔ اور جب انسے فراغت
پائی تو کنبے میں حصے بٹنے لگے اور وہ اُباغنیا جو خواہ مخواہ گہس آتی تہیں اُنکے بھی بڑے
مزے تہے اُنہوں نے خوب ہی لوٹا تہی کی تہی رڈبیو کی اور سالن زردا بریانی باندہ،

بغل میں دبا برقعہ اوڑھ چلتی پھرتی نظر آئیں - خدا خدا کرکے یہ دن بھی ساتھ خیر کے گذرا
شام کو تقریباً سب مہمان رخصت ہو گئے اسکے بعد دسویں، بیسویں مہینہ کی فاتحہ
ہوئی مگر اس میں کچھ جھگڑا نہ تھا قریب کے رشتہ دار جمع ہو جاتے تھے کھانا پک
اللہ کے نام چلا جاتا تھا مگر ابھی ایک مہم اور باقی تھی - وہ چالیسویں کا ہونا تھا - آخر کو انکے
لئے بھی جمعرات کا دن مقرر ہوا اس دن تو سیوم والے دن سے بھی زیادہ دھوم
دھام تھی بہت مہمان جمع ہوئے تھے اور ہر قسم کے کھانے پکے تھے غرضکہ تین سو
چار سو کے قریب خرچ ہو گیا اور یہ جتنا روپیہ کہ اٹھا قرض ہی لیا گیا - بھلا غور کی جگہ
ہے کہ اتنا جو خرچ کیا تو اس سے کچھ مردہ کی روح کو فائدہ بھی ہوا یا نہیں ہرگز نہیں، بلکہ
جو اٹھا یا وہ فضول اور بے فائدہ اٹھا - اتنا جو مجمع ہوا وہ بیکار تھا - ہمارے ہاں جب
لوگ شادی یا غمی میں جمع ہوتے ہیں تو کچھ عجب ہی کیفیت ہوتی ہے سچ کہتی ہوں
میری آنکھوں میں تو قیامت کا سماں پھر جاتا ہے یہی خیال کرتی ہوں کہ وہ بھی دن ایسا
ہی ہوگا - ایک عجب شور اور غل ہوتا ہے بچوں کی الگ چیں چیں پیں پیں ہوتی ہے بیویاں
الگ غل مچاتی ہیں چار کی ٹکڑی ادھر بیٹھی ہے پانچ کی ادھر انکا کام کیا ہے اور انکی
باتیں کیسی ہیں کہ کسی کی غیبت ہو رہی کسی پر کوسنے پڑ رہے ہیں کسیکو برا کہا جا رہا ہے اور
وہیں بیٹھی بیٹھی آپس میں لڑائیاں ہو جاتی ہیں جھگڑے پڑ جاتے ہیں اس میں تو تو میں میں
اور جوتی پیزار ہونے کی نوبت آجاتی ہے - اے بہنوں مقام غور ہے کہ جب ہم میں
انسانیت اور تہذیب عقل، اور کیا کہوں، کچھ نہیں آداب مجلس سے بالکل بیخبر ہیں
تو بتاؤ کہ ہمکو ملکر بیٹھنے کی کیا ضرورت اور خواہ مخواہ لڑنے کی کیا حاجت ہے ہم جانتے ہی
نہیں کہ انسانیت کس جانور کا نام ہے تہذیب کسکو کہتے ہیں چھوٹوں کے ساتھ کیسے اور
بزرگوں کے ساتھ کسطرح برتاؤ کریں -
اے میری معزز بہنوں اس تمام رام کہانی بیان کرنے اور آپ کی سمع خراشی

سے میری ہرگز ہرگز یہ غرض نہیں کہ ہم ایک دوسرے سے ملنا چھوڑ دیں کسی کے مرنے جینے میں شریک نہوں، نہیں بلکہ ہم کو سب کچھ کرنا چاہیئے لیکن اعتدال کے ساتھ حد سے کوئی کام نہ گذر جائے۔

راقمہ

م بیگم۔ دہلوی

ناول دکن

عشرت خانم تھیں پنجاب کی باشندہ۔ جہاں قوائے جسمانی اور ذہنی اوج پر ہیں۔ جب پونا تشریف لے آئیں تو خیریت سے عمر انیس برس کی ہوگی۔ قد میانہ۔ رنگ اتنا گورا کہ بسیح کہلائی جائیں۔ ملاحت کمال درجے کی (ذرہ نظر اٹھائیے دیکھہ لیں)۔ بال سیاہ گنگرداے ٹخنوں تک گرے ہوئے۔ اکثر اوقات بال چھوڑے مکان میں پھرا کرتی ہیں۔ پیشانی کشادہ اور اٹھی ہوئی۔ ذرا کسی بات میں غور کیا اور پانچ شکنیں پیشانی پر نمودار ہوگئیں۔ اُن شکنوں کے نیچے دونوں رسیلی غزال چشموں کے درمیان۔ بڑا ناک کے اوپر ایک الف سی شکل کھدی ہوئی گویا زبان میزانِ عدالت نظروں کے سامنے بیچوں بیچ منصف مزاجی کی داد دے رہی ہے۔ بھویں ناک کی جانب سے کن پٹی تک کھنچی ہوئی نزاکت پر لے درجے کی ہر گھڑی۔ بلکہ ہر پل۔ آنکھیں بڑی بڑی پتلی سیاہ۔ غزالِ ختن اور خطا اُنہیں دیکھکر خود ہی شرما جائیں۔ پلکیں لمبی سرخ رخسار پر گر جائیں۔ گر کب؟ رخسار سرخ۔ ناک سیدھی تلوار سی۔ نتھنے کشادہ۔ لب نہایت ہی سرخ۔ نیچے کا لب ذرا

موٹا۔ گردن فازسی۔ شانے کشادہ۔ سر پر قرمزی رنگ کی اوڑھنی۔ کان میں فقط زمرد کے ایرنگ۔ ناک میں الماس کی پہولی۔ گلے میں صرف موتیوں کا ہار۔ ہاتھ میں چین کی بنی ہوئی جڑاوی چوڑیاں۔ پیر میں سرخ ریشمی موزے اور ترکی سلیپر س۔ بدن پر سفید فلالین کی چست قمیص۔ اسپر سرخ ریشمی بوٹیدار کرتی پاجامہ پنجابی وضع کا۔ اودی کمخواب کا۔ عشرت خانم نے مرنجان مرنج کو دستور العمل ٹہیرا لیا تہا۔ بس اب کیا تہا۔ سبہونکو اپنی خوش اخلاقی سے گرویدہ کرلیں۔ سر روز اُنہونکے یہاں مہذب خاتونوں کا مجمع رہتا۔ خدا نے تہوڑے ہی دنوں میں ایک لڑکی کی ماں بنادیا۔ دکن کے مسلمانوں میں خوشی ہوئی کہ چلو اب خوب چہٹی چھلے میں ناچ رنگ۔ بریانی زردہ اُڑیگا۔ عشرت خانم نے مدرسۂ نسواں اسلامیہ میں تعلیم پائی تہی۔ اور تہیں بہی جزرس۔ اور ابہی وہی حالت ہے۔ تیسر میاں کی لاڈلی گورنمنٹ ہوز سرکاری محل میں ہمیشہ پردہ پارٹی میں شامل رہیں اور اثر صحبت۔ بالکل چہٹی چلّانہ ہونے دیں۔ بلکہ جتنا پیسہ ایسے غیر شرعی کاموں میں صرف ہوتا ہے اسکا وگنا لڑکیونکے مدرسہ میں بہجوادیا۔ تاکہ غریب مسلمانوں کی لڑکیونکو اوڑھنیاں چولیاں۔ کتابیں وغیرہ ملجائیں اور وہ بہی اُنہونکا امتحان لئے بعد۔ نہ کہ بیجا خیرات میں پیسہ تلف ہوجائے۔

لڑکی کا نام بسم اللہ خانم رکہا گیا۔ اُسے ہوش آتے ہی زنانہ مشنری خواتین نے ہاتہوں ہاتہ جہیل لیا۔ ادہر مکان میں اماں جان کی تعلیم و تربیت۔ ادہر مشنری لیڈیوں کی محبت و الفت۔ مکان میں سینے کی کل۔ ہر اقسام کا چکن دوزی کارچوبی زردوزی کام سکہلائے جارہا ہے۔ کبہی باورچیخانہ کی سیر کرلی۔ کبہی لیڈیونکے ہمراہ بوڑہا نگل گارڈن دیکہہ آئی۔ کبہی ڈرائینگ (نقاشی) پر ہاتہ صاف کرلیا۔ کبہی اماجان کے ہمراہ ہمسایوں میں تیمارداری کے لئے چلی گئیں۔ خداداد طبیعت تہی اور حافظہ تہا۔ ادہر ایگیو کمپچر (تپ لرزہ کا مرکب)۔ کارلا کمپچر (ہیضہ کا مرکب) کف پلس (کہانسی کی گولیاں) وغیرہ کی بوتلوں پر لکہے ہوئے

سرہانے جیبی نوٹ بک میں رقم کرلی- لیڈیوں سے ادویات کا ذکر چھیڑا- انہوں نے
بسم اللہ خانم کی سالگرہ کی عطیات میں ادویات کا صندوقچہ عنایت کردیں- اور میزان الحرارہ
کا استعمال- ادویات کی خاصیات- امراض کی تشخیص سے بخوبی مطلع کردیا! اللہ اللہ ہماری
بوڑھیاں ابھی تک سہاگا- کامونی وغیرہ میں پڑی ہیں- اور نوجوان تنگ و تاریک حجروں
میں بیٹھے ہوئے تپ دق سے ہر روز سویرے سے بلاناغہ اپنی والدہ سے قرآن شریف کا سبق
معہ ترجمہ پڑھا کرتی- ترتیب الصلوٰۃ از بریاد کرلی-
مولوی اظہار الحق صاحب کو شیر دل خاں سے نہایت درجے الفت تھی- کبھی کبھی
بسم اللہ خانم مردانے میں جاکر مولویصاحب کو چھیڑا کرتی- بلکہ سوالات کر بیٹھتی- طوفان نوح
کیسا ہوا؟ فرشتے کہاں رہتے ہیں؟ ذوالقرنین سا کوئی شخص تھا کیا؟ جغرافیہ میں ظلمات اور
چشمۂ خضر کا پتا نہیں- مجھے تبلائیے- اچھے مولوی صاحب میں بھی ایک دو گھونٹ پی لوں
انگریزوں نے تمام دنیا چھان ماری- ننھے ننھے جزائر دیکھ آئے مگر انہیں ابھی تک
چشمۂ خضر کا پتہ نہیں ملا- میرے پیارے اباجان- کیسے کیسے جنگل بیابان مارے مارے
پھرے مگر وہ بھی کہتے ہیں کہ میں چشمۂ خضر سے محروم رہا- ہاں مجھے مسئول سے کہتے ہیں
کہ جا اباجان سے پوچھ آ- وہ آبحیات کا پتہ دینگی گر مولویصاحب تھے محقق- نہ آجکل کے سے
مولوی چھوٹی خانم کو ذکی اور زیرک پاکر تھوڑے ہی دنوں میں اُسکے تمام شکوک معقول
طریق سے حل کر دئیے- ردّ نصاریٰ کی ایک دو کتابیں سمجھا دیں- مگر یہ بھی کہدیا کہ عیسیٰ
بدین خود موسیٰ بدین خود- بیٹی تم ایسے جھگڑوں میں مت گرو کچھ حاصل نہیں- تمنے پورے
طور سے سمجھ لیا ہے کہ اسلام قانون کائنات ہے- اور یہ بھی معلوم ہوگیا ہے کہ اگر
کوئی نصاریٰ ہو- یہود ہو- صابئین ہو- گر اللہ میاں کو ایک جانے اور یوم الآخرۃ کا
قائل ہو وہ دوزخ کی آگ سے بچا رہیگا-
غرض بارہویں سال لگے پیغام سلام آنے- گر عشرت خانم کی اکلوتی اور شنری

(۸)

فارسی اور انگریزی کی تعلیم اختیاری ہو اور عربی وہ پڑیں جو چوتھے سال اختیاری طور
پڑیں۔ لڑکیوں کی عمر سات سے دس سال تک، اس سے زیادہ عمر والیاں بشرطیکہ
تعداد کافی ہو علیحدہ جماعت میں رکھی جاویں فیس تعلیم معہ کرایہ مکان و خوراک عہ
ماہوار سے زیادہ نہ ہونی چاہئے کم مقدرت کے لئے عہ ماہوار اور ہوشیاروں کے
لئے انعام اور غریب لڑکیوں کے لئے وظائف کا انتظام بھی واجب ہے۔ مگر سب سے
زیادہ ضروری امر اس صیغہ کے متعلق یہ ہے کہ لڑکیوں کو تعلیم ہرگز کسی یونیورسٹی
امتحان یا کسی اور پبلک امتحان کی نظر سے نہ دی جاوے ورنہ طوطوں کی طرح پڑھ کر
امتحان پاس کرنیکی آفت برپا ہو جائیگی اسکول کے متعلقین خود امتحان لیکر سرٹیفکیٹ
دیدیا کریں اسیقدر کافی ہوگا۔

(۳) اس صیغہ کی دو خواندگیاں ہونگی ایک کا زمانہ تعلیم ڈیڑھ سال میں ختم ہوگا دوسرے
کی مدت تین سال۔ ہر ایک کو بلا سفارش داخل نہ کیا جاویگا عمر ۱۸ یا ۲۰ برس سال
مقرر ہونی چاہئے فیس بہت کم اور وظیفے معقول خواہ اسکول سے خواہ معطی خاندان
سے۔

(۴) یہ صیغہ اُن لڑکیوں اور استانیوں کے فائدے کی غرض سے جو اسکول چھوڑنے
کے بعد تعلیم جاری رکھنا چاہیں یا اُن لڑکیوں کے لئے جو بالکل نہ آسکیں "کیمبرج
کارسپانڈنس" اسکول کے نمونے پر ہونا چاہئے اس صیغہ کا انتظام اگر عمدہ
طور پر ہوا تو یہ شکایت کہ تعلیم جاری رکھنا چاہتے ہیں مگر مجبور ہیں بالکل باقی رہیگی
آخر میں ان باتوں پر کہ مجوزہ اسکول کا اسٹاف کیسا ہوگا، کیونکر بہم پہونچے گا، خرچ
اسقدر ہوگا اور کتابیں کیونکر مہیا ہونگی، مختصر سی بحث کرکے مضمون ختم کرتا ہوں۔
اسکول کے افسر اعلیٰ کا یورپین درسگاہ کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری امر ہے دو سو روپیہ
ماہوار پر لائق یورپین افسر اعلیٰ میم کا ملنا ناممکن نہیں ہے اسکی ماتحتی میں پانچ ہندوستانی

خلیج فارس میں بمقام بحرین گئے ہیں لیکن جہاں اُنکے جانیکا افسوس ہوگا وہاں ہمکو اسبات کی خوشی بھی ہے کہ ہمارے دوست ایک اچھے عہدے پر گئے ہیں۔ نیز اُنکے علیگڈہ سے چلے جانے سے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ خاتون سے اُنکے تعلقات منقطع ہوگئے ہیں۔ ناظرین یہ سنکر خوش ہونگے کہ اُنہوں نے ہمسے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ خاتون کے لئے مضامین کا ایک ایسا سلسلہ لکھینگے جس سے اردو لٹریچر کو ایک بڑی تقویت پہونچے گی۔ جو سلسلہ مضامین اُنہوں نے تیار کرنیکا ارادہ کیا ہے اگر وہ پورا ہوگیا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو دان دنیا کو اس سے بے انتہا نفع ہوگا۔ ہم اپنے دوست کی ترقی روز افزوں کے داعی ہیں کہ ہم اُنکے دل میں بخلاف ہمارے اکثر تعلیم یافتہ نوجوانوں کی تعلیم و اصلاح نسواں سے پوری ہمدردی پاتے ہیں۔

انسان بھی کیا ہی کمزور ہستی ہے زمین کا ذرا سا لرزنا بھی اسکی ہلاکت کے لئے کافی ہے دعویٰ تو خدائی کا ہے اور زور ایک پشہ کے برابر بھی نہیں دیکھو چوتھی اپریل کے زلزلے نے کیا ہی غضب ڈہایا کہ آن کی آن میں سیکڑوں خاندانوں کو سوتے ہی سوتے ملک عدم میں پہونچا دیا ہزاروں جوان لڑکیاں جو گہڑیاں گن گن کر دن گذارتی تہیں اور اپنی امنگوں بہرے دلکو اسوقت کے آنیکی خوشی کے خیال سے بہلا لیا کرتی تہیں کہ جب اُنکے پیارے شوہر یا عزیز بھائی دہرم سالہ یا کانگڑے سے لوٹ کر اپنے گہر آئینگے چوتھی اپریل کے قیامت خیز زلزلے نے صرف اُنکی امیدوں ہی کو خاک میں نہیں ملایا ہوگا بلکہ اُن میں سے اکثر و نکی آنکھوں کے سامنے عمر بہر کی مصیبت اور تکلیف کا خوفناک نقشہ پیش کیا ہوگا جہاں رات کو ایک سرسبز اور بارونق بستی تہی وہاں صبح کو آنکھ کہلی تو ویرانہ پایا جہاں رات کو خوشی کے شادیانے بجتے تہے وہاں صبح کو بیواؤں یتیموں اور لاوارثوں کی پُر درد فریادوں نے ایک عالم کو ماتمکدہ بنا دیا اس بیکسی کی حالت پر بجز

بیکار ہو گئے ہیں۔ قومی جسم کے دو پیر مرد اور عورت ہیں۔ اب اگر کسی شخص کے دونو پیر
فالج سے بیکار ہو گئے ہوں اور چلنے پہرنے سے معذور ہو گیا ہو اور وہ کسی حاذق حکیم
سے صرف ایک پیر کا علاج کرائے اور دوسرے کا کچھ علاج نہ کرائے تو اُسکو کبھی
امید نہ رکھنی چاہیے کہ وہ اچھی طرح چلنے پہرنے کے قابل ہو جائیگا اگر بالفرض دونو
میں سے اُسکا ایک پیر بالکل تندرست بھی ہو جائے تو وہ لولے سے لنگڑا ہو جائیگا
لیکن آپ تجربے سے جانتے ہیں کہ ایک لولا گو زمین پر لڑکنے اور گھسٹنے کی ذلت سے
نکلکر لکڑی کے سہارے لنگڑاتے لنگڑاتے اپنی منزل مقصود پر پہونچنے کا
قصد کرے تو کیا وہ ایک ایسے آدمی کا مقابلہ کر سکتا ہے جسکے دونوں پیر صحیح وسلامت
ہیں اور جو نہایت آسانی اور تیزی سے چل سکتا ہے۔ پس ہماری موجودہ کوشش
بالکل اسی لولے آدمی کے مشابہ ہے جو صرف اپنے ایک پیر کا علاج کراتا ہے اور
دوسرے کی کچھ پرواہ نہیں کرتا اور اُسکی بیماری اور بیکاری بدستور قایم رکھتا ہے۔
اب بالفرض اگر ہماری قوم کا ہر مرد تعلیم یافتہ ہو جاسے اور عورتیں ویسی ہی جاہل کی جاہل
رہیں تو ہمکو کبھی توقع نہ رکھنی چاہیے کہ ہم ترقی کے سب مدارج طے کر نہیں کامیاب
ہو سکیں گے۔ یہ مسئلہ ایک اور پہلو سے بھی دیکھنے اور غور کرنے کے قابل ہے۔
انسان کی پیدایش کے حالات پر جو مذہب اور فراست سلیم ہمکو سکہاتے ہیں غور کرو
اور دیکھو کہ اللہ جلشانہ نے مرد اور عورت کے باہمی تعلقات اور ارتباط کس طور پر قائم کئے
ہیں انسان کی زندگی خوشی اور ترقی کے لئے عورت اور مرد کو ایک دوسرے کے لئے
لازم وملزوم کر دیا ہے جاہل لوگ جنکی آنکھوں پر جہالت کے پردے پڑے ہوتے ہیں
وہ ہرگز اس بات کو محسوس نہیں کر سکتے کہ علم سے انسان کو کسقدر خوشی ہوتی ہے انکی حالت مادرزاد اندھوں کی سی ہے
کہ وہ کبھی اُس لذت کی قدر ہی نہیں کر سکتا جو روشنی سے آنکھوں کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ جب خود روشنی سے واقف نہیں روشنی کی قدر
کرنے کے لئے اُنکے پاس کوئی ذریعہ نہیں تو اب اگر اُس سے کہا جائے کہ تو اپنے دوسرے گہر والوں کو لئے

روشندان کُھلوا دے کہ وہ روشنی جیسی اعلیٰ نعمت سے فائدہ حاصل کر سکیں تو وہ ہرگز خوشی
سے اس کام کے لئے رضامند نہیں ہوگا پس جاہل آدمیوں سے اُمید نہیں ہو سکتی کہ
وہ ہماری اس بات کو قبول کرینگے کہ سچی خوشی انسان کو علم ہی سے حاصل
ہوتی ہے مگر جنکے دماغ خود علم کی روشنی سے منور ہیں وہ فوراً ہماری بات کی تصدیق
کرینگے کہ علم سے بڑھکر اور کوئی چیز مسرت بخش نہیں ہے اب اول تو یہ ایک سخت ظلم اور بے
انصافی کی بات ہے کہ ہم عورتونکو علم کی خوشی سے محروم رکھیں اور دوسرے جیسا ہم اوپر
بیان کر چکے ہیں خدا نے جو مرد اور عورت کے باہمی تعلقات قائم کئے ہیں اُنکی وجہ سے
ممکن نہیں کہ مرد تنہا عورت سے علٰحدہ ہو کر کسی بات میں خوشی حاصل کر سکے اگر مرد تعلیم یافتہ
ہو اور عورت جاہل تو مرد کو اُس خوشی کے بڑے حصہ سے محروم رہنا پڑیگا جو علم کا لازمی نتیجہ
ہونا چاہیئے اسکو ہم اپنی آجکل کی روزمرہ کی زندگی میں محسوس کر رہے ہیں دو آدمی جنمیں
قدرت نے یا قانون نے یا سوسایٹی کے رسم و رواج نے یا ضروریات زندگی نے
کوئی ایسا تعلق پیدا کر دیا ہو کہ اُنکو دن رات ایک دوسرے کے ساتھ رہنا پڑے
تو وہ ایک دوسرے سے اُسی حالت میں خوش رہ سکتے ہیں جب اُنکے خیالات میں
اتحاد ہو ایک کی بات دوسرا سمجھ سکے۔ ایک کی عمدہ بات کی دوسرا داد دے
سکے اور غلطی سے آگاہ کر سکے۔ اگر یہ نہیں تو گو جسمانی لحاظ سے کتنا ہی قرب کیوں نہو
قلب کبھی نہ ملینگے پس اس بات کو بخوبی ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ صرف مردوں کی تعلیم
کے لئے کوششیں کرنا اور عورتونکی تعلیم کا کچھہ بھی خیال نکرنا ہماری سوسائٹی کی عام شایستگی
اور خوشی کے لئے کسی طرح مفید نہیں ہوگا۔ یہ بھی ایک تجربے کی بات ہے کہ انسانی
ترقی میں عورت اور مرد دونکا برابر برابر حصہ ہے۔ اب اگر مردونکے لئے ترقی کے
وسائل مہیا کئے جائیں اور عورتونکو بالکل اپاہج بنا کر بٹھا دیا جائے تو ممکن نہیں کہ کسی
قوم کو ترقی کا اعلیٰ درجہ مل سکے۔ قوم افراد سے بنتی ہے اور افراد کی ترقی ماں اور باپ

دونوں کی کوشش پر منحصر ہے بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ ماکا اس میں باپ سے زیادہ ہی حصہ ہے
آدمی نوعیت میں حیوان ہے۔ ماباپ اُسکو انسان بناتے ہیں۔ ایک بچہ کو پیدا ہوتے
ہی جنگل میں چھوڑ آؤ اور اُسکو خوراک پہنچانیکا کوئی انتظام کردو تاکہ وہ بھوکا نہ مرجاے اور
سوا اسکے سب قوم کے دیگر تعلقات اُس سے منقطع کردو تو بڑا ہوکر وہ وحشی جانوروں
سے بدتر ہوگا پر اُسکو ہزار تعلیم دو یا ہنر سکھاؤ لیکن اُسکے اکثر عمدہ خداداد قوی بیکار ہوجائینگے
اسیطور پر جو بچے اونسے اور جاہل ماباپ کے گھر پیدا ہوتے ہیں اُنکو بعد میں کتنی ہی تعلیم دلاؤ
اُنکے عادات و اخلاق کبھی درست نہیں ہوسکتے اور نہ اُنکا دماغ پوری تربیت قبول کریگا
درجہ بدرجہ آگے بڑہو اور ایک شریف خاندان کے بچے کو جسکی ما جاہل مطلق ہے اور
باپ پڑہا لکھا ہے دس بارہ سال تک آغوش مادری میں پرورش پانے کے بعد
اسکول میں بھرتی کراو اور جسقدر دل چاہے روپیہ صرف کرو اور تعلیم دلاؤ لیکن وہ بچہ کامل انسان
کبھی نہیں بن سکیگا۔ خواہ وہ طبیعت اور ذہانت کی زور سے آجکل کے معیار تعلیم کے
موافق اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگری ہی حاصل کرلے تاہم اُسکے وہ قوی جن کی شگفتگی اور ترقی
صرف اُسی زمانے میں ممکن تھی جو اُسکو اپنی جاہل ماکی نگرانی او صحبت میں گذارنا پڑا ہی
اب وہ ہمیشہ کے لیئے پژمردہ اور معطل رہینگے۔ ہمنے اکثر مسلمانوں کو شکایت کرتے دیکھا ہی
کہ آجکل کے تعلیم یافتہ مسلمانوں میں ایثار نفس اور حب القوم و حب الوطنی جیسی اعلیٰ
خصوصیتیں بمقابل دیگر اقوام کے تعلیم یافتہ لوگونکے بہت کم پائی جاتی ہیں۔ افسوس
ہے کہ شکایت کرنیوالوں نے خود کبھی اس مسئلہ پر نہ سوچا اور نہ جواب دیا کہ اس
کمی کی اصل وجہ کیا ہے۔ فی الواقع اس کمی کی اصل وجہ یہ ہے کہ اول تو بمقابل پارسی
اور بنگالی اور مرہٹہ والدین کے مسلمان والدین کم تعلیم و تربیت یافتہ ہوتے ہیں اور
بالخصوص مسلمان مائیں بہ نسبت مذکورہ اقوام کی ماؤنکے زیادہ جاہل ہوتی ہیں۔ وہ
خود حب الوطنی اور حب القوم کی خوبیوں سے ناواقف ہیں پھر اُنسے کیسے توقع ہوسکتی ہے

کر وہ اپنے بچوں کے دلوں میں ایسے مفید خیالات و محسوسات کی بنیاد ڈال سکیں کالجوں
اور مدرسوں کی تعلیم اُس تربیت کی کمی کبھی پوری نہیں کرسکتی جو آغوش مادری میں ہونی چاہیے
تھی۔ بچے کے ذہنی اور اخلاقی قویٰ مثل نوزاد نازک پودوں کے ہوتے ہیں اب ایک پودے
کی غور پرداخت روز ازل سے شروع ہوئی ہو اور برابر کھات دینے اور پانی سینچنے
کا انتظام رہا ہو اور دوسرے پودے کو ابتدا میں نہ کھات ملی ہو اور نہ پانی بلکہ پیدا ہونے
سے ایک عرصے کے بعد خبر لی گئی ہو تو ان دونوں کی شادابی اور بلندی میں جو تفاوت
ہوگی وہ کسی صراحت کی محتاج نہیں۔ بڑے ہو کر یہ دونوں جو پھل لائینگے اُن میں
بھی زمین آسمان کا فرق ہوگا۔ بس اس پر ایک پارسی یا بنگالی یا مرہٹہ یا مدراسی
برہمن کے بچے کے مقابل میں ایک مسلمان بچے کی تربیت کا اندازہ کرلو۔ گو ہندوستان میں
عام طور پر مستورات کی تعلیم میں بہت کمی ہے لیکن جسقدر جن اقوام میں ہے اُسکے عمدہ
نتائج ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کے
بچوں میں بہ نسبت دیگر اقوام کے بچوں کی بہت سی ایسی قباحتیں پیدا ہو جاتی ہیں جن کی
وجہ سے اُن میں سے اکثر اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم سے بھی فائدہ حاصل نہیں کرسکتے
میرا تجربہ ہے اور غالباً سب لوگ اسکو محسوس کرتے ہونگے کہ اکثر مسلمان لڑکے
نہایت کاہل۔ کام چور ناعاقبت اندیش۔ بدشوق اور آوارہ مزاج ہوتے ہیں۔ میرا
خیال زیادہ تر علیگڈھ کے شہر اور ضلع اور کسیقدر شہر دہلی کے حالات کے مشاہدے پر مبنی
ہے اور میںنے بعض اصحاب سے دیگر مقامات کی بابت اپنے مشاہدے کی تصدیق بھی
کی ہے کہ عام طور پر مسلمانوں کے لڑکوں کی حالت ایسی ہے جیسی میںنے دیکھی ہے۔
علیگڈہ میں سیکڑوں مسلمان لڑکوں نے ایم۔ اے۔ او کالج کے اسکول میں تعلیم
شروع کی ہوگی لیکن سوائے ایک آدھ کے کوئی لڑکا بھی بی۔ اے کے درجے
تک نہیں پہنچا۔ یہ یقینی امر ہے کہ افلاس ان لڑکوں کی تعلیمی ترقی کا مانع نہیں ہوا بلکہ

اور تم سے سوال خاتونوں

سنو تعلیم کا زمانہ ہے ، ، | فرض پڑھنا ہے اور پڑھانا ہے
ڈھونڈھی استانیاں نہیں ملتیں | اس جہالت کا کیا ٹھکانا ہے

ہے بڑا نامحال خاتونوں

مدرسہ ایک کرتے ہیں جاری | کام استانیوں کی تیاری
تم کو گھر بیٹھے ہم پڑھا دینگے | خاطریاں ہیں تمہاری یہ ساری

پر روپے کا ہے کال خاتونوں

بن روپے کے یہ کام کیونکر ہو | روپے کا انتظام کیونکر ہو
روشنی کیسے علم کی پھیلے؟ | تم میں تعلیم عام کیونکر ہو

صاحب جاہ و مال خاتونوں

آپ دو اور میاں سے دلواؤ | گر نہیں دیں تو کھانا مت کھاؤ
کہو واجب نہیں اگر تعلیم | مہر واجب ہے تم وہی لاؤ

ٹکریں پھر کیا بحال خاتونوں

عقد تو تھا فقط چھوہاروں کا | مہر لاکھوں کا اور ہزاروں کا
فیصدی پانچ ہی اگر دیدیں | بوجھ ہلکا ہو دینداروں کا

مدرسہ ہو نہال خاتونوں

مفت کیوں اپنے چھوڑ بیٹھے یہ رقم | ایک موتی کے مول کا کیا غم
مدرسہ مہر سے بنا دو تم ، ، | محل تم کو ملے گا ضامن ہم

نیک و مریم مثال خاتونوں

خیر کے کام میں لگا دو گی ، | کہیں بیجا نہیں اٹھا دو گی
بخشنے سے اگر ملے گا محل | لے کے دینے سے کیوں نہ پاؤ گی

مہر حق اور جلال خاتونوں

کیوں نہ دینگے خوشی خوشی وہ بیگے	تم کہو گی تو وہ ابھی دیں گے
چندہ دینگے بخندہ پیشانی	اور خدا دے تو مہر بھی دیں گے

خود ہی بے قیل و قال خاتونوں

دین و دنیا میں نام رہتا ہے	تا ابد فیض عام رہتا ہے
آدمی گو سدا نہیں رہتا	ہاں مگر اس کا کام رہتا ہے

فیض سے لازوال خاتونوں

صرف شیخی میں اور بڑائی میں	رُت جگے میں کبھی کڑاہی میں
روپے بندو نکا خرچ پانوں میں	صرفہ سارا اگر پڑھائی میں

چاہیے انفعال خاتونوں

تم ذہین اور بڑی عقیل سنو	غور سے چندے کا اپیل سنو
مانو فوراً عمل کرو اسپر	دل کو لگتی اگر دلیل سنو

بات کو دو نہ ٹال خاتونوں

طلب علم تم پہ فرض ہوئی	فرض گو یا خدا کا فرض ہوئی
دو مدد کھونے میں جہالت کے	بڑھتے بڑھتے یہ اب تو مرض ہوئی

مرض جاں پر وبال خاتونوں

ڈرتے ڈرتے خدا خدا کر کے	تم سے اظہار مدعا کر کے
دیکھئے پائیں کچھ کہ ہودہ مثل	بات بھی کھوئی التجا کر کے

رد نہ کرنا سوال خاتونوں

محمد احتشام الدین - دہلوی

مطبع احمدی علیگڑھ

اعلان

اس رسالہ کی قیمت بنظر حال موجودہ (سے) سالانہ
رکھی گئی ہے۔ اور ششماہی (۱۲) فی پرچہ (۵؍)
درخواستیں بنام شیخ محمد عبد اللہ صاحب۔ بی۔اے
ایل۔ایل۔بی۔وکیل ہائیکورٹ علیگڈہ آنی چاہئیں
قیمت ہر حال میں پیشگی لیجائیگی۔
تمام مضامین اڈیٹر کے پاس آنے چاہئین۔

خاتون

۱۔ یہ رسالہ علیگڈھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اسکی سالانہ قیمت [illegible]

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانی کوئی آسان بات نہیں اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعے سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور اسکے بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اس کی طرف ہم ہمیشہ مردونکو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴۔ ہمارا رسالہ اسبات کی بہت کوشش کرے گا کہ مستورات کے لیئے عمدہ اور اعلی لٹریچر پیدا کیا جاے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی انکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم پڑھنے سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶۔ مستورات کے مضامین اور خطوط جیسے بھی ہونگے ہم ضروری اصلاح کے بعد شائع کردینگے

۷۔ اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیئے اسکو خریدنا گویا اپنی مدد آپ کرنا ہے۔ اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائے گا +

کہ وہ ٹرکی خاتون جنکو مینے دیکھا ہے کہ سر پر ٹوپی نہیں پہنے ہوئے تھیں
چھوٹے سے رومال کا قصابہ باندھے ہوئے تھیں۔ اور۔ ہاں اتنی بات اور
تھی کہ اون کے لباس کی قطع برید میں انگریزی لباس سے زیادہ پردہ داری
معلوم ہوتی تھی۔ چنانچہ اُن کے انداز بھی انگریزوں کے انداز سے کچھ جدا تھے
باوجود اس کے یہ کمی موجود تھی کہ کوئی کپڑا جو جسم کے بالائی حصہ کو سرتا سر
ڈھانک لے اوڑھے ہوئے نہ تھیں۔ اور ہم اس کے صدیوں سے عادی
ہیں۔ سنا ہے کہ اس لباس پر ترکنیں باہر نکلنے کے وقت برقع استعمال کرتی
ہیں۔ ہم باہر تو نکلتے نہیں گھر کے اندر برقع کا جنجال نبھ نہیں سکتا۔ اور نہائیں
تو ہر وقت خول دار کپڑا بنا پڑتا ہے۔ بغیر کچھ اوڑھے نامحرم کیسے محرموں کے
سامنے ہم سے آیا نہیں جانے کا۔ پس اگر کوئی ایسی ترکیب نکل آئے کہ ساڑی
کے بالائی آنچل کی طرح ایک ہلکا سا آنچل دونوں ہاتھوں کو اپنی تابعداری
سے سبکدوش کر کے سر اور شانوں کو ڈھانک لے یا صرف شانوں کو چھپائے
اور سر پہ ایک رومال اوڑھا جائے۔ تو ٹرکی لباس کو تمام لباسوں پہ ترجیح دیجا سکتی
ہے۔ قومیت کی نشانی بھی قائم رہتی ہے۔ اور کوئی نقالی کا طعنہ دے تو
کہہ سکتے ہیں کہ ہمنے اپنی ٹرکی بہنوں کے لباس کی تقلید کی۔ ایسی ترمیم کے
بعد بھی بالفعل میں ٹرکش لباس کے اختیار کرنے کی رائے نہیں دے سکتی
تا وقتیکہ ہم لوگ اسکے سینے پرونے اور کتر بیونت سے واقف ہوکر اپنا ڈریس
آپ تیار کرنے کے قابل نہ ہو جائیں۔ ورنہ درزیوں کے بل بٹانے کے لیئے
ہمارے مردوں کو آمادہ ہونا پڑے گا۔ جو ہمارے مناسب حال نہیں ہے بہتر
یہ ہے کہ اسوقت اپنے موجودہ دیسی ہی لباسوں میں سے ایک لباس ایسا
اختیار کر لیا جائے جسمیں کچھ نہ کچھ اصلاح ہو۔

کہ ضرورت کے وقت جھٹ پٹ بدل لیا جاتا ہے۔ پھر جب ہماری تربیت و تعلیم کا پورا رواج ہو جائے اور ہم ٹرکی لباس سینے کے قابل ہو جائیں تو اس وقت ٹرکی لباس اُس تغیر کے ساتھ جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے اختیار کریں +

بنت نصیر الدین حیدر۔

بمبئی کی نمائش

(صیغۂ صنعت نسواں)

رسالہ خاتون ایسی مبارک گھڑی اور نیک ساعت میں جاری ہوا تھا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اسکو قوم کے معزز و روشن خیال خاندانوں میں باریابی اور ان کی سرپرستی پر مبارکباد اور فخر کے متواتر موقعے حاصل ہو گئے۔ یہ مضمون جو بمبئی کی گزشتہ نمائش میں صیغۂ صنعت نسواں کی ابتدائی تجاویز اور درمیانی تدابیر اور آخری کامیابی کے بیان اور مختصر تفصیل ہیں نہایت فخر اور شکر گزاری کے ساتھ درج رسالہ کیا جاتا ہے۔ عالیجناب سکینہ خاتون صاحبہ بنت مسٹر جسٹس بدرالدین طیب جی کا عطیہ اور خاتون سے ان کی ہمدردی کا ثبوت ہے۔ مسٹر جسٹس بدرالدین طیب جی خود جیسے روشن خیال فخر قوم اور فاضل اجل ہیں اسکو ثبوت میں ان کا بمبئی جیسے سربرآوردہ اور ترقی یافتہ صوبہ میں ہائی کورٹ کا جج ہونا اظہر من الشمس ہے۔ جناب ممدوح کی

کہ وہ غریب عورتیں جو بوجہ تنگدستی اور قلت معاش کے ہنر سیکھنے اور ہنرمندی
کے ذریعہ سے اپنے بال بچوں کا اور اپنا پیٹ پالنے پر مجبور ہیں مختلف قسم کی
زنانہ ہنرمندی کے نمونوں کو دیکھکر گھر بیٹھے ریاضت سے معاش پیدا کر سکیں
گرچہ اس خیال کے لوگ بھی ہیں جن کے نزدیک عورتوں کو کام کرنے کی
اور روزی کمانے کی حاجت نہیں۔ لیکن جیسی بودی یہ دلیل ہے سب جانتے
ہیں۔ ہندوستان اور تمام دنیا میں ہزاروں لاکھوں گھرانے ہیں جو عورتوں
ہی کی محنت و ریاضت سے پلتے ہیں اور رحم اور سچی مدد کے قابل وہ شریف
غیرتمند بیبیاں ہیں جو ہنرمندی کی بدولت پیٹ پالنے پر کسی کے سامنے
برملا ہاتھ پھیلانے کو ترجیح نہیں دتیں نوکری۔ اور مزدوری سے بھی لاچار ہیں مگر
بوڑھے ماں باپ یتیم بچوں یا مفلس عزیزوں کی مدد ضرور ہے۔ ایسی حالتوں میں
مستورات میں صنعت و حرفت اور دستکاری کا رواج اور یہ چیزیں ان کا
ذریعہ بسر اوقات ہوں تو رحمت الٰہی ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ عورتوں کو
کام کرنے کی حاجت نہیں۔ پس جو بیبیاں ایسی شریف لایق رحم مستورات
کی قدر ہنر سے امداد اور ان میں ہنرمندی کی رونق کی کوشش کریں فی الحقیقت
تحسین و آفریں کے قابل ہیں۔

اس مجلس میں جو مسٹر دوراب جی تاتا کے مکان میں ہوئی یہ بات بھی صاف جتادی
گئی تھی کہ کانگریس کی پولیٹکل حیثیت سے یہ نمایش الگ تھلگ سمجھی جائے گی چنانچہ
اس اصول کو ایسی پابندی کے ساتھ مدنظر رکھا گیا کہ خود گورنمنٹ نے اس نمایش میں
عملاً اظہار دلچسپی فرمایا۔

اس مجلس میں ہندو مسلمان۔ پارسی۔ خاتونوں میں ہر قوم سے پچاس معزز
بیبیاں منتخب کیگئیں اور چند انگریزی خواتین بھی شامل کیگئیں۔ اور ایک بڑی کمیٹی

سکی گواہی دے رہی تہیں۔ پچاس گز لمبا اور بیس گز چوڑا شامیانہ جب اِس طبقہ کے لیئے کافی نہ ہوسکا تو ایک درجہ اور بڑھایا گیا یہ دونوں کمرے اوپر سے نیچے تک تمام عمدہ خوبصورت اور نادر چیزوں سے بہر گئے تہے۔ ان میں عجیب عجیب آئل پینٹنگ اور واٹر کلر رنگین تصویریں اعلےٰ سے اعلےٰ نقاشی کے نمونے مچھلی کے چھلکوں سے بنائی ہوئی تصویریں گیہوں کو رنگ کر ایک تصویر نہایت ہی عجیب بنی تہی۔ دیگر بے شمار عجائبات سے درودیوار اور ستونوں کو آراستہ کیا گیا تہا۔ شیشہ کی الماریاں شیشوں میں سے طرح بطرح کی چیزیں دکہا رہی تہیں۔ اِس شامیانے اور اِس کے برابر کے کمرہ کو ایسا خوبصورت سجانے میں سب سے بڑی کوشش اور محنت منرودرا بجی ٹاٹا اور دونوں مس مانک کی تہی ہر باریک اور نازک چیز کو وہ خود دیکھکر اپنے ہاتھ سے اُسے درست کرتی رہتی تہیں اِس محنت کا اور دیدہ ریزی کا معاوضہ اِس سے بڑھکر ان کو کیا ملتا کہ ہر طرف سے یہی صدا آتی تہی کہ تمام نمایش میں بیبیوں کے احاطے کے برابر کوئی درجہ دلکش نہیں۔ جب بمبئی کے لاٹھ گورنر نمایش کا افتتاح کر چکے تو ان کی لیڈی صاحبہ (لیڈی لامنگٹن) سے درخواست ہوئی کہ وہ صیغہ صنعت نسواں کا افتتاح فرمائیں چنانچہ اِس طبقہ کے دروازے پر ایک برقی بٹن ایسی ترکیب سے لگایا گیا تہا کہ لیڈی ممدوح کے ذرا سے دبانے سے دروازے چوپٹ خود بخود کھل گئے۔ اور جونہی کہ لاٹھ صاحب اور لیڈی صاحبہ نے اندر قدم رکھا۔ ایک دوسرا معجزہ ہوا کہ اوپر سے ایک ہو بہو جھڑی سچ مچ کے خوبصورت تر و تازہ خوشبودار پہولوں کی برسنی شروع ہوئی۔ ایسی برسی کہ سر سے پاؤں تک دونوں کو پہولوں سے لاد دیا۔ مگر بہت افسوس ہے کہ پردہ نشین بیگمات کے لیئے اُس وقت پردہ کا انتظام کسی طرح ممکن نہو سکا

تنے بہت امداد ر اسباب کا فراہم ہو جانا نہایت خوشی اور تعجب کا مقام ہے۔ ان عجائبات میں کئی ایک نمونہ لیس کے جو سوئی سے بنی تھیں ایسے خوبصورت تھے کہ شاید ہی کسی یورپین ملک میں اُن سے بہتر بن سکیں۔ کپڑے پر ایسی ایسی نازک تصویریں اور اس صفائی اور خوبی سے بنی ہوئی تھیں کہ قریب جا کر ہی دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ کپڑا اور کشیدہ نہیں رنگ ہے۔ ایک میم صاحبہ کی بنائی ہوئی لیسیں ایسی نازک تھیں کہ سوئی کا کام سمجھنے میں شک ہوتا تھا۔ ان میم صاحبہ کو سونے کا تمغہ ملا مگر ان کا کام اس تمغہ سے بہت زیادہ ستائش کے قابل تھا۔

فقط چیزیں ہی سبق اور عبرت کے لیے لا کر جمع نہیں کر دی تھیں بلکہ بعض بعض کام کی کاریگری اور اس کا طریقہ عمل کاریگروں کو نمایش میں بلا کر بٹھا کر سب کے سامنے بنوا کر بھی دکھایا گیا تھا کہ اس زمرہ میں سب سے عمدہ اور قابل ذکر وہ لڑکیاں ہیں جو ٹراونکور (کے مدرسہ) سے آئی تھیں اور لیس بناتی تھیں جس پھرتی آسانی اور صفائی سے یہ لڑکیاں اپنا کام کرتی تھیں۔ ہاتھوں اور پیروں کو کارگہ پر حرکت دیتی اور پھیرتی تھیں اور بدلتی تھیں دیکھنے کے لائق اور حیرت انگیز چیز تھی کیسی نازک عمدہ اور مشکل و پیچیدہ طرحیں بناتی تھیں کہ بے ساختہ دل سے آفریں نکلتی تھی۔ کیا مجال جو ذرا سی بھی خطا ہو جائے انکی آنکھیں چوطرف پھرتی تھیں اور تماشہ دیکھتی رہتی تھیں۔ لیکن ہاتھ تھے کہ خود بخود چلتے رہتے تھے چوکتے نہ تھے۔

ایسے زندہ نمونوں کے علاوہ مصنوعی مجسم نمونے بھی ذکر کے قابل ہیں۔ ہندوستان کی ہر قوم اور مذہب اور پیشہ کی عورتوں کی قد آدم تپلیاں ہو بہو بنا کر اُن کو انہی کا لباس پہنایا گیا تھا انہی کے زیور سے آراستہ کیا تھا۔ مسلمانوں کی عورتوں میں سات قسم کے نمونے سجائے تھے۔ عرب۔ مغل۔ دکھنی۔ خوجی میمن داؤدی اور سلیمانی بوہرے۔ یہ سجاوٹ بھی عورتوں ہی کے ہاتھ سے ہوئی

تہی۔ پارسنیں نئے اور پرانے فیشن میں ہندوانیاں، مرہٹنیں، گجراتنیں، بنیان
لوہارنیاں وغیرہ اپنے اپنے لباسوں اور صورتوں میں بناکر کھڑی کی گئی تہیں۔
غریب قوموں کی عورتوں کو ان کے شغل میں بہی دکہایا تہا۔ مثلاً ایک مصیبت ماری
چکی پیس رہی تہی۔ فقیرنی اپنے بچے کا ہاتہ پکڑے کھڑی تہی۔ وغیرہ۔

اس سے مراد یہ تہی کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ ہندوستان میں کیسی کیسی قومیں
اور ان کے لباس کیا کیا ہیں اور شاید وہ لوگ جنہیں اپنے لباس میں کسی طرح
کی ترقی اور تبدیلی منظور ہے اس طرح پر نمونہ پیش نظر پاکر کوئی عمدہ بات
چن لیں اور اپنے ہاں رواج دیں۔

چونکہ نمایش سے مراد فقط تماشہ و تفریح ہی نہیں بلکہ بہت سی تعلیم و تربیت
و صنعت و حرفت کے عجائبات سے واقفیت اور اس طور سے انسان کی عقل اور علم
کو ترقی دینے کا بڑا وسیلہ ہے۔ اس لئے ایک دن ہر ہفتہ میں خاص پردہ نشین
بیویوں کے لیئے بہی مقرر کیا گیا تہا اور اس دن کوئی غیر مرد نہیں جاسکتا تہا۔ اس سے
ہم لوگوں کو بہت خوشی اور مشکوری تہی۔ کیونکہ بمبئی کی اتنی روشن خیال خاتونیں وہاں
جمع ہوکر نمایش کی سیر کرسکتی تہیں۔ نمایش کے فائدے محتاج بیان نہیں جنمیں ہم
پردہ نشین بیویوں کا بہی حق تہا ورنہ ہم سے کب ممکن تہا کہ اتنے کم خرچ میں پردے
میں بیٹھے بیٹھے ایسی نادر او عجیب چیزوں کو اس سہولت سے ایک جگہ پر مہیا
دیکھ سکیں +

جتنی چیزیں وہاں جمع تہیں سب ہی عجیب تہیں اور شمار سے زیادہ تہیں
لیکن عجیب تر چند چیزوں کا جو نظر سے گذریں ذکر کیئے بغیر رہا نہیں جاتا۔ نمایش کے
ایک حصہ میں خدا کی مخلوق درختوں کے بہی عجائب و غرائب کا مجمع تہا کیسے کیسے
کام کے اور خوشنما درخت دوائیوں کے درخت تہے جنمیں سے لذیذ عرق

و خوشگوار شربت جو پیاسوں کو سیر کریں نکلتے ہیں۔ ایک عجیب بیل دیکھی کہ اس کا
عرق چیچک میں پلایا جاتا ہے۔ اور مفید ثابت ہوا ہے کونین کا درخت بھی دیکھا
ایک اور درخت بہت ہی حیرت انگیز تھا جس میں ذرا سا نشتر دینے سے فوراً ایک
کٹورا صاف و نفیس پانی کا نکل آتا ہے۔ پیاسے مسافروں کے لیئے گویا خدا کی
رحمت کا چشمہ ہے۔ عقیق اور دوسرے قیمتی پتھر دیکھے جنمیں ہنوز اندر پانی باقی تھا
سخت پتھر میں چلتے ہوئے پانی کا صاف نظر آنا کیا ہی عجیب معلوم ہوتا تھا۔ اس
پانی کے اندر پہنچنے کا بھید عالموں سے دریافت کرنا چاہیئے۔

یہ مضمون لکھنے سے میرے دو بڑے مطلب تھے اول یہ کہ جب خاتون کے
اڈیٹر صاحب بمبئی تشریف لائے تھے ہمارے ہاں کے صاحبوں سے وعدہ
لیا تھا کہ بیگمات سے مضمون لکھوا کر رسالہ خاتون کے لیئے بھیجیں گے اور چونکہ
خاتون خاصکر بیویوں کے لیئے شائع ہوا ہے۔ ہمیں البتہ اس سے بڑی ہمدردی
اور دلچسپی ہے اور یہ خیال رہتا ہے کہ جسقدر ہم سے بن سکے اپنا فرض منصبی
اسکی کامیابی اور ترقی میں مدد دیکر ادا کریں۔

دوسرا مدعا یہ ہے کہ مجھے یقین ہے کہ میری مسلمان بہنیں یہ دیکھکر خوش ہونگی
کہ اس نمائش میں کتنی مسلمان بیبیاں تھیں اور یہ کہ اونھوں نے کیا لطف
نمائش کی سیر کا حاصل کیا کس قدر مدد اس میں دی کیسے کیسے اچھے اچھے تمغے
حاصل کیے صنعت و حرفت میں بڑھ بڑھ کر انعام لیئے مگر یہ سب کچھ جبھی ممکن ہوا
کہ بمبئی کے مسلمان روشن خیال اور آزاد منش خیر کے کاموں میں شرکت اور امداد
کرنے میں اور اور قوموں ہندو پارسی وغیرہ کی بیویوں کے ساتھ اپنی خاتونوں کو
مل جلکر کام کرنے کی اجازت دینے میں بخیل نہیں۔ اور جائز تماشے اور عجائبات
کی سیر کے مناسب موقعہ سے اپنی بیگمات کو نہیں روکتے۔ اس سے یہ بھی ثابت

حالت میں اگر کوئی بی بی مہمان آجاتیں ہیں اور بے تکلفی سے بچہ کو دیدیا جاتا ہے
تو پھر درولیشں بر جان درولیش لحاظ سے اپنے گھٹنے پر بہنا لچہ کو نہ رکھکر ہلانے
لگتی ہیں اور بچہ کے کپڑوں کا تعفن اور بہنا لچہ کی بدبو اوس ننی سی پیاری سی جان
کو اچھی طرح سے گود میں لیکر پیار کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ لیکن بچہ کی
ماں کے دماغ میں وہ بدبو ایسی بس جاتی ہے کہ اونکو معلوم ہی نہیں ہوتا یہ ہماری
بہنوں کی ذرہ سی غفلت سے ہماری قوم کے بچے اسں بری طرح سے پرورش
پاتے ہیں جیسے موری کے کیڑے اور جسکا اثر بچوں کی طبیعت پر ساری عمر باقی
رہتا ہے۔ اکثر بچوں کو پلنگ پر سلانے کی کوشش کرتی ہیں سوتے میں
گھنٹوں پیشاب میں پڑا رہتا ہے انا یا ماما تو اس بھیگے کو خیال بھی نہیں کرتیں
اور امیں زبان ہلانے کی تکلیف بھی نہیں کرتیں۔ بچہ کو دیکھیں تو انا ماما کو ہی خیال اور
ڈر ہو۔ رضائی تو شاید سارے جاڑے میں ایک ہی رہتی ہے اور اسمیں سے
بھی پیشاب کے بھبکے آتے رہتے ہیں۔ سینہ بند اور دوہرا کرتہ کئی کئی دن تک
نہیں بدلا جاتا بچہ میں سے کھٹی کھٹی بو آنے لگتی ہے بچہ دودھ گھٹی پیکر ڈھلتا ہے
تو کسی چیتھڑے سے پوچھ دیا کرتہ اور سینہ بند گلے کے نیچے سے مثل ٹاٹ
کے سخت ہوجاتا ہے بچہ کے گلے میں میل جمع رہتا ہے۔ جاڑوں کے موسم میں
چلا نہلانے کے بعد جتنا جاڑا گذرتا ہے شاید ایک دو دفعہ بچہ کو نہلاتے ہونگے
جب بچہ ذرا بڑا ہوجاتا ہے گھٹنیوں چلنے لگا تو کرتہ کیچڑ میں بھرتا پھرتا ہے۔ منہ پر
مٹی کیچڑ لگا لیتا ہے کبھی دیکھو بچہ مرغیوں کے لیئے جو پانی مٹی کے پیالہ میں رکھا
جاتا ہے اوسمیں چپ چپ کرتا پھرتا ہے۔ لُو چل رہی ہے یا مینہ برستا ہے
وہ گندہ پانی پی لیتا ہے اپنے اوپر لوٹاتا ہے۔ جلتی زمین پر لیٹ جاتا ہے
ماماؤں کا تو قول ہے کہ بچہ مٹی میں کھیلنے سے موٹا ہوتا ہے وہ اس خیال سے

جناب آبرو بیگم صاحبہ ہندوستان کی مستورات کی بہتری کے لیئے اپنی قیمتی لائق
اور اعلےٰ قابلیت کا ایک حصہ وقف فرما کر اپنی مصیبت زدہ بہنوں کو ذلت سے
نجات دلاتے ہیں۔ پوری مدد کریں گی۔

اڈیٹر

میری پیاری بہنو عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کے متعلق مینے اپنی مختصر سی رائے ظاہر
کردی تہی جس سے آپکو معلوم ہوا ہوگا کہ ہم میں ابہی کتنی کمی ہے اور ہمکو ابہی
کیا کچہہ کرنا ہے آج میں فاطمہ خانم کی زبانی ٹرکی لیڈیوں کی آزادی اور تعلیم کا
قصہ سنانا چاہتی ہوں کہ ہمکو ابہی کتنی سیڑھیاں طے کرکے اون تک پہنچنا ہے۔
مسٹر آرکیوہارٹ اپنی کتاب ,,**مشرق و مشرقی خیالات** میں لکھتے ہیں
کہ میرا مشاہدہ یورپ کے اس حسن ظن کے بالکل برعکس ہے کہ مشرق میں مستورات
اپنے شوہروں سے ہروقت خائف اور لرزاں رہا کرتی ہیں۔ کوئی وقت اونہیں ایسا
نہیں ملتا جس میں وہ اپنے حقوق کا استعمال کرسکیں ترکی لیڈیوں کی عملی شہادت
نے بالکل میرے خیالات پلٹ دیئے اور مجھے ایک معزز ترکی لیڈی **فاطمہ خانم**
کی رائے سے بہت مدد ملی وہ کہتی ہیں کہ :۔
ہماری موجودہ حالت کسی امر میں مردوں سے کم درجہ پر نہیں ہے اگر ہم مردونکے
جلسے میں شریک نہیں ہوتے تو وہ بہی ہماری محفلوں میں شرکت حاصل نہیں
کرسکتے۔ شوہر محنت کرکے روپیہ کماتا ہے اور اوس کی بی بی اُسے خرچ کرتی
ہے۔ بی بی اپنے شوہر کے جاہ و حشمت اور مال متاع سے کافی حصہ لیتی ہے
بلکہ اس سے کہیں زیادہ شان و شوکت سے رہتی ہے اگر وہ متمول ہے اور
اوسکا ,,**سلام لق**،، یعنے مردانہ نشست گاہ ملازموں اور ملاقاتیوں سے پر ہے
تو ویسے ہی اس کی بی بی کے پاکیزہ کمرے میں اس کی خدمت گار نیں موجود ہیں

فرائض میں کوتاہی نہیں کرسکتی ہنی بیٹے نہ کی۔ اب وہ تندرست ہوگیا ہے۔ اور میری خدمت کی اسے حاجت نہیں لہذا میں اسکا ہونا نہونا ایکساں جانتی ہوں یہ وہ موقع ہے جبکہ فاتح شام والیشیانے کوچک نے اپنی والدہ کی خدمت میں نہایت عجز سے التجا کی کہ وہ والیسئرامصر کی خطا معاف کرے!!! اگراس کی درخواست منظور نہوئی ،،

حافظ عبد الرحمن صاحب امرتسری سیاح ممالک اسلامیہ اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ ٹرکی عورتوں نے لباس اور آزادی میں جسقدر ترقی حاصل کی ہے اس کے ساتھ علمی قابلیت میں بھی نمایاں کامیابی کا فخر حاصل کیا ہے ترکی زبان میں اچھی طرح پڑھ لکھ سکتی ہیں امرا کی عورتیں تو فرانسیسی بھی جانتی ہیں بعض عورتوں نے لکھنے پڑھنے میں اسقدر ترقی کی ہے کہ اخباروں میں مضامین لکھتی ہیں اور کتابیں تصنیف کرتی ہیں بعض عورتوں کی قابلیت اس درجہ پر پہنچ گئی ہے کہ اپنے شوہروں کے کاربار کا انصرام اور ان کی جائداد کا انتظام بڑی دانشمندی اور سلیقہ سے کرتی ہیں اور انکے شوہر خانگی انتظامات سے بیفکر ہوکر سلطنت کے کاموں میں مصروف رہتے ہیں تعلیم نسواں کے واسطے ٹرکی گورنمنٹ کیطرف سے ایسے اچھے اصول پر مکتب جاری ہیں کہ شرفا کو اپنی لڑکیاں وہاں بھیجنے میں ذرہ تامل نہیں ہوتا۔ ان مکتبوں میں ٹرکی۔ فرانسیسی۔ حساب اور جغرافیہ کی تعلیم ہوتی ہے بعض مکتبوں میں موسیقی اور تصویرکشی کا کام بھی سکھایا جاتا ہے۔ ان مکتبوں میں جو لڑکیاں جاتی ہیں انہیں دس برس کی عمر تک چہرہ پر نقاب ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ اس عرصے میں اپنے باپوں کے ساتھ باغوں کی سیر کو بھی جاتی ہیں۔ اور گھر سے مدرسے تک بے کھٹکے آمدرفت کرتی ہیں لڑکی

زنانہ لباس

ذیل میں ہم جناب سلطانہ بیگم صاحبہ دہلوی کا لباس پر ایک مضمون درج کرتے ہیں معزز
نامہ نگار نے اپنے تجربے کی بات بڑی خوبی سے ظاہر کی ہے کہ ایک جلسے میں
ہندوستانی لیڈیز سات مختلف لباس پہنے ہوتے تھیں۔ ایسی حالت میں اتفاق طرز
و وضع ممکن نہیں اور نہ ایسے ظاہری اختلافات کبھی قومیت پیدا ہونے دینگے
ایک لباس اور طرز اور وضع کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ امید ہے کہ معزز
نامہ نگار تیلیوں کو مختلف لباس پہنا کر نمائش میں رکھنے کے لیے بھیجیں گی
تاکہ سب سے عمدہ لباس منتخب کیا جائے۔

اڈیٹر

زنانہ لباس کا مسئلہ بہت مدت سے زیر بحث ہے لیکن ابھی تک حل نہیں ہوا۔ اخبار
تہذیب نسواں میں بھی پیش ہوچکا ہے اور اس کے متعلق میرا ایک مضمون نمبر کے
پچھلے مہینوں میں بعنوان "سادہ لباس" تہذیب نسواں میں شائع ہوچکا ہے۔ ایک توارد و
زبان تمام ہندوستان میں بولی جانی اور دوسرے لباس سب کا ایکساں ہونا یہ ایک
وقت طلب بات ہے +

عرصہ ہوا کہ لاہور کی محفل میں مجھے شریک ہونے کا اتفاق ہوا تھا۔ جہاں کہ انگریزی
لیڈیاں بھی مدعو کی گئیں تھیں۔ ایک لیڈی سے لباس کے متعلق ذکر چھڑا تو انہوں نے
کہا کہ دیکھو تمہاری محفل میں کتنی طرح کا لباس ہے حالانکہ ہمارے بڑے بڑے
جلسوں میں سب کے ایک سے لباس اور ایک بول چال ہوتی ہے۔ یہ واقعی میں نے خیال سے
دیکھا تو ہندوستانیوں کا سات وضع کا لباس تھا۔ یعنے انگریزی لباس۔ ڈھیلا پائجامہ

دلی کا اصلاح شدہ لباس ڈھیلا پاجامہ کرتہ اسپر ویسکوٹ یا جاکٹ اور دوپٹہ یہ ایسا شریف اور بڑھیا معلوم ہوتا ہے کہ اِس کے سامنے اور لباسوں کی وقعت نہیں معلوم ہوتی۔ ایک بُری بات یہ ہے کہ کام کے وقت پائنچوں کا سنبھالنا کیسقدر دشوار ہوتا ہے۔ لیکن جب پہنتے پہنتے عادت ہوجاتی ہے تو کام میں ہرج نہیں ہوتا۔ لکھنؤ میں پائنچے سامنے اوڑس لیتے ہیں جس سے کام میں تو آسانی ہوتی ہے لیکن ہروقت اچھے نہیں معلوم ہوتے اِسی لیے بہتر ہے کہ کرتے کے اوپر جس طرف پائنچے پکڑے جاتے ہیں وہاں بڑی سیفٹی پن سے نیفے پر پائنچوں کو لگا لیا جائے اور سامنے سے بالکل پائنچوں کو صاف کرکے اٹکا لیا جائے جس سے معلوم ہوگا کہ پکڑے ہوئے ہیں۔ اور ٹہیا یا جوٹکن ہوگی وہ بھی صاف نظر آئے گی اور بیٹی کی طرح کبھی رہے گی۔ اور ہاتھ بھی خالی رہیں گے۔ میں نے اپنے لیئے یہی طریقہ اختیار کیا ہے جس سے بہت سہولیت ہوگئی ہے۔

اکثر بہنیں انگریزی لباس پہننے لیئے پسند کرتی ہیں اور پہنتی ہیں۔ لیکن مجھے تو ان سے اتفاق نہیں۔ کیونکہ انگریزی ڈریس ہماری طرز معاشرت کے بالکل خلاف ہے ہمارے رنگ روپ سے بالکل غیر ہے اسوجہ سے کچھ شان نہیں نکلتی۔ اس سے بہتر ہے کہ اپنے لباس کو ترمیم کرکے رواج دیا جائے۔ ساڑی بھی خوبصورت لباس ہے اگر رواج ہوجائے تو اور لباسوں سے بہتر ہے۔

ایس۔ بی۔ دہلوی۔

رتقویم نہیں ہے والا دکھلا دیتی کہ قمر در عقرب تھا) میر قدرت اللہ اور بسم اللہ بیگم کی شادی
کی تاریخ مقرر ہوگئی ہے۔ جماعتوں کے متولیوں کی باچھیں کھل گئیں کوئی کہتا ہے کہ
ضرور سردار صاحب سے اِس تقریب میں پانچ دس ہزار روپے خرچ کروانا چاہیئے
کوئی کہتا ہے کہ اپنی مسجد کے نام سے ضرور دو چار ہزار روپے لینا چاہیے۔
رشید علیشاہ کہتے ہیں کیا خوب واہ! اچھا حقداروں کا حق مارتے ہو۔ فقیروں کے
لنگر گاہوں کا بندوبست کروالو۔ سب جگ جانتی ہے کہ ہم پانچ پیڑی سے ٹکڑ گدا
بنے چلے آئے ہیں۔ کٹم کا کٹم فقیری پیالہ لیا بیٹھا ہے۔ ہاں مرشد! دعائے درویشاں
ردّ بلا۔ لفنگوں کو سوجھی کہ یہی وقت ہے ہاتھ سے بجائے۔ جنگو بوا۔ اور حسرت بی
سے کہدو ابھی سمدھنوں میں لڑائی مچا آئیں۔ بعد میں میر تسلیم اور شیر دلخاں پر ہاتھ
صاف کیا جائے گا۔ مگر شیر دلخاں کے پاس جائے کون۔ انہوں کی للکار سے کلیجہ
پانی ہو جائے۔ اور عشرت خانم عقل کی تیلی وہ کب حسرت بی کی مانتیں۔

ادھر نبو بیگم نے لگاتار چھوٹے باغ میں دھوم مچا رکھی۔ اپنے میکے کے تمام
مرد اور عورتوں کو لعل پور سے بلوایا۔ لعل پور انہوں کے والد کا انعامی گاؤں تھا
اب خالصہ ہوگیا۔ ماسوا گاؤں کی تمام مسلمان عورتیں۔ بلکہ مانگنیاں۔ ڈھیرنیاں۔
مہارنیاں سبھوں کو بلوایا۔ اب کیا پوچھئے۔ دن کو دھما چوکڑی اور رات کو رتجگا
ہوتا ہے۔ میر تسلیم نے بہت کچھ سمجھایا کہ اسراف اچھا نہیں۔ مگر انعامدار کی بیٹی کسطرح
مانتی۔ اگر بس چلتا تو کل جائداد بکوادیتی۔

عشرت خانم مزاج کی ٹھٹول تھیں۔ مگر تعلیم و تربیت یافتہ اور باسوئی اس کے
صحبت اچھی ہونے کے باعث بالکل غیر شرعی رسوم نہونے دیں۔ بلکہ شوہر سے
کہا کہ میر تسلیم صاحب کو لکھو کہ براتی صرف مرد ہوں۔ ہاں مضائقہ نہیں اگر دولہا کے
ہمراہ انہوں کے۔ اماں خالہ۔ وغیرہ آئیں۔ مگر میں ہلدی تیل وغیرہ بدعتیں نہونے دونگی

(باقی)

دھبے آم کے رس کے چادر میں پڑ گئے ہیں۔ تکیہ کے غلاف پر خربزہ کے بیج چپک رہے
ہیں۔ تمام بستر خاک آلود۔ گھر کو دیکھئے تو کوڑے کا انبار۔ مدت گزری کہ چراغ روشن کرنے
کی ضرورت سے ایک ایک کر کے تمام جھاڑ و بیگم صاحب جلا چکی ہیں اب منگائے تو کون غرض
بحیثیت مجموعی ایک وحشت کا سامان ہے۔ اس شخص نے گھبرا گھبرا کر چاروں طرف نظر ڈالی
تاکہ بیگم صاحب یا اس خانم کی نگین کو دیکھے مگر بیگم صاحبہ کا پتہ نہیں۔ دو چار آوازیں دیں تو
کھنکھنکر کرنی ایک طرف سے بیگم صاحبہ بھی تشریف لائیں۔ مگر عجب دلربا انداز اور دلفریب
روپ میں۔ سر جھاڑ منہ پہاڑ۔ میلا کچیلا دوپٹہ جسمیں کمبخت چونہ کے دھبے تیل کے داغ پڑے
ہیں۔ کرتہ اس قماش کا کہ ایک آستین تو موجود ہے مگر دوسری ندارد۔ کناویز کا پاجامہ
پنڈلیوں پر سے اُدھڑا ہوا۔ آنکھوں میں چیپڑ دانتوں پر میل جما ہوا۔ اسپر منہ تنتائے اور
تیوری چڑھائے۔ آتے ہی نہ صاحب سلامت۔ منہ اُٹھائے چلی آئیں۔ اور بولیں تو
کیا بولیں آگ لگے۔ اس گھر میں مرنے کی بھی فرصت نہیں۔ دن بھر کوسے اُڑاتی رہی تھی
اب ذرا کی ذرا ہمسائی سے باتیں کرنے گئی تھی کہ بلا کیطرح تم آموجود ہے۔ نوج کسی
بدبخت کو ایسا گھر ملے۔ کہو کیا حکم ہے۔ کہیں بھوٹ چکو۔

غریب اور بدنصیب شوہر کے دلپر اُس حالت کو دیکھکر جو کچھ گزری تھی وہ تو خیر اب
یہ فصاحت آمیز پچیدار گفتگو سنکر وحشت ہوگیا۔ دلپر سخت صدمہ گزرا مگر ضبط کر کے خاموش ہو
مضمون کی طوالت کا خیال ہے اس لیے جاہل عورتوں کے زیر اہتمام گھر کا اور
اُن واقعات کا جو اُس گھر میں گزرتے ہیں پورا خاکہ نہیں کھینچا جاتا۔ دراصل یہ حصہ مضمون
میں پورا نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لیئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ مگر اس
مختصر مضمون کو وسیع پیمانہ پر دیکھکر ہر شخص بتا سکتا ہے کہ یہ گھر دوزخ ہے یا نہیں۔

برخلاف اس کے اُس گھر کا حال ہے جو ایک شایستہ خاتون کے زیر نگرانی ہوتا ہے
جب اُسکا مالک گھر میں آتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ گھر کیا ہے۔ آئینہ خانہ ہے ہر حیثیت سے

صاف اور پاک۔ جس چیز کو دیکھتا ہے ستھری جس سامان کو دیکھتا ہے صاف۔ گرمی کا
موسم ہے تو پانی کا انتظام معقول ہے۔ صراحیاں قرینہ سے رکھی ہوئی ہیں۔ گلاس
موقع سے دھرے ہوئے۔ روشنی کا اہتمام بھی ضرورت کے موافق ہے۔ فرش فروش
کی صفائی سلیقہ مندی کی گواہی دے رہی ہے۔ غرض ہر ضرورت کی چیز موجود ہر سامان
اپنے قرینہ سے درست۔ بیوی صاف ستھری۔ بیگم بنی ایک طرف بیٹھی ہیں۔ میاں نے
گھر میں قدم رکھا اور کام کرنے والے انجن کو چابی دی گئی۔ ہر کام اپنے اپنے وقت پر
عمدگی سے ہونے لگا۔ جو تکلیف اور کوفت تمام دن اس شخص نے اٹھائی تھی سلیقہ شعار
بیوی نے چند منٹ کے اندر سب رفع کر دی۔ اور یہ شخص بالکل چاق و تندرست ہو گیا
پہلے حصہ کیطرح اس حصہ کو بھی وسیع پیمانہ میں دیکھکر ہر شخص بتا سکتا ہے کہ گھر
بہشت ہے یا نہیں؟

اسوقت تک جو کچھ مختصر طور پر لکھا ہے یہ فقط تمہید ہے۔ اب یہ بتانا باقی ہے کہ
بہشت و دوزخ دنیا میں ہماری ہی کوشش یا بے پروائی سے نظر آتا ہے۔ وہ کیا
تدبیریں ہیں جن کے ذریعے سے ہمارے گھر عموماً معنوی بہشت بن جائیں۔ اور یہ آخر کی
برتی جنکی بدولت جیتے جی ہمیں دوزخ کی آگ میں پڑنا پڑتا ہے بہت کم یا بالکل نابود ہو جائیں
اس کے لیئے ایک جداگانہ مضمون کی ضرورت ہے جو زیادہ متین اور مکمل ہونا
چاہیئے۔ اس کے متعلق میں وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی آیندہ پرچہ میں ناظرین ملاحظہ
فرمائیں گے۔ والسلام۔

راقم۔ احمد شفیع نیرؔ۔ از فریدآباد
(ضلع دہلی)

خدا تعالےٰ نے مخلوقات کے تین طبقے رکھے ہیں اعلےٰ اوسط ادنےٰ - اور اسفل یعنی سب سے گھٹیا،
حیوان کا طبقہ اعلےٰ شجر کا طبقہ ادنےٰ اور حجر کا طبقہ اسفل خیال کیا جاتا ہے - پھر ہر طبقے
کی مخلوق میں اعلیٰ ادنےٰ اور اسفل کے درجے ہیں - حیوان کے طبقے میں انسان سب
سے اعلےٰ ہے اشرف المخلوقات ہی جو کہلاتا ہے اسکے بعد فرض کرو کہ مثلاً ہاتھی ہے
کہ اس میں غصہ - افسوس - حیا - سمجھ اور کئی باتیں انسان کی سی ہیں - مگر بول نہیں سکتا
اس سے ادنےٰ ہے - وہ جاندار جنہیں جان کے سوا اور کوئی بات نہیں سب سے گئے گزرے
ہیں اسلیئے اسفل ہیں - شجر کے طبقے میں کھجور کا درجہ حیوانوں میں انسان کی طرح سب سے
اعلےٰ مانا گیا ہے - اسکی شکل ہی درخت کی سی ہے باقی تمام باتیں حیوانوں کی سی ہیں
اور کئی صفتوں میں انسان معلوم ہوتی ہے - مثلاً سر کاٹ دو - مر جائے گی - چوٹی تک
پانی میں غرق ہو جائے زندہ نہ رہے گی - شادی نہ کرو پھل نہیں دیگی یہ آخری بات
بالکل ڈھکوسلا معلوم ہوتی ہے - مگر سچ ہے اور حیرت انگیز - حیوانوں کیطرح کھجوروں میں
بھی نر اور مادہ ہوتے ہیں جس نخلستان میں دونوں جنسیں موجود نہ ہوں پھل نہیں آتا -
آپس میں انس اور محبت کی صفت بھی ہے جو عشق کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے
کھجور کے حکیم اسکو مرض خیال کرتے ہیں اور بیماری کی طرح علاج کیا جاتا ہے
جس درخت سے محبت ہو اگر پاس ہے تو جھکتے جھکتے جا ملتی ہے جو دور ہوتا ہے تو
اس کی طرف جھک کر تیا تا دیتی ہے اس درخت میں بھی تھوڑا سا خم اسکی طرف نظر
آتا ہے اگر باغبان جلد نہ سمجھے اور دو چار ٹہنیاں یا پھول اس درخت کے اس سے
لا کر نہ ملا دے تو سوکھ سوکھ کر مر جاتی ہے - مثل مشہور ہے کہ آدمی سا سخت بھی
نہیں اور آدمی سا نرم بھی کوئی نہیں، مطلب یہ ہے کہ نازک مزاج بھی ہے اور سختیاں بھی
آدمی ہی جھیلتا ہے یہی کیفیت کھجور کی ہے - ماندی ہو جائے - ایک قسم کی کھاد اور
پانی سے اکتا جائے - بہت طاقت سے بھی بیمار پڑ جائے - دہشت سے دہل کر مر جائے

سردی گرمی اور اچھی بری آب وہوا کا اثر ماننے۔ دق برص۔ یرقان، خارش، جذام، اور دیگر انسانی امراض میں مبتلا ہو کر علاج بغیر اچھی نہ ہو، ان نازک مزاجیوں پر یہ سخت جانی بھی ہے کہ متواتر قحط سالیوں میں اگر کوئی درخت سرسبز رہتا ہے تو وہ کھجور ہے درخت کیا ہے خاصہ حیوان ہے نقطے کا ٹھہ میں پاؤں ٹھوک دیا ہے بقول زیب النسا بیگم کہ

سرسبز امیرم حکم خدا زنجیر پاست۔

کھجور کا خاندان درختوں میں "پام" کہلاتا ہے۔ اصلی باشندہ کسی جزیرے کا معلوم ہوتا ہے عربوں کا خیال ہے کہ خلیج فارس میں اور یورپ والوں کی تحقیقات کے مطابق جزائر کناری میں کوئی جزیرہ اس کا وطن ہے وہاں سے مسافروں کی طرح چل کر افریقہ اور بحر قلزم کے کنارے ملکوں میں اور عرب فارس اور ہندوستان میں پھیلا ہے سب سے زیادہ قدر اسکی عرب میں ہوئی اہل عرب اسکی تعظیم اور محبت خدا اور رسول کا حکم سمجھتے ہیں اسکے بوٹے پالنے۔ اور علاج معالجہ کے طریقوں سے خوب واقف ہیں اُن کے بڑوں نے اسکے احوال اور تحقیقات میں بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ خدا نے کھجور اور اونٹ دیکر اہل عرب کو جنگل بیابان میں چھوڑ دیا تھا انھوں نے ان دو چیزوں کی مدد سے اپنی تمام ضروری چیزیں مہیا کرلیں بلکہ عیش اور تکلف کے سامان بھی بنا لئے کھجور کے فائدے اور استعمال بے شمار ہیں جڑ سے شروع اور پھننگ پر ختم ہوتی ہیں جڑیں تنہ۔ پوست۔ پتہ۔ شاخیں۔ پھول پھل۔ گٹھلیاں۔ پھولوں کے لفافے۔ ڈنٹھیاں ریشہ راکھ بلکہ مہک اور دھونی تک ایک ایک چیز ہزار ہزار فائدوں سے بھری ہے اتنی دوائیاں کھجور کے اجزا سے تیار ہوسکتی ہیں کہ الماریاں بھر جائیں اور اتنی مٹھائیاں بن سکتی ہیں کہ حلوائی کی دوکان پھٹ پڑے، اور اتنا قسم قسم کا سامان۔ ساخت کیا جاسکتا ہے کہ مکان کی کوٹھڑیاں کمرے اور دالان توبہ توبہ پکارنے لگیں۔ کھجور کی دبی آگ مہینوں گل نہیں ہوتی جڑ کو پانی میں جوش کرو تو نہایت خوش رنگ سرخ رنگ نکل آئے

جلی ہوئی راکھ بڑی قیمتی کھاد کا کام دے، لکڑی پانی میں گلے نہ گھن کھائے اور نہ دیمک لگے۔ چھتوں میں شہتیر کی جگہ ڈالی جائے پلوں میں پڑے تختوں سے کشتیاں جہاز میزیں، کرسیاں صندوق الماریاں، پلنگ، مسہریاں، جو چاہے اور جیسی چاہے بناؤ ستون اور کولہو کے لیئے تو گویا قدرت ہی نے گول بنایا ہے۔ پوست۔ اور پھولوں کے غلاف سے عمدہ برتن اور ڈونگے بنتے ہیں جنمیں یہ خوبی ہوتی ہے کہ پانی میں گلتے نہیں اور بھیگ کر خوشرنگ نکلتے ہیں انیں پانی پینا اکثر بیماریوں کو دفع کرتا ہے پوست کے ریشہ سے رستے اور رسیاں بہت مضبوط بنتی ہیں جہاز کے کام دیتے ہیں اور جلد اور بدن کی بیماریوں کے لیئے دوا کی دوا ہیں۔ پوست کی دھونی سے مچھر وغیرہ ستانے والے جانور مر جاتے ہیں۔ شاخوں اور پتوں کے ریشہ سے کپڑا بننے، کاغذ بننے، خوبصورت اور نازک پردے، پانداز، جالیاں، ٹیٹاں، صندوقچے، صندوقچیاں ٹوپیاں، ٹوکریاں، جانمازیں سیتل پاٹیاں، پنکھے، سائیاں اور بہت سی خوبصورت اور نفیس چیزیں کاریگر لوگ بناتے ہیں۔ شاخوں سے چھت میں ایسا خوبصورت جال لگا کام بناتے ہیں کہ خاتم بندی کو مات کرتا ہے۔ پتوں سے مرہم بنتا ہے اور نمک بھی نکلتا ہے آنکھوں میں بطور دوائی کے سرمہ کے پڑتا ہے اور بہت سے امراض چشم کو اکسیر ہے کھجور کا گوند بھی ہوتا ہے۔ لکڑی کے اندر کا نرم گودا سالن میں ترکاری کی جگہ پڑتا ہے آچار مربے ڈالے جاتے ہیں دوائی کیطرح استعمال جدا ہے۔ پھولوں کی ڈنڈی آگ جھاڑنے میں چقماق اور دیاسلائی کی قائم مقام ہے پھولوں کی خوشبو سے دل و دماغ میں قوت ہوتی ہے ان کے سفوف کا ابٹنا خوشبودار اور فساد جلد کو بہت مفید ہے اکثر مفید شربتوں عرقوں اور جوارشوں معجونوں وغیرہ کے نسخوں کا جزو اعظم ہیں کچے پھل طرح طرح سے بیسیوں بیماریوں کی دوا ہیں پکے پھل خود تو خیر مٹھائی کی ڈلیاں ہیں مگر ان سے ہزاروں طرح کی مصنوعی مٹھائیاں اور حلوے تیار ہوتے ہیں

یسکر آٹا ہو جائیں میٹھی روٹی پکا لو، اچار مربے ڈالو، سرکہ بنائیں۔ شراب ہو جائیں، حکیموں کا تجربہ ہے کہ کھجور کی غذا کھانے والوں نے ڈیڑھ ڈیڑھ سو برس کی عمرین پائی ہیں۔ تندرست رہتے ہیں ساری قوتیں بنی رہتی ہیں اسکی غذا انسان کو قدرتا راس ہے حلق سے اترتے ہی بہت جلد خون بن جاتی ہے۔ گٹھلی کی تسبیحیں اور بہت سی چیزیں بنتی ہیں ابلی ہوئی گھٹلیاں اونٹ اور گھوڑوں کے لیئے بڑی مفید خوراک ہیں مختصر یہ کہ سر سے لیکر پاؤں تک ذرہ ذرہ اور ریشہ ریشہ اِس عجیب وغریب درخت کا کار آمد ہے جو جو چیزیں اسکی ذات سے آرام عیش اور ضرورت کی پیدا ہیں اور انسان ذرا سی عقل کی مدد سے پیدا کر سکتا ہے اُنکے لحاظ سے کھجور کو عمر عیار کی زنبیل کہیں تو بجا ہے آدمی کا کھانا کپڑا۔ کاغذ برتن۔ مکان۔ سامان۔ جہاز کشتی دوا۔ نمک گوند۔ آگ۔ رنگ خوشبو۔ عرق شراب سرکہ جانوروں کا چارہ غرض کوئی چیز ایسی نہیں جو بیبی اُس کے لیے جنت سے اپنے ساتھ جنگل میں لیکر نہ آئی ہوں! بھتیجے چھیڑتے ہیں کہ "بی نیل کی پیتی" وہ بھی تو بھول کر نہیں آئیں ساتھ ہی لائیں" یعنے کھجور سے روغن بھی نکلتا ہے۔ ہمارے حضرت نے بیٹی کے جہیز میں کھجور کا درخت کیا دیا تھا غور کرو تو دنیا جہان کا سرو سامان ساتھ کر دیا تھا۔

کھجور کا درخت باغی اور جنگلی دونوں طرح کا ہوتا ہے، مگر دونوں میں شہری اور گنوار کا فرق ہے۔ قحط اور صحرا کی بے سرو سامانی میں خدا نے اسے انسان کا رفیق پیدا کیا ہے۔ اس لیے جہاں آدمی رہ سکتا ہے وہاں یہ بھی سرسبز ہو جاتا ہے پانچ ہزار فٹ اونچے پہاڑوں پر اور سمندر کے کناروں پر یکساں دیکھا گیا ہے۔ اِسکی عمر میں اختلاف ہے مگر سو برس سے کوئی کم نہیں بتاتا گہری جڑیں پکڑ لیتا ہے تو ستر، اسی، اور سو فٹ تک بلند ہو جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ "دادا لگائے اور پوتا کھائے" مگر ذرا سا مبالغہ ہے کیونکہ کھجور کا باغ دس برس میں پھل دینے لگتا ہے اور بڑی قیمتی جائداد

ہوتا ہے۔ تین سو درخت کا باغ ڈھائی ہزار کی لاگت میں تیار ہوتا ہے اور دس برس میں چھ سو روپیہ سالانہ کی خالص آمدنی مالک کو ہونے لگتی ہے۔

کھجور کے متعلق جتنی باتیں ہیں اکثر عجیب ہیں۔ اِس کا پھول لمبی لمبی قدرتی تھیلیوں میں بند پیدا ہوتا ہے جب پھول اِن تھیلیوں میں پرورش پا رہا ہو تو غلاف کو آہستہ ہاتھ سے ہلانے سے سریلی آوازیں سنائی دیتی ہیں کیا خدا کی شان ہے کہ باجا بھی اسی درخت میں سن لو! جب کوئی کھجور فقط شوخی سے پھل نہیں دیتی تو باغبان کلہاڑی لیکر جڑ کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے "میں تو اسکو کاٹ کر گراتا ہوں کس کام کی ہے" دوسرا آدمی جو سکھایا ہوا ساتھ ہوتا ہے منع کرتا ہے "رہنے بھی دو بڑی اچھی کھجور ہے پھل دے گی اب کی برس تو نہ کاٹو" باغبان نہیں مانتا۔ اور کاٹنے ہی پر تلا جاتا ہے۔ دوسرا آدمی بمشکل تمام منتیں کر کے اُسے باز رکھتا ہے اس دھمکی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ دوسرے سال وہ کھجور پھل دیتی ہے! کھجور کے باغ کو نخلستان کہتے ہیں وہاں کی سیر قابل دید ہے کوئی سیدھی کھڑی آسمان سے باتیں کر رہی ہے کوئی سرنگوں پڑی ہے۔ کوئی ایسی جھکی ہوئی ہے کہ کہ رہی ہو جھولا ڈال لو۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحنِ مسجد میں جماعت کی نماز تو ہو چکی ہے لیکن سب نمازی بے قرینہ پھیلے ہوئے الگ الگ نفل اور سنتیں پڑھ رہے ہیں کوئی الحمد میں کھڑا ہے کوئی سجدہ میں پڑا ہے کوئی رکوع اور سجدہ میں جا رہا ہے۔ کوئی سجدہ اور رکوع سے اُٹھ رہا ہے کسی کی گردن خم کھا کر ذرا سی مڑ گئی ہے تو سلام پھیرنے کا انداز بھی موجود ہے۔

یہ درخت اپنی خوبصورتی اور شان میں سب جگہ مشہور اور مقبول عام ہے کڑوے نیم کی طرح نہیں کہ دہلی میں لوگوں نے دیکھا اور بمبئی میں نام ہی سنا ہے آگے کوئی جانتا ہی نہیں؟ اسکے نام پر نام بہت جلد مشہور ہو جاتا ہے۔ ایک بی

کھجور اعنا، نہیں کہ اُنہوں نے اپنے میاں (تاڑ محمد) پر نالش کر دی تھی مدتوں اُنکا نام جھنڈے پر چڑھا رہا۔ دہلی میں کوئی بی کھجوری گذری ہیں اُن کی اولاد سادات کھجور کہلاتی ہے۔ کھجور کی مسجد اور کھجور والے مکان کا اتہ پتہ دینا ضروری نہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ "کھجور کے پہلو میں ہلال کی تصویر، ہندوستان میں مسلمانوں کا قومی نشان ہے۔

جسطرح کسی تقریب کے آخر میں مٹھائی تقسیم کیجاتی ہے ہم کھجوروں بھری ایک میٹھی غزل پر اپنا مضمون ختم کرتے ہیں +

غزل

دور سے باغیں پہلے نظر آتی ہے کھجور
سب متوں کو بلندی میں ہٹھاتی ہے کھجور

ڈر نہیں لگتا ہے؟ اللہ رے دیدہ تیرا۔
دیکھ تو نیچے ذرا کیا تری جاتی ہے کھجور

دٹ جائیں کہیں ہم، چرخ کہن گر نہ پڑے
چھت میں اللہ کی اٹروا لگاتی ہے کھجور

ساف کرتی ہے سما بانس کی جھاڑو بنکر
جالے لینے کے لیئے ہاتھ بڑھاتی ہے کھجور

سنتا ہے جو پتوں میں ہوا کا جھونکا
ناش کو کر کے بلاؤں کو اُڑاتی ہے کھجور

شوخیاں کرتی ہے۔ کیا کانٹوں بھری ٹہنی سے
چٹکیاں لیکے فرشتوں کو ستاتی ہے کھجور

ھو کے میدان میں کرتی ہے فلک سے باتیں
تاڑ لیں اہل نظر حق کو بھی بھاتی ہے کھجور

گر نہیں، یہ تو بتا تو ہی کہ کیا مطلب ہے
اتنی اُونچی جو ہوا میں چلی جاتی ہے کھجور

نخلستاں میں تجھے چل کے ذرا سیر کریں
اپنے انداز سے کیا کیا تو سکھاتی ہے کھجور

میم نبتی ہے محمدؐ کا جھکا کر گردن
الف اللہ کا جب سر کو اٹھاتی ہے کھجور

کوئی سجدے میں پڑی ہے کوئی سیدھی کھڑی
اور کوئی بھر رکوع خم ہوئی جاتی ہے کھجور

میٹھا ہوتا ہے (جتاتی ہے) عبادت کا ثمر"
اپنی تسبیح کا دانہ جو گراتی ہے کھجور

"راستی وجہ بلندی ہے اگر غور کریں"
تیری قامت کی درازی یہ بتاتی ہے کھجور

کناری- وغیرہ زبانوں کا ہے- علاوہ بریں ہر ایک صوبے میں مختلف اقوام آباد
ہیں جنکی زبانیں الگ الگ ہیں اور ایک قوم کے لوگ گو اوسی صوبے میں صدیوں سے
بود و باش رکھتے ہیں دوسری قوم کی زبان سے بالکل ناآشنا ہیں- مثلاً بنگال میں
جو ہندوستان کی اصلی اقوام بہیل گونڈ وغیرہ رہتے ہیں وہ نہ بنگالی بول سکتے ہیں
اور نہ اونکی زبان بنگال کے دوسرے باشندے جو آرین نسل کے ہیں سمجھ سکتے
ہیں- اسی طور پر ہر حصۂ ہندوستان میں مختلف قومیں ایسی آباد ہیں جنکی زبانیں
مختلف ہیں- لیکن جن لوگوں نے کل ہندوستان کی سیر کی ہو اور مختلف شہروں کا
تجربہ حاصل کیا ہو وہ اِس بات کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ اسوقت اتفاقات زمانہ
سے ایک ایسی بھی زبان پیدا ہو گئی ہے جو کل ہندوستان کے بڑے بڑے
تجارتی شہروں میں لوگ کم و بیش بول اور سمجھ سکتے ہیں اور وہ زبان اُردو- یا
ہندوستانی ہے- اِسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُردو زبان کو کسی ایک ماخذ پر محدود
نہیں کیا گیا ہے- وہ گو افعال وغیرہ کی ساخت کے لحاظ سے زیادہ تر سنسکرت
سے ماخوذ ہے لیکن اوسکا دائرہ سنسکرت سے بہت وسیع ہو گیا ہے- ہزارہا الفاظ
غیر زبانوں سے آکر اوسمیں شامل ہو گئے ہیں- علاوہ فارسی- عرب- ترکی- انگریزی
کے ہزارہا الفاظ کے ہندوستان کی مختلف زبانوں کے الفاظ اور محاورات
اُردو یا ہندوستانی میں آکر شامل ہو گئے ہیں- اسلئے ہر فرد بشر باشندہ
ہندوستان کا حق ہے کہ وہ ہندوستانی یعنے ہندوستان کی زبان کو اپنی ہی زبان
سمجھے اور یہی وجہ ہے کہ ہر ایک صوبے اور ہر ایک تجارتی منڈی میں اگر کوئی زبان
باہمی خیالات کے تبادلے کے لئے مخصوص کی گئی ہے تو وہ اُردو یا ہندوستانی
زبان ہے- ہمارے حکام یعنے انگریزی سویلین لوگوں نے بھی اگر اپنے اور
رعایا کے درمیان کوئی زبان بات چیت کے لئے مخصوص کی ہے تو وہ یہی اُردو

بہت کم سلیقہ ہے۔ یعنے وہ پورے طور پر نہیں جانتے کہ کونسے رنگ کے ساتھ دوسرے کس قسم کے رنگ بلکر خوبصورتی پیدا کر سکتے ہین۔ چونکہ ہم خود اس فن سے ماہر نہیں ہیں اسیلئے یہ نہیں بتا سکتے کہ کسطور پر مختلف رنگ ملانے چاہئیں۔ انگریزی لیڈیز اس فن کو بخوبی جانتی ہیں۔

ہم گذشتہ پرچہ میں لکھہ چکے ہیں کہ ہمکو اصولاً لیڈیز کانفرنس سے اختلاف نہیں لیکن ہم اس تحریک کو قبل از وقت ضرور خیال کرتے ہیں۔ لیکن نمائش کے دیکھنے کے لیئے اگر کوئی لیڈی علیگڈہ تشریف لانا چاہیں تو ہم بڑی خوشی سے اُن کی رہائش و آرام کا انتظام کر سکتے ہیں اور اس بات کا بھی اہتمام کر سکتے ہیں کہ کانفرنس ہال میں وہ پس پردہ لکچر وغیرہ سن سکیں۔

مستورات کی تعلیم کا پورا انتظام اوسوقت تک ممکن نہیں جبتک علی گڈہ کا نارمل اسکول قائم اور کامیاب نہ ہو۔

پس ہمارے کل ناظرین اور دیگر ہی خواہان تعلیم نسواں کا فرض ہے کہ وہ بہت جلد اس اسکول کو کامیابی کے درجہ تک پہونچائیں علاوہ بریں لیڈیز کانفرنس اور نمائش اور کل کام جو ہماری لیڈیز کی ترقی و بہبودی کے متعلق ہیں اون سب کا انحصار اس اسکول کے جاری ہونے پر ہے۔ ہمارے پاس ایک زنانہ مدرسہ اور متعدد پردے کے مکانات ہو جائیں گے۔ ہمارے اسکول کی استانیاں اور منتظمہ دن رات اِس بات کی فکر میں رہیں گی کہ اپنے ملک کی شریف مستورات میں علم اور روشنی پھیلانے کی نئی نئی تدبیریں نکالی جائیں۔ اور اسی طور پر انشاء اللہ ہماری مستورات کے لیئے یہ اسکول وہی کام دے گا جو

کام علیگڈھ کالج مردوں کی تعلیم کے لیئے دے رہا ہے۔

ہمیں اس بات کی نہایت خوشی ہے کہ ہماری لیڈی نامہ نگاروں کی تعداد میں
صرف روز بروز اضافہ ہی نہیں ہوتا جاتا ہے بلکہ اونمیں سے اکثر اس قابلیت اور
سلیقے سے مضامین لکھتے ہیں کہ معمولی تعلیم یافتہ مرد بھی نہیں لکھہ سکتے۔ ان شریف
پردے کی بیٹھنے والیوں نے نہ کبھی اسکول میں تعلیم پائی اور نہ کالج میں نہ یہ عربی
علم سے ماہر اور نہ انگریزی سے محض اُردو زبان کے ذریعے سے ان تک روشنی
پہونچی ہے۔ لیکن اون کی قدرتی ذہانت نے اس خفیف روشنی کو وہ چند کر کے
دکھایا ہے۔

چونکہ ہمارے دلمیں اپنے ملک کی مستورات کی بہبودی اور ترقی کا خاص خیال ہے
سلیے اگر ہم بطور نصیحت یا ہدایت کے کوئی بات کہیں تو امید ہے کہ ہماری بات
نیک نیتی اور خیر خواہی پر محمول کیجائے گی اور ہماری بات پر عمل بھی کیا جائیگا
ہم چاہتے ہیں کہ ہماری لیڈی ناظرین اپنے علم کے سرمایہ میں ترقی اور اضافہ کرنے
کی کوشش کریں۔ تاکہ وہ اعلی درجے کے مضامین اور خطوط لکھنے لگیں اور
نیز اونکو علمی باتوں سے خوشی حاصل ہو۔ اُردو لٹریچر میں استعداد اور قابلیت
بڑھانے کے لیئے مولنا محمد حسین صاحب آزاد اور سر سید احمد خاں مرحوم اور
مولنا حالی صاحب اور مولنا نذیر احمد صاحب دہلوی کی تصنیفات کی ہم خاص طور پر
سفارش کرتے ہیں اور علاوہ بریں تاریخی تعلیم کے لیے مولنا شبلی صاحب نعمانی
کی کتابیں پڑہنی چاہیں۔ آجکل سر رشتہ تعلیم پنجاب میں جو چھوٹے چھوٹے رسالے
پڑھائے جاتے ہیں وہ بھی بہت ہی مفید ہیں۔

ناظرین خاتون کو اکثر یہ دیکھکر سخت تکلیف ہوتی ہوگی کہ کتابت و تحریریں سخت غلطیاں ہوتی ہیں بعض جگہ فقرے اور الفاظ چھوڑ دیئے جاتے ہیں ہم ناظرین کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم سے بڑھکر کسی شخص کو رنج اور تکلیف نہیں پہونچتی غلطی کو دیکھکر دل پر چوٹ لگتی ہے اور ہم محسوس کرتے ہیں۔ انکی اصلاح ہمارا فرض ہے۔ لیکن ہم معذور ہیں۔ غلطیاں بار بار درست کیجاتی ہیں لیکن جب کاپیاں چھپکر آتی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ درست نہیں کی گئیں۔ کاتبان اور نیجران پریس صرف سیاہی سے سفید کاغذ پر حروف اور نشان قایم کرنے اپنا فرض خیال کرتے ہیں اور باقی مطلقاً کسی قسم کی اخلاقی یا قانونی ذمہ داری اپنے اوپر فرض نہیں سمجھتے۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب مالک مطبع اس بات کا ذمہ لیں کہ وہ ہمکو رسالہ صحیح چھاپ دیا کریں گے اور وقت پر بھی دیدیا کرینگے تو ہم بڑی خوشی سے چھپائی اور کتابت کا کام اُن کے سپرد کر دینگے - فقط

ہم آیندہ پرچے میں اپنی معزز اور نہایت قابل قدر نامہ نگار ابرو بیگم صاحبہ رئیسہ بمبئی کی شادی کا حال درج کرینگے لیکن اسوقت صرف اس بات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ ابرو بیگم صاحبہ نے اپنی معزز ہمشیر فاطمہ بیگم صاحبہ کی معرفت اپنے خاندان والوں اور نیز دلہا والوں سے یہ خواہش کی ہے کہ بجائے اسکے کہ ہم دونوں طرف سے ہزار ہا روپیہ ظاہری شان شوکت اور فضول شادی کی رسموں میں صرف کریں مناسب یہ ہے کہ یہ روپیہ زنانہ نارمل اسکول علیگڈھ کو دیا جائے۔ آفریں صد آفریں اس روشن خیال خاتون کی قومی ہمدردی اور اعلیٰ قابلیت پر۔

راجہ اعظم شاہ صاحب سابق طالب علم کالج کی ریاست سے جو کورٹ آف وارڈس کے تحت انتظام ہے زنانہ نارمل اسکول کیلئے مبلغ ایک ہزار روپیہ نقد وصول ہوئے ہیں۔ ہم راجہ صاحب موصوف اور نیجران کورٹ کا تہ دل سے مشکور و ممنون ہیں۔

اعلان

اِس رسالہ کی قیمت نظر برحال موجودہ (مے) سالانہ
رکھی گئی ہے۔ اور ششماہی (عہ۱۲) فی پرچہ (۵/۱)
درخواستیں بنام شیخ محمد عبداللہ صاحب بی۔ اے۔
ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل ہائیکورٹ علی گڈھ آنی چاہئیں۔
قیمت ہر حال میں پیشگی لیجائیگی۔

تمام مضامین اڈیٹر کے پاس آنے چاہئیں۔

خاتون

۱- یہ رسالہ ۴۰ صفحہ کا علی گڈھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اس کی سالانہ قیمت [illegible]

۲- اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳- مستورات میں تعلیم پھیلانی کوئی آسان بات نہیں اور جب تک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی اُمید نہیں ہوسکتی چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور اُسکے بیبہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اس کی طرف ہم ہمیشہ مردونکو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴- ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا۔ کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جاوے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُنکو ضرورت محسوس ہو۔ تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم پڑھنے سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵- ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶- مستورات کے مضامین اور خطوط جیسے بھی ہونگے ہم ضروری اصلاح کے بعد شائع کردینگے۔

۷- اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیئے اسکو خریدنا گویا اپنی مدد آپ کرنا ہے۔ اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اتانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا

ایم-اے-او کالج کی بڑی بہی خواہوں میں سے ہیں۔ وہ ایم-اے-کالج کے طالبعلموں کی
خوشحالی اور ترقی کی ایسی طالب ہیں جیسے کوئی اپنے عزیزوں کی ترقی کا طالب ہو۔ اور
جب کوئی طالب علم ہندوستان سے تعلیم کی غرض کے لیئے جاتا ہے تو وہ اُن کو
اپنے مکان پر ٹھیراتی ہیں اور اُنکی آسایش و آرام کے لیئے سامان مہیا کرنے میں
پوری مدد دیتی ہیں۔ اُنکی وجہ سے ہمارے طالب علم یہ کہتے ہیں کہ گویا لنڈن میں ہماری
بڑی ہمشیرہ تشریف رکھتی ہیں اور ہندوستان سے ہم کسی غیر ملک کو نہیں جا رہے
بلکہ اپنی مکرمہ ہمشیرہ کے گہر جا رہے ہیں۔ وہ ایم-اے-کالج-ایسوسیشن اور انڈین
ایسوسیشن کی ممبر ہیں۔ اور کالج کی ہر طرح کی حمایت کرتی رہتی ہیں +

جو مضمون اُنھوں نے ہمارے پاس بہیجا ہے وہ دراصل ایک اعلیٰ مذاق پر
مبنی ہے اور جبتک کوئی شخص قدرتی مناظر کی دلچسپیوں کا احساس نہ رکہتا ہو وہ اِس
مضمون سے پورا لطف نہیں اوٹھا سکتا۔ جس قصر برجی پر مضمون لکھا گیا ہے اُسکی
تصویریں ہمارے پاس آئی ہیں لیکن ہم مجبور ہیں کہ اِس پرچے میں اُس کے چھپوانے
کا انتظام نہیں کر سکتے۔

اڈیٹر

انگلستان کے ساحل جنوب سے ملا ہوا کچہہ تہوڑے فاصلہ پر سمندر میں ایک چھوٹا سا
جزیرہ ہے، جسپر نیلا آسمان چھتر بنا ہوا ہے اور ہوا جہونز کرتی رہتی ہے۔ یہ جزیرہ حقیقت میں
ایک چھوٹی سی اونچی پہاڑی ہے، اور بس اتنا ہی بڑا ہے کہ جب سمندر میں پانی کا اُتار
ہوتا ہے تو آدمی حد کا درجہ بیس منٹ میں اِس کے گرداگرد چکر لگا سکتا ہے۔ اِس پہاڑی
کی چوٹی پر ایک قدیمی خوبصورت سا قلعہ گویا انگوٹھی میں اُبھرا ہوا نگ لگا ہوا ہے۔ سچ پوچھو
تو دنیا بہر میں اِس موقعہ اور فضا اور وضع کی کوئی عمارت نہیں۔ اِس قلعہ میں صدہا سال سے
آدمیوں کی بستی ہے جسوقت سمندر میں چڑھاو آتا ہے تو قلعہ کے چاروں طرف پانی ہو جاتا
ہے، اور اگر طوفان اور پانی میں تلاطم ہو تو کشتی اور جہاز کیا مجال جو ادہر کا رخ کر سکیں

پھر کسی کی وہاں تک رسائی نہیں ہوسکتی۔ مگر جس وقت پانی کا اُتار ہوتا ہے تو ایک پتھریلی ٹیلا دکھائی دیتی ہے، اور انسان ڈگر ڈگر پندرہ منٹ میں کنارہ سے پہاڑی تک پہنچ جاتا ہے۔ جب کبھی پانی کا تلاطم کئی دن تک رہتا ہے۔ تو اسکا اثر عرصہ تک باقی رہتا ہے۔ اور پانی کے اُتار کے وقت بھی ادہر کا آدمی اُدہر اور اُدہر کا آدمی ادہر نہیں آ سکتا۔ ایسے موقعوں پہاڑی والے اپنی دُنیا میں بند اپنے اندوختہ اور اپنے چشموں اور کنوں سے بھوک پیاس بجھاتے ہیں +

اس پت یہی قلعہ میں جس کا نام حضرت میکائیل کی قصر برجی ہے، ایک چھوٹا سا خوبصورت ساگرجا ہے جیسے دلی کے قلعہ میں ننہی سی خوبصورت مسجد ہے، جسکو موتی مسجد کہتے ہیں۔ یہاں کئی صدیاں گذریں بہت سے عیسائی راہب) جیسے ہندوؤں میں سادہو اور مسلمانوں میں تارک الدنیا فقیر) رہا کرتے ہتے، ہر وقت خدا سے لو لگائے ہوئے دن رات عبادت میں گذارتے ہتے۔ وہ حضرت میکائیل کی خاص حفاظت میں رہتے ہتے جنکو مسلمان اور عیسائی دونوں خدا کا فرشتہ مانتے ہتے، اور جنہوں نے شیطان نافرمان کو خدا تعالے کے حکم سے "بزندان لعنت گرفتار" کیا تہا۔ اس قلعہ سے قریب سامنے ہی کے رُخ ایک چھوٹی سی بستی ہے جسکا نام اوڑہنی پتھر ہے۔ اس بستی کے متعلق ایک دلچسپ قصہ مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن شیطان اسطرف کنارے کنارے اوڑتا پھرتا تھا اور پتھر چنتا پہرتا تہا، اور اس کا ارادہ یہ تہا کہ دوزخ کی زمین کا فرش ان پتھروں سے بنائے۔ مگر شیطان کی بدقسمتی کہ اسکو حضرت میکائیل وہاں مل گئے۔ چونکہ یہ علاقہ حضرت میکائیل کی خاص حفاظت میں تہا، بہلا ان کو کیونکر گوارا ہو سکتا تھا کہ شیطان ملعون کا اسطرف گذر ہو۔ چنانچہ ہوا میں شیطان اور حضرت میکائیل کی خوب لڑائی ہوئی۔ آخر حضرت میکائیل کی فتح ہوئی اور شیطان پر ایسا خوف چھایا اور وہ ایسا گھبرایا کہ پتھر چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ شیطان کے ہاتھ سے چھوٹ کر جس جگہ یہ پتھر

گرا ںجگہ کا نام "ہیل ستون"، یعنے جمنی پتہر مشہور ہوگیا، اور آج تک یہی نام چلا آتا ہے +
یہ پہاڑی اب ایک دولتمند انگریز رئیس کی ملکیت ہے اور وہ اور اسکا خاندان قصر
بُرجی میں رہتے ہیں۔ اس کے پوتے اور پرپوتے پہاڑی کے ڈہلانوں پر کہیلتے کودتے
پہرتے ہیں۔ جب موسم بہار آتا ہے، پہول کہلتے ہیں اور پہاڑی پر پہولوں کی چادر سی
ڈہک جاتی ہے، تو یہ بچے رنگ برنگ کے خوبصورت پہول چنتے دکہائی دیتے ہیں
پچاس سال سے زیادہ ہونیکو آئے کہ اِس قصر برجی میں رئیس صاحب کے ہاں ہماری ہردلعزیز
ملکہ معظمہ مرحومہ اپنے شوہر عالی جاہ کے مہمان تشریف لائی تہیں، اور قصر بُرجی کے دروازہ
میں جہاں انکا پہلا بہاگوان قدم پڑا تہا، ایک سونے کا قدمچہ، گویا سونے کا نقش پا، ان کے
چہوٹے سے خوبصورت پاؤں کے برابر، پتہر میں بطور یادگار کندہ کرادیا گیا ہے۔ انگلستان
میں یہ رسم ہے کہ جب فصل کٹتی ہے، تو سب لوگ اپنے گرجاؤں میں جمع ہوتے ہیں۔
گرجاؤں کو خوش رنگ فصلی پہولوں کے ہاروں اور سنہری پتیوں سے سجاتے ہیں
اور خوش ذائقہ پکے فصلی میوؤں کی ٹوکریاں لٹکاتے ہیں، اور اسیطرح اپنے رزاق
بزرگ و برتر کے احسانات کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ مگر قصر برجی کے اطراف میں یہ کہیت اور
یہ میوے کہاں! - وہاں تو چاروں طرف پانی اور پانی کا جوش و خروش اور کالے
پہاڑ سے ٹکرانا اور سر دے مارنا ہی دکہائی دیتا ہے۔ اسلئے فصل کے وقت ان میاں
رئیس کے بچے اور نوکر اور ماہی گیر قصر برجی کے نیچے سے گرجا کو مچہلی کے جالوں، چاندی
کے سے رنگ کی مچہلیوں کے ہاروں سے، اور بڑی بڑی سیپوں سے اور گہونگے
اور اسہی قسم کے خوشنما دریائی جانوروں سے، جو مچہیرے پکڑتے ہیں، سجاتے ہیں،
اور اِس طرح "دریائی فصل" کی بابت خدا تعالے کے فضل و انعام کا شکریہ ادا کرتے
ہیں +

ج۔ بیگ

صلاح و فلاح

مس نصیر الدین حیدر صاحبہ کے نام سے غالباً ہمارے ناظرین بخوبی واقف ہونگے خاتون کے جاری ہونے سے پیشتر ہمنے مس نصیر الدین حیدر صاحبہ اور سہروردیہ صاحبہ اور آبرو بیگم صاحبہ وغیرہ اپنی قوم کی معزز اور قابل نامہ نگار خواتین کے مضامین کو دیکھکر اس بات کا اندازہ کر لیا تھا کہ اسوقت چند مسلمان تعلیم یافتہ روشن خیال لیڈیز ہماری قوم میں پیدا ہو گئی ہیں جو ایک اعلے درجے کا میگزین جاری کرنے میں حسب دلخواہ مدد دے سکتی ہیں۔ ہمارا قیاس ٹھیک نکلا اور ہم مس نصیر الدین حیدر صاحبہ کے خاص طور پر مشکور ہیں کہ وہ ہر معاملہ میں جو بیبیوں کی بہتری و بہبودی کے لیئے اُٹھایا جاتا ہے پوری مدد دینے پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ ہمنے ابتک میں صاحبہ موصوفہ سے اسکول کے قایم و جاری کرنے میں امداد کی باضابطہ خواہش تو نہیں کی لیکن انکی ہمدردی اور قومی جوش اونکو کب چین لینے دیگے۔ اور وہ خود بخود غالباً ہماری اعانت کے لیئے تیار ہو جائینگے اور ہمکو درخواست کی بھی ضرورت نہ پیش آئے گی اسوقت بڑا کام یہ ہے کہ علیگڈھ کا نارمل اسکول فوراً جاری کر دیا جائے اور اس کے لیئے روپے کی سخت ضرورت ہے۔ جناب ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال کے اقبال اور ملک میں خدا ترقی دے انھوں نے اسکول کی بنیاد قایم کرنے کے لیئے ایک معقول عطیہ دیدیا ہے۔ اب ہماری لیڈی ناظرین اور دیگر بہی خواہان تعلیم نسواں کو پوری توجہ اور کوشش سے چندہ فراہم کرنا چاہیئے تاکہ اس سال میں اسکول جاری ہو جائے۔

ایڈیٹر

اے خاتون کی معزز ناظرینو! جو کچھ میں اسوقت آپسے عرض کرنا چاہتی ہوں

ہاتھ رکھ لیا ہے۔ اگر ہم بے علم ہیں تو اُن کی بلا سے۔ اور اگر محض کرہیں تو اُن کی بیزار سے
اُن کو اسکی پرواہ نہیں ہے کہ بے علمی کیوجہ سے ہمارے دین و دنیا دونوں ہاتھ سے
جا رہے ہیں۔ جایا کریں۔ وہ (علم) تو انہوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ صرف اُنہی (مردوں)
کے لیئے مخصوص ہے۔ کیونکہ خدا کی خاص مخلوق وہی ہیں۔ عورتیں تو صرف اُن کی خدمتگذار
اور دبیل ہیں۔ ایسا نہو کہ علم کی مدد سے دنیاوی حقوق اور روحانی مدارج میں برابری کی مدعی
ہوجائیں۔ یہ اور اسی قماش کا بہت سا بخار عورتوں اور اُن کے ترقی خواہ حضرت کے
دلوں میں بھرا ہوا تھا۔ سچ یہ ہے کہ ہمسایہ قوموں کی خواتین کے مقابلہ میں اپنی مسلمان
بہنوں کے نام پر گمنامی کا پردا پڑا ہوا دیکھکر قلبی صدمہ ہوتا تھا۔ اِس لیئے پڑھکر حسرت دلپر
جس بات سے چھائی تھی وہ یہ تھی کہ قومی اخبار ہوں یا سیدکے گروہ کے کارنامے یا کانفرنس
کی روئدادیں۔ ہائے افسوس! ایک سرے سے سب میں ہمارا نام بڑے قاف سے
الفظ! حیف اپنے سب سے بڑے قومی انسٹی ٹیوشن میں ہم ہی لوگ اِس کے مصداق ہے
مذکور تری بزم میں کس کا نہیں آتا ✣ پر ذکر ہمارا نہیں آتا نہیں آتا
اِہ، فضائے عالم میں ہماری تقدیر پر سناٹا چھایا ہوا ہے اور ہمارے قومی وجود
سے گویا انکار کر لیا گیا ہے!!

کیا ایسا سمجھ لینا ہماری ناتجربہ کاری تھی؟ شاید ہر کام کا وقت ہوتا ہے۔ مگر ہمارے
دل کی کیفیت اُس وقت تک نہیں پلٹی جبتک کہ ہمنے تعلیم نسواں سیکشن کا نام نہیں سن لیا
اگرچہ عورتوں کی نسبت مسلمانوں کے خیالات عام طور سے نہیں پلٹے ہیں۔ جو باتیں
اور بدگمانیاں پہلے تھیں قوم کے بڑے اور بہت بڑے حصہ میں ابتک موجود ہیں
ابھی چندروز پہلے اخبار وکیل کے کالموں میں بعض بزرگان قوم نے تعلیم نسواں کی بحث
میں کیا کچھ حسن ظن اور فیاض طبعی کا اظہار نہیں کیا ہے۔ ایک صاحب تو طبیعت کی
جولانی سے یہانتک عالی حوصلگی کو کام فرما گئے کہ کیسا لکھنا اور کیسا پڑھنا!

بس کچھ مزید نہیں۔ صرف چند پارہ قرآن شریف کے عورتوں کو پڑھا دینے کافی ہیں۔ درحقیقت ایسے روشن دماغ اور آفتاب و مہتاب حضرات کی ہمارے ہاں اب بھی کمی نہیں ہے۔ بلکہ انہی کی تعداد زیادہ ہے۔ لیکن تعلیم یافتہ فرقہ کے طرفدارانہ خیالات اور تعلیم نسواں سیکشن کے قیام نے ہم پر یہ ثابت کر دیا کہ ایک دنیا ہماری تعلیم و تربیت کی مخالف ہو مگر ہمارے قومی لیڈر ہمارا ان پڑھ رہنا پسند نہیں کرتے۔ وہ علم کے صیقل سے ہماری جہالت کا زنگ چھڑانا چاہتے ہیں۔ اسلئے اب ہمکو اپنے وہ خیالات جو مردوں کی نسبت اوپر بیان ہوئے بلا استثنا دلمیں نہ رکھنے چاہییں۔ بلکہ مخصوص حالت میں واپس لے لینے چاہییں۔ قومی لیڈروں نے اپنی کوشش کی ترازو میں دنیا کے قاعدہ کے موافق ہمارے لیے دوسرا پلڑا لٹکا دیا ہے۔ ان کا کام اتنا ہی تھا۔ اب اس دوسرے پلڑے کو جو ابھی پہلے پلڑے کے پاسنگ کے بھی برابر نہیں۔ ہموزن کرنا ہمارا اپنا کام ہے +

تعلیم نسواں سیکشن کے صرف قایم ہو جانے سے، ظاہر ہے، کہ عورتیں پڑھی لکھی نہیں بن سکتیں۔ تاوقتیکہ یہ سیکشن عملی کام شروع نکرے۔ یوں تو عملی کام کے معنے وسیع ہیں۔ یہ بھی عملی کام ہے کہ رسالہ خاتون اس سیکشن نے جاری کر دیا۔ نمایش قایم کر دی مگر فہمیدہ بہنیں سمجھ سکتی ہیں کہ یہ دونوں کام عورتوں کو اتنا ہی فایدہ پہونچا سکتے ہیں جتنا کہ ان سے ہو سکتا ہے۔ خاتون خیالات کے درست کرنے، معلومات کے بڑھانے، اور علمی میدان میں آنے کا شوق پیدا کرے گا۔ نمایش سے صنعت و حرفت میں ترقی اور کام کرنے کی عادت پڑے گی۔ مگر اصلی کام جو سیکشن مذکور کا ہے وہ لڑکیوں کا پڑھانا یعنے حرف شناسی اور کتاب خوانی کی قابلیت و استعداد پیدا کرانا ہے۔ نیز سینے پرونے اور دوسرے عملی کاموں میں انہیں طاق کرانا ہے۔ اور بلاشبہ کام بغیر مدارس کے پورا ہونا مشکل ہے۔

غالباً بعض رائیں مدارس کے خلاف ہونگی۔ مگر یاد رہے کہ جب یورپ جیسا عام تعلیم یافتہ
خطہ مدارس سے استغنا نہیں کر سکا تو ہم کس شمار میں ہیں۔ عنایت مآبی اہل سلیکشن تعلیم نسواں
نے وہ نصاب تعلیم تیار کر دیا جسکی فکر میں وہ کئی برس سے لگی ہوئی ہے تو گھر گھر وہ نصاب
پڑھائیگا کون؟ کیا مائیں؟ وہ اگر اس قابل ہوتیں تو سب سے پہلے اس دوسری کی ضرورت
ہی کیا تھی کہ کوئی نصاب تیار کیا جائے۔ لائق ماؤں کی ذہنی اسکیم خود لڑکیوں کے لیے ایک
عمدہ نصاب ہے۔ مگر وہ بیچاریاں تو خود تعلیمی امداد کی محتاج ہیں ع او خویشتن گم است
کرا رہبری کند۔ اب رہ گئے گھر کے مرد۔ اگر وہ لڑکیوں کا پڑھانا منجملہ دیگر اشغال کے
اپنا فرض سمجھ لیتے تو آج ہر گھر کی لڑکیاں کچھ نہ کچھ پڑھی ہوئی ضرور ہوتیں۔ مجوزہ نصاب کے
علاوہ کیا ایسی کتابوں کا بالکل ہی کال تھا جو لڑکیوں کے پڑھانے کے قابل تھیں۔ وہ انہی کو
پڑھاتے مگر ان سے یہ جنجال سنبھلتا نہیں۔ کچھ ان میں بے پرواہیں۔ اور کچھ واقعی معذور
ومجبور۔ اگر کہیں کسی نے پڑھا دیا ہے تو وہ گنتی میں نہ لانا چاہیئے۔ ہمنے مانا کہ مردوں نے
خدا کا دیا سر پر خیال کر کے اسکو کیا بھی تو صرف پڑھا دینگے۔ ہنڈیا چولہے اور قینچی سوئی کا
سلیقہ نہیں بتا سکتے۔ بس اس امید کے سہارے بیٹھے رہنا کہ مرد لڑکیوں کو پڑھائینگے
وقت کا کھونا ہے۔ اسکے لیے تو مدارس کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد
صاحب نے اپنے عینی مشاہدہ اور ذاتی تجربہ سے اپریل کے خاتون میں اسکول کی تعلیم سے
اتفاق کیا ہے۔ بلاشبہ جبتک مدرسے نہ جاری ہونگے۔ کثیر التعداد لڑکیاں ان میں
داخل ہونگی کچھ انہیں سے استانیاں بنینگی۔ کچھ اعلےٰ تعلیم کیطرف نہ جائینگی۔ بعض متمدن بنکر
اپنے فیض صحبت اور طرز تعلیم سے اپنے اردگرد کے لوگوں اور نئی پود کو اپنے رنگ پر نہ لائینگی
اور اپنے ڈھنگ پر نہ اٹھائیں گی اسوقت تک عورتوں کی۔ بلکہ فی الواقع خود مسلمانوں کی
حالت جیسا دل ڈھونڈھتا ہے درست ہونی مشکل ہے۔ (باقی آئندہ)

بنت نصیر الدین حیدر

خانہ داری

بسلسلۂ سابق

جناب سہروردیہ صاحبہ نے جو ایک نہایت مفید سلسلۂ مضامین کا اس پرچے میں شائع کرنے کا قصد کیا ہے اوس سلسلہ کا ایک مضمون خانہ داری پر اس پرچے میں درج کیا جاتا ہے۔ ہماری قوم کے مردوں اور بیویوں کو سہروردیہ صاحبہ کے خیالات کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور انکو عملی صورت میں لانے کی کوشش کرنی چاہیئے اونکی رائے سے کیسکو انکار نہیں ہوسکتا صرف عمل کی دیر ہے۔ ہم جناب سہروردیہ صاحبہ کے دل سے مشکور ہیں۔ کہ انکو خاتون سے خاص دلچسپی اور اپنی ملکی بہنوں سے پوری ہمدردی ہے +

اڈیٹر

اس فریضہ کو خوبی سے ادا کرنے میں بہی علم کی ضرورت ہے۔ تربیت اور تجربہ حاصل کرنے کے لحاظ سے اگر لڑکوں اور لڑکیوں کی حالت کا موازنہ اور مقابلہ کیا جائے تو اس امر خاص میں لڑکیوں کو تعلیم کی ضرورت زیادہ معلوم ہوگی۔ کیونکہ ایک تو علی العموم لڑکوں کی تعلیم و تربیت کی طرف یوں ہی لوگوں کی توجہ رہتی ہے۔ پہر اون کو ہر قسم کے اور ہر خیال کے لوگوں سے ملنے اور تبادلۂ خیال کا موقع ملتا ہے۔ ہر امر کے تجربہ پر ہر چیز کے مشاہدہ سے عقل و شعور کی ایسی پختگی حاصل ہوتی رہتی ہے کہ محض مطالعۂ کتب سے ممکن نہیں۔ اور جو عمدہ صلاحیت ہو تو آداب و اخلاق اور زمانہ کے وضع کے ساتہ موافقت اپنے بیگانوں کے ساتہ برتاؤ کے طریقہ اچہی طرح ذہن نشین

ہوجاتے ہیں۔ باوجود اِس کے لڑکا چوبیں پچیس سال کے سن تک طالب العلم سمجھا جاتا ہے
اور ہر قسم کی ذمہ داری سے بری رہتا ہے۔

بیچاری لڑکیوں کی حالت کو دیکھئے پھر اونکی ذمہ داریوں پر غور کیجئے۔ ایک تو
والدین خواہ پابندی رسم سے خواہ تعصب اور جہالت سے اون کی تعلیم کی طرف مطلق توجہ
نہیں کرتے۔ صرف پالنا جانوروں کی طرح کہلانا پلانا اور کٹھ پتلیوں کی طرح پہنا اوڑھا کر
حق پدری و مادری ادا کر دیتے ہیں تعلیم کیطرف سے تو سخت بے توجہی رہتی ہی ہے
تربیت کا یہ حال ہے کہ بیشتر مغلانیوں۔ اصیلوں میں نشو و نما پاتی ہیں سہیلیاں
اور ساتھ کی کہیلنے والیاں بھی علی ہذا القیاس۔ انکے سادہ بے لوث دلوں پر اس قسم کی
صحبت کا جو اثر پڑتا ہے وہ ظاہر ہے اسپر اور ترقی ہوئی تو آتون جی نے کچھہ مسئلے مسائل
سکھا دیئے اور بس پیجئے دنیا بھر کی ذمہ داریوں کا بوجہ لاد دینے کے قابل بن گئیں
سن رشد سے پیشتر طفولیت کا زمانہ گزرنے کے پہلے ہی اور قبل اسکے کہ اونکی عقل اور سمجھ
کو پختگی ہو۔ اونکی ننہی سی گردن پر علائق کا بوجہہ ڈالدیا جاتا ہے۔ ایک تو کم عقل ناتجربہ کار
لڑکی اوس پر شوہر کی دلجوئی ساس کی خدمت نند کی ناز برداری سسرال والوں کا پاس
اوسپر ان پڑہ کیونکر سمجھے کہ اِس شادی سے اونکی زندگی میں کیا کیا انقلاب ہوگیا۔ اور
کون کونسے نئے فرائض اوس کے ذمہ ہوگئے وہ تو ابتک صرف نئے نئے زیور اور
رنگ برنگ کے کپڑے پہننے کو شادی سمجھتی تھی۔ اِس سے زیادہ سمجھے تو کیونکر سمجھے۔
انسان یا تو تجربہ سے سیکھتا ہے یا علم کے ذریعہ یعنے دوسرونکے تجربہ سے
مستفید ہوکر۔ یہ تو ہماری لڑکیوں کو حاصل نہیں عقل و تمیز کی ترقی بیٹھے بیٹھے کیونکر
ہو اور تجربہ لائے تو کہاں سے لائے۔ گھر کی بڑی بوڑھیوں سے تو ضعف اعتقاد
بیجا رسموں کی پابندی تعصب و وہم وغیرہ بہت کچھہ سیکھہ سکیں مگر یہ نہ دریافت ہو
کہ ایک شریف بی بی کے فرائض منصبی کیا کیا ہیں اونکو کیونکر انجام دینا چاہیئے۔

اوسکے لیئے مشاہدہ اور تجربہ کی شاہراہ تو اونپر قطعی طور سے مسدود ہے۔

اب انصاف شرط ہے کہ جب ہماری لڑکیوں کی تربیت اس طریقے سے ہوتی ہے تو عقل و دانش کی ترقی کے لیئے اونکو علم سیکھنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ دو چار قسم کے کہانے پکانے کی ترکیب جان لینے کو خانہ داری نہیں کہہ سکتے خانہ داری کو مصنفوں نے گاڑی سے تشبیہہ دی ہے جسکا ایک پہیا شوہر ہے دوسرا بیوی ہے مرد محنت سے۔ جانفشانی سے۔ دماغ سوزی سے۔ دوڑ دہوپ سے۔ جس کسب جس پیشہ سے جسطرح بن پڑے سامان معاش بہم پہنچائے۔ عورت مناسب طور سے بلحاظ عزت۔ اور حیثیت ظاہری کے کفایت شعاری اور خوش اسلوبی سے اسطرح خرچ کرے کہ اپنے ہمچشموں میں کسی بات پر خجالت نہ اوٹھانی پڑے اور خانہ داری کے متعلق ہر مسئلہ کا اپنی سمجھ اور فہم کے موافق فیصلہ کرے۔ غرض میرے طول تحریر کا لب لباب یہ ہے کہ منصب خانہ داری کو کماحقہ انجام دینے کے لیئے بھی قابلیت کی اشد ضرورت ہے۔ اور اس قابلیت کا حاصل کرنا بغیر علم کے محال ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ اَن پڑھ عورتیں خانہ داری سے واقف نہیں ہیں بلکہ یہاں مجھکو کماحقہ خانہ داری سے بحث ہے۔ اور یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ جسطرح کہ پرورش طفلان یا شوہر کی ہمسری کی قابلیت کے لیئے علم کی ضرورت ہے۔ خانہ داری کے لیئے بھی ہے۔ ورنہ یوں تو جاہل بی بیاں خانہ داری بھی کرتی ہیں اور پھوہڑ اور الہڑ بی بیوں کی خانہ داری اور سلیقہ کا خاکہ آئے دن کتابوں میں اخباروں میں نکلا ہی کرتا ہے۔ اور مختلف پیرایہ سے جاہل عورتوں کی خانہ داری کی برائیاں ذہن نشین کی جاتی ہیں اور سب سے بھی ایسا ہی اَن پڑھ اور بیوقوف عورتیں دباستثنائے چند خانہ داری کے متعلق ہر امر میں شوہر کی محتاج رہتی ہیں کوئی نئی بات ایجاد کرنا تو درکنار خود انتظام خانہ داری جو خاص اونکا منصب ہے نہیں کوئی بڑی بات اپنی عقل و شعور سے

۹۳

خاتونوں کو چال سے ہندوستانی اون میں بھی تو بخل کرتے ہیں +

ایڈ یٹ

نئی وضع کا مکان ہے اور گول کمرے میں سنگ مرمر کی میز کے گرد کرسیاں بچھی ہیں سیدھی جانب کی آرام کرسی پر میری پیاری بہن آبرو بیگم آثار عجم کے مطالعہ میں مشغول ہیں۔ نیچے فرش پر میری تین سال بچی آمنہ ہمسائے کے بچوں سے کھیل رہی ہے سامنے سے ایک بیگم صاحبہ نہایت باریک اور فاخرہ لباس پہنے ہوئے آتی دکھائی دیں اور میں استقبال کے لیئے اوٹھی۔

بیگم صاحبہ۔ "السّلام علیکم"

میں۔ "وعلیکم السلام آیئے کرسی پر تشریف رکھیئے۔

بیگم صاحبہ۔ بہن مزاج تو اچھا ہے۔

میں۔ الحمد للہ آپ کا مزاج مبارک۔

بیگم صاحبہ۔ ہاں بہن اچھی ہوں۔

میں۔ آپکا اسم شریف۔

بیگم صاحبہ۔ نام میرا تو نور جہاں بیگم ہے لیکن خدا بخشے میری اماں جان کو وہ مجھے پیاری ننھی بیگم کہکر پکارتی تہیں۔ اسلیئے ننھی بیگم نام مشہور ہو گیا ہے۔

میں (ہنسی روک کر) یہ آپکی مہربانی ہے جو آپ غریب خانے پر تشریف لائی ہیں۔

ننھی بیگم نہیں بہن مہربانی دہربانی کا ہے کی جی تو بہت دنوں سے ملنے کے لیئے تڑپتا تھا جب سے پھنا بیگم صاحبہ سے آپکی تعریف توصیف سنی اور آپکے والد ماجد کا نام مبارک سنا جد جی قدمبوسی کے لیئے بیقرار تھا پر کیا کروں چھوٹے چھوٹے بچوں کے کارن گھر سے نکلنا عذاب ہے۔ ابھی خالہ کے پاس یعنے اپنی (ساس) کے پاس چھوڑ آئی ہوں۔

میں۔ او ہو آپ ہی نے کلکتہ سے اکثر محبت ناموں سے ہمیں یاد کیا تھا۔ خوب یاد آیا۔ جی ہاں آپکا ذکر خیر میں نے بھی بیگم موصوفہ سے سنا تھا۔

میں۔ آبرو بیگم سے مخاطب ہوکر) پیاری آبرو بیگم دیکھو انہیں صاحبہ نے اشتیاق بھرے خط تمہارے اور میرے نام بھیجے تھے۔

آبرو بیگم۔ کرسی سے اوٹھکر اور بیگم صاحبہ کے ہاتھ ملاکر بہن معاف کرنا۔ میں مطالعہ میں مشغول تھی آپ کی باتوں کی طرف توجہ نہ کی۔

ننھی بیگم۔ نہیں صاحبزادی معاف کرنے کی کیا بات ہے میں نے خود دیکھا کہ تم اپنی کتاب میں مصروف تہیں۔

یہ کہکر ننھی بیگم صاحبہ نہایت حیرت کی نگاہ سے ہم دونوکو سر سے پاؤں تک دیکھنے لگیں۔ چند سکنڈ بعد اون بچوں کو متعجب نگاہ سے دیکھکر مجھ سے مخاطب ہوئیں جو جو فرش پر کھیل رہے تہے۔

ننھی بیگم۔ بہن یہ موئے انگریزوں کے بچے یہاں کیسے آئے۔

میں۔ (ہنسکر) میرے والد کے ہمسائے میں انگریز رہتے ہیں۔ میری بچی آمنہ کے ساتھ اُن کے بچے کھیلنے آتے ہیں۔

ننھی بیگم۔ آپکی بچی کہاں ہے کیا سو رہی ہے۔

میں۔ (اونگلی سے آمنہ کیطرف اشارہ کرکے) یہ کیا کھیل رہی ہے یہ ٹائم اس کے سونے کا نہیں ہے۔

آبرو بیگم۔ (آمنہ سے) بی ادہر آؤ بیگم صاحبہ سے ہاتھ ملاؤ! آمنہ شرماتی ہوئی آگے بڑہی اور بیگم صاحبہ سے ہاتھ ملاکر سر نیچے کرکے بچوں کے پیارے لشکریں جاملی۔ مگر ننھی بیگم متحیر نگاہ سے دیکھتی رہیں اتنے میں خادمہ نے میز چنا۔ مہمان چونکہ ہندوستانی وضع میں تہیں اسلئے چھری اور کانٹا خادمہ نے میز پر حاضر نہ کیا میں ننھی بیگم صاحبہ کو

ہمکو پہنایا اور یہی مسلمان عورتوں کا لباس ہے۔ اب آج آپ نہ معلوم کیا کیا کچھ نکالتی ہیں جنہے اپنے کانوں سے سنا نہ آنکھوں سے دیکھا۔

میں۔ بہن یہ آپکے معلومات کی کمی ہے جو آپنے اپنے لباس کو مسلمانی لباس قرار دیا ہے۔ کیا دنیا میں جہاں سے اسلام نکلا اور پھیلا وہاں کا بھی یہی لباس ہے۔ شام روم مصر۔ حجاز وغیرہ وغیرہ بلاد اسلامیہ میں بھی مسلمان عورتیں یہی لباس پہنتی ہیں۔ آپ بجائے مسلمانی لباس کہنے کے ہندوستانی لباس کا جملہ استعمال کیجئے اس بحث میں پڑے رہنا کہ ہماری بڑی بوڑھیاں کیا کرتی تھیں اور کیوں کرتی تہیں فضول ہے۔

ہمکو سوچنا یہ ہے کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں یہ کہانتک مناسب ہے حیوان کے لیئے کوئی لباس نہیں بنایا۔ انسان کو جاڑے کی سردی سورج کی تپش اوس اور بارش کی نمی تند ہوا کے صدموں سے محفوظ رہنے اور اپنے بدن کی پوری حفاظت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے مناسب پوشاک کا بندوبست کر لیتا ہے تندرستی کے لیئے خون کی گرمی کو جو ہمیشہ خارج ہونا چاہتی ہے نکلنے نہ دینا اور ہر موسم میں ایک خاص انداز پر رکھنا نہایت ضروری امر ہے۔ اس لیے کہ گرمی کا زائل ہونا دوسرے لفظوں میں بدن کی اصلی طاقت کا ضائع ہونا ہے۔ لہذا اونی اور ریشمی پوشاک جسمیں پوری حفاظت کا مادہ ہے انسان کے حق میں زیادہ مفید ثابت ہوئی ہے سوتی کپڑے میں اونی خاصیتیں نہونے کیوجہ سے دانشمند اور مہذب قومیں اسکا کم استعمال کرتی ہیں ان بچوں کو خدا رکھے دیکھیئے اونی کپڑوں میں کیسے صحت اور کھیل کھیل رہے ہیں فلالین ان کے پسینو نکو جذب کر کے بیرونی ہوا کے خطرناک اثر سے محفوظ رکھتی ہے بہن ذرا دیکھنا ادہر والی گیلی کو ع

ہائے بچپن کھیلنا کہانا ادہہلنا کودنا

ننھی بیگم۔ ہاں ہاں دیکھا مگر مجھے تو آج آپ لوگوں کی وضع دیکھکر اور باتیں سنکر سخت حیرت ہوئی ہے کہ آپ تو گویا مسلمانی (اسے توبہ) ہندوستانی لباس سے بیزار ہیں اور نفرت کرتی ہیں کیا یہ صحیح ہے۔

میں۔ بیشک ایک نہیں ہزار مرتبہ مجھے ناپسند ہے گو کہ میرے والد ماجد مدظلہ العالے خاص دہلی کے معزز رئیس ہیں اور ہمارے آباؤ اجداد کا یہی لباس تہا مگر والد مین پس کی عمر سے ساٹھ برس کی عمر تک بلاد اسلامیہ میں رہے۔ ہم سبھونکی پیدائش کے تعلق کی ہے۔ بہت ہی بچپن کا زمانہ تہا جبکہ ہم لوگ اپنی زاد بوم سے جدا ہوکر ہندوستان آئے لیکن ہمکو ہمارا یہی۔ تمار۔ ثوب۔ فستان۔ کبران۔ تنوزہ۔ شل وار پسند ہے جسے ہندوستان میں تین کونہ دوپٹہ۔ اور فراک۔ گاؤن۔ جاکٹ۔ پیٹی کوٹ۔ پلئے۔ جامہ کہتے ہیں +

ننھی بیگم۔ تو کیا آپ لوگونکے اس انگریزی لباس میں کوئی نقص نہیں۔

آبرو بیگم۔ کتاب ہاتھ سے رکھکر اور اپنے لباس کیطرف اشارہ کرکے پیاری بہن انگلش گاؤن کی تراشس میں اور اس گاؤن کی کاٹ میں فرق ہے مگر زینت میں دونوں یکساں ہیں۔ بہن ذرا غور کیجئے (نقص نہیں کے کیا معنے) لباس پہننے کے اصلی مقصد تین ہیں اول پردہ دوسرے حفاظت جسمانی تیسرے زینت اب آپکے لباس میں صرف تیسرے نمبر کا فائدہ ملحوظ رکھا گیا اور فوائد نمبر اول اور دوئم کی کچھہ رعائت نہیں رکھی گئی حالانکہ ہمارے لباس میں تینوں باتوں کی رعایت موجود ہے۔ آپ خود انصاف سے فرمائیے کہ یہ بات ٹھیک ہے یا نہیں۔

ننھی بیگم۔ (ٹالنے کی غرض سے) آپ کونسی کتاب کا مطالعہ کرتی ہیں۔

آبرو بیگم۔ جب آپ تشریف لائی تہیں آثار عجم میں مشغول تھی اب تمدن عرب کی سیر میں مصروف ہوں۔

میں- ہاں بہن آپنے پیاری آبرو کے سوال کا اور میری سمع خراشی کا کچھ بھی جواب نہ دیا

ننھی بیگم- بات سنی ان سنی کر کے اور کہاں سے (کیا کہوں ہاں یہ تمدن عرب کونسی کتاب ہے

میں- تمدن عرب پڑھیے بعد فرمائیگا ابھی ہمارے سوال پر تو غور فرمائیے تاکہ ہماری تسکین ہو۔

ننھی بیگم- خیر ہمارا لباس کیسا ہی کیوں نہو ہم کو کہاں موئے مردوں میں پھرنا آنا جانا ہے عورت کی ذات چاردیواری میں کیا سائیکل پر ہمکو فرنگن کیطرح پھرنا ہے۔

(میں آبرو بیگم کو اور آبرو مجھے دیکھکر اور نہایت متاسف لہجے میں) افسوس اسی خیال نے موجودہ ہندوستانی لباس کو ترقی دی ہے اور کسی قسم کی ترمیم کی گنجائش نہیں رکھی ہے میری اچھی بہن ایسا ناپاک اور بیہودہ لباس پہنکر محرم کے سامنے بھی کسی شریف زادی کو نہ آنا چاہیئے حالانکہ محرم تو برائے نام بیسیوں دور کے رشتہ داروں سے بھی ملنے کا اتفاق ہوتا ہے خالہ زاد پھوپھی زاد ماموں زاد چچا زاد بھائیوں کے علاوہ بڑی بہن کے میاں کے سامنے ہونا پڑتا ہے اور اوسنے بڑھکر سسرال سمدھیانے کے بہت سے مردوں کے روبرو جانا ہوتا ہے برا نمانو بہن ہمکو اپنا لباس اپنا زیور اور اپنا دل اپنی جسرأت برقرار رکھنی چاہیئے دنیا اور دنیا والے ہمارا کچھہ نہیں بگاڑ سکتے کیوں بہن کچھہ تو دلکی کہو۔

ننھی بیگم (چاروناچار) تم کہتی تو سچ ہی ہو اور کچھہ کچھہ میرے دلکو بھی لگتی ہے۔ مگر ہمکو بڑی مشکل سے اپنی خاندانی رسمیں ترک کرنی ہونگی۔

میں- بڑی مشکل سے ہی ترمیم و اصلاح ہوجائے تو ہزار غنیمت ہے رونا تو اسکا ہے کہ ابھی مدت تک اپنی حالتوں پر کوئی روئے گا نہیں بہن اب لباس کے اور زیور کے متعلق آپسمیں بحث کر کے ایک لباس کا قطعی فیصلہ کر کے پیارے خاتون کے ذریعہ سے سب بہنوں کو آگاہ کرنا چاہیئے۔ کہ یہ لباس موجودہ زمانے میں مسلمان لیڈیوں کے

کے موزوں ہے۔ آیندہ میری پیاری بہنوں کو اختیار ہے خواہ وہ میری ناقص رائے پسند فرمائیں یا نہیں۔

ایک بچے کی چیخ نے جو کھیل کود میں گر پڑا تھا ہمارے مکالمہ کا سلسلہ توڑ دیا اور آیندہ جمعرات کو آنیکا وعدہ کر کے ننھی بیگم صاحبہ رخصت ہوئیں۔ (باقی آیندہ)

(فاطمہ بیگم از بمبئی)

خط و کتابت میں طرز تحریر

جناب ایس بی صاحبہ دہلوی نے آج ایک نہایت مفید امر کی طرف ناظرین خاتون کو متوجہ کیا ہے۔ گو نامہ نگار صاحبہ کا خطاب صرف خاتون ناظرین کیطرف ہے لیکن ہمارے ملک کے مردوں اور بالخصوص قدیم طرز تحریر کے فدایوں کو بھی اس سے فائدہ اٹھانا چاہئیے اور پرانے پر تکلف طرز تحریر کو ترک کرنا چاہئیے۔ خط و کتابت میں بڑا کمال یہ سمجھا گیا ہے کہ مکتوب الیہ کو ٹھیک اوسیطرح مخاطب کیا جائے جیسے آمنے سامنے بیٹھے اوس سے باتیں ہو رہی ہیں اور تکلف و تصنع سے قطعی عبارت خط کو پاک رکھا جائے انگریزوں میں یہ طرز بہت عرصے سے مروج تھا لیکن ہمارے ملک میں اسد اللہ خاں غالب مرحوم کو اس فن کا رواج دینے والا سمجھنا چاہئیے ہم ذیل میں اسد اللہ خاں غالب کا ایک خط نقل کرتے ہیں جس سے ناظرین کو نئے طرز کی تحریر کا پورا اندازہ ہو جائیگا غالب ایک اپنے دوست کو خط لکھتے ہیں۔

"بھائی میں تمکو اطلاع دیتا ہوں کہ آج میرے پاس لکھنؤ کے ایک پارسل کی

رسید آگئی ہے۔ دوسرا بھی یقینی پہونچ گیا ہوگا خاطر جمع رکھو۔ جناب آرنلڈ صاحب
بہادر آج تشریف لے گئے سنتا ہوں کہ کلکتے جائیں گے۔ میم اور بچوں کو ولایت بھیجکر
پھر آئینگے۔ مجھسے وہ سلوک کر گئے ہیں اور مجھ پر وہ احسان کر گئے ہیں کہ قیامت تک
انکا شکر گزار رہونگا۔ مرزا حاتم علی صاحب اگر آجائیں تو اونکو میرا سلام کہنا۔ میرزا تفتہ
کو اگر کبھی خط لکھو تو میری دعا کہنا۔ از غالب ۷ار جنوری ۱۸۶۷ء"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو آ۔ بی آپسمیں باتیں کر رہے ہیں۔ ایس ل صاحبہ کے
دلمیں سب سے اول اِس ضروری اصلاح کا خیال پیدا ہوا ہے اور ہمکو امید ہے کہ
ناظرین خاتون اُن کی نصیحت پر عمل کرینگے +

اڈیٹر

جہاں اور نئی نئی ایجادیں ہوگئی ہیں وہاں خط و کتابت میں بھی پرانہ طریقہ
نہیں رہا۔ پہلے خط کی عبارتیں بہت مشکل اور پر تکلف لکھی جاتی تھیں کہ جنکا پڑھنا
کم استعداد آدمی کے لیئے دشوار تھا۔ عموماً رنگین بیانی کا ہر ایک کو شوق تھا اگر
کسی میل ملاپ والے کو خط لکھتے تھے تو ایسا لکھتے تھے۔ جیسا کہ ایشیائی شاعری کا
ڈھنگ ہے کہ اگر کسی شخص کی تعریف پر اوترے تو نزاکت اور حسن کا رنگ جما گئے
اور بہت ہی مبالغے اور فضولیات کا استعمال کر گئے۔ لیکن زمانہ کے ساتھ یہ طریقہ
بھی بدل گیا۔ اور اب بدلے ہوئے زمانہ میں جو بہن اِس قسم کی رنگین عبارت اپنی
تحریر میں لاتی ہیں وہ بہت غلطی پر ہیں۔ دو ایک بہنیں اِس قسم کی طرز تحریر کی لداوہ
ہیں اور جب خط لکھتی ہیں تو اِس قسم کے الفاظ اور اشعار لکھتی ہیں کہ جنکو پڑھکر بے حد
شرم آتی ہے۔ خط کو پڑھکر فوراً چاک کر دیا جاتا ہے کہ کہیں کسی کی نظر پڑ جاسئے تو اُلٹا
مکتوب الیہ کو شرمندہ ہونا پڑے کہ اچھی مہذب بی بی سے پہنا پاگا نہٹا ہے۔
اگرچہ یہ بہنیں محبت کے اظہار میں ایسے فقرے اور شعر لکھتی ہیں تاہم اگر اس

طریقہ کو بدل کر سیدھے سادھی عبارت میں اظہار محبت کیا جائے تو بہت بھلا معلوم ہو
اور لغو الفاظ کے بدلے میری پیاری بہن یا عزیز بہن لکھنا کافی ہے۔ اور بہت ہی بیہودہ
اشعار لکھنے میں بھی کچھ برائی نہیں ہے۔

دوسری طرز تحریر جو آجکل رائج ہے اسکا طریقہ بھی زیادہ پسندیدہ نہیں ہے
جن بیبیوں کو انگریزی میں تھوڑی سی بھی شُدبُد ہوگئی ہے وہ ایسی عبارت لکھتی ہیں
کہ جس سے معلوم ہو کہ گویا یہ انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کر رہی ہیں۔ اپنی بامحاورہ
سلیس اُردو کو اُلٹ پلٹ کر عبارت کو ترجمہ کی شکل میں ظاہر کرتی ہیں۔ ہم اس طریقہ کو
بھی تو کبھی پسند نہ کرینگے کہ خط تو اُردو میں لکھا جارہا ہے اور صرف القاب انگریزی الفاظ
میں لکھدیا جائے۔ زمانہ حال میں۔ مائی ڈیر سسٹر کا بہت رواج ہے۔ چاہیئے بڑی
بہن ہو یا چھوٹی لیکن اسکی قبول صورت ہر خط میں دکھائی جاتی ہے۔ ہمارے
خیال میں اگر اسکے بجائے ہم عمر یا چھوٹی بہن کو میری پیاری بہن لکھا جائے تو
بہت زیادہ موزوں ہو کیونکہ خط اُردو میں ہے تو القاب و آداب بھی اُردو میں
ہونا چاہیئے۔ خیر مائی ڈیر سسٹر کا القاب تو اب بیچارا پرانا ہوگیا ہے لیکن حال ہی
میں نے ایک خط دیکھا جسمیں لکھا تھا مائی ڈیر مدر" اور خط کے ڈھنگ سے بھی انگریزی کا ترجمہ
خیال کیا جا سکتا تھا۔ ایسے لچر خط کو پڑھکر لکھنے والی کی ذاتی قابلیت کو دریافت
کیا تو معلوم ہوا کہ ابھی خیر سے انگریزی کتاب کے دو چار صفحے پڑھے ہیں۔ اگر خط انگریزی
میں لکھا جائے تو اسکے قواعد کے پابندی ضرور ہے۔ لیکن اُردو انگریزی کی کھال
میں کھچڑی بنانے میں کونسی فوقیت ہے اگر خط میں دو ایک انگریزی کے لفظ لکھدیئے
جائیں تو اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ خاتون کوئی انگریزی داں ہیں۔ کیونکہ بہت سے
انگریزی کے الفاظ ایسے عام ہوگئے ہیں کہ اُن کے لکھنے میں کوئی خصوصیت اور
انگریزی دانی کی قابلیت نہیں پائی جاتی۔

ایس۔ بی۔ دہلوی۔

مسز بدرالدین طیب جی کی وفات

اخبارات میں جناب مسز بدرالدین طیب جی کے انتقال پر ملال کا حال
پڑھکر نہایت سخت رنج ہوا۔ سب سے اول ہم لوگوں کو مرحومہ کی کمال
قومی ہمدردی اور رفاہ عام کے کاموں سے دلچسپی کا حال گذشتہ
سال معلوم ہوا جبکہ انہوں نے زنانہ نمائش بمبئی کے انتظام و اہتمام
میں اسقدر سرگرمی ظاہر کی تھی۔ اب کے یہ امید تھی کہ وہ زنانہ نمائش
علی گڈھ کو بھی ویسی ہی مدد دیں گی جیسی انہوں نے بمبئی کی نمائش
میں دی تھی۔ لیکن۔ افسوس صد افسوس کہ خدا نے اُن کو اسقدر
جلد دنیا سے بُلا لیا ہمکو اسوجہ سے بھی مرحومہ کے انتقال سے زیادہ
صدمہ پہونچا ہے کہ ہمارے ملک میں تعلیم یافتہ روشن خیال بیبیاں
بہت ہی کم ہیں۔ اور جن چند بیبیوں کو اسوقت تاریکی سے نکلکر
علم کی روشنی میں آنا نصیب ہوا ہے اُنہیں سے یہی ایک نہایت
قابل بہن۔ دنیا سے رحلت کر گئی۔ خدا مرحومہ کو غریق رحمت کرے
اور اُن کے پس ماندگان کو صبر عطا فرمائے۔

الراقمہ
اے ڈبلیو جے بیگم

مسز بدرالدین طیب جی کی وفات

از جناب مولانا مولوی کرامت حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا

افسوس ہے کہ ۷ رجون ۱۹۰۵ء کو حضرت مرحومہ بیگم رحمت بی زوجہ آنریبل
مسٹر جسٹس بدرالدین طیب جی نے اس دار ناپائدار کو چھوڑا اور جوار رحمت ایزدی
کو اختیار فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مرحومہ عالی نہاد پاک
طینت اور ستودہ خصال مخدرات میں سے تہیں۔ اردو گجراتی میں
انکو ید طولے حاصل تہا فن تاریخ سے آپکو خاص دلچسپی تہی علوم عقلیہ
میں انکو حظ وافر تہا۔ ضروریات زندگی سے جتنا وقت بچتا تہا وہ
اکثر عورتوں کی اصلاح اور اون کی حقوق کی حفاظت میں گزرتا تہا
تعلیم نسواں اور اون کی بہبود کی آپ بڑے حامی تہیں۔ حسن خلق اور
قوت انتظام دونوں آپ میں شیر و شکر کے مانند ملے ہوئے تہے۔
نیشنل انڈین ایسوسی ایشن کے شعبہ نسواں کی آپ وائس پریسیڈنٹ
تہیں اور اوس حیثیت سے آپنے وقتاً فوقتاً اصلاح و تعلیم نسواں پر اردو
میں گراں بہا تقریریں کیں۔ اور صنعتی و زراعتی نمائش دسمبر ۱۹۰۴ء میں جو
بمقام بمبئی ہوئی اوسکی زنانہ شعبہ کی کمیٹی کی آپ پریسیڈنٹ تہیں۔
اور آپکی حسن انتظام سے اوسمیں بڑی کامیابی ہوئی آپ مستورات
کے لیے اپنے دولتکدہ پر ایسی مجالس اکثر منعقد فرمایا کرتی تہیں جسمیں

شریف خاتونوں کو باہم و نیز یورپین لیڈیوں سے ملنے اور تبادلہ
خیالات کرنے کا مناسب موقع ملے۔
انکی ولادت سنہ ۱۸۵۰ء میں ہوئی تھی۔ آپ ایک نامی گھرانے کی بیٹی اور
خود بڑی صاحب اقبال خاتون تھیں۔ خدا نے آپ کو ایسا شوہر دیا جو
ہند کے نہایت نامی اور سربر آوردہ مقتدایوں میں ہے۔ آپکی اولاد میں
سے ایک سولین جج ہے دو بیرسٹر ہیں ایک کونسل میں ہے آپکے
داماد بھی نامور لوگ ہیں جنمیں سولین ہیں۔ ڈاکٹر ہیں نج ہیں۔
حضرت مرحومہ سی نامی خاتون کے اٹھہ جانے سے جو کمی مسلمانوں میں
ہوئی ہے اوسکا پورا ہونا دشوار ہے خدا حضرت مرحومہ کو اعلی علیین میں
جگہ دے اور انکی زوج اور اولاد اور اقارب کو صبر جمیل و اجر جزیل
عطا فرمائے۔

(سید کرامت حسین)
ازالہ آباد

مکرمی اڈیٹر صاحب خاتون

غالباً تعلیم نسواں کے بارہ میں جو کچھ میرے خیالات ہیں اونسے آپ بخوبی واقف
ہونگے سید کے زمانہ ہی میں مینے کئی مرتبہ تعلیم نسواں کے لیئے عملی تجویزیں پیش کیں۔
اور صیغہ نسواں کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی ایک شاخ قرار دینے میں خاص طور پر تائید کی۔
یہ صیغہ نسواں ایک عرصہ تک بالکل بیکار رہا۔ اور اسنے کچھہ بھی کام نکیا۔ لیکن میں خوش ہوں کہ
دو سال سے اسمیں کچھہ نہ کچھہ کام ہو رہا ہے۔ رسالہ خاتون بہت مفید کام کر رہا ہے
اور مینے مسنر مہدی علی کو بار بار اسکی تعریف کرتے سنا ہے کہ جس سے میں اندازہ کر سکتا
ہوں کہ ہمارے ملک کے تعلیم یافتہ بی بیاں اسکو اپنے لیئے ایک مفید رسالہ خیال کرتی ہیں
اور بڑے دلچسپی سے پڑہتی ہیں ہمارے ملک کی بعض خاتونیں جس قابلیت سے مختلف
مضامین پر بحث کرتی ہیں اور علمی مضامین لکھتی ہیں اوسکو دیکھکر کمال مسرت ہوتی ہے
میں امید کرتا ہوں کہ یہ رسالہ مسلمانوں میں تعلیم نسواں کے موافق عام خیالات پھیلانے
میں بہت بڑی مدد دے گا۔ دوسرا کام جو کانفرنس کی طرفسے تجویز ہوا ہے وہ نارمل
اسکول کا قایم کرنا ہے۔ فی الحقیقت جسقدر اشد ضرورت تعلیم نسواں کے ہمکو محسوس
ہو رہی ہے اوسیقدر ہماری قوم اس معاملہ میں لاپرواہ اور غافل ہے ہماری قوم
میں پچانوے فیصدی ایسے ہونگے جو تعلیم نسواں کے مخالف ہونگے تین فیصدی ایسے
ہیں جو نہ مخالف نہ موافق اب باقی دو فیصدی جو تعلیم نسواں کو پسند کرتے ہیں۔ لیکن عملی
کام کرنے کے لیے نہ اونکے دلوںمیں کوئی خاص جوش ہے نہ اونہوں نے ابتک کوئی
کام کرکے دکھایا ہے۔ پہر ہماری مستورات میں تعلیم پھیلے توکیونکر پھیلے صیغہ تعلیم نسواں
پورے طور پر کامیاب ہو توکیونکر ہو کہنے کو تو لوگ کہدیتے ہیں اور اعتراض کرنے کو

رہتا رہیں کہ شیخ عبداللہ سکرٹری صیغہ نسواں نے ابتک کچھ بھی نہیں کیا۔ لیکن وہ ذرا اپنے
گریبان میں منہ ڈالکر دیکھیں اور قوم کی عام مردہ حالت پر غور کریں تو وہ بجائے اعتراض
کے آپسے ہمدردی کرینگے آپ باوجود سخت دشواریوں اور مایوسی کے بھی کچھ نہ کچھ کیے
ہی جاتے ہیں اور یہ آپنے پورا ارادہ کرلیا ہے کہ اسوقت تک کوشش کا دامن ہاتھ سے
چھوڑینگے جتبک کامیابی کی صورت اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لینگے۔

مجھکو سخت افسوس ہے کہ آپکے اپیل پر قوم نے ابتک کچھ توجہ نہیں کی اور نارمل
اسکول کے لیئے کہیں سے چندہ نہیں ہوا۔ لیکن آپ ہمت نہ ہاریں یہی قوم ہے جو
آج غفلت میں پڑی ہوئی ہے اور آپکے طرف متوجہ نہیں ہوتی جو کل انشاءاللہ بیدار
ہوگی اور اپنے سب ضروری کاموں منجملہ جسکے تعلیم نسواں بھی ہے خود سنبھالینگے
اور ہم لوگونکو اپنی کوشش کا پورا ثمرہ حاصل ہوگا۔

مجھے تعجب ہے کہ ہماری قوم تعلیم نسواں کے لیئے بہت جلد کوئی انتظام کرنے کے لئے
آمادہ کیوں نہیں ہوتی میں ذیل میں ایک نہایت شریف خاندان کی لڑکی کے خط میں سے
جو مسیز مہدی علی کے نام آیا ہے ایک ٹکڑا نقل کرتا ہوں جسکے آپ اور ناظرین
خاتون اندازہ کرسکتے ہیں کہ ہمارے ملک کی لڑکیونکو خود تعلیم کا کسقدر شوق ہے۔
ان کے لیئے تعلیم کا سامان بہم پہونچانا اسکول قایم کرنا چندہ فراہم کرنا عمدہ کتابیں
تصنیف وتالیف کرنا۔ ہمارے ملک کے مردونکا ایک بڑا فرض ہے۔ ذیل میں اوس
خط کا ایک حصہ نقل کیا جاتا ہے جسکا اوپر حوالہ دیا ہے۔

افسوس اماں جان کا سایہ کیا میرے سر سے اوٹھہ گیا کہ میری تعلیم بھی مجھ سے
رخصت ہوگی کسدرجہ میری آرزو پر پانی پہرا ہے یہ جوکچھ شدبد میں جانتی ہوں یہ صرف
میرے ابتدائی شوق کا نتیجہ ہے شاید میری والدہ زندہ رہتیں تو میں بھی اپنا علمی شوق پورا
کرسکتی۔ لیکن مرحومہ کی بے وقت وفات نے یکایک میری آیندہ تعلیم کی سب امیدیں

خاک میں ملا دیں۔ میں آپ سے سچ کہتی ہوں کہ تعلیم کے چھوٹ جانیکا صدمہ مجھکو والدہ کے انتقال سے کم نہیں ہے جب میں اپنی تعلیم کا خیال کرتی ہوں تو میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے لیکن میرے ارادے پورے ہوتے تھے اور نہ ہوئے۔ افسوس کیا کہوں میری سب امیدوں کا خون ہو گیا۔ جب مجکو اپنی تعلیم جاری رکھنے کی کوئی امید نہ رہی تو میں جو کچھ کم و بیش جانتی تھی اوسیکو غنیمت جانا اور پرچہ تہذیب النسواں میں مضمون لکھنے لگی۔ میں اسوقت تک بھی مایوس اور نا امید نہیں ہوئی اور رات دن یہی دعا کرتی ہوں کہ یا الٰہی کہیں ایسا مدرسہ قریب میں قایم ہو جائے کہ لڑکیاں اوسمیں تعلیم پا سکیں تاکہ میں بھی جا کر اپنی حسرت نکالوں مجھے نہایت خوشی ہوئی کہ آخر کار حال میں ایک رسالہ خاتون بھی جاری ہو گیا ہے مجھے اسکے پڑھنے کا نہایت اشتیاق ہے۔ ایک علمی مذاق کا رسالہ مستورات کے فائدہ کے لیئے ہے خدا اسکو ترقی عطا کرے آمین میری قسمت میں اعلےٰ تعلیم حاصل کرنا نہ تھا۔ لیکن میں دعا کرتی ہوں کہ خدا میری قوم کی لڑکیوں کو حسب دلخواہ تعلیم نصیب کرے،

میں اب اس خط کو ختم کرتا ہوں اور خاتمہ پر پھر اس بات پر زور دیتا ہوں کہ گو ابھی تک قوم تعلیم النسواں کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔ لیکن ہمکو ہرگز مایوس نہ ہونا چاہیے اور اپنی کوشش کو جاری رکھنا چاہیئے ÷

محسن الملک

ملکۂ دمینتی کی سرگذشت

ماخوذ از مہابھارت

کئی ہزار برس کا زمانہ گذرا کہ ہندوستان کے شہر ودربھ میں بہیم سین نامی ایک راجہ حکومت کرتا تہا دمینتی اُس راجہ کی بیٹی ہتی جو خوبصورتی اور نیکی کی ایک زندہ تصویر تہی۔ دمینتی کی شادی نشیدھ کی راجہ نل نامی سے ہوئی جو کہ نہایت نیک اور فیاض تہا اور حمیدہ خصال رکہتا تہا اور طبیعت کا نہایت ہی اچہا آدمی تہا شادی کے بعد کچہ عرصہ تک میاں بی بی نہایت چین اور خوشی سے اپنی زندگی بسر کرتے رہے اور اونکو خدا نے ایک فرزند اور ایک لڑکی بہی عطا کی گو راجہ نل اور سب طرح سے ایک نیک نہاد شخص تہا لیکن خلاف اصول اپنے مذہب کے اوسکو جوا کہیلنے کی وہت تہی وہ اپنے چہوٹے بہائی پشکر سے جوا کہیلا کرتا تہا ایک روز بدنصیبی سے ایسی بازی ہارا۔ کہ راج پاٹ سب کچہ ہار گیا اور بجز ایک چادر کے جو اوس کے جسم پر تہی اور کوئی چیز اوس کے پاس باقی نہ رہی نہایت بیکسی اور بے بسی کیحالت میں پیاری بی بی دمینتی کو ساتہ لیکر شہر سے نکلا اور جنگل کی راہ لی اور جانے سے پیشتر اپنے ننہے ننہے بچونکو دمینتی کے باپ کے گہر بہیجدیا سنگدل چہوٹے بہائی پشکر نے جو اب راجہ بن بیٹہا تہا ملک میں عام منادی کرادی کہ خبردار کوئی میرے بہائی نل اور اوسکی بی بی کو اپنے ہاں پناہ نہ دے ورنہ اوسکا زن و بچہ کولہو میں پلوا دیا جائے گا۔ ستم رسیدہ میاں بی بی کو تین روز فاقہ سے گذر گئے نہ اونکو کہانیکو دانہ میسر ہوا نہ پینے کو پانی۔ چوتہے روز

نہیں چاہتی۔ ایسے میں اسکو سوتا ہوا چھوڑکر میں کہیں چلا جاؤں تو وہ اپنے کو اکیلے پاکر کسی نہ کسی
طرح اپنے باپ کے گھر پہونچ جائیگی۔

آخرکار اسیطور پر سوچتے سوچتے راجہ نل اوس خوبصورت جادو اثر اور محبت کی
مورت کو اوسی درخت کے نیچے ویسا ہی سوتا ہوا چھوڑکر کسی دوسری جانب کو
چلا گیا راجہ نل کے پاس سوا ایک کپڑے کے جس سے وہ اپنی ستر پوشی کرتا تھا
اور کوئی کپڑا نہ تھا بدقسمتی سے وہ کپڑا بھی پھٹ گیا جب وہ اپنی بی بی کو چھوڑ کر
جانے لگا تو اوسکے دوپٹہ میں سے آدھا پھاڑ کر لے گیا۔ دیکھو مصیبت انسان کو
کسقدر سنگدل بنا دیتی ہے یہ دل ہی ایک ایسی شے ہے جو ایک وقت میں موم
کی طرح پگھل جاتا ہے اور دوسرے وقت میں پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے
وہ رنج اور تکلیف جو راجہ نل کو اس بیکسی کی حالت میں اپنی پیاری بی بی کے چھوڑنے
سے ہوا اوسکا دل ہی جانتا تہا وہ تھوڑی دور جاکر پھر لوٹا اور آکر دمینتی کو ویسے ہی
سوتا پایا اب کی مرتبہ جو گیا تو بہت دور نکل گیا اور اب دمینتی بیدار ہوئی اور اپنے کو
اکیلا پاکر سخت پریشان ہوئی اور زار زار رونے لگی اور دل پر کچھ ایسا صدمہ ہوا کہ
غش کہا کر زمین پر گر پڑی جب ہوش میں آئی تو نہایت دردناک آواز میں چلا چلا کر
کہنے لگی۔ اے میری جان کے مالک مینے ایسا کیا گناہ کیا تہا کہ تم مجھکو ایسے
جنگل میں اکیلا چھوڑ کر گئے جہاں سے نکلنے کا کہیں راستہ بھی نہیں ملتا۔ کیا تم اپنے
اوس وعدہ کو بھول گئے جو تمنے شادی کے وقت کیا تہا کہ تم زندگی بھر مجھ سے
جدا نہو گے کیا اسوقت تم مجھ مصیبت زدہ کے دل کی مرجھائی ہوئی کلی کو اپنا پیارا
چہرہ دکہا کر شگفتہ نکرو گے،، اس ملکہ کی غم و الم اور مصیبت کا اثر پتھروں پر بھی ہوا کہ وہ
شق ہو ہو گئے اور پرندے اور وحشی جانور بھی اوس کے رنج سے متاثر ہوئے۔
جب دمینتی روتی چلاتی اوس بیابان گنجان جنگل میں اپنے شوہر کو ڈھونڈھتی

راجہ بہیم سین کے پاس لیگیا اور راجہ نل اپنی پیاری دمینتی کو اکیلا جنگل میں چھوڑنے کی غلطی پر
نادم اور پشیمان ہوکر کچھ عرصہ تک صحرا گردی کرتا رہا اور پہرتا پہرتا شہر اجودھیا کے راجہ رتپرن
کے ہاں آکر کوچبان کی نوکری اختیار کرلی اور بجائے اپنے اصلی نام کے ایک فرضی
نام باکو بتایا۔ دمینتی جب اپنے باپ کے گہر پہونچی اور اپنی سرگذشت باپ کو سنائی تو اسنے
چاروں طرف ایلچی دوڑائے کہ کہیں سے داماد کو ڈہونڈہ کر لائیں اور بیٹی کا گہر بسائیں۔
راجہ نل کا کسیکو کہیں پتہ نہ چلا۔ لیکن اجودھیا سے جو آدمی لوٹکر آیا اوس نے خبر دی
کہ اجودھیا کے راجہ کے ہاں جو کوچبان ہے اوسکے سامنے جب دمینتی اور نل کا ذکر آیا تو
اوسکی آنکھوں میں آنسو بہر آئے اور ٹھنڈے سانس بہرنے لگا دمینتی نے جوں ہی یہ ماجرا
سنا فوراً سمجھ گئی کہ ہو نہو وہی میرا شوہر راجہ نل ہے اوس نے اپنے باپ سے
خواہش کی کہ آپ مہربانی سے اجودھیا کے راجہ کے کوچبان کو اپنے ہاں بلائے۔ راجہ
بہیم سین نے کوچبان کے بلانے میں بہتیری کوشش کی لیکن وہ آنے پر آمادہ نہوا۔ اب
دمینتی ایک چال چلی اور اپنے باپ سے کہا کہ آپ راجہ اجودھیا کو لکھیئے کہ چونکہ میری بیٹی کے
شوہر راجہ نل کے واپس آنے کی اب کوئی امید باقی نہیں رہی اس لیئے وہ سوئمبر یعنے
اپنے انتخاب سے اپنی دوسری شادی کرنا چاہتی ہے آپ بہی مہربانی سے اس موقع
پر یہاں تشریف لائیے راجہ بہیم سین نے راجہ اجودھیا کو اپنی بیٹی کے خواہش کی مطابق
لکھا راجہ اجودھیا اس پیغام کے پہونچتے ہی سفر کا سامان کرکے دمینتی کے نکاح ثانی
کی تقریب میں شرکت کے لیئے جانیکو تیار ہوگیا لیکن دن اسقدر تہوڑے رہگئے
تہے کہ تیز سے تیز گہوڑی بہی اجودھیا سے ودربہ تک وقت پر نہیں پہونچ سکتے تہے
البتہ بیاکو کوچبان باکو جو فن کوچبانی میں مہارت رکہتا تہا گہوڑوں کو چلاکر وقت پر پہونچا سکتا تہا۔
راجہ رتپرن کو بہت تشویش ہوئی۔ کہ وہ ایسے تنگ وقت میں شادی کی تاریخ تک
کیسے پہونچیگا۔ لیکن باکو نے اوس سے کہا کہ اے میرے آقا آپ کچھ متفکر نہوں میں آپ کو

ظاہر کریں۔ اگر نل دمینتی کو جنگل میں چھوڑ کر چلا نہ جاتا تو دمینتی کا زندہ رہنا محال تھا علاوہ
اسکے جو کچھ تکلیف اوسکو نل کے ہاتھوں پہونچی ہو اوسپر دمینتی کو اتنا غصہ نہیں کرنا چاہئے
جو شخص آن کی آن میں تخت شاہی سے گر کر ایسی مصیبت میں مبتلا ہوگیا ہو کہ اُسکو
پاؤں میں پہنے کو جوتی بھی میسر نہو کیا یہ کچھ تعجب کی بات ہے کہ اوسکی عقل بھی ٹھکانے نہ رہی
ہو یہ کہتی سہے وہ پھر آنسو بھر لایا اور زار زار رونے لگا یہ باتیں سنکر اور یہ حال دیکھا خادمہ
محل سرا میں گئی اور دمینتی کو یہ حال سنایا۔ دمینتی سنتے ہی سمجھ گئی کہ یہ کوچبان جو اپنا نام باکو
بتاتا ہے یہ دراصل میرا شوہر راجہ نل ہے اور خادمہ سے کہا کہ پھر جاکر دیکھ کہ وہ کیا
کر رہا ہے اور میرے بچوں کو بھی ساتھ لیتی جا۔
راجہ نل کے سامنے جب خادمہ اوسکے بچوں کو لائی تو بیاختہ اوسکی آنکھوں سے
آنسو جاری ہوگئے اور کہا کہ میرے بھی بچے ایسے ہی تھے۔ ایک مدت ہوئی کہ مجھسے
جدا ہوگئے اونکو گلے سے لگایا پھر اوسنے خادمہ سے کہا کہ اب انہیں انکی ماں کے پاس
لیجا۔ ہائے یہ آج راجہ نل کے بیٹے ہیں کل کسی اور کے کہلائینگے حیف ہے اوس بی بی پر
جو آج ایک خاوند سے نکاح کرچکی ہو اور کل اپنے لئے دوسرا خاوند منتخب کرے اب میں تھوڑے
دیر کے بعد یہ عجیب تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھونگا کہ راجہ نل کی وفادار بی بی اپنے لئے
دوسرا شوہر تجویز کرے گی۔ خادمہ نے جب پھر جاکر دمینتی کو کل حال سنایا تو اوسکو
پورا یقین ہوگیا کہ یہی میرا شوہر ہے اور اپنی ماں کو خوشخبری سنائی کہ میرا شوہر واپس آگیا پھر
اوسا جازت چاہتی ہوں کہ میں خود جاکر اوسکو اپنی آنکھ سے دیکھوں۔ دمینتی اپنے بچوں کو
ساتھ لیکر راجہ نل کے پاس گئی اور اوسکی خستہ حالی اور کوچبانی کا لباس اوس کے بدن پر
دیکھکر مارے رنج کے قریب تھا کہ اوسکا دل پھٹ جاوے لیکن اپنے کو سنبھال کر
راجہ نل کیطرف مخاطب ہوئی اور کہا کہ اے میرے مالک یہ کہانکا انصاف تھا کہ آپ
مجھ جیسی بے گناہ کمزور کو جنگل میں اکیلا چھوڑ کر کہیں چلے گئے راجہ نل بہت شرمندہ ہوا

اور کہا کہ میری پیاری بی بی کیا یہ ممکن تہا کہ میں اپنی خوشی اور خواہش سے تمکو ایسی حالت
میں چھوڑتا جس تقدیر نے مجھسے میرا راج پاٹ چہینا اوسی نے تمکو بھی چھوڑنے پر مجبور کیا۔
لیکن وہ ناقابل برداشت تکلیف جو تمہاری جدائی سے ہمکو ہوئی وہ میری مصیبت زدہ چہرے
سے ظاہر ہے۔ بہر حال ایک وفادار بی بی کو اپنے شوہر کی غلطیوں کی شکایت نہیں
کرنی چاہیئے۔ لیکن اب اس بحث سے کیا حاصل ہے جبکہ تہوڑی دیر میں تم کسی دوسرے کی
بی بی بننے پر آمادہ ہو۔ دمینتی ہاتھ جوڑکر سامنے کہڑی ہوگئی اور کہا کہ یہ صرف آپکو یہاں
بلانے کا ایک بہانہ تہا آپ دیکھتے ہیں کہ یہاں کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جس سے
میں شادی کروں اور اسکا تو میں پورا ارادہ کر ہی چکی تہی کہ اگر آج آپسے ملاقات
نہوئی تو اپنے کو آگ کے حوالہ کر دونگی جو خوشی ان دونوں کو ایک دوسرے کے
دیکھنے سے ہوئی اوسکا بیان کرنا امکان سے باہر ہے جب راجہ بہیم سین اور راجہ
اجودہیا کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ بہی بہت خوش ہوئے اجودہیا کے راجہ نے راجہ نل سے
جو اسوقت تک اوسکو جیان سمجہا گیا تہا برا بہلا کہنے کی معافی مانگی اور راجہ بہیم سین نے
راجہ نل کے ہمراہ ایک فوج کا دستہ کر دیا کہ وہ جاکر اپنا ملک پشکر اپنے بہائی سے
چہین لے۔ لیکن راجہ نل نے لڑنا پسند نہیں کیا اور اپنے بہائی سے کہا کہ او ایک
مرتبہ اور قسمت آزمائی کریں اور ملک پر بازی لگائیں میری قسمت میں ہوگا تو جیت کر پہر
راجہ بن جاونگا ورنہ ہمیشہ کیلئے تمہاری غلامی قبول کرونگا۔ دیکھئے کیسے پہر قسمت جاگتی
ہے کہ بازی لگاتے ہی جیت گیا اور اپنے ملک کا مالک ہوگیا اوسکا چہوٹا بہائی پشکر بہت
خوف زدہ ہوگیا کہ نہ معلوم میرا بہائی اب مجھسے کیا سلوک کرے گا۔ لیکن نیک دل
راجہ نل نے اوسکی تشفی کی اور اوسکو بڑی عزت سے اپنے پاس رکہا۔ اب راجہ نل اور دمینتی مع
اپنے بچوں کے پہونچے اپنے محلوں میں داخل ہوئے۔ خوشی کے شادیانے بجنے لگے
اور وہ بڑے چین سے اور خوشی سے اپنی زندگی بسر کرنے لگے۔ اڈیٹر

مُفید ترانہ

*گذشتہ نمبر میں معزز عزیدار ذامہ نگار خاتون جناب آبرو بیگم صاحبہ رئیسہ بمبئی کی شادی کتخدائی کی اطلاع ناظرین کو یاد ہوگی ہم نے وعدہ کیا تھا کہ آیندہ اشاعت میں شادی کی مفصل کیفیت درج کریں گے لیکن ابتک اون کی بڑی ہمشیرہ جناب فاطمہ بیگم صاحبہ نے لکھکر نہیں بھیجی۔ اسلئے معذور ہیں اس اطلاع کے ساتھ یہ اعلان کہ شادی کے دو طرفہ فضول اخراجات کی رقم خود دولھن کی استدعا ہے کہ مجوزہ نارمل اسکول علیگڈھ کو دیدیجائے۔ ہمارے سلسلہ تعلیم نسواں کی تاریخ میں ایک قابل یادگار واقعہ ہے۔ اس گئے گذرے وقت میں اون نامور اسلامی خاتونوں کا سلسلہ جنہوں نے اپنے سر و سامان۔ جاگیریں اور شاہانہ جہیز خانقاہوں کو بلا و سس زمانہ کے مدرسے اور یونیورسٹیاں تہیں نذر کر دیئے تھے۔ قوم کی مستورات میں موجود پانے سے ہمیں بہت مسرت ہے خدا کرے آبرو بیگم صاحبہ جیسی بیشمار لڑکیاں اس سلسلہ کو ابد الآباد تک پہنچائیں ہم اون کے خیال کی بے انتہا قدر کرتے ہیں۔ بیجا باموقعہ اظہار ہمدردی جو مثال [illegible] سکے واقعی قابل فخر و ناز ہے آبرو بیگم صاحبہ نے یہ ایسا اچھا اور مبارک سبق [illegible] جن مستورات کو پڑھایا ہے کہ اخلاقی گیت کے طور پر از بر کرانے کے لائق ہے بدیں ضرورت ہم اوسکو نظم کرنے کی خواہش سے باز نہیں رہ سکتے۔ خاتون [illegible] خاتونیں آبرو بیگم صاحبہ کے مفید مضمون پڑھکر فائدہ اٹہاتی ہوں گی مندرجہ ذیل نظم کا مفید مضمون، خود آبرو بیگم صاحبہ کو پاکر اور بھی خوش ہوں گی ہمارے دست

مسٹر احتشام نے کس خوبی سے آبرو بیگم صاحبہ کی لیاقت اور سادگی کے پاکیزہ خیال کی تعریف کی ہے کہ ،، شاعر بھی اچھا شعر بھی اچھا مضمون بھی اچھا اِس نظم پر صادق آتا ہے

اڈیٹر

ترانہ

جو ہو کوئی زمانے میں تو ہو ایسی بہو بیگم
کہ جیسی فخر بیگم۔ ناز بیگم۔ آبرو بیگم

گو ادا صرف زر جسکو نمود دون کی شہرت پر — نہ مہندی پر نہ ساچق پر نہ جوتھی پر نہ دعوت پر
نہ جو ترجیح دے اسراف کو قومی ضرورت پر — تعال و مرحبا و آفریں اوس کی لیاقت پر

جو ہو کوئی زمانے میں تو ہو ایسی بہو بیگم
کہ جیسی فخر بیگم ناز بیگم آبرو بیگم

سخی ہے اسکا دل لیکن نہ بیہودہ اٹھانے کو — نہ شیخی کو، بڑائی کو، نہ دنیا کے دکھانے کو
اسے مقدور ہے اوروں کے آسودہ بنانے کو — پڑھا ہے اس نے گویا اپنی بہنوں کے پڑھانے کو

جو ہو کوئی زمانے میں تو ہو ایسی بہو بیگم
کہ جیسی فخر بیگم۔ ناز بیگم۔ آبرو بیگم

طبیعت قید سے رسموں کی گو آزاد رکھتی ہے — شریعت کا مگر مدنظر ارشاد رکھتی ہے
جو خلقت کو نہ بھولے اوسکو خلقت یاد رکھتی ہے — خوشی میں اپنی ہم جنسوں کا غم بھی یاد رکھتی ہے

جو ہو کوئی زمانے میں تو ہو ایسی بہو بیگم
کہ جیسی فخر بیگم۔ ناز بیگم۔ آبرو بیگم

جو اہل گنج تقریبوں میں بے موقعہ اٹھاتے ہیں — حقیقت میں وہ گنجے ہیں روپے اوڑ کے کھاتے ہیں
نہ دنیا ہی میں کچھ حاصل نہ کچھ عقبے میں پاتے ہیں — کوئی خاتون مانے یا نہ مانے کہہ سناتے ہیں

جو ہو کوئی زمانے میں تو ہو ایسی بہو، بیگم
کہ جیسی فخر بیگم۔ ناز بیگم۔ آبرو بیگم

نشاں اسراف کا ڈھونڈے سے بھی مشرق نہ پائینگی
مگر دیوار و در اسکول کے اونکو جو آئیں گے

یہ جلسے شادیانے آج ہیں۔ کل بھول جائینگے
ترانہ آبرو بیگم کی شادی کا سنائیں گے

جو ہو کوئی زمانے میں تو ہو ایسی بہو، بیگم
کہ جیسی فخر بیگم۔ ناز بیگم۔ آبرو بیگم

محمد احتشام الدین دہلوی

اڈیٹوریل

ہمکو نہایت سخت افسوس ہے کہ جناب مسز بدرالدین طیب جی صاحبہ نے ۲ جون کو اس جہان فانی سے رحلت فرمائی۔ مرحومہ ایک نہایت روشن خیال تعلیم یافتہ خاتون تھیں اور اون کے انتقال سے ہمارے ملک کے طبقہ اناث کو سخت نقصان پہونچا ہے۔ مرحومہ اپنے ملک کی دیگر بہنوں کے فائدہ اور بہبودی کے کاموں میں بہت سرگرمی سے حصہ لیتی تھیں۔ خاتون کے اس نمبر میں ہم دو خطوط مرحومہ کے ماتم پر شائع کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ عام طور پر مرحومہ کی وفات پر سب کو رنج اور صدمہ ہوا ہے۔ خدا مرحومہ کو غریق رحمت کرے۔ ہمکو جناب جسٹس مسٹر بدرالدین طیب جی اور مرحومہ کے صاحبزادگان اور صاحبزادیوں سے پوری ہمدردی ہے۔

ہمارے ایک معزز خریدار لیڈی اور نامہ نگار نے نارمل اسکول کے لیے مبلغ سو روپیہ
دینے کا وعدہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ بینک میں چندہ سکرٹری کے پاس بھیجدونگی
اپنا نام ظاہر نہیں کرنے کی - اور جولائی کے اول ہفتہ میں اپنا چندہ بھیجدونگی ہمیں
امید ہے کہ آیندہ پرچہ میں ہم بڑی شکرگذاری سے اونکا نام نامی اپنے رسالہ میں
درج کریں گے +

ہمارے دوست مسٹر بدرالدین صاحب بی۔اے۔ نے الہ آباد سے اطلاع دی ہے
کہ چند دوستوں نے وہاں زنانہ نارمل اسکول کے لیے مستقل ماہواری چندہ دینے کا
وعدہ کیا ہے جنکی مجموعی رقم ۵۰ روپیہ سالانہ ہوتے ہیں - آیندہ پرچہ میں ہم شکرگذاری
سے وعدہ کرنے والے دوستوں کے اسماکی فہرست شائع کریں گے - ہم اپنے
دوست مسٹر بدرالدین صاحب اور مسٹر ظہور احمد صاحب اور مسٹر فیض اللہ صاحب کے
تہ دل سے مشکور ہیں کہ اون کی ادنی سی کوشش سے خاص کامیابی ہوگئی ہے

۲۹ اپریل ۱۹۰۵ء کے تہذیب النسواں میں ایک مضمون "ایک مظلوم کی فریاد"
کے عنوان سے چھپا تھا - اوس کے بعد اخبار وطن لاہور نے اون کل واقعات کی
تحقیقات کی جو خط میں لکھے تھے اور مضمون خط کو فرضی بنایا پھر دوبارہ اخبار
تہذیب نسواں مورخہ ۳ جون میں اس معاملہ پر منیجر صاحب نے ایک نوٹ دیا ہے
جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت اخبار وطن نے بلا وجہ اصلی واقعات کو غلط و فرضی
بنا کر مضمون خط کی تردید کی تھی - ہمکو اس سے بحث نہیں ہے کہ یہ خاص واقعہ سچا ہے
یا جھوٹا اس واقعہ کو اصلی فرض کرکے ہمیں اصول شادی پر بحث کرنی چاہیے اور یہاں

باپ کا یا کسی دوسرے ولی کا ہرگز کوئی ایسا حق تسلیم کرنا نہیں چاہیئے کہ وہ جہاں اور
جسطور سے چاہیں اپنی لڑکیوں کی شادی کردیں۔ شرع ہمارے ساتھ ہے۔ ایک بالغ لڑکی
کا نکاح بلا اوسکی رضامندی کے ناجائز ہے اور اگر ایک نابالغ لڑکی کا نکاح کوئی ولی
کسی ایسے شخص سے کردے جسکو وہ ناپسند کرتی ہو تو بالغ ہوکر اوسکو وہ نکاح فسخ
کرکے آزاد ہوجانے کا اختیار ہے۔ قانون ہمارے ساتھ ہے۔ اگر کوئی لڑکی قاضی
کے پاس جاکر کہے کہ میں فلاں شخص سے نکاح کرنے سے رضامند نہیں ہوں میرا
اوس سے زبردستی نکاح کیا جاتا ہے تو قاضی حکم امتناعی جاری کرسکتا ہے۔ عقل
ورعاقبت اندیشی ہمارے معین ومددگار ہیں اور پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ جن دو
شخصوں کو ایک دوسرے کے ساتھ تمام عمر کاٹنی ہے اونکا نکاح بلا ہردو کی رضامندی کے
مت کرو۔ اب وہ کیا چیز رہ گئی جو ہمکو مجبور کرتی ہے کہ لڑکی کو منہ سے بات تک نکالنے
کی اجازت نہ دی جاوے اور ماں باپ یا اور گھر کے بڑے بوڑھے جو چاہیں اوسکے
لیئے کریں۔ صرف جاہلانہ رسم و رواج کیوجہ سے ہم اپنے کو اس معاملہ میں مجبور خیال
کرتے ہیں۔ اسمیں کچھ شبہ نہیں ہے کہ اکثر حالتوں میں اپنی اولاد کے لیئے جو کچھ
ماں باپ کرسکتے ہیں وہ خود لڑکیاں بھی اپنے لیئے نہیں کرسکتیں۔ لڑکیوں کو اگر
آزاد و مطلق بنا دیا جائے جیسے یورپین اقوام نے آزادی دے رکھی ہے تو وہ
اکثر حالتوں میں اچھے شوہر کے انتخاب میں غلطی کرینگی لیکن اوسکے ساتھ ہی جب ماں
باپ اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اوٹھائیں یا اپنی تمیز و عقل کو بالائے طاق
رکھکر دولت یا عزت کے خیال سے اپنی لڑکیوں کے لیئے برے شوہر تجویز کریں تو
ایسی حالت میں لڑکیوں کو اجازت رہنی چاہیے کہ وہ رسم و رواج کے پھندوں کو توڑکر
اپنے قدرتی حقوق کی آڑ میں پناہ گزیں ہوں اور سوسائٹی کو چاہیئے کہ بجائے اسکے
کہ غریب مظلوم لڑکیوں کی اس جائز آزادی پر تمسخر کرے۔ اونکو حق بجانب سمجھکر

اونکی دلجوئی اور اعانت کرے۔ ہمیں اپنے ہمعصر تہذیب لنسواں سے امید ہے کہ وہ اِس بارہ میں سوسائٹی کے خیالات میں تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کریگا۔ اِس معاملہ میں ہم پوری مدد کا وعدہ کرتے ہیں!

تعدد ازدواج بعض اخبارات میں اندنوں مسئلہ تعدد ازدواج پر بحث ہو رہی ہے۔ چنانچہ کسی آریہ اخبار کے اڈیٹر صاحب نے اسلام کو اس رسم کا موجد گردانا ہے اور اسکو ایک نہایت قبیح رسم ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ادہر مسلمان اخبارات کو اشتعال ہوا اور اونہوں نے ہندوؤں پر الزام لگائے اور رسم کثیر الازدواجی کو ایک عمدہ رسم ثابت کیا ہے۔ عیسائی اخبارات اور مصنف تو ہمیشہ ایشیائی اقوام کو اِس رسم کے رواج کا ملزم قرار دیتے ہی تہے اب ہندو اور مسلمانوں میں بہی قیل وقال شروع ہوئی ہے۔ خیر ہمکو اِس سے کچھ غرض نہیں ہے کہ تعدد ازدواج کی رسم سب سے اول ہندوؤں سے شروع ہوئی ہے یا مسلمانوں سے۔ لیکن ہم محض واقعات کی بنیاد پر اِس کے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ واقعات یہ ہیں:-

اوّل یہ کہ موجودہ زمانہ میں رسم کثیر الازدواجی کم و بیش ہندوؤں اور مسلمان دونوں اقوام میں پائی جاتی ہے اور علاوہ ہندو مسلمانوں کے چینیوں اور جاپانیوں میں بہی موجود ہے۔ بلکہ ماسوا یورپ اور امریکہ کے عیسائی اقوام کے اور کل دنیا کی اقوام اور مذہب میں اِس رسم کا رواج پایا جاتا ہے:-

دوئم زمانہ گذشتہ کی کل اقوام میں رسم تعدد ازدواجی کا رواج تہا۔

اب اِس سے کسیکو انکار نہیں ہوسکتا کہ زمانہ حال میں علاوہ اقوام نصاریٰ کے سب قوموں میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی رسم موجود ہے۔ چنانچہ اخبار انڈین مرر کے سنہ ۱۸۹۷ء کے فائل سے معلوم ہوتا ہے کہ بنگال میں کولین برہمنوں میں ایک ایک

لاتعداد شادیاں کرسکتا ہے - چنانچہ اوسمیں تین سو ایسے آدمیوں کی فہرست شائع ہوئی ہے
جن میں سے ہر ایک کی چار سے زیادہ بیبیاں ہیں اور ایک شخص کی ایک سو سات
بیبیاں ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جنکی بیبیوں کی تعداد ستر ستر اور اسی اسی ہے -
جام جمشید ونی اور انڈین میگزین سنہ ۱۸۹۲ عیسوی بھی اس واقع کی تصدیق کرتے
ہیں - علاوہ کولین برہمنوں کے دیگر اقوام کے ہر حصہ ہند کے ہندوں میں بھی ایک
سے زیادہ شادیوں کی رسم پائی جاتی ہے گو تعداد اسقدر زیادہ نہیں ہوتی جتنی کولین
برہمنوں میں - مسلمانوں میں بھی ایک سے زیادہ شادیاں ہوتی ہیں - لیکن چار سے زیادہ
کوئی نہیں کرسکتا +
زمانہ گذشتہ میں ہر ملک اور ہر قوم میں تعدد ازدواج کی رسم جاری تھی - اور
کسی قسم کی کوئی حد نہ تھی عربوں میں تو یہ حالت تھی کہ ایک شخص واحد سینکڑوں
شادیاں کرسکتا تھا اور تقریباً یہی حالت تھی جو اسوقت میں بنگال کے کولین برہمنوں کی
ہے - اس غیر محدود اختیار کو جاہل عرب نہایت وحشیانہ طریقے سے استعمال کرتے
تھے جسمیں عورتوں کے حقوق کا ذرہ برابر بھی لحاظ نہیں کیا جاتا تھا - نئی نئی شادیاں کرتے
جاتے تھے اور اپنی پہلی بیبیوں کو نہ طلاق دیکر علیحدہ کرتے تھے اور نہ اون کے نان
نفقہ کی کچھ فکر کرتے تھے اور نہ وہ عورتیں کہیں اپنا دوسرا نکاح کرسکتی تھیں - اسلام
نے آکر اس برائی کو روکا اور شادیوں کی تعداد چار تک محدود کردی کہ اس سے
زیادہ کوئی نہ کرنے پائے اور چار کی بھی اجازت صرف اوسی حالت میں دی جب
خاوند اپنی بیبیوں سے انصاف اور عدل کا برتاؤ کرنے کی قدرت اور قابلیت رکھتا
ہو ورنہ ایک سے زیادہ شادی کوئی نکرے - آجکل کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کے نزدیک
اس حکم قرآنی کا منشا یہ ہے کہ کوئی شخص ایک سے زیادہ شادیاں نکرے - کیونکہ خدا
تعالے نے خود کہدیا ہے کہ کوئی شخص عدل نہیں کرسکتا - اور زیادہ شادیوں سے

عدل کی قید لگادی ہے۔ پس اس سے صریحًا ایک سے زیادہ شادیوں کی ممانعت پائی
جاتی ہے۔ ہمارے پاس ایک مسلمان صاحب نے ایک مضمون خاتون کے لیئے لکھکر
بھیجا ہے اور اوسمیں اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن شریف
میں صرف چار شادیوں کی اجازت ہی نہیں بلکہ حکم صریح ہے کہ چار شادیاں ضرور
کرو کیونکہ جہاں یہ لکھا ہے کہ سب بیبیوں سے عدل وانصاف سے پیش آؤ۔ وہاں تاکیدًا
یہ بھی لکھدیا ہے کہ صرف ایک ہی کی طرف جھک پڑو۔ ایک کی طرف جھک پڑنے
کا مطلب ابتک تو لوگ یہ سمجھتے رہے ہیں۔ کہ ایک بی بی کو دوسریوں پر کسی بات
میں ترجیح نہیں دو۔ لیکن ہمارے نئے مفسر صاحب نے اس لفظ جھک پڑنے کو عجیب
غریب معنے پہنائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی بی بی پر
قناعت مت کرو بلکہ ضرور بالضرور چار چار شادیاں کرو۔ ہمارے نزدیک الفاظ
قرآنی ان معنوں کے ہرگز متحمل نہیں ہو سکتے معزز نامہ نگار صاحب کی یہ جدت
کسی طرح قابل قدر نہیں ہے۔

ہم اس بات کو تسلیم کرکے کہ اسلام نے چار شادیوں تک کی اجازت دی ہے
اس مسئلہ پر اپنی رائے ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔

اب جہانتک دیگر اقوام گذشتہ کے حالات تاریخ سے معلوم ہوتے ہیں اوس سے
یہ بات پورے طور پر پایۂ ثبوت کو پہونچ گئی ہے کہ سب قوموں میں رسم تعدد ازدواج
جاری تھی۔ یہود میں عام طور پر لوگ ایک سے زیادہ شادیاں کرتے تھے۔ حضرت
داؤد کی ایک سو بیبیاں تھیں۔ اسی طور پر حضرت سلیمان اور حضرت اسمٰعیل اور
دیگر نامور بنی اسرائیل کے حالات میں دیکھو کہ انمیں سے اکثروں کی ایک سے
زیادہ بیبیاں تھیں۔ چینیوں میں بھی یہ رواج قدیم سے چلا آتا ہے۔ ہندوؤں
میں تو یہ رواج منوسمرتی کے زمانہ سے بھی پہلے سے چلا آتا ہے۔ منو دہرم شاستر میں

اور دیگر سمرتیوں میں جہاں اور ورثا کے حقوق پر بحث کی گئی ہے وہاں
تعدد بیبیوں کے حقوق کا تصفیہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ ایک لاولد شوہر کی سب
بیوائیں منزلۂ شوہر متوفی کی جائداد پر قابض ہونگی۔ رامائن اور مہابھارت کو اوٹھا کر
دیکھو کہ اکثر نامور بہادروں۔ راجاؤں اور رشیوں کی دو دو چار چار بیبیاں
ہوتی تھیں۔ مہاراجہ جسرتھ رام چندر جی کے والد کی تین بیبیاں تھیں۔ کرشن جی
کے کئی سو بیبیاں تھیں۔ مہارشی یجناولک کے حالات میں لکھا ہے کہ جب
وہ تارک الدنیا ہوکر جنگل میں جانیکو تھے تو اُنہوں نے اپنی سب بیبیوں کو بلا کر
پوچھا کہ تم میری جائداد میں سے کیا کیا لینا چاہتی ہو۔ اونمیں سے کسی نے
کوئی چیز پسند کی اور کسی نے کوئی۔ لیکن ایک بی بی نے کہا کہ مجھے مال دولت
کچھ نہیں چاہیئے میرے دل و دماغ کو حقیقی علم کی روشنی سے منور کر دیجئے۔ اس کے
علاوہ اور بہت سے رشیونکی ایک سے زیادہ شادیوں کا پتہ چلتا ہے۔ پس آجکل
کسی شخص کا اپنی گذشتہ تاریخ کی لاعلمی کیوجہ سے یہ کہدینا کہ مسلمانوں نے
اس رسم کو ہندوستان میں رواج دیا ہے ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔ تاریخ سے
یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں تعدد ازدواج کی رسم سے بڑھکر
ایک اور قبیح رسم بھی موجود تھی یعنے ایک عورت کو ایک وقت میں کئی کئی شوہر
کرنے کا بھی اختیار تھا۔ پانڈوں کی تاریخ اسکی شاہد ہے اور زمانہ حال میں
بھی بعض مقامات پر ابھی تک ہندو اقوام میں یہ رسم جاری ہے۔ اسکے لیئے
گذشتہ مردم شماری کی رپورٹیں دیکھہ لیجئے۔ پس یہ ناحق کی بات ہے کہ کوئی
بری رسم ہندوستان میں مسلمانوں کی وجہ سے جاری ہوئی ہو۔ ہندوستان
میں تو بری سے بری رسمیں جو دنیا کی کسی قوم میں نہیں پائی جاتی تھیں جاری تھیں
اور اب بھی جاری ہیں۔ پس قصہ مختصر اب بجائے اسکے کہ ہندو اور مسلمان

مردم شماری کی رپورٹوں کا مقابلہ کر کے دیکھئے تو مردوں اور عورتوں کی تعداد
قدرتاً برابر ہے۔ کہیں شاذ و نادر فی دس ہزار مردوں میں تین چار عورتوں کی تعداد
زیادہ ہوتی ہے اور کہیں اوسیقدر مردوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔
پس قانون قدرت کو ہی منظور نہیں کہ مرد ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی
کریں حضرت آدم اور حوا کے قصے میں خدا تعالےٰ نے خود انسانوں کی
رہنمائی کی ہے کہ ایک مرد کے لیئے ایک ہی عورت ہونی چاہیئے ورنہ
خدا تعالےٰ آدم کے لیئے دس بیس عورتیں پیدا کر سکتا تھا۔ انتظام خانہ
داری اور تربیت اولاد کے لیئے ازحد ضروری ہے کہ ایک گھر کی مالک
ہی بی بی ہو۔ عورتوں کے حقوق کی حفاظت اسوقت تک ممکن نہیں جتبک
اونکو دوسری رقیب بی بی کے دن رات کی لڑائی جھگڑوں اور دست
درازیوں سے نجات ندی جائے۔ مرد کبھی بیبیوں کی مہذبانہ اور شریفانہ
طریقے سے قدر نہیں کر سکتے جتبک اون کے کل گھر کے انتظام کا دار و مدار
صرف ایک ہی بی بی پر نہ ہو۔
ہمنے اس نوٹ میں خاتون کی پالیسی کا اعلان کر دیا ہے کہ ہم تعدد ازدواج
کے حامی نہیں ہیں اور ایک ہی شادی کو پسند کرتے ہیں۔ ہم خاتون میں اس
مسئلہ پر موافق یا مخالفت مضمون ہرگز نہ چھاپینگے۔ کیونکہ ہمارے آجکل کے
مضمون نگار اور بالخصوص اوس گروہ کے لوگ جو تعدد ازدواج کے حامی ہیں
ایک نہایت غیر مہذب طریقے سے ہمیشہ بحث کرتے ہیں۔ عورتوں پر مردوں کا
فوق ثابت کرنے میں شرع میں کچھ شرم اٹھا نہیں رکھتے۔

ملک کیوبا کی مردم شماری میں مردوں کی تعداد ۷۵ فیصدی اور عورتوں کی تعداد صرف ۲۵ فیصدی ہے۔

جولائی کے پرچے میں منجملہ اور بہت سے عمدہ مضامین کے ایک مضمون شیخ عبد القادر صاحب کا ہوگا جو اُنہوں نے لندن سے لکھکر بھیجا ہے اور دوسرا مضمون ہمارے دوست مولوی انعام الحق صاحب کا ہے جو اُنہوں نے بحرین سے بھیجا ہے۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ ہمارے صوبے کی گورمنٹ نے ایک کمیٹی قایم کی تھی کہ تعلیم نسواں کے متعلق پورے حالات کی تفتیش کے بعد رپورٹ پیش کرے کہ مستورات میں تعلیم کیونکر پھیلائی جاوے۔ کمیٹی نے چھ ماہ کی کامل محنت اور کوشش کے بعد ایک مفصل رپورٹ پیش کی ہے اور گورمنٹ اور دیگر اہل الرائے کے نزدیک جو باتیں رپورٹ میں درج کی گئی ہیں اُنپر عمل کرنے سے تعلیم نسواں کی اشاعت میں یقینی کامیابی ہوسکتی ہے۔
ہم آیندہ پرچے میں اُسکا خلاصہ درج کرینگے ہمیں اُمید ہے کہ یہ رپورٹ تعلیم نسواں کے حق میں ایک نہایت مفید چیز ثابت ہوگی اور لوگ اُس پر عمل کرینگے۔

[illegible] خواتین سے امید کرتے ہیں کہ وہ کانفرنس کی [illegible] نمائش میں بھیجیں گی۔ بیگم [illegible] صاحبہ۔ مسز عبدالدین طیب جی صاحبہ۔ سلطانہ بیگم صاحبہ اور سعیدہ احمد بیگم صاحبہ۔ سکندر جہاں بیگم صاحبہ اور چند اور خاتونوں کی نسبت ہمکو اطلاع ملی ہے کہ وہ نمائش کے لئے اشیاء کی تیاری اور فراہمی میں مشغول ہیں۔ جن حضرات اور خواتین نے سال گذشتہ میں ہمکو مدد دی تھی وہ امسال بھی ضرور اشیاء مرحمت فرمائینگے ہم اس بات کی فکر میں ہیں کہ بمبئی سے بہت سی نادر اور عمدہ چیزیں دستیاب ہوجائیں اور ہمیں اس میں کامیابی کی بہت امید ہے۔ اس بات کے معلوم کرنے سے ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے ملک کی خاتونوں میں بہت کم ایسی ہیں جو عمدہ صنعت اور دستکاری کی چیزیں بنا سکتی ہوں۔ صرف وہ خاتونیں جو کچھ پڑھ لکھ گئی ہیں وہی کم و بیش سوئی سلائی سے عمدگی سے کام بنا سکتی ہیں۔ ہمیں اپنے ہمعصر اردو اخبارات سے توقع ہے کہ وہ کانفرنس کے اس ضروری کام میں امداد دینگے۔

———(✤)———

اعلان

اِس رسالہ کی قیمت نظر بر حال موجودہ (سے) سالانہ رکھی گئی ہے۔ اور ششماہی (عہ) فی پرچہ (۵ر) درخواستیں بنام شیخ محمد عبداللہ صاحب بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل ہائیکورٹ علیگڈھ آنی چاہییں

قیمت ہر حال میں پیشگی لیجائے گی۔

تمام مضامین اڈیٹر کے پاس آنے چاہییں *

خاتون

۱۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علیگڈہ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اسکی سالانہ قیمت (عہ) ہے

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پہیلانا اور پڑہی لکہی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳۔ مستورات میں تعلیم پہیلانی کوئی آسان بات نہیں اور جب تک مرد اسطرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کو ذریعے سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور اُسکے بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہورہے ہیں اسکی طرف ہم ہمیشہ مردونکو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴۔ ہمارا رسالہ اسبات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لئے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیاجائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی اُنکو ضرورت محسوس ہو۔ تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکہنا جو علم پڑہنے سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اردو زبان میں لکہے جائیں۔

۶۔ مستورات کو مضامین اور خطوط جیسے بہی ہونگے ہم ضروری اصلاح کے بعد شائع کردینگے۔

۷۔ اس رسالہ کے مدد کرنے کے لئے اسکو خریدنا گویا اپنی مدد آپ کرنا ہے۔ اگر اسکی آمدنی سے کچہہ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیونکو وظائف دیکر استانیونکی خدمت کے لئے تیار کیا جائیگا۔

سے ظاہر ہے جناب ممدوحہ کی تمنا ہے کہ ہماری بیویاں ان مضامین پر غور کریں اور ان کی
مفید صلاحوں کو اختیار کریں ۔ یہی محسن کا شکریہ کس زبان سے ادا کیا جائے "مسز سمتھ"
نے اس مضمون میں "امیر بیگم" سے جو کچھ کہا وہ گویا ہماری منہ سے بات نکال لی جو ہم مسز
مارسین کے لئے کہنا چاہتے تھے، اور کیسی سچی بات ہے کہ "آپ حقیقت میں ہندوستان
کی عورتوں کی آیندہ بہبودی کے لئے بہت بڑا کام کر رہی ہیں" ترجمہ کے متعلق ایک
بات عرض کرنی بیجا نہ ہوگی۔ ہماری بعض نکتہ چین با مذاق لیڈی ناظرین کو یہ بات کھٹکے گی
کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک میم صاحبہ اردو میں ایسی آزادی اور روانی کے ساتھ گفتگو
کر سکیں اور زنانہ محاورات پر اسقدر قدرت ظاہر کر سکیں جو "مسز سمتھ" کی باتوں سے
ظاہر ہوتا ہے۔ مگر ہم بہ درخواست معافی اس نقص کا اعتراف کرتے ہیں اور اس
لٹریری نقص کی وجہ اس مصلحت کو بتاتے ہیں کہ اگر "مسز سمتھ" اٹک اٹک کر اور بے محاورہ
گفتگو کریں اور غلط اردو بولیں تو انکا مفہوم غیر واضح ہو جائیگا اور جو نفع وہ اپنی مفید باتوں
سے پہنچانا چاہتی ہیں وہ معدوم ہو جائیگا۔

ایڈیٹر

امیر بیگم۔ (مسز سمتھ کو دروازہ میں سے آتا دیکھکر اور تعظیماً کھڑے ہو کر) ۔ آخاہ، آج تو میم صاحبہ
آرہی ہیں، آج کدہر کی دنیا جاتی دیکھی جو آپ نے ہم غریبوں پر کرم فرمایا۔
مسز سمتھ۔ (کچھ سنا کچھ نہیں سنا اور جو کچھ سنا وہ سمجھ میں نہیں آیا۔ قریب آکر کھڑے کھڑے کہا)
سلام بیگم صاحبہ، کہئے آپ خوش ہیں، بال بچے اچھی طرح . . .
بیگم۔ آداب . . . نہیں میم صاحبہ ادہر نہیں آپ اس کرسی پر بیٹھئے، اچھی آپ اس کرسی . . .
دونوں بیٹھ جاتی ہیں ۔
مسز۔ بیگم صاحبہ کہئے مزاج اچھے ہیں۔ آج کتنی مدت بعد آپکا دیدار میسر ہوا ہے، مجھے یہاں آئے

کوئی پانچ چھ مہینے تو ہو گئے مگر آپ کو تو معلوم ہی ہے مجھے اپنے بچوں کو لیکر شملہ جانا پڑا اور
وہاں ایک ناگہانی وقت آگیا، میں ایک دن گھوڑے پر سے گر پڑی اور اس کی وجہ سی
بیمار ہو گئی۔
بیگم۔ اوئی میم صاحبہ آپ گھوڑے پر چڑھ لیتی ہیں اور آپکا دل نہیں ڈرتا! خدا نے آپ کی جان
بچائی، اللہ تیرا شکر ہے، مگر اب تو یقین ہے آپکو آرام ہوگا؟
مسیز۔ میں آپ کی محبت کی مشکور ہوں اور شکر ہے اب بالکل تندرست ہوں۔ یہ کوئی
اچنبھے کی بات ہے، ہمارے ہاں کی بہت سی عورتیں گھوڑے پر چڑھتی ہیں، گھوڑدوڑ
پھرور دور شکار کو نکل جاتی ہیں۔ مگر خیر اس ذکر کو جانے دیجیے۔ ہاں میں اُنہی
پچھلی باتوں کو، وہ جو میرے اور آپ کے بچوں کی پرورش کے بارے میں باتیں ہوا کرتی
تھیں، اُنہی کو پھر چھیڑنا چاہتی ہوں اور اس موقع کی بہت دنوں سے آرزو کر رہی
تھی۔ اپنے شملہ کے باغ میں کوچ پر لیٹے لیٹے بچوں کی پرورش کے معاملہ کو میں گھنٹوں
پڑی سوچا کرتی تھی۔ میں نے دوبارہ میجر رابرٹس کی کتاب میں سے بچوں کی پرورش پر
جو فصل تھی اسکو بہت غور سے پڑھا اور سوچ سوچ کر اپنی یادداشت کی کتاب میں بہت
سی باتیں بھی لکھ لیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ بچوں کی پرورش کے بارے میں جتنی کتابیں
میں نے پڑھیں ان میں میجر رابرٹس کی کتاب ہی کو سب سے زیادہ مفید پایا۔ اور پوچھو کیوں
بات تو یہ ہے کہ اس کتاب میں خاص کر کے ہندوستان کے بچوں کی پرورش کے بارہ
میں لکھا ہے اور اوروں میں انگریزوں کے بچوں کی پرورش کے بارے میں۔
بیگم۔ آپ کی بڑی عنایت ہے میم صاحبہ میں بھی اس عرصے میں برابر انہیں باتوں کو بہت
کچھ سوچتی رہی ہوں، بلکہ آپ تو ادھر شملہ گئیں اور آپکے پیچھے میں نے آپ کی ساری
باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کی، مگر... (کسیقدر شرما کر اور مسکرا کر)... سوائے
ایک بات کے۔

مسینز (تعجب اور خوشی کے لہجہ میں) سچ، واقعی، واقعی بیگم صاحبہ آپنے ان باتوں پر عمل کیا؟ میں نہیں بیان کرسکتی کہ مجھے سنکر کسقدر خوشی ہوئی۔ اچھا بتائیے کہ آپکو کیا نتیجہ معلوم ہوا، اور ہاں وہ بات بھی بتلائیے کہ کونسی بات آپ نہیں کرسکیں؟

بیگم۔ کیونکر کہوں، وہ یہ بات ہے کہ میں اپنا اور اپنے بچوں کا لباس نہیں بدل سکی جو دیکھتا تھا وہ ہنستا تھا اور مجھے بھی کچھ اوپری اوپری لگتا تھا۔

مسینز۔ اُونھ، آپ نے بھی بھلا خیال کیا، وہ تو میری ایک یونہی سی تجویز تھی، اور کہتے وقت مجھے خود شبہہ تھا کہ آیا وہ عمل میں بھی آسکتی ہے یا نہیں۔ مگر پھر بھی شاباش ہے آپنے سچ پوچھو تو بڑی ہمت کا کام کیا کہ اور سب باتوں پر عمل کیا۔ اچھا ہاں ان باتوں کے متعلق کچھ تھوڑا سا تو بتائیے کہ آپنے کیا کیا کیونکر کیا کیا ہوا؟

بیگم۔ آپ نے اور ان دو کھڑکیوں کو نہیں دیکھا؟ بس مینے سب سے پہلے یہی کام کیا۔ آپ نے یہ بتایا تھا کہ جب تک گھروں میں خوب سی ہوا اور روشنی نہ آئے جب تک ہم تندرست نہیں رہ سکتے۔ مینے اسی کے مطابق ہر کمرہ میں دو یا زیادہ ہوادان بنوا دیے پہلے پہل مجھے اچھے نہیں معلوم ہوئے، مجھ کو یہی وہم تھا کہ ہم سب کو زکام ہو جائے گا اور میں رات کو کھڑکیاں کھولتے ہوئے ڈرتی تھی، مگر انہوں نے (سلیم اللہ کے والد نے) کہا کہ کھڑکیاں بنوانیکا کیا فائدہ جب وہ کھولی ہی نہ جائیں۔ آخر میں نے ڈرتے ڈرتے ہر کمرہ میں ایک کھڑکی رات کو کھولی۔

مسینز۔ اچھا اب سچ بتائیے کہ اس تدبیر سے آپ کی صحت بہتر ہوئی یا الٹی بدتر ہوئی؟

بیگم۔ پہلے پہل تو مجھے ناگوار ہی معلوم ہوا اور پہلی دو تین راتوں کو جب میں سونے کو لیٹتی تو میں سردی سے کپکپانے لگتی، مگر جب میں سو کر اٹھتی تھی تو بہت تندرست اور چونچال طبیعت معلوم ہوتی تھی۔ لیکن اُسوقت تک میں یہ نہ سمجھی کہ کھڑکیاں کھولنے کی وجہ سے یہ بات ہے۔ چنانچہ چوتھی رات کو سردی زیادہ تھی مینے کھڑکیاں چڑھا

سے بند کردیں - اب جو صبح کو اٹھی تو آنکھیں ٹھیک طرح سے نہیں کھلتی تہیں سر بھاری
بھاری معلوم ہوتا تھا، کھانے پر رغبت نہیں ہوتی تھی اور ناشتہ بھی اچھی طرح نہیں
کرسکی۔ اُنہوں نے کہا ہو نہو، بس میں سمجھ گیا، یہ اس وجہ سے ہے کہ رات کو کھڑکیاں
بند کی گئیں، میری بھی یہی حالت ہوگئی۔ اُس دن سے مینے توبہ کی کہ کم از کم ایک کھڑکی
ہر کمرہ میں رات کو کھول رکھونگی۔ اور مینے دیکھا کہ صبح کو اٹھکر ہم سب کو کھلکر بھوک
لگتی تھی - میں آجکل اُن موئی گرمیوں کے دنوں کا ذکر نہیں کرتی کہ گو کہ ہم سب باہر نکل کر
سوتے ہیں مگر پھر بھی بھوک پوری طرح سے نہیں لگتی میں شروع سال کا ذکر کرتی ہوں
جب جاڑے کی راتیں تہیں۔

مسیز۔ میں بڑی ہی خوش ہوں کہ آپ نے ہمت کر کے اس تجربہ کو جاری رکھا۔ میں اپنی
طرف سے یہ جانتی ہوں کہ رسموں اور عادت کی باتوں میں کوئی واقعی تبدیلی کرنی
بڑی ہی ہمت کا کام ہے۔

بیگم۔ ہاں تو پھر اسکے بعد مینے ارادہ کرلیا کہ انگنائی میں پانی جمع نہ ہوا کرے۔ مینے چھوٹی
چھوٹی پختہ نالیاں پانی کے بہنے کے لئے بنوائیں اور اب تمام برتن بھانڈوں کی
دھوون ان اینٹ کی نالیوں میں سے بہکر انگنائی میں سے نکل جاتی ہے اور باہر
ایک گڑھے میں جاکر بھر جاتی ہے۔

مسیز۔ مگر کیا آپ اس میلے کچیلے پانی کو باہر گڑھے میں جمع ہونے دیتی ہیں؟

بیگم۔ اول اول تو یہی ہوا، مگر پھر مینے دیکھا کہ اگرچہ باورچیخانہ پاس بو باس کا نام نہ تھا، مگر
اُس طرف باہر گڑھے میں سے بڑی سڑاند کی بو آتی تھی۔ اسپر اُنہوں نے کہا کہ ہم بھی
وہی کرینگے جو علیگڈھ کالج میں کیا جاتا ہے۔ اُنہوں نے پہلے گڑھے کا سارا بدبودار
پانی نکلوا کر پھکوا دیا، اور گڑھا خوب اچھی طرح سے صاف کروا دیا، اور ایک بڑی جنگی
لوہے کی ناند خریدی اور گڑھے میں گڑوا دی۔ اب پانی بہکر کونڈی میں جاکر جمع ہوتا ہے

حلال خور روز بلاناغہ اکر ناند نکال کرلیجاتا ہے، یہاںسے دور کسی خندق میں اُسکا پانی جاکر پھیک آتا ہے اور اس پانی پر راکھ کا ڈھیر ڈال دیتا ہے۔

مسینر۔ بات تو بڑے کام کی ہے، مگر یہ سجھائی کسنے ؟

بیگم۔ آپنے جب سے یہ ذکر اذکار نکالے وہ ان باتوں پر ایک کتاب پڑھتے رہتے ہیں اور انکا قول ہے کہ اگر کمیٹی کی گاڑی باورچی خانہ کا پانی اور کوڑا کرکٹ لیجانے کے لئے میسر نہ آئے، تو سب سے اچھی ترکیب یہ ہے کہ مکان سے دور ایک خندق کھُدوا دی جاسے اور اس میں یہ سب آخور کی بھرتی روز کے روز ڈالدی جایا کرے اور اوپر سے بہت سی علاوہ مٹی ڈالدی جایا کرے۔

مسینر۔ اچھا اب کہیں باورچی خانہ پاس یا باہر گڑھے میں سے بدبو آتی ہے۔ ؟

بیگم۔ نہیں اب تو نام کو بھی نہیں۔ اب ان باتوں دا تونکے بعد مجھے امید ہے کہ آپ اگلالی وغیرہ خود چلکر ملاحظہ کرینگی۔

مسینر۔ میں بڑی خوشی سے دیکھنا چاہونگی۔ آپنے تو معلوم ہوتا ہے معجزہ ہی کردیا۔

بیگم۔ بس اتنا ہی نہیں، ابھی اور سینئے، جب اُنہوں نے مجھسے آپ کی کہن سنی تو ارادہ کرلیا کہ مکان کے اردگرد جتنی گھاس پھوس جمع ہوگی کٹوادونگا اور سارا جنگلہ صاف کروادونگا۔

مسینر۔ میں سمجھتی ہوں جب گھاس کٹی ہوگی تو جو کچھ وہاں خزانہ جمع ہوگا اُسکو دیکھکر تو اُنکے اوسان باختہ ہوگئے ہونگے، کیوں نا ؟

بیگم۔ کیا پوچھتی ہیں، مگر مجھے اسبات کا اچنبا ہے کہ آپکو یہ خیال کیونکر ہوا۔ ہاں وہ نوکروں پر بہت جھنجھلائے، بہت بگڑے، خدا جانے کہاں کی ہوئی آخور کی بھرتی اس میں جمع تھی۔ پرانے چیتھڑے، مرے ہوئے جانور، پرانی دیگچیاں، ٹوٹے ٹھیکرے گھڑونکے اور خاک اور کوڑے کے تودے کے تودے اُنہوں نے دیکھے

وہ کہتی تہی کہ میرے تو سان گمان میں بہی نہ تہا کہ شریفوں کے گہروں کے چاروں طرف دنیا جہان کا کوڑا جمع ہو گا۔ اور وہ ایسے بگڑے ایسے بگڑے کہ حلال خور پر دس روپیہ جرمانہ کرنیکو تیار ہو گئے، مگر وہ بیچارا بہت رویا پیٹا اور میرا بہی دل کڑھا، آخر اُس کی خطا معاف کر دی اور ایک دفعہ اور اُسکو ٹہیک طرح سے کام کرنیکا موقع دیا۔

مسیز۔ سچی بات یہ ہے کہ حلال خور بیچارے کو خود کو خبر نہیں تہی کہ گہر کے پاس خاک اور کوڑا جمع ہونا خوف کی بات ہے۔ مگر اب آپنے جنگلہ صاف کر دا دیا ہے اور اب اس کی مجال نہیں کہ کوئی چیز وہاں جا کر پہینکے، کیونکہ خدا رکہے آپکے میاں کہلی زمین پر اگر کچہہ گرا پڑا ہو گا تو فوراً اُنکی نظر جا پہنچیگی۔

بیگم۔ جی ہاں انکو اب اس بات کا بہت خیال ہے اور ہر روز بلا ناغہ صبح کو اپنا کام شروع کرنے سے پہلے وہ باہر میدان کو جا کر دیکہہ لیتے ہیں اور میں گہر اور انگنائی کی صفائی کا پورا خیال رکہتی ہوں۔

مسیز۔ آپ حقیقت میں ہندوستان کی عورتوں کی آیندہ بہبودی کے لئے بہت بڑا کام کر رہی ہیں۔ کیونکہ مجہے امید ہے کہ اگر آپ ان تجویزوں کو کامیاب ہوتا دیکہینگی تو آپ اپنی سب میل ملاپ کی بیویوں کو انکی تعمیل کی ترغیب دینگی اور پہر آپ اپنے خیالات خاتون میں ظاہر کرینگی جس سے ہندوستان کے ہر گوشہ کی بیویاں فائدہ اُٹہا سکینگی۔ آپ کی رائے کا ضرور ہے کہ میری باتوں سے بہت زیادہ اثر ہو گا، کیونکہ گو میں سمجہتی ہوں کہ اگر میں ہندوستان کی بیویوں کو اپنی رائے قبول کرنیکی ترغیب دوں تو وہ تہذیب کے خیال سے میری باتیں ضرور سنینگی، مگر انپر عمل کرنیکی بابت بہت سی بیویاں اپنے دل میں کہینگی کہ مسیز سمتہہ تو ایک میم ہیں اور انگریزی قاعدوں کی عادی اور پابند ہیں، یہ باتیں انگریزوں کے لئے بہلی موافق ہوں مگر مسیز سمتہہ ہم لوگوں کے طور طریق کو کیا سمجہیں، ہمارے طور طریق ہی ہمارے لئے سب سے زیادہ موزوں اور مفید ہیں۔

بیگم- میم صاحبہ بھلا آپ کیا کہتی ہیں۔ ہاں مینے اپنی بہنوں کو ان میں سے بہت سی باتیں بتائی ہیں اور انگنائی صاف رکھنے اور پانی ادہر ادہر نہ بہتے پڑنے کی بابت بہت کچھ سمجھایا ہے۔

مسیز- بیگم صاحبہ میری بات کو لکھ لیجئے کہ جب برسات آئیگی تو آپ ان نئی ایجادوں کا نفع اُٹھائنگی۔

بیگم- میم صاحبہ کیوں یہ برسات کی آپنے کیوں خصوصیت لگائی ہے۔؟

مسیز- میں آپ کو بتاؤں، برسات ہی کے موسم میں سب سے زیادہ بخاروں کی کثرت اور شدت ہوتی ہے، اور مجھے خدا کی ذات سے امید ہے کہ اب کی برسات میں آپ کو اور آپکے بچوں کو بخار کا کم خوف ہوگا۔ بخار کا بڑا سبب یہ موذی مچھر ہوتے ہیں، اور اگر آپ ایسا انتظام کریں کہ مچھر آپ کو کاٹنے ہی نہ پاویں تو میں سمجھتی ہوں کہ اصل خیر رکھے اب کے آپ بخار وخار سے بالکل امن میں رہینگی۔ مچھر پانی اور غلاظت میں پلتے ہیں اسلئے جسقدر خشک اور صفا آپ اپنا مکان اور انگنائی رکھینگی اُسی قدر مچھر کم ہونگے۔

بیگم- کیا خدا کی شان ہے کہ آج آپ مجھسے یہ بات کہہ رہی ہیں اور کل ہی کا ذکر ہے کہ میں بہن فاطمہ بیگم سے کہہ رہی تھی کہ ابکے ہمارے گہر میں مچھر بہت ہی کم ہیں اور انہوں نے کہا کہ ہمارے گھر میں اور اُلٹے اس سال زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ ہماری ان نئی کوششوں نے ہمیں کتنا فائدہ پہنچایا ہے۔

مسیز- غالباً یہی بات ہے۔ لیکن اگر آپ اپنے تئیں اور اپنے بچوں کو بخار سے بالکل ہی امن میں رکھنا چاہتی ہیں تو ایک احتیاط اور کیجئے۔

بیگم- وہ کیا بات ہے۔؟

مسیز- راتوں کو آپ مچھروں کے جال میں (جالی کے پردوں میں) سویا کریں کیونکہ اس میں مچھر نہیں آسکتے۔ ورنہ ممکن ہے کہ رات کو سوتے میں کوئی ایسا مچھر کاٹ جائے جو کہیں اور سے زہر چوس لایا ہو۔

جمع کرکے ہفتہ کے ہفتہ پارٹیاں (خوشوقیاں) کرتی ہوں۔

مسینز۔ یہ بات آپنے خوب نکالی۔

بیگم۔ اور میرے چھوٹی بہن خوب کھیل لیتی ہیں، اور وہ بھی کبھی کبھی شام کو ہمارے ساتھ کھیلتی ہیں، بلکہ وہ تو یہ کہتی ہیں کہ میری چچیاں بھی اگر کھیلیں تو انکو بھی فائدہ ہو مگر وہ بھلا کاہیکو منظور کرتیں، اور یہی وجہ ہے کہ میں سمجھتی ہوں کہ انکی تندرستی میں ذرق نہیں ہوتا۔ انکو اب بھی ویسے ہی سر کے درد اور کھانسی زکام کی شکایت رہتی ہے۔

مسینز۔ بیگم صاحبہ آپ دیکھیں نا وہ بیچاری بوڑھیاں ہیں اور وہ اپنے پرانے قاعدوں کی ایسی عادی ہیں کہ انکا نئے طور طریق کو پسند کرنا بہت ہی مشکل ہے۔

بیگم۔ میں سمجھتی ہوں کہ اب ہمارے ہاں ہوادار کھلی کھڑکیاں ہیں اور بہت صفائی ہے انکی صحت بھی بہتر ہو جائیگی۔

مسینز۔ مجھے امید ہے کہ کسی وقت میں انکو اس سے فائدہ ہوگا، مگر آپ اس بات کو خیال کیجیے جو مینے پہلے کہی تھی کہ فائدہ ہمیشہ ایک دم نہیں ہوتا، اور مجھے اندیشہ ہے کہ جو کھانسی انکو ہے وہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ابھی کھوئی جائے۔ مگر یہ یقینی بات ہے کہ اب ان بیویوں کے تندرست رہنے کا ان کے مقابلہ میں جب مکان میں ہوا روشنی اور صفائی کم تھی، زیادہ موقع ہے۔

بیگم۔ اچھا مسیم صاحبہ اب آپ مجھے بچوں کی پرورش کے بارے میں کچھ اور باتیں بتائیگا، آپ پاس اسوقت اتنا وقت ہے؟

مسینز۔ آج تو نہیں، آج تو میرا یہی جی چاہتا ہے کہ اپنا باقی وقت انگنائی کے دیکھنے اور آپ اور آپ کے بچوں سلیم اور محمود کے ساتھ بڈمنٹن کھیلنے میں صرف کروں۔ اگلے منگل کو جو میں آؤنگی تو پھر ہم ان قابل غور باتوں پر گفتگو کرینگے۔

بیگم۔ یہ حقیقت میں بڑے کام کی بات ہوگی۔ مجھے یہ معلوم کرنیکا بڑا ہی شوق ہے کہ انگریز

اپنے بچوں کو ہمارے ہاں کے بچوں سے زیادہ توانا و تندرست بنانے کے لئے کیا کرتی ہیں؟

مسز۔ آپ کی خوشی، جو کچھ میں جانتی ہوں آپکو بتاؤنگی اور مجھے پہلے کے مقابلہ میں اب زیادہ مفید ثابت ہونے کی اُمید ہے۔ بیگم صاحبہ اپنے دل کی ایک بات آپ سے کہتی ہوں اور سچ بھی ہے، کہ جب تک مکان کے اندر اور باہر کی حالت اور رہنے کا طریق ایسا ہوگا کہ الٹا بیماری کو بڑھائے اور جب تک ماں یہ نہ جانے کہ اپنے تئیں اور اپنے میاں کو کیونکر اچھی طرح رکھ سکتے ہیں۔ اسوقت تک بچوں کی غذا و صحت کے بارے میں قاعدے بتانے بیفائدہ ہی سے ہیں۔ لیکن جب میں آپ کے گھر کا ماشاء اللہ ایسا اچھا قرینہ اور انتظام اور اندر اور باہر صفائی دیکھتی ہوں، تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ کوئی وجہ نہیں کہ آپ کی اولاد اور اولاد کی اولاد تندرست توانا اور خوبصورت نہوں۔

بیگم۔ میم صاحبہ آپ کا کہنا بجا ہے اور میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ بچوں کی غذا کیا ہونی چاہیے اور ایسی ہی بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہتی ہوں۔

مسز۔ بہت اچھا۔ مگر آج اس گفتگو کو رہنے دیجئے، اب کے جو میں آؤنگی تو اُسوقت یہی باتیں ہونگی۔

بیگم۔ ضرور ضرور انشاء اللہ۔ چلئے آئیے اب ہم اکھاڑے میں چل کے کھیل شروع کریں۔

مارگریٹ موریسن

بسلسلۂ سابق

۴- جواز تعلیم نسواں منقولاً

ابطال تعلیم نسواں پر متعصبانہ اعتراضات کی تردید

منصف مزاج ناظرین تو جناب سہروردیہ بیگم صاحبہ کے پہلے ہی مضمون یعنی "جواز تعلیم نسواں معقولاً" سے ایسے معقول ہو چکے ہونگے کہ جواز تعلیم نسواں منقولاً کی ضرورت شکل سے ہوگی۔ اس اہم مقصد کی دونوں طرح حمایت چاہنے والوں کے لئے پہلا مضمون بہ مثل اگر "تیغ جواں" ہے تو یہ دوسرا مضمون بھی نقل کی دلدل سے عقل کی پختہ سڑک کی طرف رہنمائی کے لئے "عصائے پیر" سے کم نہیں۔ اس مضمون کے مطالعہ سے ناظرین پر بخوبی ثابت ہو جائیگا کہ تعلیم نسواں کی مخالفت دھرم ہٹ نہیں بلکہ ہٹ دھرمی ہے۔ مسلمان مستورات لایق و فایق مضمون نگار کے احسان سے کبھی سبکدوش نہو سکینگی ؎

واجب العلم جس نے ٹھہرایا ✣ آیتوں سے روایتوں سے اونہیں

اڈیٹر

ہمنے ابتک جواز تعلیم نسواں پر معقولاً بحث کی۔ اب ہمارے وہ معترض (جنہیں اس قسم کے لوگ ہیں کہ جنکو اپنی عقل پر کامل وثوق نہیں اور ہر بات کا ثبوت آیتوں اور روایتوں سے ڈھونڈھتے پڑتے ہیں) ہمسے یہ استدعا کرتے ہیں کہ کلام الٰہی اور احادیث نبوی سے جواز تعلیم نسواں کے ثبوت پیش کئے جائیں۔ تو ہم بھی اُنسے موافق طریق مباحثہ کے یہ التجا کرتے ہیں کہ وہ بھی انہیں ماخذ حقایق سے ثابت کر دکھائیں کہ عورتوں کی تعلیم ممنوع اور مذموم ہے[۱]۔ اور اگر وہ

[۱] کیونکہ موافق قواعد مسلمۂ مناظرہ کے کوئی شے بغیر مذموم نہیں ہے بلکہ مدعی پر اسکی مذمت کا ثبوت لازم ہے - ۱۲

صوص و احادیث سے ہمارے قول کی تردید اور اپنے دعوے کی تائید میں ساکت کردینے
والی دلیلیں نہ پیش کرسکیں اور اعتراف عجز کریں تو ہمارا دعویٰ ازروے قواعد مناظرہ آدہے
سے زیادہ ثابت ہوچکا اور اُنکے اعتراض کو پایۂ استقامت حاصل نہوا۔

قرآن مجید میں قصص مناجات تسبیح تحمید تقدیس کے علاوہ امر بالحق کے جو احکام جاری
کئے ہیں وہ دو قسموں پر منقسم ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ امر بالمعروف ترغیباً اُن افعال
پسندیدہ کے لئے صادر ہوا ہے کہ جنکا اکتساب منجر بہ ثواب و داخل عبادات ہے مثلاً فرائض
دینی اور اخلاق حسنہ۔ اور نہی عن المنکر تہدیداً اُن حرکات نکوہیدہ کے لئے نافذ ہوئی ہے جنکا
ارتکاب منتج بہ عصیان و غضبان الٰہی ہے۔ مثلاً شرک و کذب و دیگر خصائل ذمیمہ۔ پس جو افعال
کہ اُن دونوں میں شامل نہیں۔ یعنی جنکا ارتکاب محض لازمۂ زندگانی ہے اور نہ اُس سے ثواب
حاصل ہوتا ہے نہ عذاب نازل ہوتا ہے۔ ایسے کاموں کے لئے قرآن مجید میں کوئی خاص ہدایت
نہیں اور نہ اُسکی ضرورت ہے۔

یہ امر بھی غور طلب ہے کہ قرآن مجید میں جو مناہی ہیں وہ اُن افعال مذمومہ و مراسم قبیحہ
کی نسبت صادر ہوئی ہیں جو بنفسہ سیئات ہیں اور جو نزول کلام الٰہی کے وقت مروج تہے۔
ہماری آیندہ کی تحریر سے معلوم ہوگا کہ تعلیم نسواں زمانہ جاہلیت میں علی العموم مروج تہی اور
رسول خدا صلعم کے گہرانے میں بہی اُسکا رواج تہا۔ اگر یہ رسم مذموم ہوتی تو خداوند کریم
ضرور اپنے کلام میں اُسکے ارتکاب سے منع فرماتا۔ اور اگر تائید کی کہئے تو ہمارے معترض
ذرا یہ تو بتادیں کہ محض تعلیم کے لئے قرآن مجید میں کہاں تاکید لکہی ہے۔ البتہ مطلقاً علم کی فضیلت
کلام الٰہی سے بدرجۂ احسن ثابت ہے۔ اب اُسکے حاصل کرنیوالوں میں خواہ ذکور ہوں یا اناث
ہاں احادیث صحیحہ میں طلب علم کے لئے جابجا تاکید ہے مثلاً اطلبوا العلم من المہد
الی اللحد اور اطلبوا العلم ولو کان فی الصین۔ وغیرہا۔ ہمارے معترض نے ان
حدیثوں کی نسبت یہ اعتراض گڑہا کہ لفظ اطلبوا سے ثابت ہے کہ خطاب محض مردوں کی جانب

ہے نہ کہ عورتوں کی جانب۔ بھلا اس کج بحثی کا کوئی ٹھکانا ہے کلام الٰہی کو جو دیکھئے تو شروع ہی
ھدیً للمتقین لکھا ہے للمتقیات نہیں۔ تو کیا یہ کتاب سب لوگوں کے لئے نہیں ہے۔
کیونکہ کل امر بالمعروف تو صیغہ امر مذکر میں صادر ہوئے ہیں۔ مثلاً اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ
وارکعوا واسجدوا۔ اب لیجئے عورتوں کو تکالیف شرعیہ سے نجات ملی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ
مفسران کلام اللہ و احادیث رسول اللہ کی بالاجماع یہ رائے ہے کہ جہاں صیغہ مذکر میں
خطاب آیا ہے وہاں مرد اور عورت دونوں صنف مراد ہیں۔ پھر ایک معروف حدیث طلب العلم
فریضۃ علیٰ کل مسلم ومسلمۃ تو ہماری تعلیم کی بالتصریح موید ہے۔
کلام الٰہی میں آیا ہے کہ من عمل صالحاً من ذکر او انثیٰ وھو مومن اولٰئک
یدخلون الجنۃ اور للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن
اس سے حاکم مطلق کا یہ منشا ظاہر ہوتا ہے کہ سزا اور جزا میں اُسنے مردوں اور عورتوں کا درجہ مساوی
رکھا ہے۔ اور پھر ہماری مذہبی کتابوں اور حکمار کے اقوال سے ثابت ہے کہ سوائے حیوان
ناطق کے کسی مخلوق کو پاداش افعال و سزائے اعمال نہیں ملیگی۔ کیونکہ اُن میں عقل نہیں ہے
اور انسان کی ذمہ داری باندازہ عقل ہے۔ غرضکہ جب عقل ہی پر سزا کا انحصار ہے تو یہ بے انصافی
ہوگی کہ مردوں اور عورتوں کو ایک ہی قصور پر ایک سی سزا ملے۔ کیونکہ جب عورتوں کو علم ہی سے
محروم رکھا تو انکی عقل کی ترقی رک گئی جب اُنکے خانہ دماغ میں وہ روشنی ہی نہیں پہنچی تو اُن سے
تمیز خیر و شر کی توقع کیا ہے کہ بے علم نتواں خدا را شناخت۔ کیا یہ صریح ظلم نہیں
معلوم ہوتا کہ سزا میں مرد اور عورت مساوی ہوں اور جزا اور عطا سے عورت محروم۔ مگر جب اُس
ارحم الراحمین منصف حقیقی نے اپنے کلام میں بین الذکر والانثیٰ مساوات جتائی ہے تو اُسکا
بھلا کیا یہ منشا ہو سکتا ہے کہ عورتیں ایسی نعمت یعنی علم و عقل سے محروم رکھی جائیں؟
ہرگز نہیں۔

اسلام ہے تو خدا ورسول کی شرم سے اس ظلم صریح سے باز آئے۔ ایام جاہلیت میں ہمارے جسم نابود کردیئے جاتے تھے کیا اُس سے بڑھکر یہ قساوت نہیں ہے کہ ایسے عصر میں جبکہ ربع مسکون میں علوم وفنون کا تسلط بیٹھ گیا ہے۔ سائنس اور فلسفہ نے اپنا سکہ جمالیا ہے۔ ہماری روح کو خاک سیاہ کرکے جوہر اصلی کو پتھر اور پوتھہ سے بھی بدتر بنا دیتے ہیں۔ اُسوقت ہم زندہ در گور ہوتے تھے اب ظلمتکدہ جہالت کے زندانی ہیں جو موؤدات[1] کی گور سے بھی زیادہ اندھیرا ہے جہاں علم کی روشنی گھسنے کے لئے کوئی روزن تک نہیں ہے۔ ایک فرقہ اگر اس کمزور صنف انسان کی حمایت کو آمادہ ہوتا ہے تو دوسرا بزرگوار فرقہ تعصب کا حربہ لیکر مقابلہ کو تیار ہو جاتا ہے۔ اور ان خانہ جنگیونکا نتیجہ ہماری بربادی کا باعث ہوتا ہے۔ ہمارے متعصب معترضین نے دیدہ و دانستہ آنکھوں پر پٹی باندھ لی ہے۔ ورنہ تعلیم نسواں کی نسبت تواریخ ماضیہ پر غور کریں تو ظاہر ہوگا کہ اصحاب کرام اور آئمۂ معصومین خلفاے بنی عباس اور خلفاے بنی اُمیہ کی خواتین کیسی کیسی تعلیم یافتہ تربیت شدہ اور شعور مند گذری ہیں۔ اُس سے دور نگاہ اُٹھا کر آگے ہمارے دین کے سردار کے گھرانے کو دیکھئے۔ جناب سرور عالم کی والدہ حضرت آمنہ ایک بزرگ فاضلہ اور شاعرہ تہیں کہ اُنکے بعض اشعار اب تک موجود ہیں۔ آنحضرت کی پھوپیاں ام حکیم البیضاء امیمہ۔ اروی۔ سب کی سب عالمہ اور شاعرہ تہیں اروی ابنت عبد المطلب سب پر فضیلت رکھتی تہیں انہوں نے اپنے والد کی وفات پر ایک معروف مرثیہ کہا تہا۔ ام المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ بھی شاعرہ اور صاحب تصانیف تہیں۔ حضرت عائشہ کے علم وفضل میں کسکو انکار ہو سکتا ہے وہ تو گویا علم حدیث کی معلمۂ اول ہیں۔ اُنہوں نے مردوں کو علم حدیث کا درس دیا ہے۔ حضرت ام سلمہ بڑی معزز تہیں اور شاعرہ بھی تہیں۔ آنحضرت صلعم نے اپنی بیٹیونکو اچھی تعلیم دی تہی۔ اُنمیں حضرت فاطمہؓ سب پر فائق تہیں بلکہ اُنکا علم وہنر اور اُنکی عروض دانی قریش میں مشہور تہی۔ آنحضرت صلعم کی وفات پر جو مرثیہ کہا تہا وہ مشہور ہے[2]۔ آنحضرت صلعم کی رشتہ دار خاتونیں مثلاً آپ کی [illegible]

---

[1] موؤدات وہ لڑکیاں جو زندہ دفن کردی جاتی تہیں!

[2] طوالت کلام کے خیال سے ان خواتین عظام کے کلام کے نمونے یہاں درج نہیں کئے گئے۔

ہمشیل چچازاد بہنیں - آپ کے چچازاد بھائی کی بیٹی ابنۃ عقیل - یہ سب ادیبہ فاضلہ شاعرہ
صاحب تصانیف تھیں - باب علم حضرت علی کرم اللہ وجہ کی صاحبزادیاں علم و فضل و شعرگوئی میں
کامل تھیں - بی بی سکینہ امام شہید کی صاحبزادی تو علم و فضل و ہنر میں یکتائے عصر گذری ہیں
غرضکہ اس مختصر بیان سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعلیم نسواں اگر ناجائز بات تھی تو محیط قرآن
و ماخذ حدیث نے اسکا رواج اپنے گھر میں کیوں جائز رکھا - اسے سنت رسول اللہ
کے پیرو کیا آپ ترک سنت کو ادائے سنت سمجھتے ہیں ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

باقی آئندہ -

(سہروردیہ)

بہ صفت موصوف لباس کیسا ہونا چاہئے

زنانہ لباس کی بحث میں عالیجناب زبیدہ خاتون صاحبہ کے عطیہ پاکیزہ خیالات
ذیل میں نہایت شکر گذاری کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں اپنے رسالہ
اور مقاصد سے جناب موصوفہ کی ہمدردی کا ثبوت ہے کہ باوجود ناسازی مزاج اس
اہم و ضروری مسئلہ میں اپنے پختہ تجربہ کے اظہار کی تکلیف گوارا فرمائی - یہ ایک نہایت
دلچسپ مضمون تھا اگر بغیر تصویروں کے جو بوجہ علالت جناب موصوفہ تیار نہ کرسکیں ادھورا
ہے اصلاح لباس کے عملی نمونے جو آپ ذہن نشین کرنے چاہتی ہیں لفظی نقاشیوں
سے زیادہ کارآمد ہونگے - ہمیں یقین ہے کہ ان خیالات کی دوسری قسط بھی جسکا وعدہ ہے مع
تصویروں کے وصول ہوکر اس مضمون سے جو شوق کہ بمبئی کے بہ صفت موصوف اور
"ہزاروں میں منتخب" لباس کو بچشم خود دیکھنے کو باقی رہجاتا ہے اسے پورا کرے گی - آداب

خط ۱۹۹

شمار میں اتنی مختلف وضع کے ہم موجد ہیں اور ہمارے مشرقی ملکوں میں اسقدر طرح بطرح
کے لباس موجود ہیں کہ مغربی ممالک میں اسکا دسواں حصہ بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ خیال کیا جائے
تو خود یہی بات ہمارے ہاں بڑی صنعت اور ہنرمندی کی موجودگی کی دلیل ہے کیونکہ ہر لباس
بجائے خود خوبصورتی سے بھرا ہوا ہوتا ہے اتنے مختلف لباسوں کی خوبیاں اُستادانہ
تکلفات اور نزاکتیں ہمارا سرمایۂ ناز ہیں اور انکی ایجاد اور استادی کی تعریف ہمیں ہی
حاصل ہے! اس تعریف سے بلا ضرورت دست بردار ہونا میں ہرگز نہ پسند کرتی لباس
خواہ کسی وضع کا ہو اپنی خوبیاں اور نزاکتیں ضرور رکھتا ہے۔ اسکا زیب دینا اور بدزیب ہونا
زیادہ تر پہننے والے پر اور کس طرح پہنا جاتا ہے اسپر موقوف ہے تو کوئی بھی لباس ہو اور
کیسا ہی لباس ہو اگر ضروری صفتیں بھی اس میں موجود ہوں تو پھر کیوں نہ پہنا جائے اور اختلاف
کو شاکر آنکھوں میں چبھنے کے لئے خواہ مخواہ یکرنگی پیدا کرنیکی کیا ضرورت ہے ؎

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

اس بحث میں یہ بھی قابل توجہ ہے کہ بعض لباس بعض لوگوں پر بہت زیادہ موزوں معلوم
ہوتے ہیں اگر اس لباس میں جو اُنپر پھبتا ہے مذکورہ بالا اوصاف بھی موجود ہیں تو اُنسے
وہ لباس اور وضع ترک کرا کر ایک عام وضع پر مجبور کرنے کی بھی کوئی وجہ موجہ ہونی چاہئے
لیکن چونکہ سب میں یہ خاص جامہ زیبی نہیں ہوتی اسلئے اُن معدودے چند کے علاوہ
جو اپنے خاص لباس میں بھلے معلوم ہوں سارا جہان باقی رہتا ہے جسکے لئے ہمیں
ایسا لباس تجویز کرنا لازمی ہے جس میں ایڈیٹر صاحب کی مجوزہ صفتوں کے ساتھ آرٹسٹک
خوبصورتی اور نزاکت بھی پیدا ہو پہننے والا اس لباس میں چست وچالاک رہے ہر ایک
پہننے والے پر حتی الامکان زیب دے یعنی بھاری ڈیل اور چھریرے بدن دونوں پر
کھلتا ہوا رہے وضع اُس کی نہ فقط خوبصورت ہو بلکہ خوبصورتی کے ساتھ صوفیانہ متانت

بھی نکلتی ہو۔

ترکی خاتونوں کا گہر کے پہننے کا لباس کچھ انگریزی سا ہے جیساکہ اے ڈبلیو۔ جے۔
بیگم صاحبہ بھی لکھتی ہیں لیکن نقل را چہ عقل آدھا تیتر آدھا بٹیر۔ انکا لباس ـــ نہ عربی نہ فارسی۔
ترکی رکچھ کہلائے جانے کے لایق نہیں۔ البتہ امرا کی بیویاں اور خاندانی بیگمات جو پیرس
کے لباسوں کی نقل کرتی ہیں بعض وقت اصل سے ملادیتی ہیں اُنکے لباس اکثر خاص پیرس سے
ہی فرمایشی تیار ہوکر آتے ہیں لیکن اُنکو دیکھکر مجھے کچھ خوشی نہ ہوسکی میری تو آنکھیں ترک
خاتونوں کو "اورینٹل گریس" یعنی مشرقی ٹھاٹھ میں دیکھنے کی مشتاق ہیں۔ جو بیویاں متوسط الحال
اور ادنی درجے کی ہیں وہ ایک طرحکا بدڈول "ڈریسنگ گاؤن" جیسی چیز پہنتی ہیں
اور دونوں اپنا سا کہلا رکھتی ہیں کہ مسلمان ہونیکی حیثیت سے بالکل بے موقع اور نامناسب
نظر آتا ہے ممکن ہے کہ خوشنما ہو اور ہماری ہی آنکھوں کو بوجہ بچپن سے اُسکے مخالف خیال
کی تربیت وعادت کے اثر سے ایسا دکھائی دیتا ہو۔ لیکن بیویوں کے باہر جانے کے لباس
اور زینت کو چھپانے کے لئے جو چیز کہ ہمارے ہاں کے نقاب برقع اور چادر کی قایمقام ہے
اُس کی میں بہت قدر اور تعریف کرونگی۔ وضعدار موزوں وخوبصورت جو ہر ایک پرزیب
دیں ایسی کم سے کم کوئی چھ یا سات وضع تو ہونگی! سب کا ذکر کرنا طوالت کا باعث ہوگا فقط
دو کے نام یہاں بیان کرتی ہوں۔ (۱) وہ جو امیرزادیاں اور عالیشان خاتونیں اکثر
استعمال میں لاتی ہیں "شنگ وزاجہ" شنگ بجائے نقاب کے سر پر دیب کیا ہوا اور فراجہ
دست کلوک،، کے موافق ایک چیز ہے میرا ارادہ ہے کہ خاتون میں تصویریں دیکر سمجھایا
جائے کہ وہ کیا چیز ہیں کیسے خوبصورت اور سترپوش ہیں جنسے جو پردہ کا مقصد یعنی زینت
کا چھپانا ہے وہ تو بخوبی حاصل ہوتا ہے لیکن اسکے ساتھ ہی کچھ اس ترکیب کے وضعدار
ہیں کہ زینت کو دوچند بڑھا کر دکھاتے ہیں گویا چاند ابر میں شرم وحیا سے چھپا ہوا جھانک رہا ہے
لطف یہ ہے کہ دیکھنے والیکو اعتراض کی بھی جگہ نہیں حقیقت میں یہ چیز دیکھنے سے تعلق

کہتی ہے بیان میں نہیں آسکتی۔ اسکا استعمال سر کے لئے ۱۰۔ ۱۵ منٹ کی تکلیف
تکلف سے خالی نہیں اور اسکو درستی وصفائی کے ساتھ پہنانے کے لئے دوسرے کی مدد
کی ضرورت ہے" لیڈیز میڈ" بنانے سنوارنے والیاں امیرزادیوں کو درستی سے پہنا سکتی
ہیں اپنے ہاتھ سے وہ صفائی نہیں آتی۔ (۲) دوسری چیز کا بھی ترکی نام ہے اس کی
خوبی یہ ہے کہ نہایت موزوں سادہ کم تکلیف اور آسانی سے پہنے جانے کے لایق اور
بجائے برقع کے استعمال ہو سکتا ہے۔ پردہ کے پورے خیال کے ساتھ نزاکت موجود ہے
بنانا اسکا بہت ہی آسان ہے میرا پورا ارادہ تھا کہ ان سب کی تصویریں اڈیٹر صاحب
کے پاس خاتون میں دینے کو ارسال کروں اور کچھ دن اسی لئے اس مضمون کے
روانہ کرنے میں توقف ہوا لیکن افسوس ہے کہ بوجہ علالت کے معذور رہی آیندہ کسی موقع
پر تصویریں ان سب کی بھیجنے کا قصد ہے اور کچھ ترکیبیں بنانے وغیرہ کی بھی کہ کسطرح اور
کیسے کپڑے کا زیادہ موزوں ہوگا انکے ساتھ رکھوں گی صوبہ شمال ومغرب اور حیدرآباد کی
میری اکثر بہنوں نے مجھسے نمونے لیکر پسند کیا اور اختیار کرلیا ہے اور امید ہے کہ سب طرف
کی خاتونوں کو عموماً پسند آئیگا۔

مگر اس مضمون میں اصلی بات یہ تھی کہ کونسا لباس اختیار کیا جاوے مجھے معلوم
نہیں کہ خاتون کی اکثر ناظرینوں نے ہمارے بمبئی کی طرف کے لباسوں کو دیکھا اور ان پر
توجہ کی ہے یا نہیں میں اپنے ناچیز تجربے سے بے رو رعایت کہہ سکتی ہوں کہ ہمارا لباس
سب طرح سے ہر موقع کے موافق آسکتا ہے اور آزمایا ہوا ہے اور اس میں تمام ضروریات و
لوازمات موجود ہیں۔

ہمارے اس خیال کی تائید غیر قوموں کی قدر اور پسند سے بھی ہوئی اہل مغرب نے
اس کی قدر میں ایک موقعہ پر اس درجہ مبالغہ کیا کہ لندن کے ایک بڑے عالیشان جلسہ میں
جو لباسوں کا مقابلہ کیا گیا تو ہزارہا قسم کے زنانہ لباسوں میں بمبئی کے لباس کو اول انعام ملا

اور انتخاب میں ہر لحاظ سے سب سے بہتر منتخب ہوا۔ اور لباسوں کی تصویر کے ساتھ خاتون میں
اس کی بھی ایک تصویر انشاء اللہ بھیجونگی بغیر تصویر کے لفظوں میں بیان کرنا دشوار اور بیفائدہ
ہے کہ نہ بیان ہو سکتا ہے نہ سمجھ میں آسکتا ہے۔

یہ پہلی بار ہے کہ بندی نے ہمت کی ہے آرٹکل لکھنے کی چھپنے کے لئے اور مجھے اُمید
ہے کہ میری خطا اور غلطیاں میری سب بہنیں اور ناظرین درگذر فرمائینگے اپنے فرض منصبی سمجھکر
اپنی پوری دلداری اور دلچسپی جو دل میں ہے اُسے ظاہر کرنے کی اُمید اور جناب اڈیٹر صاحب
سے وعدہ خلافی کے ڈر نے مجھکو اس جرات پر آمادہ کیا ہے۔

راقمہ۔ زبیدہ خاتون
دلکشا۔ بلگام

نکاح کی گرہ ایسی مضبوط گرہ ہوتی ہے کہ مرکر ہی کھُلے تو کھُلے۔ اب اگر خوش قسمتی سے میاں بیوی ہم خیال ہیں۔ ایک دوسرے کی دل سے قدر کرتے ہیں اور ایک دوسرے کا ساتھ تا زیست دینے میں خوش ہیں۔ تو یہ گرہ اُنکے لئے مسرت کا منبع ہوتی ہے۔ وہ مرکر بھی اس سے رہا نہیں ہوا چاہتے۔ محبت کی زنجیر ایسی زنجیر نہیں۔ جسکا قیدی اُس سے تنگ آجائے۔ ع

کہ بستگانِ کمندِ تو رستگارانند

لیکن اگر بدقسمتی سے دو مخالف طبعیتیں آپس میں جکڑ دی گئی ہیں تو دونوں کی زندگی زندگی نہیں رہتی۔ انکا گھر گھر نہیں۔ وہ زندہ درگور ہیں۔ اور گور بھی کیسی جس میں ہر وقت عذاب کا ڈر لگا رہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہمارے ملک میں کتنے لڑکے ایسے ہیں جو اس بڑے امتحان میں داخل ہونے سے پہلے آنکھ کھولکر دیکھ لیتے ہیں۔ کہ کہیں کنوئیں میں تو کودنے نہیں لگے۔ اور کتنی لڑکیاں ایسی ہیں جنکو موقعہ دیا جاتا ہے۔ کہ وہ سوچ لیں کہ ہم عمر بھر کے لئے جسکے پلے پڑنے کو ہیں وہ بھلا ہے یا بُرا۔ اپنی پرائی عورتوں کے جھرمٹ میں گھرے ہوئے۔ شرائی ہوئی آنکھ اور نیچا۔ ہانپے ہوئے سر سے ایک "ہاں" کا اشارہ اُنکی آیندہ قسمت کا فیصلہ کر دیتا ہے اور اُنکو خبر نہیں ہوتی۔ کہ آیا اُس وقت سے نصیب جاگے یا تقدیر پھوٹی۔ لیکن اس اندھا دھند میں جن ہونہار نوجوانوں کی اُمیدوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جن پاکباز خاتونوں کی آرزوں کا خون ہو جاتا ہے اُنکا خون کس کی گردن پر ہے۔ اسکے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جنکے ہاتھ میں ان لڑکوں اور اُن لڑکیوں کی باگ ہوتی ہے اور وہ بسا اوقات اُنکے پیارے ماں باپ ہوتے ہیں۔ جو بچپن میں اُنکے سانس کے دیوانے تھے اور جنکو اُنکی ذرا سی تکلیف بھی گوارا نہ تھی۔ پھر یہ کیونکر ہوا کہ ایسی بے پروائی سے اُنہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنی اولاد کی آیندہ زندگی کو خطرے میں ڈالدیا۔ اسکا جواب صرف یہ ہے کہ رسم پرستی۔ جہالت کا پردہ آنکھوں پر پڑا ہوا ہے۔ رسم کی قید سے آزاد ہو نہیں سکتے۔ بس جدھر اتفاقات کا سیل بہالیجائے بہے چلے جاتے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں دو سبب ایسے پیدا ہوئے ہیں جنسے کسیقدر بہتری کی امید ہے۔

عورتوں کے حقوق کے متعلق بیداری مسلمانوں کے ہاں سب سے پہلے عورتوں کے
حقوق تسلیم کیے گئے تھے مگر جہاں وہ بانی اسلام کی تعلیم سے ہندوستان میں غافل ہو گئے
وہاں انہوں نے یہ بات بھی بھلا دی - اب تعلیم کے چرچے سے پھر اس فرض کی طرف توجہ
ہوئی ہے - اور ہندوؤں میں بھی نئی تعلیم نے عورتوں کی حرمت اور عزت کے خیالات
پیدا کیے ہیں پس اس میلان سے یہ امید پڑتی ہے کہ لوگ عام طور پر تسلیم کرنے لگیں گے
کہ بیچاری معصوم اور بے زبان لڑکیاں بھیڑ بکری کی طرح بیع و شرا کی چیزیں نہیں ہیں - کہ کسیکو
امیر دیکھ حوالہ کر دیں یا کسیکو نسب کا اچھا دیکھ کر سونپ دیں - بلکہ جسکو دیجئیں اسکے جوہر ذاتی اور
انکو سنبھالنے اور خوش رکھنے کی قابلیت کا اندازہ بھی ضروری ہے - دوسرا سبب جس
سے کسیقدر امید کا پہلو نکلتا ہے یہ ہے کہ لوگوں میں اپنے لڑکوں کے متعلق بلند ہمتی کے
آثار ہیں - ہر شخص جو ذرا بھی توفیق رکھتا ہے اُسکے دل میں یہ گدگدی ہے کہ اپنا جی جامہ بیچکر
بھی لڑکوں کو اعلیٰ تعلیم دوں - بڑے بڑے امتحان پاس کراؤں اور پھر اُسکو ملک میں عزت
و اقبال کے زینوں پر سرعت کے ساتھ چڑھتا ہوا دیکھوں - آج میرا روئے سخن ان لوگوں
کی طرف ہے جو اپنے دل میں اپنی اولاد کے متعلق ایسی اُمنگ رکھتے ہیں اور میں اُنسے
دو دو باتیں کرنا چاہتا ہوں یہ شوق آپکے دلوں میں انگریزی تعلیم اور ملک میں انگریزی اثر کو
دیکھکر پیدا ہوا ہے یہ تعلیم بڑی گراں تعلیم ہے اور ایک ایک لڑکے کا پڑھانا اندوختہ عمر کا صرف کر دینا
ہے - اس بھاری بوجھ کو آپ خوشی خوشی اُٹھاتے ہیں اور امید آپ کو اسکے اُٹھانے میں
مدد دیتی ہے - لیکن اگر آپ اسکے ساتھ ہی اسبات کی کوشش نہیں کرتے - کہ ان لڑکوں کو
بیویاں ایسی ملیں - جو انکی قدر کر سکیں اور جن کی یہ قدر کریں - جو ان کے کاموں میں انکا
حوصلہ بڑھائیں - انکی ہمت پست ہونے لگے تو ہمت بندھائیں خانہ داری کو ایسا سنبھالیں
کہ میاں اسکے ترددات میں سرگرداں نہ ہو - اولاد کی ایسی تربیت کریں کہ وہ میاں کے
نقش قدم پر چلنے والی ہو - تو آپ نہ صرف اپنے کام کو ادھورا چھوڑتے ہیں - بلکہ اپنی امید کو

تھی وہاں کی طرح لڑکے لڑکی میں آزادانہ میل جول مروج ہوجاے۔ اسکے اگرچہ فوائد ہیں
نقائص بھی ہیں۔ ہر ملک کی رسوم وہاں کے حالات کے موافق قایم ہونے چاہئیں۔ اور
ہمارے لئے ہماری اپنی رسمیں ہی تھوڑی بہت ترمیم کے ساتھ خاصی رہینگی۔ مگر میرا مدعا یہ ہے
کہ ہندوستان میں یہ اصول عام طور پر تسلیم ہوجائے اور سب روشن خیال والدین کم ازکم
اس پر متفق ہوجاویں کہ بیٹے کی آیندہ زندگی کی کامیابی کے لئے نیک تربیت یافتہ اور
ہمدرد بیوی نہایت ضروری ہے اور شادی بیاہ میں بے پروائی سے غلطیاں کرنا اپنے
پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنا اور اپنی اولاد کے راستے میں کانٹے بونا ہے اور اسکے ساتھ
لڑکیوں کو یہ امر ذہن نشین ہوجاے کہ زمانہ آجکل سب کی ذمہ داریاں بڑھا رہا ہے اور انکا
فرض میں یہ فرض بھی ہے کہ خانہ داری کے سلیقے اور لکھنے پڑھنے کی قابلیت کے ساتھ
یہ لیاقت بھی پیدا کریں کہ قابل شوہروں کے مشیر اور راز دار بن سکیں اور زندگی کے اُن
مقاصد کو پورا کریں۔ جن کی اہلیت قدرت نے اُنکو ایسی ہی دی ہے جیسی کسی اور ملک
کی عورتوں کو۔ صرف حسن تربیت کی ضرورت ہے۔

یہ تو نہیں کہا جاسکتا۔ کہ اس دیکھ بھال سے میاں بیوی کی ناموافقت بالکل ہوا ہی
نہیں کریگی۔ جب تک فطرت انسانی یہی رہیگی جو اب ہے۔ یہ ممکن ہے کہ باوجود سب احتیاطوں
کے بعض دفعہ پڑھے لکھے اور لایق میاں بیوی میں بھی انجوڑ ہوجاے۔ اور یورپ کے
بعض بڑے بڑے لوگ اس بارے میں بدقسمت رہے ہیں۔ مگر اس سے نااتفاقی کا موقعہ
بہت کم ہوجاتا ہے۔ اور جہاں ہوتی ہے۔ وہاں میاں بیوی دونوں کا قصور نکلتا ہے
یہ کم ہوتا ہے کہ میاں ہر طرح سے اچھا ہے اور بیوی کی کم لیاقتی اور بدمزاجی اُسے ڈبو رہی ہے
یا بیوی نیک اور خوش مزاج ہے اور میاں کی کجروی دونوں کو تباہ کر رہی ہے۔

چند خوش قسمتوں کی کہانی سنئے اُنیسویں صدی کے نامور شاعر انگلستان کے
ملک الشعرا ورڈس ورتھ کا بڑا نام ہے۔ اس کی بیوی اُسکی قدردان تھی اور وہ بیوی کا

قدردان تھا۔ ایک دفعہ اُسکے خلاف ایک رسالہ میں نکتہ چینی چھپی۔ ایک دوست نے اُس سے ذکر کیا۔ اُسنے کہا یہ ذکر جانے دو میں نہیں سننا چاہتا۔ دوست نے کہا صرف ایک بات سن لو۔ اُسنے کہا و کیا" دوست بولا کہ معترض لکھتا ہے "کہ اُسکی بیوی بہت نیک ہے مگر وہ اس نعمت کا مستحق نہیں" ورڈس ورتھ بولا۔ "بس یہی ایک سچی بات ہے جو اُسنے اپنے مضمون میں لکھی ہے" یہ بی بی حسن وجمالِ ظاہری نہیں رکھتی تھی۔ اسپر بھی اُسکا شوہر اُس سے اسقدر خوش تھا۔ اور وجہ یہ کہ بقول ورڈس ورتھ کے "وہ فرشتہ خو اور مجسم سادگی تھی اور اس حسن کی کشش حسن صورت کی کشش سے کچھ کم نہ تھی" ورڈس ورتھ کی شاعری ملک میں بہت عرصہ کے بعد مقبول ہوئی۔ وہ غریب خونِ جگر کھا کر شعر کہتا تھا اور چھپواتا تھا۔ مگر نقادانِ وقت بیرحمی سے نکتہ چینی کرتے تھے۔ اس زمانے میں اُسکی بیوی ہی تھی جو اُسکے شعر کی خوبی کی قائل تھی اور جسکے بھروسہ پر وہ لکھتا جاتا تھا۔ تا اینکہ آخر ایک زمانہ اُسکا قایل ہوگیا۔ جب اُس کی کوئی نظم شائع ہوتی تو جفری جو اُسوقت بڑا سخن فہم مانا جاتا تھا لکھتا" اس شخص کا کلام بد سے بدتر ہوتا جاتا ہے"۔ مگر بیوی ہمت بڑھاتی تھی "روز بروز بہتر ہے"۔ مرتے دم تک دونوں ایک دوسرے پر جان دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص ورڈس ورتھ کے عالم پیری میں اُسکے گھر ملاقات کو گیا۔ ملکر آیا تو لوگوں نے اُس سے پوچھا۔ کہو کیا دیکھا۔ وہ بولا" میں گیا تو بوڑھے میاں اپنی بیوی کے ساتھ صحن باغ میں ٹہل رہے تھے۔ آپ تو قریب قریب نابینا ہیں اور بڑھیا بھی بہت ضعیفہ ہے۔ لیکن اُنکا سلوک اور پیار ایک دوسرے سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے جوان عاشق و معشوق ہوں۔ جنکے ابھی بیاہ کی تیاریاں ہیں" اُنکی ایک ہمسائی کا بیان ہے۔ "میں اکثر دیکھتی تھی کہ بیوی میاں کی تلاش میں گھبرائی ہوئی کمرے سے نکلتی تھی۔ اور ڈھونڈھتی ڈھونڈھتی اُسے کہیں باغ میں دھوپ میں لیٹا ہوا پاتی تھی۔ دوڑ کر اُس کی ٹوپی لاتی تھی۔ کہ دھوپ سے اُسے دردِ سر نہ ہو جائے اور پھر اُسکے سرہانے بیٹھکر اُس کی

نگہبانی کرتی رہتی تھی۔ جب تک وہ سو نہیں جاتا تھا۔

اس سلسلے میں براوننگ میاں بیوی کا نام کبھی نظر انداز نہیں ہو سکتا۔ شاعری میں فلسفے کا رنگ جو دونوں نے بھرا ہے۔ مدتوں یادگار رہے گا۔ خاوند بھی بلند پایہ مصنف اور بیوی بھی۔ جب انکی شادی ہونے کو تھی۔ تو ایک اور تجربہ کار مصنف نے کہا کہ خدا ہی خیر کرے دونوں اپنی دماغی قابلیت پر اسقدر نازاں ہیں کہ عجب نہیں کہ ان میں جلدی بگاڑ ہو۔ مگر انکی ایسی بنی کہ اوروں کے لئے نمونہ بنے۔ بیوی نے اپنی ایک سہیلی کو لکھا " براوننگ کو کوئی ایسی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا۔ جس طرح میں۔ میں اسکے دل میں ہوں۔ میں اُس کی سانس تک کی آواز سنتی ہوں "، لوگ نکاح کو کبھی زنجیر سے تشبیہ دیتے ہیں۔ براوننگ اس زنجیر کا شیدائی تھا۔ ایک سوانح نگار کا بیان ہے کہ وہ فی الواقع اس زنجیر کو چومتا تھا " جب کبھی وہ لمبے سفر سے گھر واپس آتا تو وہ ضرور اُس گرجے میں جاتا تھا جہاں اُنکا عقد ہوا تھا اور اُسکے سنگ آستان کو بوسہ دیتا تھا۔ اُدھر بیوی پر یہ اثر تھا کہ شادی سے پہلے وہ ایسی دائم المرض تھی کہ " ایک آرام کرسی اور خاموشی " گویا اس کی پہلی زندگی کے قصے کا مختصر بیان ہے۔ مگر دلی مونس اور غمگسار کی رفاقت نے اسپر یہ اثر کیا کہ اُسنے از سر نو زندگی پائی۔ اور شادی کے بعد تندرست و توانا ہو گئی۔

امریکہ کے اہل قلم میں ہاتھارن ایک بلند پایہ شخص ہوا ہے۔ جیسا کہ دنیا کے اکثر محسنوں کو روپیہ کی مشکلات کا سامنا پڑا ہے۔ اسکو بھی پڑا۔ ایک وقت ایسے آئے کہ نان و نمک کے میسر آنے میں شبہہ ہونے لگا۔ لیکن وفادار بیوی کی رفاقت نے مصیبت کو مصیبت نہ معلوم ہونے دیا۔ ۱۸۴۹ء میں اس کی ایک غریبانہ سی ملازمت بحیثیت سرویر (پیمایش کنندہ) کے تھی۔ اتفاق سے وہ بھی جاتی رہی۔ نہایت تردد کے دن تھے مگر ان دنوں میں بھی اسکی بیوی کی ہمت مردانہ دیکھئے۔ اپنی ماں کو ایک خط میں لکھتی ہے " مجھے یہی امید تھی کہ آپ ہماری اس مصیبت کی خبر کو اس جرأت اور ہمت کے ساتھ سنینگی جو آپ کے خط سے

ظاہر ہے۔ پیاری اماں۔ میں آپکو یقین دلاتی ہوں کہ میرا نیک شوہر میرے لئے ایک ایسا
دوست ہے کہ اُسکے ہوتے ہوئے کوئی مصیبت مجھے ڈرا نہیں سکتی۔ اس کی نیکی کی بدولت
میرے بچے آسمانی برکتوں سے فیضیاب ہیں۔ باقی سب چیزیں زوال پذیر ہیں۔ آج ہوئیں کل نہ ہوئیں
مگر ایسی زندگی کی خوشی غیر فانی ہے۔ اس خوشی نے میرے راستے میں ایسے پھول بچھائے
ہیں کہ کسی کانٹے کی خلش کی پروا نہیں۔ میں اپنے شوہر پر ناز کرتی ہوں" اسکے بعد ۱۸۱۵ء
کا لکھا ہوا ایک خط ہے۔ اتنے میں مالی حالت کسیقدر بہتر ہو چلی تھی۔ اور قطعی افلاس کی جگہ دال
روٹی " میسر آنے لگی تھی۔ اندنوں کی شکرگذاری قابل ملاحظہ ہے۔ پیاری ماں۔ مجھے مسرت
ہے کہ آپ مجھے خوش و خرم دیکھکر خوش ہوتی ہیں۔ اگر کبھی کوئی خوش نصیب ہوا ہے تو میں
ہوں۔ غیر فانی محبت کی چادر لپیٹے ہوئے ہے اور وہی محبت میرے تن من میں سرایت کئے
ہوئے ہے۔ خدا کے فضل سے ہم سب کو تندرستی کی نعمت نصیب ہے۔ میرا شوہر میرے
وہم و گمان سے بھی زیادہ مجھپر مہربان ہے۔ غرض میرے سوا کوئی جان ہی نہیں سکتا کہ وہ
کتنا اچھا ہے۔ اسکے پاس پہنچنا میرے لئے ایسا ہے جیسے روشن ستاروں تک پہنچنا۔ ہر صبح
اُسکی چمک میرے لئے مہر منور کا حکم رکھتی ہے اسپر خدا کی مزید عنایت یہ۔ کہ ایسے پیارے بچے ہمیں
دئے ہیں۔ اور اب تو روزی کا راستہ بھی ذرا کھلتا نظر آتا ہے۔ اب ہم روٹی خرید سکتے ہیں اور کبھی
کبھی کیک بھی (ایک قسم کی میٹھی روٹی)۔"

کنگسلے۔ مشہور مصنف کی شادی کی حکایت کچھ کم دلچسپ نہیں۔ جب اسکو وہ خاتون نظر آئی
جو بعد کو اُس کی بیوی بنی۔ تو اُسکی عمر بیس برس کی تھی۔ اُن دنوں اُسکی حالت یہ تھی کہ اُسکے دل
میں مذہب کے متعلق طرح طرح کے شکوک اور توہمات بھرے ہوئے تھے۔ اور اُس کے
چہرے پر ایک بے اطمینانی برستی تھی جو اُسکی اندرونی حالت کا پتا دیتی تھی۔ اُسنے اس نیک
بی بی سے اپنے شکوک بیان کئے کہ وہ مذہب پر ایمان رکھتی تھی۔ اُسنے اپنے عقیدے
کی پختگی اُسکو بتائی۔ روز کے بحث مباحثے نے رفتہ رفتہ کنگسلے کے شکوک کو اڑا دیا اور

اور انکی جگہ ایمان و عقیدے جاگزین ہوئے۔ کنگسلے ہمیشہ اپنی کامیابی اپنی بیوی کی ہمدردی
اور عمدہ اثر سے منسوب کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ اگر وہ نہ ہوتی تو وہ کبھی اہل قلم میں نام نہ پیدا کر سکتا۔
ایک دفعہ صحت کی خاطر ساحل دریا پر چند دن کے لئے تنہا گیا۔ وہاں سے جو خط بیوی کو لکھا۔ "اب
مجھے معلوم ہوتا ہے کہ کیسا باوفا شوہر تھا۔ یہ مقام پرفضا ہے۔ کوئی خوبی نہیں جو اس میں موجود نہ ہو
مگر مجھے تمہارے بغیر ناقص اور ایک خواب سا نظر آتا ہے۔ ہجر محبت کے سمند ناز کو تازیانہ ہے
مجھے کبھی پہلے اسقدر احساس نہ ہوا تھا کہ میں تنہا بغیر اس وجود کے جسکی ہر نگاہ۔ ہر بات اور ہر
حرکت میری زندگی کی سب سے ضروری صدا ہیں۔ کیا ہوں۔ لوگ کہا کرتے ہیں کہ محبت پادری
کے سامنے جانے تک ہوتی ہے اور شادی کے بعد اسکا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ وہ بیوقوف ہیں!
میں آج دن بھر کھڑکی کے قریب پڑا رہا اور سوائے گھر کے مجھے کوئی خیال نہیں آیا۔ ہائے کسقدر
بیتاب ہوں کہ پھر وہاں پہونچوں" کچھ عرصے بعد دونوں بیمار رہنے لگے۔ مگر دونوں باہمی
ہمدردی سے ان مصیبتوں کو ہلکا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک دوست کو جس کی بیوی بیمار تھی
تسکین دینے کے لئے کنگسلے نے لکھا: "نکاح میں جو متبرک راز رکھا گیا ہے آدمی اسے
پوری طرح سمجھ نہیں سکتا۔ جب تک کہ اسے بیوی کی بیماری میں اس کی تیمارداری کرنے کا
تجربہ نہ ہو"۔ اس نیک مرد کے مرنے سے تھوڑا عرصہ پہلے اس کی بیوی بہت بیمار ہو گئی۔
کسی نے اسے کہا کہ اسکی زندگی خطرے میں ہے، "اسنے جواب دیا" ان الفاظ کے ساتھ ہی
میری موت کے حکم پر بھی دستخط ہو گئے"۔ اسکے بعد وہ خود بیمار پڑ گیا۔ اطبا نے حکم دیا
کہ اسکے کمرے کو ہر وقت گرم رکھیں اور اس کی گرمی کا معیار بدلنے نہ پائے۔ اور اسے کمرے
سے باہر نہ نکلنے دیا جائے۔ چند دن ایسا کرتا رہا۔ مگر ایک دن طبیعت کے ہاتھوں مجبور تیماردار
کی نظر بچا کر اٹھا اور بیوی کے کمرے میں جا گھسا اور اسکا ہاتھ ہاتھ میں لے کے بیٹھ گیا۔ وہ
حیرت سے اسکے منہ کو تکنے لگی۔ اور اسے اطبا کی نصیحت یاد دلانے کو تھی۔ کہ وہ بولا۔ میرے
لئے یہ بہشت ہے۔ کچھ اعتراض نہ کرنا" اتنے میں اسے زور سے کھانسی اٹھی اور وہ بیحال

ہوگیا۔ لوگ اٹھاکر اُسے اُسکے کمرے میں لے گئے۔ وہاں پڑا ہوا پنسل سے بیوی کو خط لکھا کرتا تھا اور وہ پڑی پڑی جواب دیتی تھی۔ آخر دونوں اتنے مضمحل ہوگئے۔ کہ پنسل سے لکھنا بھی مشکل ہوگیا۔ اور اس حالت کے چند دن بعد گنگسلے اس جہان سے رخصت ہوگیا۔

اسی طرح کی مثالیں بیشمار جمع کی جاسکتی ہیں۔ مگر مطلب کی توضیح کے لئے جتنی ضرور تھیں۔ اتنی لکھدیں۔ پھر کبھی موقع ہوا تو اور مشاہیر کے ایسے ہی حالات لکھے جاسکتے ہیں اور اُسکے ساتھ ہی تصویر کے دوسرے رُخ پر بھی کبھی فرصت میں نظر ڈالنا خالی از لطف نہوگا۔ جہاں بُری بیویوں نے پالا پڑ جانے سے بعض نہایت لائق آدمیوں کی زندگی تلخ ہوگئی لیکن بُری مثال سے رنگ پکڑنا اتنا آسان اور اچھی مثالوں کی تقلید اتنی مشکل ہے۔ کہ بُری مثالوں کا ذکر کرتے ہوئے بھی ڈر سا لگتا ہے۔ اور اسی لئے پہلے اچھی مثالوں اور صرف اچھی مثالوں پر زور دینا زیادہ ضروری معلوم ہوا۔ اگر اس سے مردوں اور عورتوں دونوں کو اپنے حقوق و ذوالئض کی طرف توجہ ہو اور لڑکوں لڑکیوں کے والدین کو اپنی ذمہ داری کا احساس کسیقدر بڑھ جائے تو زہے نصیب۔

عبدالقادر

وہم

گرمیوں کا موسم ہے۔ آدھی رات گذر چکی ہے، اندھیرا گھپ ہے۔ مکان [illegible] دالان کے اندر روشنی کمرہ بہت بڑا ہے۔ بڑا کیا ہی ویران اور سنسان جگہ ہے۔ مگر نہیں [illegible] [illegible] ہے۔ [illegible] کی روشنی، اگرچہ [illegible] روشنی ہے اسقدر

پر [illegible] یقین ہے کہ اندر کے دالان میں ہی ایک کونے میں دیوار سے لگی ہوئی ہے۔ اور یہ دیوار
سے لگی ہوئی کیا چیز ہے؟ چوکی معلوم ہوتی ہے۔ وہ دیکھو یہ ہلکی روشنی اُس جگہ پڑ رہی ہے
اور چوکی دکھائی دیتی ہے، چوکی پر جاجم بچھی ہوئی ہے اور ایک کنارہ پر سفید چمکتے ہوئے لوٹے
رکھے ہیں۔ اس گھر میں تو آدمیوں کی بستی معلوم ہوتی ہے، مگر باہر انگنائی اور صحن میں روشنی کیوں
نہیں ہے؟ کیا خبر ہے کہ وہاں بھی کوئی چیز روشن کی گئی ہو مگر دامن باد نے سر شام ہی سے
بجھا دیا ہو۔ اس آندھی اور طوفان کی دنیا میں بہت سے گھر کے چراغ وقت سے پہلے ہی
گل ہو جاتے ہیں۔ ہاں یہاں یقیناً آدمیوں کی بستی ہے۔ انگنائی، جہاں خاموشی بت بنی
کھڑی ہے پر کٹری مکان کی حفاظت کر رہی ہے اور رات سیاہ چادر اوڑھے نیند کی غفلت میں
پڑی ہے، جس کی چھت تاروں بھرا آسمان ہے اور تارے رات کی متوالی نیند کو کچھ اس طرح
حیران اور ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے ہیں کہ اپنی رات بھر کی زندگی کا خیال بھی بھول گئے، اس
انگنائی میں کچھ پلنگ بچھے ہوئے ہیں اور سونے والے انجان خواب میں رات کی مسافت
طے کر رہے ہیں۔ اتنے میں کروٹ بدلنے میں ایک سونے والی کی آنکھ کھل گئی۔ آنکھ کھلتے ہی
[illegible] اور خاموشی کا اثر فوراً دل و دماغ میں سرایت کر گیا۔ تاروں نے اپنی طرف متوجہ کیا،
[illegible] بےشمار کی گنتی کا شغل نکالا، اور اسی گنتی میں رفتہ رفتہ خیالات تاروں کی حیرانی میں محو
[illegible] مگر پھر تھوڑی دیر بعد اپنا خیال آیا کہ میں جاگ رہی ہوں، اور اس خیال کے ساتھ
[illegible] خوف (خدا جانے کاہے کا؟) دل میں پیدا ہوا۔ ہر سانس کے ساتھ خوف بھی بڑھتا جاتا
[illegible] رفتہ رفتہ خوف کی ایک وجہ بھی پیدا ہو گئی۔ یکایک پاؤں کی آہٹ سنائی دی،
[illegible] معلوم ہو سکا کہ یہ آہٹ کس کی ہے اور کدھر سے آئی ہے۔ دوبارہ آہٹ سنائی
دی، اور اس دفعہ کسیقدر زیادہ صاف تھی، کانوں نے بتا دیا کہ آواز کدھر سے آئی
[illegible] ادھر سے؟.... کیاری کی طرف سے؟.... یقیناً کھجور کی طرف سے آئی ہے۔ پھر
سنائی دی، اب کان اور آنکھیں، دونوں کام کرنے لگے کسی سفید چیز کی جھلک

سی کھور راپس دکھلائی دی " ہائیں، یہ سفید سی چیز کیا ہے ؟" فوراً کلیجہ دہڑ دہڑ کرنے لگا
کلمہ کئی بار پڑھا، مگر وہ سفید سی چیز اب ایک چادر سی تنی ہوئی دکھائی دینے لگی " ہے ہے
یہ تو ظہورن . . . . اللہ میں کیا کروں " یہ لفظ بڑی گھبراہٹ اور پریشانی میں دل نے
کانوں کو سنائے، اسطرح کہ زبان کی پیامبری کی بھی ضرورت نہیں پڑی۔ پہلا فقرہ شروع
نہیں ہوا تھا کہ دوسرا شروع ہوگیا، اور دو لفظوں میں دل کا سارا افسانہ ادا ہوگیا۔ ساتھ
ہی ہاتھ آنکھوں پر گئے، دونوں ہاتھوں سے منہ مضبوط بھینچ کر چھپا لیا۔ آنکھیں بند،
آیت الکرسی مار امار پڑھی جانے لگی، کہنا کچھ چاہتی ہیں اور منہ سے کچھ نکلتا ہے۔ اب
خوف کی انتہائی حالت ہوگئی، دل اسطرح دھڑک رہا ہے کہ سر میں نقارا سا بج رہا ہے،
آیت الکرسی اس طرح پڑھی جا رہی ہے کہ زبان نہیں اٹھتی، دانت چپی کی طرح بند ہوگئے
حلق میں کانٹے پڑے ہوئے ہیں، ہاتھ پاؤں میں ایک خاص قسم کی سن سناہٹ ہو رہی
ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم کی ساری طاقت نکلی جا رہی ہے۔ اس وقت ذرا سے
بھی دھکے کی آواز ہوتی۔ کوئی برابر کا سونیوالا کروٹ ہی لے لیتا تو بس جان نکل جاتی۔ بارے
خدا کو جان رکھنی منظور تھی، اس حالت میں کمی ہوئی، ہاتھ پاؤں میں حرکت کی قوت پیدا
ہونے لگی، طبیعت اوسانوں میں آنے لگی " میں اب ادہر نہیں دیکھونگی" کہکر کروٹ بدل
لی۔ مگر منہ اور آنکھیں اسی طرح ہاتھوں میں چھپی ہوئی تھیں، فرق اتنا تھا کہ اتنے زور سے
بھیچکر منہ نہیں چھپا رکھا تھا۔ کروٹ لینے کے بعد آنکھیں بھی کھولیں، انگلیوں کی ڈراڑوں
میں سے اندر لالٹین کی لکی اور دہیمی دہیمی روشنی دکھائی دی۔ اب جان میں جان آئی۔
برابر ہی پلنگ دیکھا، اور یہ اوسان آئے کہ سونے والی بیوی کو جگایا جائے۔ جھجکتے
جھجکتے ہاتھ بڑہایا، رسان سے سونے والی کو ہلایا، جب کامیابی نہوئی تو ذرا جھنجوڑ کر جگانا پڑا
سونیوالی نے " اوں ہوں " کرکے غن غناتے ہوئے لمبا سانس بھرا اور کروٹ بدلنی چاہی
تھی کہ " اے بی اٹھ چکو " کی سہمی ہوئی آواز نے اور ہاتھوں کے جھنجوڑنے نے ہوشیار

ا، اور "کیوں بُوا کیا ہے؟" کے جواب میں سسکیاں بھرتے سُنا۔

جاگنے والی۔ "ہائیں لڑکی کچھ دیوانی ہوگئی ہو، خیر تو ہے یہ پچھلے پہر کی تمہاری جان پر بنی جو سُسُوے بہانے شروع کئے یہ جاگنے کا کونسا وقت نکالا ہے ... کچھ بات بھی کہوگی؟"

ڈرپوک بیگم۔ (ذرا ضبط کرکے اور دل کڑا کرکے، آواز سے) "آپکو کیا خبر کہ میری جان پر کیا گذر گئی، مجھے کچھ نہیں بتایا جاتا کہ کیا ہوا، اچھی خالہ! ذرا اُٹھ بیٹھو مجھے پیاس بھی لگ رہی ہے، حلق میں کانٹے پڑ رہے ہیں۔"

خالہ (مسکراتی ہوئی اور یہ کہتی ہوئی اُٹھ بیٹھیں) "واہ بی دیوانی، اپنی عمر کو دیکھو اور ان باتوں کو دیکھو، کل کو خدا رکھے بیاہ ہو جائیگا، اگر یہی ڈر کا حال ہے تو اللہ ہی بیلی ہے کیا کوئی خواب دیکھا تھا، آخر کہو تو یہ سوتے سوتے کیوں اُٹھ بیٹھیں، لاؤ میں دم کردوں۔"

بھانجی بیگم۔ "دم اسوقت کرتیں جب میرا دم نکل گیا ہوتا۔ خالہ بس اب جانے دو، آج موئی انگنائی کی لالٹین بھی تو گُل ہوگئی ہے، خدا جانے اسپہ کیا آفت آئی تھی، میں خود جاکر پانی پی لیتی ہوں، مگر آپ بیٹھی رہیں۔ اچھی خالہ بیٹھی ہوئی ہو نا؟"

پانی پیا گیا، آنکھیں کھولیں، طبیعت چونچال ہوئی، اور گھنٹہ آدھ گھنٹہ پلنگ پر لیٹے لیٹے باتیں واتیں کرکے سوگئیں۔

صبح کی روشنی علم کی روشنی ہوتی ہے، اور جس طرح علم جہالت کی تاریکی کو دور کرتا ہے اور دل اور ایمان کو اپنے نور سے منور کرتا ہے، اُسی طرح صبح کا اُجالا اندھیری رات کے اثروں اور خوف کی باتوں کو زائل کر دیتا ہے۔ صبح اُٹھکر وہی صاحبزادی تھیں، وہی مکان تھا، وہی انگنائی تھی، وہی سامنے کیاری تھی، اور وہی کھجور کا درخت تھا، مگر نہ کوئی خوف تھا نہ کوئی چادر دکھائی دیتی تھی، نہ کوئی بی ظہورن نظر آتی تھیں۔

مگر آخر یہ ماجرا کیا تہا؟ - ان صاحبزادی پر جو کچہہ گذری وہ سب سچ ہے - چادر بہی دکہائی دی اور ہر جان پر کیسی کچہہ بنی - آہ یہ وہم تہا، دل کا قصور تہا، دماغ کا فتور تہا، ورنہ کہجور کے پاس مرنے والی ظہورن کی چادر کا کیا کام تہا - کوئی وہم کوئی خوف دل میں ہو، تنہائی اور سناٹے میں ہمیشہ ہوش و حواس پر غالب ہو جاتا ہے اور عقل اور سمجہہ پر قابو حاصل کر لیتا ہے - یہی ہوا کہ دل میں خوف تہا، اس خوف نے رات کی تاریکی اور خاموشی میں مُردہ کو زندہ کر دکہایا - جو کچہہ نظر آیا دل نے بنا کر دکہایا گویا اپنے سایہ سے آپ ہی خوف کہایا - مگر سایہ پہر بہی ایک خارجی وجود رکہتا ہے، یہاں تو محض خوف ہی خوف اور خیال ہی خیال تہا - کتنی بیویوں نے چہت پر چور کے دہماکے کی آواز، کوٹہری میں دیگوں کے کہنکنے کی آواز، آدہی رات کو خنخنی مالن کے پہول بیچنے کی آواز سنی ہوگی، فلیتوں میں بہوتوں اور چڑیلوں کے تماشے دیکہے ہونگے - مجہے بہی بہت سے قصے یاد ہیں، ایک نہیں دس بیس سنا سکتا ہوں مگر خاتون علم وہم کی کتاب نہیں، اور وہم کی دوا لقمان پاس بہی نہیں، میں بیچارا کس گنتی میں ہوں -

اصل یہ ہے کہ وہم بہی خیال کی ایک شکل ہے اور خیال کا دوسرا نام ہے، اور خیال میں جو قدرت ہے، اُسکا تجربہ - ع فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست ؎ کے مطابق سبہی کو حاصل ہے - ہاتی کو مچہر اور مچہر کو ہاتی یہ بنا دیتا ہے، زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ یہ کر دکہاتا ہے - اس کی شعبدہ بازی کے آگے سب ہیچ ہے، وہ وہ سوانگ بہرتا ہے وہ وہ روپ بدلتا ہے کہ آدمی دیکہا ہی کرے - عابد اور زاہد، صوفی اور فلسفی، مشرقی اور مغربی شمالی اور جنوبی، ہر ملک، ہر زبان، ہر لباس، ہر مذاق کا انسان، مرد اور عورت سب اس کے دام میں گرفتار ہیں اور جب تک زندہ رہینگے گرفتار رہینگے - یہانتک کہ غالب تو زور میں آکر کہہ گئے - ؎

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ • عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے -

اب انسان کہاں بچکر جائیگا۔ خیال کی بلند پروازیوں اور شعبدہ بازیونکو دیکھنا، اپر غور کرنا، بلکہ خود کسی اچھے اور دلچسپ خیال کو ذہنی مشغلہ بنا لینا، اچھی بات ہے۔ مگر خیال کی وہ قسم جسے محاورہ اور روزمرہ کی بول چال میں وہم کہتے ہیں، اس میں مبتلا ہونا فی الحقیقت بڑی بات اور لاعلمی اور دماغی کمزوری کی علامت ہے۔ سمجھدار بیویاں جانتی ہی ہیں مجھے کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ اس وہم سے سوچنے اور کام کرنے کی قوت ناقص روح کی آزادی مفقود، زندگی بے لطف ہوجاتی ہے، انسان اتفاقات کا غلام اور محتاج ہوجاتا ہے، اور سب سے بڑی بات یہ کہ ایمان میں خلل آجاتا ہے۔ اور پھر وہم کی بیماری اُڑکر لگنی والی ہے، ایک سے دوسرے کو دوسرے سے تیسرے کو اور اس طرح پوری قوم کی قوم کو وہمی بنا دیتی ہے، اور آیندہ نسلونکو بھی مرضیلا پیدا کرتی ہے۔

حقی دہلوی

موسمی مضمون

جھولے پہ لڑائی

برسات کا سہانا موسم ہے کئی مینہہ برس کر کُھل چکے ہیں۔ آج پھر ہلکا ہلکا ابر آیا ہوا ہے، ایک پھوار بھی گھنٹہ بھر ہوا پڑی تھی اُسکے خوش آب موتی درختوں کی ہری ہری ڈالیوں سے ہوا کی ہر لہر کے ساتھ ڈھلک ڈھلک کر سبز مخملی فرش کی نرم گود میں گر رہے ہیں

ہندوستانی قطع کے مکان میں دالان در دالان کے بھی بعد۔ اندر کمرے میں پنکھا جھلا جا رہا ہے باہر کیاری کے پاس انگنائی میں کھم گڑے ہوے ہیں، جھولا پڑا ہوا ہے، دو لڑکیاں، ایک پائنوں جوڑے ہوئے، جھولا جھول رہی ہیں۔ جھونٹے اوسط رفتار پر قایم ہیں ایک طرف جوان سی کوئی ماما کھڑی ہوئی آتی اور جاتے جھولے کو کبھی اس ہاتھ سے کبھی اُس ہاتھ سے اشارے کے برابر سہارا دیتی ہے اور سکھی آئے بدرا جھوم کے، خوب لے کے ساتھ اونچی آواز سے گاتی جاتی ہے اِس موسمی گیت کی بلند آواز کے مقابلہ میں بادل بھرے آسمان کے نیچے اور سب طرف سناٹے کا عالم نظر آتا ہے۔

اتنے میں ڈیوڑھی سے دبڑ دبڑ بھاگتے ہوئے اُنکی آواز کانوں میں آ کر بار قریب ہوتی جاتی ہے، آناً فاناً میں دو لڑکے، اُسی گھر کے بچے، اُچھلتے کودتے دہلیز سے نمودار ہو کر وہاں سے چبوتری پر، چبوتری سے انگنائی میں، وہاں سے جھولے کے پاس۔ سانس پھولا ہوا، کلّوں پر خون دوڑتا ہوا۔ کراماً کاتبین کی طرح، ایک اِدھر ایک اُدھر آن موجود ہوئے ذرا کی ذرا گلشن کا گانا ہلکا پڑ کر پھر اپنی موج پر آگیا، لڑکے بھی آ کر تھم گئے، آنکھیں جھولے پر لگ گئیں، اِدھر سے اُدھر جانے میں جھولا اُنکی تلیوں کو بھی لگائے لئے جاتا ہے اور

ہے ساتھ ہی پھیر لاتا ہے۔

جنبش اور سکون کی یہ حالت، اتنے دونوں کے سانس ٹھیریں، قائم رہ کر اب کچھ بے چینی شروع ہوتی ہے، ایک دوسرے کو دیکھ کر کسمساتا ہے، آخر نہیں رہ سکتا اور

ایک۔ آپا تم دونوں ساتھ جھولتی ہو تو تمہیں پہلے چکر آ جاتا ہے یا نہیں؟

آپا یہ بات سنتی ہوئی جھولے میں بیاٹنے دہاں پہنچیں آتے ہوئے جواب دیتی چلی گئیں

آپا۔ (اصل مطلب کو تاڑ کر) بھئی خبر نہیں کسکا پہلے جی اُکتا جاتا ہے ہم دونوں تو ساتھ جھولنے بیٹھتی ہیں ساتھ ہی اُترتے ہیں۔

دوسرا۔ بی تم دونوں تو گاؤ نہ روؤ تمہارے جھولنے کا فائدہ ہی کیا؟

دوسری بہن۔ چلو بھئی دشمنوں کو خدا نہ کرے رونے کیوں لگے تھے..... گانے کو گلشن گا ہی رہی ہے۔ تم نے آکر باتیں بگھارنی شروع کر دیں (گلشن سے) گلشن گا۔ تو کیوں چپکی.....

گلشن۔ بیگم وہ گیت تو پورا ہو گیا اب اور جو بتاؤ.....

لڑکی۔ اچھی میں کیا بتاؤں گی تجھے آپ ڈھیروں گیت آتے ہونگے تو ہی کچھ.......

دو ایک بار جھولا خاموشی میں ادھر سے اُدھر آیا، گیا، گلشن نے گیت سوچنے میں گنگنا کر پہلے تو "جھولا کن ڈالو رے امریاں" کے لیے پیدا کی پھر ایکبارگی منہ کھولکر اونچی آواز سے جھولا کن ڈا..... یہیں تک کہنے پائی تھی کہ:-

بیگم۔ اے ہے گلشن! سنتے سنتے جی گھبرا گیا چو طرف سے اسی کے گانے کی آواز چلی آتی ہے

دوسری۔ ائے ہے سچ تو ہے کان پک گئے..... اچھی گلشن کچھ اور ہی.....

گلشن۔ تو پھر اور کیا گاؤں؟ تم امیروں کا جھولنا بھی خوب ہے جھولیں آپ گائیں مائیں آپ گیت بھی نہ بتائیں!

دوسری۔ اچھا بی تو پھر گانے ہی دو اسکے گیت تو ایسے ہی ہونگے........

آپا- منیں خدا کے لئے اِس نفرت کی شکل کو توچھوڑ...... کچھ اور برا بھلا جو آتا ہو-

گلشن- (چند سکینڈ کی خالی گنگناہٹ کے بعد) ـــ دیکھو سکھی سیّاں جوگیا ہو گئے

(دوبارہ - اب کے آواز نکال کر) ـــ دیکھو سکھی سیّاں جوگیا ہو...

گلشن کی آواز صاف تھی اور اونچی، اپنی بساط بھر خوب الاپ کر دو چار دفعہ اسی ایک بول کو کئی طرح کے گٹکا دُبڑاؤ کے ساتھ گائی تھی جھولا اطمینان سے جاری تھا کہ اُن شیطانوں کو جو لاحول سے بھی نہ بھاگیں برجستہ شرارت سوجھتی ہے :-

ایک- (ہڑبڑاکر) اے بی آپا اے بی آپا خدا کے لئے جلدی اترو جھولے کی رسی کٹی ہوئی معلوم ہوتی ہے......

دوسرا- اور اوپر کی بلّی بھی تو چَخ چوں ہو رہی ہے !

بہنیں (گھبراکر) ہے ہے سچ ؟ (اوپر دیکھکر- اوسانوں کے ساتھ) ہونے دو ہمیں کیا کام.... تم یہاں کہم ہو کر کیوں جم گئے..... ہم بھی کبھی تمہارے گیند بلّے میں دخل دینے آتے ہیں-......

بھائی- ہم تو ہمیں گن گن کر جھونٹے دینے اور گلشن کے گیت سننے آئے تھے تمہارے بنلے کی کہتے ہیں- تم جانو، نہ اُترو !

بہنیں- نہیں ہم خاصے جھول رہے ہیں...... بڑے گن گن کر جھونٹے دینے والے آئے..... جیسے اِنہی سے تو مانگ کر جھولے میں گنتی کی دفعہ کو بیٹھے ہیں- جھولا گرتا ہے تو گرنے دو.... تم اپنی خیر مناؤ........ گلشن کا گانا گھر میں اور جگہ سے نہیں سُن سکتے........

بھائی- چھوٹی آپا تم تو آتر پڑو تمہارا تو جی بھی اچھا نہیں رہتا پھر حکیم جی پوچھینگے کب بدپرہیزی کی تھی میں تو صاف کہدونگا حکیم جی آٹھ پہر جھولے میں لٹکی رہتی ہیں اب کے ساون انہی پر برسا ہے -

بہن۔ دیکھو بی آپا جھوٹے کی باتیں آج کئی دن بعد تو جھولے میں قدم رکھا ہے اور مینہ کو
تین چار دن سے برساہی کب آج ابر کو دیکھکر ابھی تو ہم ......

آپا۔ بکنے دو بوا۔ کہدیگا تو کہدینے دو۔ آخر اماں ہی تو گواہ ہیں اسکے کہنے سے ہوگا ہی کیا۔

گلشن۔ بیگم تم تو سنو نہ بات۔ جھگڑ رہی ہو میں آپ ہی آپ گاتی کیا بھلی ......

بیگم۔ (جھونٹا لیکر جو باتوں میں دھیا پڑ گیا تھا) نہیں نہیں گلشن ہم سن تو رہے ہیں۔ یہ دونوں بیبیاں
سننے دیتے ہاں تو چکی تھو ......

گلشن۔ { جہاں سے چھوڑا تھا جوڑ کر
(اور)
بال کا الف خوب دیچا گھسیٹ کر } ہ ..... جوگن کے لمبے لمبے بال

دیکھو سکھی سیاں جوگیا ہو گئے

(مکرر)

ایہو سکھی سیاں جوگیا ہو گئے

انہی بولوں کو دو ایک طرح ہیر پھیر کر گانے سے گلشن نے پھر چپ چاپ کر دی، برسات کی
چیز، اچھا گانیوالا اگر چلچلاتی دھوپ اور لوؤں میں بھی کھڑا ہو کر گانے تو برسات کو بلا لے لیکن
جہاں برسات خود موجود ہو اور اناڑی سننے والے ہوں، وہاں اناڑی گانیوالا بھی استاد
کے برابر رنگ جاتا اور سماں باندھ دیتا ہے۔ اور اس گیت کی تو لے ہی کچھ ایسی جدائی بھری ہے
کہ دل میں سنسان پیدا کر کے گویا جنگل اور پردیس کی تنہائی میں پہنچا دیتی ہے گزرے
زمانے اور پیارے عزیزوں کو دل ڈھونڈھنے لگتا ہے، نہیں پاتا اور بے اختیار بھر آتا
آتا ہے +

گلشن نے تیسرا بول شروع کیا:۔

گلشن ہ۔ جوگی بجائے بنیا بانسری + جوگن گائے ملار (سنو سکھی سیاں... الخ)

بیگم کو سننے میں خیال بھی نہیں رہا کہ کب سے پیچھے کھڑے جھولے کو ہاتھ لگا رہے ہیں ۔

اس محویت میں موقعہ پاکر لڑکوں نے جھونٹے بڑھاتے بڑھاتے تیز کر دے۔ عین اُسوقت جب گلشن اسی بول کو کر رسہ کر رکہنے میں " ملارکے لام الف، کو اونچا لیجا رہی تہی، ایک زور کے جھونٹے سے جو سامنے والان کے چھجے سے ذراہی بچا رہ گیا، دونوں چونک پڑیں دیکہا تو سنسنیاں آگئیں بے اوسانی میں چاہتی تہیں کر کچھہ فیصلہ کریں کہ ہچکولے کے ساتھ دوسراہی جھونٹا ٹیڑہا آیا کہم سے ٹکر لگتے لگتے بچی۔ ۔

بڑی بہن (جھوٹے سے ہچکولا کہا کر) چھوٹی پاؤں نہ چھوڑنا مضبوط پکڑے ۔ ۔ ۔

وہ تو کہتی ہی رہیں پاؤں چھوٹ ہی پڑے، جھولے چکرائے، اور دونوں گدڈ ہوکر جھولنے والیوں کی پیٹھ سے پٹہیہ ٹہر گئی گلشن ہی لپیٹ میں آہی جاتی۔

بڑی بہن۔ بہلا رے بے ایمان شیطانوں میں ہی اُتر کر مارتی ہوں، ٹہیر تو سہی، تمہیں اماں سے ہی سزا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یہ اُتریں وہ بہاگے یہ انگنائی میں وہ چبوترے پر، یہ والان میں وہ اندر کے والان میں، ایک آگے ایک پیچھے رستے ہی میں سے فریاد شروع ہوگئی :۔

ایک۔ دیکہو بی اماں یہ دونوں بڑی دیر سے جھول رہی ہیں اور گلشن سے گوارہی ہیں ری آواز باہر چلی جارہی ہے کسیکو کیا خبر گلشن گارہی ہے یا گہر کی بیویاں ہی ڈومنیاں ہیں دادا ابا کا ہی ڈر نہیں کہ وہ عرس سے آتے ہونگے ۔ ۔ ۔ ۔

اتنے یہ شکایت پوری ہو دوسرے صاحب فریاد لئے آپہونچے :۔

دوسرے صاحب - اماں بی آپا نفرت سے مینے کہا بہر البتہ سہی دو ادر تم نے ہی کہدیا تہا اُسکو جو کہا تو کہا میرا جی اچہا نہیں۔ جھولنے کے نام اچہی خاصی بیٹھی گہنٹوں ہو گئے چکر بہی تو نہیں آتا اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اور خدا جانے کیا فرماتے تہے کہ بڑی بہن نے پہلی شکایت کا جو سنتی چلی آتی تہیں جواب شروع کر دیا :۔

بڑی - امّاں تم اسکا یقین نکرنا، گلشن کی آواز محلہ میں کون نہیں پہچانتا وہ تو سدا کی گانیوالی ہے دادا اباتو کچھ بہی نہیں کہتے، اُنھوں نے تو آپ کھڑے رہکر کہم گڑوائے ہیں جہولتے ہوئے ہی دیکھہ گئے اتنے گلشن جب ہی گارہی تہی۔ امّاں جہاں ہمکو جہولتے دیکھا یہ فرشتے آ . . . .

وہ ابہی کہنے بھی نہ پائی تہیں کہ امّاں کے پاس کمرے میں ماشاءاللہ چوکڑی کی چوکڑی جمع ہوگئی یعنی چہوٹی بہی ترنتاتی ہوئی، اپنی شکایت کا منہ سے جواب دیتی ہوئی آن پہونچیں :-

چہوٹی - بہلا بی امّاں تمہارے سامنے، بستہ سینے سے میںنے انکار تو نہیں کیا تہا آپ ہی جب کہ مدرسہ میں دو دن کی چہٹی ہے تو میںنے کہا کل سی دوں . . . .

واہ بی میری کتابیں ساری ویران پڑی ہیں کئی دن ہوگئے -

میں اب سینی دو گی گہمس ہیں دم بولا رہا تہا جہولے ہیں ہوا کہانے اور پسینہ خوش کرنیکو گئی تہی . . . .

چہوٹا - (جہٹ فقرہ دوہرا کر) "پسینہ خوش ، کرنے گئی تہیں" واہ بچاری کو بولنا بہی نہیں آتا

چہوٹی - (خشک پر زور دیکر) اسے ہے خشک کرنے گئی تہی . . . . .

بڑے صاحب نہیں بی امّاں ان دونوں نے جہولے کے قبالے لے لئے ہیں ۔ رسی کٹنے کا بہی انہیں خوف نہ ہوا اور . . . . . .

چہوٹے صاحب - اور بلی کی چیخ چوں سے بہی تو نہیں ڈریں !!

بڑی - بڑے ہمارے دونوں کے دونوں خیرخواہ آئے، (بڑی) یہ نہیں کہتے کہ ڈنڈا جو دیا اور (چہوٹی) پیڑا جو کیا تو میرا تو سر ہی پہوٹتے پہوٹتے بچا (بڑی) اور میں گرتے گرتے بچی . . . .

چہوٹی - اور دیکہو بی امّاں یہ جب ہوتے ہیں جب میرا نام بگاڑ کر ہی ہر کہیں لکہدیتے ہیں -

چہوٹا - نہیں بی امّاں میں لکہتا ہوں نصرت ، وہ لگتا ہے نفرت پہر جو پیارا معلوم ہوتا کر

وہی لکھ دیتا ہوں ایک آدھ نقطے کا بھی کوئی فرق ہوتا ہے؟ .....

چھوٹی- واہ خدا نہ کرے ایک کی جگہ دو کیوں نظر آنے لگے فرق کیسے نہیں ہوتا میرا تو نام ہے دیکھو **نص** - **رت** - **جہاں** (الگ الگ زور دیکر)

چھوٹا- (اسیطرح الگ الگ) ہاں ہاں میں بھی تو کہتا ہوں **لف** - **رت** - **جہاں** -

امّاں- (ابتک پے درپے شکایت سننے سے بولنے کا وارنہ ہوا تھا) اُئے ہے کیاؤں کیاؤں کرکے مغز چاٹ گئے لڑائی کے مرغے مرغیاں ہو گئے - فریادم فریاد! مجھے اچھی نہیں معلوم ہوتی (لڑکیوں سے) تم دونوں تو میرے پاس بیٹھو (لڑکوں سے) دور ہو کالا منہ کرو! جوتیوں پر یہ حال ہے پیروں کا جیسے چنیا بطخ کے نیچے کیچڑ بھرے ہوئے ابھی چاندنی پر چڑھے چلے آتے ہیں ......

اِن دونوں نے تو بس اسیقدر سُنا کہ امّاں نے بہنوں کو اپنے پاس بٹھالیا۔ وہاں سے قلانچیں مارتے ہوئے سیدھے جھولے کے پاس آکر ٹھیرے، نیچے سے پڑیاں اُٹھائیں، رکھیں، بل درست کیے، بیٹھے، پاؤں جوڑے اور جھونٹے بڑھا کر گانا شروع کیا:-

جھولے میں جھولا

وقت فرصت کا ہے اِس آن ہنسی کی کام نشۂ عیش سے سرشار ہے ہر خاص و عام		دل کو ہے چین طبیعت کو قرار و آرام آؤ ہم تم بھی چلیں جھولنے بھائی... گمنام!
دیکھیں اسوقت میں کیا رنگ دکھائے جھولا		
سچ ہے انسان ہی مخلوقِ ضعیف البُنیاں گر کرے چارگھڑی روز کے دھندے دھیاں		اور دنیا میں ہو محنت و راحت کا قرار ایک دم جی کو نہ دے چین بھلا کیوں انساں
کیوں نہ جھولیں جو ہمیں لطف دکھائے جھولا؟		

پتلی پتلی اور تیز بچپن کی رسیلی آوازیں، پر ملاکر دونوں ایسے مزے سے گاتے کہ گلشن بھی جو دوپٹے رنگنے بیٹھ گئی تھیں، وہ دوپٹے چھوڑ، رنگ میں ڈوبے ہوئے ہاتھ لئے ایک طرف الگ کھڑی ہو کر سننے لگیں کہ یہ تو گیت ہی نیا ہے! ادھر کمرے میں اماں کے پاس بہنوں میں کھسر پھسر شروع ہوئی:-

چھوٹی- آپا سنتی ہو یہ کیا گا رہے ہیں، یہ تو کچھ بہت ہی مزے دار غزل (انکے نزدیک جو نظم ہو جیسی بھی ہو سب غزل ہے!) گا رہے ہیں؟

آپا- اب میں سمجھی! اسی کے گانے کے لئے یہ اتنی بیقراری کیساتھ جھولے کے گرویدہ ہو رہے تھے-

چھوٹی- لو سنو آپا وہ دوسرا بول شروع ہوا:-

باغ عالم میں نئے رنگ سے آئی ہے بہار
اور عجب لطف سے اسوقت برستی ہے پھوار
سبز پوشان گلستان کی ہے اک طرف قطار
ایک طرف نغمہ سرائی میں ہے مشغول ہزار
ایسی حالت میں نہ کیوں دل کو خوش آئے جھولا

چھوٹی- بی آپا ذرا بتانا "سبز گوشان پستان" کسے کہتے ہیں؟

آپا اور اماں بھی جو اُدھر لڑکوں کے گانے کو ادھر لڑکیوں کی باتوں کو شوق سے سُن رہی تھیں "سبز پوشان گلستان" کی اس خرابی پر بے اختیار ہنس پڑیں دوبارہ لطف کے لئے پوچھنے لگیں چھوٹی کیا کہا پھر تو کہو ہمنے تو اچھی طرح سنا ہی نہیں-

چھوٹی- میں پھر تو نہیں کہونگی تم ہنستی ہو اور اماں سے بھی ہنسواتی ہو، آپا اچھی بتا دو میں نے کیا کہا-

آپا- (ہنسی روک کر) اچھا تم اسکو بھولنا نہیں، میں ابھی نہیں مگر بتا دونگی، اب تو چلو باہر چلکر سنیں وہ آگے کیا گاتے ہیں-

باہر اگلا بند یہ گایا جا رہا تھا:-

جانبِ غرب کس انداز سے پھولی ہے شفق
بیقراری کا کسی کو ملے بجلی سے سبق

چرخ پر چھوٹتے پھرتے ہیں جو بادل ازرق
تو کسی اور کا دل خوف سے ہو جاتا ہے شق

آکے اسوقت ہمیں کون جُھلائے جھولا

اس عرصے میں ابر ذرا اور گھر کر آ گیا تھا، کچھ چمک اور گڑگڑاہٹ بھی تھی اسلئے ایک ایک مصرعہ کو کئی کئی بار دہرایا گیا۔ چھوٹی کا دل اس بند سے بھر چکا تھا آگے سننے کی بیقراری تھی اور اصل اصل تو یہ ہے کہ ایک آدھ لفظ نہ سمجھنے سے سارا مطلب خبط تھا۔ بھائی آگے بڑھتے ہی نہ تھے، آخر نہ رہ سکی ٹپک ہی پڑی :-

چھوٹی - آگے بھی تو کہو باجی جٹ چکی ؟

آپا - (جھٹ ڈانٹ کر) ہیں ! یہ کیا شہدونکا محاورہ تمنے بولا ؟

چھوٹی - میں کیا جانوں یہی دونوں بہت بولا کرتے ہیں . . . . . .

بھائی - چٹ کیوں چکی ذرا ٹھیر وابھی تم دونوں کی بھی خبر لیتے ہیں . . . . .

وہ جھر اس بند کو گا کر لیگئی :-

کی جو تدبیر بھی جھولے سے اٹھانیکے لئے
ہو گیا اُنکو بہانہ وہ بٹھانے کے لئے

کیا ہی سُنچیں اُسے اماں سو لگانیکے لئے
ہم کھو بیٹھے رہے انکو جلانیکے لئے!

جھولتے شاد ہوں، جلتوں کو جلائے جھولا

اس زہر ہلاہل بند کو، اپنی حرکتوں کے نمک مرچ سے اور بھی چٹ پٹا بنا کر، بہنوں کی طرف دیکھ دیکھ گردنیں مٹکا مٹکا کر اور اُنکی طرف ہاتھ بڑھا بڑھا کر دونوں نے جس جس طرح سے گایا، ایک ایک لفظ پر طنز کے لئے زور دیا، اور ہر مصرع کو کئی کئی طرح۔ کبھی رونی صورت بنا کر، کبھی مسکین مہین آواز نکال کر، کبھی آخری (جھولتے شاد ہوں۔ جلتوں کو جلائے جھولا) مصرع کو اُنکی طرف سے منہ پھیر کر، ایک بڑا سا رافخریہ جھونٹا لیکر۔ اوا کیا ہے چھوٹی ہی کا دل جانتا ہوگا جسنے پوچھا تھا کہ بس جٹ چکی !!

بڑے بھائی جو کوٹھے پر اپنے کمرے کی کھڑکی میں سے سب تماشے دیکھ رہے تھے پھڑک اٹھے کھڑکی میں سے منہ نکال کر:-

بڑے بھائی- ارے یہ بند کس نے بنا کر بڑھا لیا میرے پاس تو آئے میں اس کی پیٹھ ٹھونکوں بڑا شاعر ہے اور ابھی سے !

بچے- بھائی صاحب یہ بند انہوں نے (دوسرا کہتا ہے) نہیں بھائی صاحب میں شاعر نہیں ہوں یہ بند انہوں نے (پہلا) نہیں بھائی صاحب میں کسی کی تعریف نہیں لیتا یہ بند انہوں نے ہی ...... آپکے جھولے پر بڑھا لیا ہے۔

بھائی صاحب- بس بس شرماؤ نہیں میں سمجھ گیا تم میں سے جو صاحب ہیں یہی میرا مشاعرہ رہتا تم گائے جاؤ یہ کہکر بھائی صاحب نے تو منہ اندر کرلیا اور بچوں نے آخری بند گایا۔

ہاں ہر اک کام کی افراط ہے سب سے بدتر		اسقدر جھو لیے آجائے نہ سر میں چکر
اور یہی کھیل میں جھولے سے بہت بڑھ چڑھ کر		گر اجازت ہو تو اسوقت یہ ناچیز اختر
	"تازہ تصنیف نہیں آج سنائے جھولا"	

اسپر جھولا ختم ہوا، جھولنے تھم گئے، دونوں اتر پڑے، چھوٹی بولیں :-

چھوٹی- (رخصت منانے کے لئے) اچھا اب سینے جانا۔ بڑے بھائی سے بنوا لائے تھے!

بھائی- ہاں دیکھو تو بڑے بھائی نے اس بند میں ہمیں کیا خوش کیا ہے !!

چھوٹی- واہ بڑے بھائی ایسے کیوں ہونے لگے تھے وہ تو تم نے آپ ہی دل سے جوڑ لیا ہے میں بھی اسکا جواب منجھلے بھائی سے بنوا کر تمہیں دونگی ......

بھائی- یہ خوب! میں مرد نہیں میرا بھائی مرد، تمہاری ہجو تو ہنسنے آپ کہی ہے۔

چھوٹی- میں بھی اتنی تو آپ ہی جوڑ لونگی (آپا سے) ہاں آپا اب بتاؤ اسی کے معنی؟ میں تو جانوں "ڈالی[1] والونکو"، کہتے ہیں نہر کے پل کے پاس پن چکیوں پر فوج کی فوج ڈھیروں دیکھے ہی تو تھے نا ؟

[1] بند۔

آپانے جو سبز گوشانِ گپستان کے یہ معنی سنے مارے ہنسی کے لوٹ لوٹ گئیں بھائیوں نے
جو اسقدر ہنستے دیکھا تو ایک ہی پوچھتا ہے آپا کیا بات ؟ دوسرا بھی پوچھتا ہے آپا کیا بات ؟
اچھی ہم بھی سنیں، چھوٹی ایکطرف تو اُنکو جواب دیتی جاتی ہے کچھ نہیں دوسری طرف آپا کے
مُنہ کے قریب ہاتھ لئے آتی ہے :- اچھی آپا خدا کے لئے یہ تو میرا جینا مشکل کر دینگے
ہرگز نہ بتانا ! غرض اسطرح کیا ؟ کیا ؟ کچھ نہیں، کچھ نہیں، اور اچھی آپا تمہیں میری ہی جان
کی قسم پر یہ سین فقط ہو جاتا ہے -

محمد احتشام الدین
دھلوی

ایڈیٹوریل

الحمد للہ کہ آج رسالۂ خاتون کا پہلا سال تمام اور دوسرا سال شروع ہوتا ہے
اس عرصہ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی اور اس سے بہت زیادہ
کامیابی کی امید ہے خدا کرے وہ بھی توقع سے زیادہ ہی پوری ہو اس کامیابی سے
عام اخبارانہ اصول کے موافق تعدادِ اشاعت میں ترقی سے آمدنی بڑھ جانے اور خاطر خواہ
نفع حاصل کرنے کی ترقی مراد نہیں - کیونکہ تعداد اشاعت ہمارے رسالے کی دھوم اور
شہرت کے برابر جسکا ہمیں احساس ہے نہیں ہوئی نہ آمدنی کے بھروسے پر رسالہ چند ماہ
سے زیادہ جاری رہ سکنے کے قابل ہوا ہے - کامیابی سے جسکا ہم ذکر کرتے ہیں ہماری
ابتدائی پروگرام میں، جو سرورق کے دوسرے صفحہ پر شائع ہوا کرتا ہے - ایک
حد تک کامیابی مراد ہے - خاتونوں میں علمی مذاق پیدا کرنا، اُنکے پڑھنے پڑھانے کے

لئے شستہ اور مفید لٹریچر بہم پہنچانا، اُن میں باقاعدہ تعلیم کا سامان کرنے کے لئے ایک
[illegible]سہ کا عدم سے ظہور کے قریب آنا، مردوں میں فرقۂ نسواں کی تعلیم و تہذیب کی ضرورت
[illegible]ر انکی قدر و منزلت کے خیالات کا دلنشین کرنا یہ سب خاتون کی خصوصیات ہیں جنکا
[illegible]عتراف خطوکتابت مضامین اور تنقید معاصرین کے ذریعے سے ہمارے کانوں تک
[illegible]ی پہنچکر ہمیں اس حد تک اپنی کامیابی پر مطلع کرتا ہے۔

خاتون کا خیر مقدم کرنیوالے اور بعد اجراء اُسکی کامیابی پر مبارکبادانہ نوٹس
لینیوالے معاصرین، پہلے سال پر نظر ڈال کر دوسرے سال میں قدم رکھنے کے موقع
پر ہمیں اُمید ہے کہ، منصفانہ ہمت افزائی سے اور سالگذشتہ کے خریدار تازہ ویلیو وصول
کرنے سے دریغ نہ فرمائینگے۔

نمایش صنعت نسواں

کانفرنس کے ساتھ زنانہ صنعت وحرفت کی اشیاء اور نمونہ جات کی نمایش کا کام
یکم اگست سے باقاعدہ طور پر شروع کر دیا جائیگا۔ ہم اس نمایش کو بہ نسبت گذشتہ اجلاس
کی نمایش کے وسیع تر پیمانہ پر کرنا چاہتے ہیں۔ جو امیدیں کہ ہم رسانی اشیاء و نمونہ جات کی [illegible]
اس کام میں امداد کی معزز ناظرینوں اور ہنرمند و خوش سلیقہ خواتین سے ہمکو ہیں انکی توقع پر
یقین ہے کہ آیندہ نمایش بدرجہا بہتر اور دلچسپ ہوسکیگی۔ لیڈی ناظرین خود بھی اور اپنے
ذریعے سے دیگر اہل توسل و تعارف خاندانوں کی ہنرمند اور صاحب صنعت امیر و غریب
تمام مستورات سے نمونوں کی تیاری اور تیار و موجود اشیاء میں سے قابل نمایش نمونے
انتخاب کرکے بھجوانے میں ہماری مدد کریں اس چرچے کو جا بجا پھیلائیں جہاں جہاں
صنعت و حرفت کی قابل قدر اشیاء اور انکی کاریگروں کا پتہ نشان معلوم ہو ہمیں اطلاع

دیں۔ بیل، بوٹا، پھول، پتی، نقشہ، تصویریں اور خوبصورت وضع، طرح، قطع کی چیزیں سادہ اور منقش کام ادنی، سوتی، ریشمی زرکار، کاغذی چوب کاری دہات چینی وغیرہ وغیرہ۔
غرض ہر قسم کی چیز، جو شرط یہ ہے کہ ہندوستانی مستورات کی ہنرمندی اور کمال کا نتیجہ ہو قابل نمایش تصور کیجائیگی، عمدہ اور منتخب نمونوں پر انعام، آفرین یا تمغے حسب حیثیت اشیار کے دیے جاوینگے آمد و رفت کے مصارف اور وصول ہونے سے واپس روانہ کردینے تک کی حفاظت کا صیغہ تعلیم نسواں ذمہ دار ہوگا تفصیلی ہدایات دفتر خاتون سے طلب ہوسکتی ہیں امید کہ لیڈی ناظرین اپنے نام کی چیز یعنی "نمایش صنعت نسواں" کو کامیابی کے درجہ پر پہنچانے کی کوشش کرینگی۔

اس سے پیشتر ہم راجہ اعظم شاہ صاحب رئیس ناگپور کے عطیہ چندہ تعدادی مبلغ ایکہزار روپیہ کا اعلان کرچکے ہیں بعد اسکے مفصلۂ ذیل رقوم اور وصول ہوئی ہیں:۔

۱۔ جناب سلطانہ بیگم صاحبہ مسز رضاء اللہ جو جناب شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب کی بہو ہیں اور جن کی روشن خیالی اور قلمی امداد سے ناظرین خاتون ناواقف نہیں ہیں اُنھوں نے مبلغ ایکسو روپیہ اپنی ذات خاص سے مرحمت فرمائے ہیں اور آیندہ کے لئے بھی فراہمی چندہ کی فکر میں ہیں خدا انکی کوشش میں برکت دے۔

۲۔ جناب مسٹر اے۔ سی۔ لطیف سی۔ ایس۔ جو ہماری قوم کے قابل فخر تعلیم یافتہ نوجوان ہیں اور جو سول سروس کے امتحان مقابلہ میں اول کامیاب ہوئے تھے اور آجکل سرسہ ضلع حصار میں متعین ہیں مبلغ ایکسو روپیہ ارسال فرماتے ہیں اور آیندہ اپنی دلچسپی اور اپنے خاندان کی ہمارے مقاصد کے ساتھ ہمدردی سے بہت کچھ توقعات کا ہمکو مشکور کرتے ہیں۔

۳۔ جناب مسز محمد حسین نے اٹاوہ سے مبلغ پچاس روپیہ عنایت کیا ہے۔

۴۔ جناب بنت نذر الباقر صاحبہ جنکے نام سے ناظرین خاتون واقف ہیں مبلغ پندرہ روپیہ

سے اعانت فرماتی ہیں۔

ہم اپنے معاونین کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کسی کام کی ابتدا میں اعانت اور مدد کرنا درحقیقت اُس کام کو کامیابی کے راستہ پر پہنچانا ہے۔

اول اول جب ہمنے اپنے خیالات کا اظہار کیا تو چند ہم خیالوں کے باقی گویا اختلاف تھا یا امکان سے خارج سمجھکر ہنستے تھے۔ الحمد للہ کہ ہمکو اپنی کامیابی کا یقین روز افزوں ہے۔ خلاف اور مضحکہ قومی غفلت اور عملی سستی ثابت ہوتے جاتے ہیں اور مخالفوں سے موافقت کا اظہار بھی ہو چلا ہے اور اب عام طور پر تعلیم نسواں کو بڑا انسانی فرض کہنے جا یکا دن قوم میں قریب ہے ہمکو بڑی توقع ہے کہ قوم کی امداد سے زنانہ سنٹرل اسکول عنقریب اپنی صورت اختیار کر کے روز بروز ترقی کرتا چلا جائیگا۔

ع در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست۔ پر عمل کر کے ہمارا قصد ہے کہ ہم آیندہ سال کی ابتدا میں اسکول کا ایک مختصر سا افتتاح کر دیں اسکے لئے ہم استدعا کرتے ہیں کہ ناظرین خاتون کو جہاں جہاں لایق اور شریف اُستانیوں سے واقفیت ہے ہمیں مطلع کرینگے کہ کسقدر تنخواہ اور کن شرائط پر وہ آمادہ ہو کر اسکول میں معلمی کے لئے آسکیں گی اسکا اندازہ بھی معہ کسیقدر انکے احوال لیاقت اور شرافت کے معلوم ہونا چاہئے۔

مستورات کے لئے دیگر مقامات میں اگر کچھ ہو تو تعجب نہیں لیکن دارالاقبال بہوپال یعنی بہوپال میں جو کچھ بھی ہو تھوڑا ہے۔ حضور عالیہ نواب بیگم دام اقبالہانے ۸۔ شوال ۱۳۲۲ھ کو ارادہ ظاہر فرمایا تھا کہ "مفلس اور نیک چلن مستورات کی تعلیم فنون اور دستکاری کے لئے ایک مدرسہ قایم ہو" اس شاہانہ کُن کے "فیکون" ہونے میں آٹھ مہینے کی دیر بمقتضائے بشریت داخل تعجب نہیں۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ کو یہ مدرسہ بدست

کرنل حافظ حاجی صاحبزادہ عبید اللہ خاں بہادر، مبلغ تین سو بارہ روپیہ ماہانہ کی آمدنی ہے جس میں نصف عطیۂ سرکار و نصف دیگر خدمت اہل دربار ہے، ایک دہوم دہام کے جلسے منعقدہ ہوا محل میں، عین تاریخ جلوس کے مبارک دن، افتتاح ہوا معین المہام بہادر اور مسٹر ظفر عمر - بی - اے - نے تقریریں کیں - ظفر عمر صاحب نے فرمایا کہ جاپان کے فرقۂ نسواں میں علوم و فنون اور صنعت و حرفت اسقدر استغناء کا باعث ہیں کہ میدان میں جاتے وقت کسی سپاہی کو اندیشہ نہیں ہوتا کہ وہ مارا گیا تو بیوی بچے کیا کھائینگے، میاں بیوی ہیں تو ہو اگر دا ایک دوسرے کے محتاج نہیں -

صاحبزادہ صاحب نے افتتاحی تقریر میں ارشاد کیا کہ یہی مدرسہ نہیں بلکہ اس سے بہت پیشتر حضور عالیہ ایک مدرسہ بنام "**مدرسۂ سلطانیہ**" مستورات کے لئے قائم کر چکی ہیں، " ہم ہوتے تو حاضرین کو پکار کر یاد دلا دیتے کہ "حضور عالیہ ہکو بھی چھتیس ہزار کی گراں بہار قم مرحمت فرما چکی ہیں چار سال حکومت میں حضور عالیہ کی فرقۂ نسواں کے ساتھ یہ تیسری عملی ہمدردی اور لازوال فیاضی ہے "

اعلان

اس رسالہ کی قیمت نظر بر حال موجودہ (عے) سالانہ
رکھی گئی ہے۔ اور ششماہی (عہ ۱۲) فی پرچہ (۵ر)۔
درخواستیں بنام شیخ محمد عبداللہ صاحب۔ بی۔ اے
ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل ہائیکورٹ علیگڈہ آنی چاہئیں قیمت
ہر حال میں پیشگی لیجائے گی۔
تمام مضامین اڈیٹر کے پاس آنے چاہئیں۔

۱- [illegible]
[illegible] ہے۔

۲- اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑہی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳- مستورات میں تعلیم پھیلانی کوئی آسان بات نہیں اور جب تک مرد اس طرف متوجہ ہونگے مطلق کامیابی کی اُمید نہیں ہو سکتی چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور اُسکے بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اس کی طرف ہم ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴- ہمارا رسالہ النسات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لئے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی اُنکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم پڑہنے سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵- ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶- مستورات کے مضامین اور خطوط جیسے بھی ہونگے ہم ضروری اصلاح کے بعد شائع کرینگے۔

۷- اس رسالہ کی مدد کرنیکے لئے اسکو خریدنا گویا اپنی مدد آپ کرنا ہے۔ اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لئے تیار کیا جائیگا۔

صلاح و فلاح

سلسلے کے لئے ملاحظہ ہو خاتون نمبر ۶

جون کے خاتون میں صلاح وفلاح کے نام سے بوعدہ باقی آیندہ جو مضمون جناب
بنت نصیرالدین حیدر کا شائع ہوا ہے ، یہ اُسکا دوسرا ٹکڑا ہے اور اسقدر
نفیس ہے کہ اگر گنجایش مانع نہ ہوتی تو ہرگز ٹکڑے پارچے کرکے شائع کرنیکو دل قبول
نہ کرتا۔ نصیحت کی ناگوار باتونکو شستہ و شگفتہ معلےٰ کی اردو کے جا بجا لطیف چھینٹوں نے
شگفتہ کرکے اپنی ہم جنسونکو اُنہی کی منطق میں سمجھانا جناب موصوفہ کا قدرتی حصہ ہے

چونکہ درد دل سے لکھا ہے اسلئے اثر بھی ہونا چاہئے! اسکو پڑھکر جن بہنوں کے دل نہ
پسیجیں اور وہ اس کی بہت سی واقعی مفید باتوں کو اپنا دستور العمل نہ بنائیں وہ
بڑی ہی سخت دل اور کٹر ہونگی۔

ایڈیٹر

مدارس کے قیام سے کسی کو اتفاق ہو یا نہو۔ تعلیم نسواں سکشن اس کی حامی ہے۔
خالی حامی ہی نہیں اسنے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ بالفعل نارمل سکول کھولدے۔ چنانچہ خاتون
میں اُسنے ایک سے زیادہ مرتبہ اس بات کا اعلان کیا اور اب تو ماہ اپریل کے نمبر میں
صاف کھول کر لکھدیا ہے۔ جبکہ ہماری اور ہمارے حامیان تعلیم کی رائے متفق ہے
تو ہمکو ضرور ہے کہ انکی رائے کی تائید کریں۔ مگر یہ تائید نری زبانی نہو۔ ظاہر ہے کہ کبھی
تو کوئی ایک مدرسہ بھی خالی باتوں سے نہیں بن سکتا۔ اسکے لئے بہت سے روپے کی
ضرورت ہے۔ کیونکہ عورتوں کا مدرسہ ہے۔ جبتک قوم کی طرف سے بے دریغ بخشش
اس کام کے لئے نہوگی بیچاری سکشن مذکور آج تو کیا دس برس بھی اپنے ارادے میں
کامیاب نہیں ہوسکتی۔ داموں کے کام باتوں سے نہیں چلا کرتے ہیں اور بخشش کے لئے
لفظ قوم کا استعمال کیا ہے۔ اس میں مرد و عورت دونوں ہی شامل ہیں۔ مگر اسوقت
روئے سخن مردوں کی طرف نہیں۔ اسلئے ہم علیحدہ گذارش کرینگے۔ یہاں صرف آپ کو مخاطب
کیا جاتا ہے کہ آپ پہلے اپنا بوجھ خود اُٹھائیے۔ قرآن مجید میں اللہ جلشانہ خود فرماتا ہے
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ ہر شخص اپنا بوجھ آپ اُٹھانیکو پیدا ہوا ہے یہ موقع
ہے کہ اپنی ہمت کے جوہر دکھائیے۔ اپنی نرم دلی اور طبعی فیاضی کو جو بعض اوقات مردوں
سے زیادہ آپ سے ظاہر ہوجاتی ہے اپنی بہنوں کے حق میں کام فرمائیے۔ خاتون نے
آپ کے سامنے جو اپیل پیش کیا ہے اسپر لحاظ فرمانا ضرور ہے اسکے سوال کو خالی جانے
دینا اپنی نوعی صفات کی ہتک کرنا۔ اور اپنی بہنوں کے حقوق کو برباد کرنا ہے۔ اے مسلمان
خاتونوں! دنیا میں عورتوں کی ہمت نے بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ اگرچہ تمہاری مذہبی

بہنوں کے قومی کارناموں کی کوئی مکمل فہرست زمانہ کے ناانصاف ہاتھوں نے تیار نہیں کی۔ مگر
گزاریخ کے ورق اُلٹنے کی تکلیف گوارا فرماؤگی تو آپ کو عالی حوصلگی۔ سیر چشمی۔ سخاوت اور
مذہبی و قومی ہمدردی کے نمونے کچھ نہ کچھ ضرور مل جائینگے۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ آپ اپنے
وقت میں خود اپنے ہی فائدہ کی طرف توجہ نہ فرمائیں۔ اگر سیکڑوں برس پیچھے کے واقعات سننے
اور دیکھنے سے آپکا دل اُلجھتا ہو تو آپ ہی کے وقت میں عورتوں کی فیاضی کی قابل تقلید
مثالیں آپ کے سامنے موجود ہیں۔ ابھی ابھی اخبار میں دیکھا ہے کہ ایک ارمنی لیڈی کا
اپنے ایک قومی مدرسہ کو جو حال میں قائم کیا گیا ہے۔ ۲ ہزار کی رقم عطا کی ہے۔ اور چونکہ
تحریک ہوتے ہی سب سے پہلے چندہ دینے والی یہ فیاض لیڈی ہے اسلئے فی الواقع
اس کی ہمت نے مردوں پر تختہ نارا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے ہاں بھی حضور عالیہ بیگم صاحبہ
بھوپال دام اقبالہا دفیوضہا نے اپنی معتدبہ عطیہ سے زنانہ چندہ کی بسم اللہ فرمادی ہے۔
اسلئے ہماری غیرت۔ حمیت۔ اور نوعی خصوصیت بھی جوش میں آجانی چاہئے۔ آپ کی فیاضی
سے آپ کی ہمشیار بہنیں فقط خود ہی علم جیسی دولت سے مالا مال ہونگی۔ بلکہ اپنے وجود سے
آپکو۔ آپ کی اولاد کو۔ اور آپ کی بہت سی سرمایہ دار و ہمصورت بہنوں کو تعلیمی فائدہ
پہنچائینگی۔

مرد جب آپ کی اصلاح پر کمربستہ ہیں تو آپکا فرض ہے کہ آپ اپنی مالی مدد سے انکی
ہمت نہ ٹوٹنے دیجئے۔ ہمتیں ایکدفعہ ٹوٹ کر پھر بندھنی مشکل ہو جاتی ہیں۔ علی علی کرکے اس
چھپر کو اُٹھا لیجئے۔ اور اگر اسوقت انکی صدا کو آپنے سنی اَن سنی کردیا اور خالی باتیں
بنانے میں لگی رہیں تو پھر یاد رہے کہ ایسا موقعہ میسر نہوگا۔ اور نہ یہ کہنے کا منہ رہیگا کہ
مردوں کو ہماری پروا نہیں۔ اسوقت سب میں بڑی مدد روپے کی ہے۔ اور آپ میں اکثر
بفضل خدا اپنی اپنی حیثیت کے موافق اتنی تو ضرور ہیں کہ ضروریات کو نہ سہی فضولیات
ہی کو روک کر اپنے چندہ سے تعلیم نسواں سکشن کی حاجت پوری کردیں۔ اب میں وہ تدبیر

بیان کرتی ہوں جن میں سے بچاکر یا جنکو تخفیف کرکے آپ اس اپیل کا منھہ موتیوں سے بھر سکتی ہیں
خیرات و مبرات - اس بات کا اقرار صریح نا انصافی ہے کہ ہماری بہنوں کو خیرات و مبرات کی عادت
نہیں ہے - اور بہت سے علاوہ بندہی ہوئی ماہانہ یا سالانہ خیرات کے ہر گہر کی بیٹہنے والی
بیوی روزانہ کچھہ نہ کچھہ پیسوں اناج کہانے، کپڑے وغیرہ کی خیرات کرتی رہتی ہے - مگر اس
خیرات کا وہی نتیجہ ہوتا ہے کہ مرغی جان سے گئی کہانے والونکو سواد نہ آیا - آپ کا پیسہ
خاطر خواہ خرچ ہوتا ہے - اور فقیروں کی کسی عنوان پوری نہیں پڑتی جبکہ بجائے پیٹ بھرنے
کے فقیروں کی حرص میں مستسقی کی پیاس کی طرح دن دونی رات چوگنی ترقی ہے - تو اب
سوائے خاص خاص صورتوں کے انکو انکی حالت پر چھوڑ دیجئے اور اپنی خیرات کا پیسہ اپنی بہنوں
کی تعلیم میں لگایئے - دیکھئے پروفیسر ضیاء الدین احمد نے البشیر میں لکھا ہے کہ جرمنی جیسے
ملک میں جو مفلوک ہندوستان کے مقابل میں کیسا جمع جڑا ہے، کوئی شخص بجا طریقے سے
کبھی خیرات نہیں کرسکتا - سب کا خیرات کیا ہوا روپیہ بڑی عمدگی سے ایک ہی جگہ جمع ہوتا ہے
اور ساتھہ خوبصورتی کے تعلیمی کاموں میں صرف ہوتا ہے -

ہماری ہی قوم میں خدا کے فضل سے ایسی خواتین ہیں جو علاوہ مذکورہ خیرات کے
بہت بڑی بڑی رقمیں رفاہی کاموں میں خرچ کردیتی ہیں - کبھی کبھی ضرور سننے میں آتا ہے کہ
فلاں رانی صاحبہ نے اتنے ہزار روپیہ فلاں ہسپتال میں دیئے - فلاں بیگم صاحبہ نے
اتنے ہزار کی گرانقدر رقم فلاں میموریل فنڈ میں یا فلاں خیراتی چندے میں عطا کی
بلاشبہہ یہ سب کام خیر و برکت کے ہیں مگر اول تو ہماری دولتمند بہنوں کے ان میں شریک ہونے
کی وہی مثل ہے کہ "گہر میں میاں منگتے - باہر کہڑے درویش" - اپنی بہنوں کی تعلیمی گاڑی تو رکی
کہڑی ہو - اور دوسروں کی کشتی کے نیچے گنگا بہا دیجائے - اور اگر ایسے فنڈوں میں دینے
کے لئے مجبوری ہی ہے تو یہ کیا اندھیر ہے کہ آس پاس برسے دلّی پڑی ترسے - چاہئے
تو یہ کہ وہاں جتنا دیا ہے اُس سے دُگنا اپنی بہنوں کی فلاح میں عطا کریں - ورنہ برابر تو

ضرور ہی دیں۔ خلاصہ یہ کہ اپنی خیراتی رقم کا بہت بڑا حصہ اب اس سکشن کے نذر کیجیے۔
تاکہ مد نام ہو آپکا اور کام ہمارا ہو جائے"

زکوٰۃ جو نہی حکم ہے، ہر صاحبِ نصاب پر دینی واجب ہے۔ چنانچہ بہت سی مقدور دار
بیویاں دیتی ہیں۔ مگر کچھ ایسی بھی ہیں جو نہیں دیتیں۔ اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ جب خدا
نے آپکو دیا ہی تو آپ بھی اپنے حصے میں سے دوسروں کا حق نکالئے اور اُسکا کوئی جزو اس
کار ثواب میں بالالتزام داخل کیا کیجیے۔ زکوٰۃ دینے والی بیویوں کا غالباً یہ طرز عمل ہوگا
کہ ایک معقول رقم وہ اپنے غریب عزیزوں اور متوسلین کو دیتی ہونگی کیونکہ سب کے
کنبے میں غریب موجود ہیں۔ یہ طریق بہت مستحسن ہے۔ مگر قطعی کچھ روپیہ اُنکا بہانہ باز
اور جھوٹے لوگوں کے داؤں بھی چڑھتا ہوگا۔ جو اپنے آپ کو مفلس و ناچار ثابت کر کے
کام نکال لیتے ہیں ایسوں کو دیکھ کر دینا چاہیے۔ لغو حاجت روائیوں سے بہتر ہے کہ وہ
روپیہ تعلیم نسواں ہی کو دیا جائے۔

نذر و نیاز سب جانتے ہیں کہ نذر و نیاز کے مواقع پر بھی ہمارا بہت سا روپیہ فضول
نمایش یا بے عقلی کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے جس کی مصلحان قوم خوب چھان بین کر رہے
ہیں بہتر تو یہ ہے کہ اس مد کا کل روپیہ تعلیم نسواں میں ہماری بہنیں دیدیا کریں۔ کیونکہ
نذر و نیاز کی رقم کی عورتیں ہی مختار کل ہوتی ہیں۔ نذر و نیاز کا مقصد ایصال ثواب ہے
وہی روپیہ تعلیمی کام میں دیدینے سے ایصال ثواب کا سلسلہ غیر متناہی ہو سکتا ہے
مگر میں جانتی ہوں کہ یہ اعتقاد کا معاملہ ہے۔ اور ہماری بعض بہنیں اس باب میں ایسی
ثابت قدم ہیں کہ یک لخت اُس میں اصلاح نہیں کرنے کی۔ اسواسطے بہتر ہے کہ نذر و
نیاز کے باب میں انہیں تدریجی مشورت دیجائے۔ مثلاً بڑی بڑی نیازیں قائم رکھیں۔
مگر چھوٹی چھوٹی نذر و نیاز دنکا پیسہ جیسے امام ضامن کے روپے، جو سفر کے موقع پر ہر گھر میں
مسافر کے بازو پر باندھے جاتے ہیں۔ کھڑا دونا۔ جمعرات کا بندھا ہوا کھانا۔ اللہ نام کے

ملانے ۔محرم کی نفیری کی چراغی ۔مختلف صدقات کے پیسہ وغیرہ وغیرہ، جنکو ہماری کرنیوالی ہی بہنیں خوب جانتی ہیں تعلیم نسواں سکشن کو بہیجدیا کریں۔

تیج تہوار ہماری دریا دلی سے تیج تہوار بہی ہمارا بہت سا روپیہ ہضم کرجاتے ہیں۔ شب برات میں علاوہ خاص نیاز کے سامان کے آتشبازی اور کہلونوں میں سیکڑوں روپئے بہ ہوجاتے ہیں حیدرآباد میں مٹی کی بڑی بڑی رکابیوں میں چرڑوے (جو کچے چانولوں سے بناے جاتے ہیں) اور شکر بہر بہر کر بڑے تکلفات سے گہر گہر بانٹتے ہیں۔ یہ سب واہیات ہے۔ اسی طرح رمضان شریف ۔عید۔ بقرعید اور تیرہ تیزی میں بہت سا روپیہ حسب حیثیت بیکار اٹھتا ہے۔ یہ نکالکر تعلیم ہی میں دیدیا جاوے ۔محرم شریف کے دس دن تو عموماً اور تقریباً مہینہ بہر خصوصاً جو روپیہ نذر و نیاز اور مجالس میں اٹھتا ہے اگر اعتقادی حصے کو قائم رکہکر غیر اعتقادی یا محض آرایش و نمایش میں صرف ہونیوالا روپیہ تعلیم نسواں میں بہیجدیا جاوے تو اہلبیت پاک کی ارواح مطہر و مقدس (جنہوں نے قوم کی خاطر جان تک دیدی) کیوں نہ شاداں و فرحاں ہوں ۔جنکا دل چاہے وہ اس روپیے میں مفلوک الحال سادات عظام کی خدمتگذاری کی شرط لگا سکتے ہیں ہمارے ملک میں بے تعداد گہر سیدوں کے ایسے نکلینگے جو تعلیم و تربیت نہونے کی وجہ سے اپنی نسبتی شرافت کو بہی قائم نہیں رکہہ سکتے انکے جد کی نیاز کا روپیہ انکی غریب لڑکیوں کی تعلیم پر صرف ہونا چاہیئے۔ جس سے وہ کس مپرسی کی حالت سے نکلیں۔ اور خدا رسول دینے والیوں سے بدرجہ غایت خوش ہوں۔

شادی یہ تو میں بے تامل کہونگی، چاہے کوئی مجہے کچہہ ہی کہے، کہ شادی غمی میں جو لغو اور بیہودہ رسمیں ہمارے ہاں برتی جاتی ہیں، ان سب کو ایک دم سے اڑا دینا چاہیئے۔ میں واقف ہوں کہ میری بہنوں کو رسموں سے ایسی محبت ہے کہ انکا برا کہنے والا زہر معلوم ہوگا۔ حیدرآباد میں عموماً ایک مثل بولی جاتی ہے کہ

... چھوڑ دیگے مگر رسم نہیں چھوڑی جا سکتی - لیکن میں پوچھتی ہوں کہ یہ لغو پرستی کب تک!
صدہا - ہزارہا - لکھوکھا روپیہ جس کی مجموعی رقم کروروں تک پہونچتی ہو رسموں کے بھاڑ میں
جھونکا چلا جاتا ہے جو عورتوں کی بیجا آرزوں اور برباد کن ہٹوں کا نتیجہ ہے - مرد بیشتر اس الائش
سے پاک ہیں - کیسے سے کیسا ہی جاہل مرد ہو گا مراسم کے ذریعہ سے جو مزخرفات عمل میں
آتی ہیں جنکا نام عورتوں نے اپنے خاص لٹریچر میں "دل کے ارمان" رکھا ہے انکو
بے اصل سمجھتا ہے - مگر عورتیں بیطرح ضد کر کے مردوں کو اپنے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا لیتی ہیں
سب کچھ کراتی ہیں اور جبراً جبر روپیہ اٹھواتی ہیں -

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس الزام کی کچھ عام اور جاہل عورتیں ہی ملزم
نہیں ہیں - بلکہ اسوقت تک سوائے معدودے چند کے جہاں تک میرا علم ہے پڑھی لکھی بیویاں
بھی آرزو داراماں کے خبط میں مبتلا دیکھی جاتی ہیں جن گھروں میں تہذیب کی روشنی جلوہ گر
ہوتی ہے اور پھر وہاں رتی سے رائی تک تمام رسمیں یہ کہکر ادا کیجاتی ہیں کہ آخر ارمان
بھرے دلوں کے حوصلے کب اور کیونکر نکلیں" تو دل حیرت کے دریا میں غوطے لگاتا ہے کہ
یاالہی یہ بھی ایک دل ہیں جنکو ایسے ارمانوں نے گھیر رکھا ہے - اور یہ بھی کوئی عقل ہے
جسنے ایسے مہملات کو ارمان کا خطاب عنایت کیا ہے! لاحول ولاقوۃ - ذرا آبرو بیگم صاحبہ
کے طرز عمل کو دل کی آنکھیں وا کر کے دیکھنا چاہئے - عاقلانہ و مہذبانہ ارمان یہ ہیں - ماشا اللہ
آفریں باد بریں ہمت مردانہ آں - اگر اس مبارک نظیر نے سو دو سو مثالیں بھی پیدا کر دیں
تو بیڑا پار ہے - کاش ہم عورتیں دل کے بس سے نکلکر ایک ذرا عقل کے قابو میں آئیں
تو صرف مراسم ہی کی رقم سے ایک مجوزہ زنانہ اسکول کیا کئی اسکول بن سکتے ہیں -

غمی شادی سے بڑھکر غمی کے موقع پر ہمارے ہاں بہت سی باتیں بے تکی ہیں - یہ
اندھیر اور بے دردی نہیں تو اور کیا ہے کہ ایک تو اپنا کوئی عزیز اور پیارا مر جائے - اس کا
غم ہو - اوپر سے ایک پرہتی کے کھلانے کو لاؤ - قرض میں گلا بند ہے برسوں کے لئے دا

دانہ کو محتاج ہوجائیں لیکن پہول - چالیسویں - اور برسی میں سیکڑونکی پخت ہونی ضرور ہے
نئے تعلیم یافتہ مرد تو اس اصراف کو قطعی بُرا سمجھتے ہیں - ہمارے پُرانے زمانے کے بزرگوں
میں سے بہی ایک گروہ ایسے اخراجات کو حماقت اور بدعت جانتا ہے اور نہیں کرتا -
مگر ہماری بہنوں کی مستقل طبعتیں غم و اندوہ میں بہی اپنی وہم پرستی اور نمود بے پن سے
باز نہیں آتیں - خیر اعتقاد کے معاملہ میں ہم زیادہ دخل نہیں دیتے - گو وقت اُنکے
پلٹنے کی بہی کوشش کرینگا ہے - مگر ہماری لیاقت اس قابل نہیں ، ہاں اتنا ضرور
کہونگی کہ دنیا دکہاوے میں جتنا روپیہ اٹھایا جاتا ہے کم سے کم اُسکا نصف اس اللّٰہی
کام (تعلیم نسواں) میں ضرور دینا چاہئے - اور اگر اعتقادی امور میں سے بہی آدہا بانٹ
دیا جاوے تو واہ وا - ایک دفعہ کے دیئے کا ثواب مدت تک مُردے کو پہنچتا رہیگا -
متفرق رسمیں - کئی ایک متفرق رسمیں ایسی رواج پا گئی ہیں ، جن کی بنا نہ مذہب
پر ہے نہ عقل پر - جیسے بیمار کے تندرست ہونے اور مسافر کے وطن میں آنے پر
عزیز و اقارب کے ہاں سے کونڈے آتے ہیں - جن میں مٹھائی اور نقد روپے کچھہ تیل
ماش وغیرہ صدقہ کا سامان ہوتا ہے - یا مثلاً جلاب - فصد - اور جونکیں لگنے کے موقع پر
پہولونکے کنٹھے نقدی - عطر کی شیشیاں - الائچیاں - چکنی ڈلیاں اور پانونکے بیڑے
اور لقمیاں ورق لگی ہوئی آتی ہیں یہ سب سامان چرندم خرندم ہوجاتا ہے - اگرچہ تہوڑی
دیر کے لئے ان باتوں سے چہل پہل ہوجاتی ہے - مگر یہ عارضی خوشی کچھہ اسیوقت
اچہی تہی جبکہ قوم میں دولت - عزت - اور اقبال کا مدہتا - اب خیر رہے بہتر ہے کہ ان
تمام فضولیات کا روپیہ تعلیم کے ضروری صیغہ میں صرف کیا جاوے - دس پانچ آدمیوں کے
تہوڑی دیر کے لئے منہہ میٹھا ہونیسے بتعداد ہنونکی تمام زندگی تلخ نہ گزرنی بدرجہا اچہی ہے - اگر
ان چیزونکے بہیجنے والوںمیں قومی ضرورت کا احساس ہو تو جن کے ہاں آنیوالا ہو وہ
اپنے عزیزوں سے کہلا بہیجیں کہ جو سامان آپ ہمارے ہاں بہیجنا چاہتے ہیں اسکا

روپیہ تعلیم نسواں سکشن میں بھیج دیجئے ہم آپکے اس سے زیادہ ممنون ہونگے جیسے کہ پہلی ترکیب میں ہوتے۔ (باقی آئندہ)

بیچاری دُلہن

ہم سمجھتے تھے کہ قانوناً جن جانوروں پر ظلم منع ہے وہ یہی گائے، بھینس، بکری، بلی، وغیرہ ہیں۔ مگر ذیل کا مضمون پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ اب کے لاٹ صاحب کی اجلاس میں بے زبانوں پر بیرحمی کا قانون اگر خوش قسمتی سے کسی ترمیم کے لئے پیش ہوجائے تو دُلہنوں کا نام بھی بے زبانوں کی فہرست میں لکھوا دینا چاہئے! یہ وہ ستانا ہے کہ جس کی ترکیب دُلہن کو تماشہ بنانیوالی بیویاں ہی ہوتی ہیں ایسی بیبیاں وہ جنکو شادی ہوئے سے کچھ زبان کی آزادی حاصل ہوچکی ہے۔ اگرچہ ان سب کو پہروں جھکے بیٹھے رہنے اندھا بنکر چلنے، اور مدتوں چڑیا کے پیٹ کے لایق، وہ بھی بڑی مشکلوں سے کھانے وغیرہ تکلیفوں کی قدر عافیت اچھی طرح ہوتی ہے بلکہ اپنی دفعہ کو شاید ایک وہ ظالم بہت جھکا کر بٹھانیوالی، شرم آزمانیوالی بیوی کو دل ہی دل میں کوس بھی چکی ہونگی مگر دُلہن پنے سے نکلنے کے بعد چاہئے کہ جن رسموں سے خود اتنی تکلیف پائی تھی اُنکے کم کرنیمیں کوشش اور دلہنوں کی فروگذاشتوں سے چشم پوشی کریں۔ نہیں بلکہ نام دھرنے میں اکثر اول وہی ہوتی ہیں گویا اپنی سہی تکلیفوں کا دوسری غریبوں سے بدلے کر دل شاد کرتی ہیں۔

دُلہن کتنی جھکے، کتنا گھونگٹ رکھے، کیونکر چلے کب تک شرم کرے ایسی باتوں کی کوئی حد ہم مقرر نہیں کر سکتے البتہ جس حد سے آگے بیہودہ سا تکلف تو نہ رہے مظلوما تکلیف ہوجائے اور صحت کے مضر ہو۔ ان رسموں کو کم کرنیکی صلاح ضرور دینگے۔

لباس کی بحث جس طرح آپس کے مباحثے سے خاتونیں طے کر رہی ہیں کیا اچھا ہو اگر شادی کی رسوم و قواعد بھی ہر جگہ کے اسی طرح بحث میں پیش کر کے اچھی پُر مذاق باتیں اختیار کر لیجائیں اور بُرے رسوم و قواعد ترک کر دیے جائیں۔

اڈیٹر

بہت سے طریقے ایسے ہیں جو صرف ہندوستان ہی کے مسلمانوں میں رائج ہیں اور ان رواجوں کو اتنی ترقی ہے کہ اپنی طرز معاشرت میں داخل کر کے حوائج ضروری کی طرح انکو بھی لازم خیال کیا جاتا ہے۔ اگر کسی طرف سے اُنکی ادائگی میں کمی دیکھی جاتی ہے تو طعن و تشنیع سے کام لیا جاتا ہے اول مجھے ہندوستان کی دولہنوں کی حالت پر ترس آتا ہے کہ ہمارے ہاں دلہنوں پر کتنی سختی کیجاتی ہے اُنکی زندگی خراب کر دیتے ہیں۔ بقول جناب قبلہ شمس العلما خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب کے۔ دلہن کو جھوٹ اور فریب و مکر سکھایا جاتا ہے۔ سو واقعی یہ ہے کہ شادی کے بعد جو میکے کی راحتیں اور بے فکریاں یاد آتی ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ سُسرال میں اپنی معمولی زندگی کو بھی بدلنا پڑتا ہے کھانا، پینا، سونا، بیٹھنا سب میں بالکل فرق آجاتا ہے گویا نئی دنیا میں قدم رکھا جاتا ہے سب سے بڑی گھونگٹ کی مار ہوتی ہے جس سے دلہن کی رہی سہی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ سر جھکائے ہوئے ایک بالشت کا گھونگٹ نکالے، گھٹنوں میں سر دیے آنکھیں بند کیے بیٹھنے کی اجازت ملتی ہے۔ گردن الگ دکھنے لگتی ہے شانے آنکو شل ہو جاتے ہیں کمر تختہ ہو جاتی ہے گرمی کے موسم میں تو دُلہن کا خدا ہی حافظ ہوتا ہے تمام دن جھکے بیٹھے رہنے سے اول تو خود ہی بھوک نہیں لگتی جو کھایا جاتا ہے وہ ہضم نہیں ہوتا۔ اور جو ذرا ظہور کوئی کھاتے ہوئے دیکھ لے تو فوراً طعن کر دیتے ہیں کہ لو بی اچار دن کی بیاہی خاصی طرح کھانا کھا رہی ہے۔ اب تو آنکھ کی شرم اُٹھتی جاتی ہے، جب دُلہن کے کانمیں یہ بات پڑتی ہے تو اور بھی رہا سہا کھانا چھوڑ کر جھوٹ بولنا پڑتا ہے اگر بھوک بھی لگی ہو تو انکار کرتی

بن پڑتا ہے۔ راستہ چلنے کی اور ہی حقیقت ہے۔ آنکھیں بند ہیں ایک ساتھ والی بازو
پکڑے ہوئے دوسرا ہاتھ کمر پر رکھے ہوئے اندھوں کی طرح دلہن کو گھسیٹے ہوئے لئے
چلی آتی ہے۔ دلہن کا قدم ڈر کے مارے دو گرہ سے زیادہ نہیں سرکتا کہیں کسی کی نظر
پڑ جائے تو دلہن کے منہ پر دوہر دین کر بولی! دلہن تو ڈگیں مارتی آنکھیں پٹاخہ سی کھولے
چلی آرہی ہے۔ غرضکہ ہر طرح دلہن بیچاری پر مشکل کا سامنا ہوتا ہے کسی بات کا ٹھیک ٹھکانا
نہیں رہتا۔ جھوٹ فریب مکر کا رنگ چڑھا کر دلہن کو زندہ بدست مردہ کے موافق کر دیا جاتا ہے
کہ وہ اپنی اصلی حالت کو بدلکر ظاہری اور بناوٹی حالت اختیار کرنے پر مجبور ہوتی ہے بعض
فضول رسمیں کسی نہ کسی بنا پر قائم ہیں۔ لیکن دلہن کے لئے جو قواعد مقرر کئے گئے ہیں
نہ معلوم ان میں کونسا بااثر نتیجہ متصور کیا جاتا ہے۔ سوائے تکلیف کے۔ ہاں یہ بھولی
شیخی سمجھ رکھی ہے کہ فلاں لڑکی نے اتنے دن گھونگٹ رکھا، دوسری کا ذکر ہے کہ
اوس نے چار پانچ ہی دن میں طباق سا منہ کھولدیا" ہمارے نزدیک اس
فضول رسم کو اصلاح کے ساتھ ادا کرنا چاہئے تاکہ دلہن کو بھی آرام رہے۔ شرم اور چیز ہے
گھونگٹ کرنے آنکھیں بند رکھنے کھانا نہ کھانے یا راستہ نہ چلنے میں کونسی شرم ہے۔
بلکہ شرم کی اور بہت سی باتیں ہیں جنکا پورا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ دلہن کے لئے اتنا
کافی ہے کہ ذرا نیچا دوپٹہ اوڑھے، خود بات چیت نہ کرے، شرم اور لحاظ کے ساتھ بیٹھی
رہے، کھانا بھی آہستہ کھائے راستہ چلنے میں بھی خیال رکھے وغیرہ۔ ایک نوجوان کسی نے
پرانے طریقے سے قدم نکالا اور وہیں اسکو طرم ٹھیرا دیا باتیں بننے لگیں کہ اب نوعمر تو مول
کی رسیں پر فدا ہیں اور جیاں دھنیں لیکن گھونگٹ کی رسم ہی تو ہماری نہیں ہے ہندوؤں
سے لی ہے جتنے رجواڑوں میں جاتے جاؤ گھونگٹ کا دستور زیادہ نظر آئے گا وہاں
سہاگ کی نشانی گھونگٹ اور نتھ ہی مراد لی جاتی ہے۔
مجھے پشاوری دلہن پسند ہے کہ شادی کے تین روز کے بعد گھونگٹ اٹھا دیا جاتا ہے

دلہن خاصی طرح پیرتی چلتی ہے گر شرمائی ہوئی خوش رہتی ہے جس سے دلہن کو بھی آسایش
رہتی ہے اور سب کو آرام رہتا ہے۔ تین چار رسمیں ملک ہندوستان کے مسلمانوں میں خصوصاً
سے پائی جاتی ہیں۔ گھونگٹ۔ زیور۔ پردہ۔ خیر پردہ تو اچھی چیز ہے اس سے مجھے بحث
نہیں ہے۔ لیکن زیور پرستی کا رواج جس میں روپیہ بھی خراب ہوتا ہے اور بعض زیور
پہنکر تکلیف بھی اٹھانی پڑتی ہے۔ گر اُسکے شوق کی کچھ حد نہیں ہے۔ یہاں پشاور میں
کابلی لوگ بہت ہیں اُنکے ہاں زیور کا دستور نہیں ہے صرف کانوں میں ایک ایک دُر اور
ہاتھ گلے میں ایک دو زیور ہوتے ہیں۔ گر وہ لوگ زیور کی آرایش سے زیادہ اپنے
چہرے کو خوشنما بناتے ہیں ایک بال بنانیکی قینچی ہوتی ہے اسکو گرم کرکے بال موڑتے ہیں
جو کر سر کے سامنے کے رُخ پر چھلے چھلے پڑے ہوے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ چہرے پر سُرخی
لگاکر سفیدہ یا پوڈر چھڑکتے ہیں۔ اور ایک خوشبودار سیاہ رنگ کا مصالحہ ہوتا ہے اُسکے
مُنہہ پر خال بناتے ہیں۔ اور بالوں کی باریک مینڈھی گوندکر اسپر چھوٹے موتی یا ستارے
ٹانک کراتے پر سر کے بالوں کے قریب ڈالتے ہیں۔ یہاں عرقچیں اوڑھنے کا بہت رواج
ہے۔ مصنوعی پہول جیسے کہ انگریزنیں اپنی ٹوپیوں پر لگاتی ہیں ایسے ہی کابلی مستورات بھی
کلابتونی ٹوپی جسکو عرقچیں بولتے ہیں اسپر پہول لگاکر اوڑھتی ہیں اور باریک چھوٹا دوپٹہ
ٹوپی پر استعمال کیا جاتا ہے۔ لباس میں دس پندرہ گز کی شلوار اور بہت بڑا کرتا پہنتی ہیں
کابلی ڈول کا کرتا ہمارے کرتے قمیص سے الگ ہوتا ہے بہت بڑا کرتا بناکر اوپر کے حصے
میں پلیٹ موڑ کر بدن کے برابر کر لیتی ہیں کابل قریب ہونیکی وجہ سے کابلی اور سرحدی ایک
وضع ہوگئی ہے۔ پشاور میں عام طور پر چار زبانیں بولی جاتی ہیں۔ فارسی۔ پشتو۔ پنجابی۔ اردو
اور تھوڑی سی انگریزی بھی چھاونی کے لوگ سمجھ جاتے ہیں یہاں برقعہ دولاق کا بہت دستور
ہے شادی غمی ملنے جلنے میں بیبیاں برقعہ اوڑھکر چلی جاتی ہیں۔ گاڑی ڈولی وغیرہ کی کم
ضرورت پڑتی ہے۔ دولاق اسطرح کی ہوتی ہے کہ بڑے گھیر کا پاجامہ بناکر اُسکی مُہریاں

"دو بالشت چوڑی رکھتے ہیں اور نیچے کپڑے کی جرابیں سی کر اسی مُہری میں چُست کر کے جرابوں کو
سی دیتے ہیں اور اوپر نیفہ موڑ کر پاجامہ کی شکل بنا کر سب کپڑوں کے اوپر اسکو پاجامے کی طرح
پہن لیا جاتا ہے اور پھر برقعہ اوڑھ لیتی ہیں جس سے کافی پردہ ہو جاتا ہے۔ سرحدی برقعہ
دولاق بہت پردہ کی چیز ہے پشاور کے برقعے بہت قیمتی اور تکلف کے ہوتے ہیں۔

راقمہ
سلطان بیگم دہلوی

فاطمہ علیہ خانم
قسطنطنیہ کی ایک مشہور اور نامور زمانہ حال کی خاتون

تذکرہ ذیل کی موضوع فاطمہ علیہ خانم بنت جودت پاشا ممبر مجلس الوکلا سلطنت عثمانیہ ہیں
یہ حالات ہمکو معشوق حسین خانصاحب بی۔ اے۔ سابق طالب علم مدرستہ العلوم نے بطور
نمونہ ایک ترجمے کے ارسال کئے ہیں کسیقدر ترجمہ بھی ساتھ ہے ہم حالات درج
کرتے ہیں لیکن ترجمے کے لائق گنجایش خاتون میں زیادہ تر اسلئے بھی ضروری نہیں
سمجھتے کہ ترجمہ اس کتاب یعنی نسار الاسلام کا ایک مستقل صورت میں طبع ہو کر شائع
ہو چکا ہے اور اس نمبر کے آخر میں اُسکا ریویو موجود ہے۔ فاطمہ علیہ خانم کے حالات سے
یہ معلوم ہوگا کہ اگر معقول انتظام مستورات کی تعلیم کا کیا جائے تو کیسی اچھی تعلیم اور اعلیٰ
تعلیم مناسب پردہ برقرار رکھکر بھی دیجا سکتی ہے جو کسی طرح یورپین لیڈیز کے فضائل علمی سے
کم نہو اور اسلامی پردہ بھی جو ایک فضیلت ہے اُسپر مستزاد ہو۔ ہم اپنے دوست کی

آخری دعا یہ کہ وہ خدا اپنے فضل وکرم سے ہندوستان میں بھی ایسی فاضل مستورات
کا سلسلہ آغاز کرے آمین کہتے ہیں۔

اڈیٹر

فاطمہ علیہ سلطنت ٹرکی کے سابق ناظر عدالت اور مشہور مورخ جودت پاشا کی بیٹی
ہے۔ اکتوبر ۱۸۶۲ء میں بمقام قسطنطنیہ پیدا ہوئی ابھی تین برس کی عمر تھی کہ باپ ولایت
حلب کا حاکم مقرر ہوا ہونہار بیٹی کی لیاقت وشرافت کے آثار اول ہی سے ایسے ظاہر تھے
کہ باپ اسکا گرویدہ ہوگیا تھا حلب جاتے وقت اپنی جگر گوشہ کو قسطنطنیہ میں چھوڑ جانا اُسکا
دل گوارا نہ کرسکا آخر اپنے ساتھ اسکو بھی لیگیا۔ دو برس جب تک وہاں حاکم رہا اپنے ساتھ رکھا
بعد دو برس کے جب پھر قسطنطنیہ کی تبدیلی ہوئی اور واپس آیا تو چند لایق استادوں اور
اُستانیوں کو فاطمہ کی تعلیم کے لئے مقرر کیا اور خود اپنے سرکاری کاموں میں جو نہایت ذمہ داری کر
تے مصروف ہوگیا یہانتک کہ بیٹی کی عمر اب چودہ سال کی ہوگی جو ولایت یانیہ کی حکومت پر
سرفراز ہوا یہ بھی اُسکے ہمراہ گئی لیکن اب کے زیادہ عرصے تک ساتھ نہ رہ سکی تھوڑے عرصے
بعد باپ پھر قسطنطنیہ کو واپس بلا لیا گیا اور حکومت سوریا اسکو تفویض ہوئی فاطمہ پھر اُسکے ساتھ
گئی اور ایک معقول مدت تک دمشق وشام میں رہی ایک موسم جاڑے کا بیروت میں بھی بسر
ہوا بعد اسکے اپنے باپ کے ساتھ قسطنطنیہ کو واپس آئی۔

چھوٹی عمر میں قرأت کے اصول اور لکھنا پڑھنا سیکھا ترکی کتابوں کے ساتھ عربی فارسی
بھی لایق استادوں سے پڑھتی رہی اور ان زبانوں کے حاصل کرنے کے بعد پیرس کی ایک
معلمہ سے فرانسیسی زبان سیکھی اور اُس میں کمال پیدا کیا جس وقت کہ اپنے باپ کے ساتھ ولایت
سوریہ کا سفر کیا ہے علم ادب کی تمام شاخوں یعنی بدیع۔ بیان۔ عروض۔ نحو وغیرہ کی تحصیل
میں مصروف تھی علوم عقلیہ یعنی توحید۔ کلام۔ منطق ریاضی ہندسہ اور حساب اپنے باپ
ہی سے پڑھتی رہی۔ علم موسیقی کے تمام انواع یعنی اصول وفروع کو بڑے بڑے ماہرین
فن ترک وعرب فرانسیسی اور ایرانیوں سے حاصل کیا اور وہ ملکہ بہم پہونچایا کہ تمام زمانہ اسکے

کمال کو مانتا ہے۔

ان مختلف علوم کی شاخوں میں مہارت وکمال حاصل کرنے میں یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ امور خانہ داری کی تعلیم اور تجربہ کا اسے موقع نہ ہوا ہوگا نہیں وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتونوں کے اس زیور سے بھی آراستہ ہے اور تمام امور خانہ داری میں اسکو ایسا سلیقہ حاصل ہے کہ اپنے ہمسروں اور قرب وجوار کی شریف خاتونوں پر اس کی فوقیت مسلّم ہے۔

علم انشا اور کلام میں اس محترم خاتون کا کمال اس درجہ کا ہے کہ ایک خاص طریقہ کی موجد ہے مگر چونکہ ابتدا میں وہ چند ایسے اشغال میں جو مستورات کی زندگی کا لازمہ ہیں زیادہ مشغول رہی اسلئے اپنی تصانیف کی اشاعت کی طرف زیادہ توجہ نہ کرسکی۔ یہانتک کہ حضرت سلطان عبدالحمید خاں ثانی کا عہد حکومت شروع ہوا جو ترکوں میں علوم وفنون کی اشاعت اور چرچے کے لئے بڑا مبارک زمانہ خیال کیا جاتا ہے۔ خصوصاً دارالسلطنت قسطنطنیہ میں علوم وفنون کی ہر طرح کی رونق اور گرم بازاری جب ترقی کے اعلےٰ زینے پہنچی تو بعض خاتونیں بھی آثار علمی کی اشاعت اور تصنیف وتالیف میں حصہ لینے لگیں انکے مقابلہ میں فاطمہ علیہ نے بھی اپنی لیاقت وکمال کے جوہر دکھانے شروع کئے اور انمیں سبقت حاصل کرنے کے واسطے پہلا کام فاطمہ علیہ نے فرانس کے ایک نامی مصنف اور مشہور ادیب جارج اونا کی ایک فرانسیسی تالیف کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا اور ترجمے کا نام ”مرام“ رکھا۔ یہ ترجمہ اس عمدگی کے ساتھ انجام دیا ہے کہ اصل کتاب کا اسلوب اور سیاق عبارت ترکی میں ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے اور ترجمہ ترکی میں اصل تالیف کے برابر لطیف ہے۔ یہ ترجمہ اسکے علم وفضل کا پہلا نمونہ ہے مگر بہ نظر حجاب اس میں اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ نام چھپانے سے شاید یہ مطلب بھی ہو کہ ترجمے کی نسبت پہلے اُس زمانے کے علما اور ادیبوں کی راے دریافت کرے چنانچہ ترجمہ ابھی پورا نہیں چھپا تھا چند جز شائع ہوئے تھے کہ ترکی میں نئی روشنی کے آدمیوں نے جو وہاں طرز جدید کے

جو کہلائے جاتے ہیں اس کی نسبت اپنی پسندیدگی کی رائے ظاہر کرنی شروع کی علامہ مدحت آفندی نے جو ترجمان حقیقت" کے مہتمم ہیں تمام ترجمے کے ابواب کو شائع کیا اور صاحبان علم وفضل کو اس کی طرف شوق دلایا چونکہ مترجم کا نام معلوم نہ تھا اور ترجمہ ایسا نایاب تھا، اخبارات اور رسالوں میں بہت دن تک سلطنت عثمانیہ کے آدمیوں میں مترجم کے متعلق اٹکل پچو بحثیں ہوتی رہیں مگر احمد مدحت آفندی وغیرہ ترکی فاضلوں کی کوشش نے آخر اس نام کو پردے سے نکالا اور دنیا پر ثابت ہوگیا کہ جارج اونا کے مشہور ومعروف رسالے کا کوئی مترجم نہیں بلکہ ترجمہ ہے اور وہ جودت پاشا کی بیٹی فاطمہ علیہ ہے۔

ترکی مشہور مصنف احمد مدحت آفندی کے اصرار پر اور کمال خوشنودی ظاہر کرنے پر فاضلہ مترجمہ نے اپنا نام ظاہر کیا اور اس سے بہت سے علمی مباحثے کئے جن میں متعدد مقالے لکھے گئے اور ترجمان حقیقت میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے تھے اس ذریعہ سے اور بھی زیادہ فاطمہ علیہ کی شہرت اسکے معاصرین میں ہوئی جب یورپ کے تمام ملکوں میں اس کی شہرت کا آوازہ پہونچا اور پیرس کی سیاح لیڈیوں نے اسکے حالات سنے تو جب کبھی کوئی یورپ کی فاضلہ حرم سلطانی کی بیگمات اور خواتین سے جو نہایت صاحب فضیلت ہوتی ہیں ملنے کے لئے آتی تو وہ فاطمہ علیہ سے بھی ضرور ملتی اور فاطمہ علیہ اور ان سیاح لیڈیوں میں ایسے علمی تذکرے اور باتیں ہوتیں کہ جن سے اس کی علمی فضیلت کا نقش اُنکے دلوں پر جم جاتا۔

فاطمہ علیہ اور پیرس کی تین فاضلہ سیاح لیڈیوں میں چند بڑے بڑے مباحثے ہوئے ہیں جنکو فاطمہ نے ایک رسالہ کی صورت میں لکھکر شائع کیا ہے اور اس کا نام "نساء الاسلام" رکھا ہے یہ رسالہ پہلے ترجمان حقیقت کے ایک اخبار میں شائع ہوا اور اسکے بعد ثمرات الفنون نے جو بیروت سے نکلتا ہے ترکی سے عربی میں ترجمہ کرکے چھاپا اور انگریزی فرانسیسی زبانوں میں بھی اسکے ترجمے شائع ہوئے جس سے فاطمہ کے

نام اور شہرت کو اور رونق ہوئی۔

یہ رسالہ اُن تصنیفوں میں جو پردہ نشین خواتین کی طرف سے آجتک شائع ہوئے ہیں سب سے اعلیٰ درجہ کا ہے اور مصنفہ کے حسن بلاغت اور اعلیٰ درجہ کی طباعی کا نمونہ خیال کرنا چاہئے ایک اور تصنیف اس کی بنام "محاضرات" عثمانی ترکوں کے حالات میں شائع ہوئی ہے۔ خدا نے اس فاضل مصنفہ کو نہ صرف ریاضی و فلسفہ، طبیعات، تاریخ، موسیقی وغیرہ علوم اور مختلف زبانوں کی مہارت سے بہرہ مند فرمایا ہے بلکہ علوم مشرقی اور مغربی کے باہم میل جول سے جو اس کی ذات اور لیاقت میں یکجا موجود ہیں ایک خاص جدت اور طرز اس کی تصنیفات میں پیدا کر دی ہے جو اُسکے وجود کو پردہ نشین خواتین اسلام میں قابل ناز اور باعث فخر قرار دیتی ہے۔ اور اس لحاظ سے کہ وہ جامع علوم مشرقی و مغربی ہے اسکو یورپ کی فاضلہ عورتوں پر بھی فوقیت دیجا سکتی ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہندوستان میں بھی ایسی فاضل مستورات کا سلسلہ آغاز کرے۔

آئینۂ فطرت

۲- خداتعالیٰ کا باورچی خانہ

عالیجناب شمس العلماء مولانا مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب خان بہادر کی شفقت بزرگانہ جسطرح اور تمام قومی کاموں میں ماشاء اللہ اَن تھک اور مسلسل ہے، تعلیم نسواں بھی اُس شفقت میں اپنے حصہ سے محروم نہیں، "آئینۂ آفرینش" ایک سلسلہ آپ کے لطیف و سہل مضامین کا پچھلے نمبروں میں شائع ہوتا رہا ہے بعد اُسکے یہ دوسرا آئینہ جناب والا نے بنام "آئینۂ فطرت" خدا کی قدرت کے جمالات پر ایک وسیع نگاہ کو آسانی کے ساتھ ڈالنے کے لئے تیار فرما کر عنایت کیا ہے۔ بیشک خاتون کی سنگھار میز پر ایسے آئینوں کی ضرورت ہے جو وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا، اور اسکے دنیا کے پردہ پر کل جاندار وں کو رزق دینا اللہ ہی کے ذمہ ہے۔

ایسی ہی اور آیتونکی دلچسپ اور ایمان تفسیریں ہوں۔

اڈیٹر

جب ہمارے مہمان آتے ہیں تو ہم اُنکی آسایش اور آرام کا سامان تیار کرتے ہیں اُنکے آگے دسترخوان بچہا کے طرح طرح کے کہانے اور نعمتیں چُنتے ہیں مگر ہمارے اس دسترخوان کو خدا تعالیٰ کے خوانِ عام سے جو اُسنے اوپر زمیں پر اپنی بیشمار مخلوق کے لئے بچہایا ہے ایسی نسبت بہی نہیں جیسی کہ ذرہ کو آفتاب سے اور قطرے کو سمندر سے دن رات ہر لحظہ و لمحہ بے حساب زندہ مخلوق کا اس دسترخوان پر ہجوم لگا رہتا ہے۔ اس خوانِ الٰہی کا انتظام ایسا ہے کہ ہر مہمان کو خواہ وہ دیر کر آئے یا سویرے، اُسیوقت فوراً کہ وہ آئے اُسکو اُس کی خوراک جو معین ہے ملتی ہے سب ہی طرح کے مہمان امیر غریب چھوٹے بڑے زبردست و ناتواں سارے دسترخواں کو گھیرے رہتے ہیں بیمار مہمانوں کو ہر چیز جو اُن کو قوی اور تندرست کرے اُنکے ہاتھ تلے موجود رہتی ہے۔ غرض اس سے پہلے کہ مہمانوں کو اشتہا محسوس ہو کہانے کا سامان اُنکو مہیا ملتا ہے۔

پہر اس وسیع اور عام دسترخوان کا انتظام ایسی کفایت مندی اور جزرسی سے ہوتا ہے کہ ذرہ کے برابر کوئی چیز ضایع نہیں ہوتی، ممکن نہیں کہ کہانے کا ایک بہورا، یا پینے کی ایک بوند اکارت جائے۔ قدرت ایزدی کی ادنیٰ ادنیٰ نعمتوں سے محظوظ ہونیوالے موجود ہیں ایک مہمان ایک چیز کے کہانے سے کراہیت کرتا ہے۔ دوسرا اُسی چیز کو رغبت سے کہاتا ہے۔ ایک پہینکتا ہے دوسرا آنکھوں سے اُٹھا لیتا ہے ایک چیز جو ایک کے حق میں زہر ہے دوسرے کے لئے امرت!

جیسے کہ ہندوستان میں برہمنونکی عادت ہے کہ وہ "غیر جات" کے ساتھ کبہی ایک تہالی میں کہانا نہیں کہاتے اور ایک لٹیا سے پانی نہیں پیتے، اور ایسا چُپ چُپا کر کہانا کہاتے ہیں کہ کسو غیر جات کے آدمی کی نظر اُسپر نہیں پڑنے پاتی، یہی حال نباتات کا ہے کہ وہ جس تہالی میں کہاتے ہیں کوئی غیر اُس میں شریک نہیں ہوتا اپنے کہانے کے وقت کو

ایسا چھپائے رکھتے ہیں کہ کسی کو اس سے اطلاع نہیں ہوتی ہر درخت ایک برہمن ہے کہ برہمن
ہی اپنے کھانے کو کیا چھپاکر کھائے گا جو یہ درخت اپنی غذا کو زیر زمین چھپاکر کھاتا ہے اور
کسی غیر کو شریک نہیں ہونے دیتا خشک پہاڑ و بیز ایک درخت خاردار جھاڑ سا شمع کی شکل
کا ہوتا ہے، وہ شمع ہی کی طرح روشن کیا جاتا ہے اور اسکا نام بھی "شمع خار دار" ہے اپنے
رسیلے پتوںکو کمو لینے اور اپنے خوبصورت پھولوں کے کِھلانے کے لئے جو غذا کھاتا ہے
اسکو نہ انسان کی نظر دیکھ سکتی ہے نہ چیل کی نگاہ تاڑ سکتی ہے۔ انسان نہ حیوان کسی کی پیاس
اُس سے بجھے نہ مرطوب مٹی کے کھانے سے اسکا پیٹ بھرے اسی سے ظاہر ہے کہ ان کو
درختوںکے ساتھ ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہونیکی ممانعت ہے مگر یہی غذائیں کھاکر نباتات کو دیکھو کیسی
مزے مزے کی چیزیں انگور، آم، انار، سیب اور طرح طرح کے دیسی اور ولایتی میوے
ترترکاریاں اور اناج پیدا کرتے ہیں کہ آدمی ہونٹ چاٹکر مزے لیتا رہجائے۔

نباتات کی غذائیں تو ہماری آنکھوں سے پردے میں رہتی ہیں مگر حیوانات کی اکثر غذائیں
بے حجابانہ ہمارے روبرو ہوتی ہیں اور جن مطبخوں میں اُن غذاؤں کی پخت و پز ہوتی ہے
وہ ہماری سمجھ میں آتے ہیں، میز و بیز اُنکے کھانے چنے ہوئے ہمکو صاف دکھائی دیتے
ہیں۔ ہمکو سب سے اول اس بات پر مطلع ہونا چاہئے کہ بہت ہی چھوٹے چھوٹے جانور
جو ایسے کمزور ہیں کہ اپنی خوراک کی تلاش کے لئے اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے اُنکے پاس
خوراک خود آتی ہے اور لقمہ دہن میں جاتی ہے۔ پرندونکے بچے جو اپنے گھونسلوں میں بے
پر و بال ہوتے ہیں اُنکے ماباپوں کو محبت ایسی ہوتی ہے کہ وہ خوراک لاکر اپنے بچوں کو
چگاتے ہیں اُن جانوروں کے بچونکی جن کے ماں باپ کچھ خبر نہیں لیتے اور وہ آپ
ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں ہل سکتے انکی خبرگیری خدا تعالی اپنی محبت سے کرتا ہے
اس کی محبت ماں باپوں کی محبت سے کہیں زیادہ ہے سمندر میں ایک جانور ہوتا ہے جسکا
انگریزی نام اُوئِسٹر ہے وہ اپنی چٹان سے پیوستہ ہوتا ہے نہ اُس کی آنکھیں ہوتی ہیں

نہ جسم میں اور اعضا ہوتے ہیں فقط اُسکا مُنہ ہوتا ہے جو خوراک نگلتا ہے اور جسم ہوتا ہے
جو غذا کا محتاج ہوتا ہے وہ اپنے خول میں بیٹھا بیٹھا منہ کھولتا ہے اُس سے قوت لایموت
اُسکو پہنچ جاتی ہے بعض گٹھلیوں کی گری میں کیڑے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنی جگہ
سے ذرا جنبش نہیں کرتے بیٹھے گریونکو کترا کرتے ہیں۔ بہت سے کیڑوں کی ابتدائی
حالت ایسی ہوتی ہے کہ اُنکی روز کی روزی منہ کے سامنے دھری رہتی ہے جسکو وہ
آسانی سے کھا لیتے ہیں اس قسم کے جاندار ادنی ہی قسم کے نہیں ہوتے بعض ایسے
بھی ہوتے ہیں جن کی بناوٹ پوری ہوتی ہے لیکن مشکل سے اپنے پاؤں چل سکتے
ہیں۔ بس انکے لئے قدرتی محتاج خانے اور ذخیرے تیار رہتے ہیں۔ ایک جانور ہوتا
جسے انگریزی میں سلوتھ کہتے ہیں اردو میں چاہے احدی بندہ نام رکھ لو۔ یہ جانور
لوتھ پڑا رہتا ہے چل پھر نہیں سکتا۔ اگر خورد نوش کے لئے چلنے پر مجبور کیا جاوے
تو بھوکا پیاسا مر جائے۔ مگر یہ جانور ایسے درختوں کے پاس ہوتا ہے یا یوں کہو کہ وہ درخت
اسکے پاس ہوتے ہیں جو پتوں سے لدے ہوئے ہوتے ہیں وہ اُنپر اپنے لمبے لمبے
پنجوں سے رینگ کر چڑھ جاتا ہے اور جم کر بیٹھ جاتا ہے اسکے مُنہ کے پاس بہت
سے پتے ہوتے ہیں انکو وہ اسطرح بیٹھا بیٹھا کھاتا ہے جیسے شفاخانے میں کوئی بیمار
جسے چلنے پھرنے کی طاقت نہو اپنی خوراک کھائے! مور خوار ایک جانور ہوتا ہے
جو پتے اور میوے کھا کر نہیں جی سکتا اور اُسکے پاؤں کے پنجے ایسے لمبے ہوتے
ہیں کہ وہ تیز کیڑوں کے پیچھے پا دوڑ ہی نہیں کر سکتا لیکن اس ضعف و ناتوانی پر رحم کھا کر
خدا تعالی نے جنگلوں میں اور میدانوں میں اسکے لئے دستر خوان میزوں پر چن رکھے ہیں
اور اسکے دل سے پوچھو تو بڑی بڑی لذیذ غذائیں افراط سے رکھی ہوئی ہیں ان میزوں پر
چڑھتے ہی بے تکلف اُسے ملجاتی ہیں یہ دستر خوان اور میزیں چیونٹیوں کے پہاڑ ہیں
جنکو وہ اپنے لمبے پنجوں سے کھودتا ہے جس سے کہ چیونٹیوں کی آبادی میں ہل چل پڑ جاتی

ہے اور تھوڑی ہی دیر میں لشکر کے لشکر نکل پڑتے ہیں سوراخ میں اپنی لیس دار زبان ڈالکر چیونٹیاں پھڑ پالیتا ہے اور اُنکو فوراً مردہ بناکر اپنے معدہ کی گور میں جا دفن کرتا ہے۔

پرندوں کے باوجودیکہ پروبال ہوتے ہیں مگر انکی بہت سی قسمیں ایسی ہیں کہ خوراک کے بہم پہنچنے کا طریقہ انکا ہی عجیب ہے۔ لوتی مار یا بگلے کو دیکھو کہ میاں کا حال تو یہ ہے کہ مچھلیاں پکڑنے کا سلیقہ ہی نہیں مگر اللہ کی عنایت سے مچھلیاں ہی بہت بھاتی ہیں اور کھاتے بھی خوب ناکوں ناک ہیں مگر جب کسی تال تلیاں میں بھگت بنکر قدم شریف رکھتے ہیں تو پایاب پانی میں پاؤں کے گرد ننھی ننھی مچھلیاں اکٹھی ہو جاتی ہیں اور خود بخود اپنے تئیں پیش کرتی ہیں کہ آپ ہمکو نوش جاں فرمایئے گویا یہ شعر ؎

ہمہ ماہیانِ دریا تن خود نہادہ بر سطح
بہ امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

اسطرح صادق آتا ہے۔ (باقی آیندہ)

عام زنانہ مذاق کی نکتہ چینی

جن دو ایک بزرگوں نے تعلیم نسواں کی خالص خدمت کے لئے سب سے پہلے اردو میں قلم اٹھایا اسکو سب سے پہلے ضروری سمجھنے کی اوّلیت کا بھی انہی کے سر سہرہ ہے۔ راحت زمانی کے مصنف جناب مولانا سید احمد دہلوی نے جب اپنی کتاب لکھی ہے اسوقت آجکل کے حامیانِ تعلیم نسواں وو وہ پیتے ہونگے یا گلیٹوں چلا کرتے ہونگے!

راحت زمانی بیگم کا قصہ لکھنے کے زمانے میں مولانا موصوف کو عام زنانہ اخلاق و عادات پر غور کرنیکا بہت موقع ہوا ہے اسلئے کہا جا سکتا ہے کہ غیر شائستہ بیویوں میں

جو نقص اور اصلی نام دہرنے کے لایق باتیں ہیں اُنپر نکتہ چینی کا آپ کو حق حاصل ہے
جس لڑکی نے راحت نہ انی بیگم کے لاڈ اور چونچلوں میں بگڑکر آمرخوش قسمتی سے اُسکی
عادتیں سنورنے کا قصہ ایک بار بہی پڑہا ہے اُبڑی ہوکر وہ اور دن سے زیادہ
وقت کی قدر داں اور جہوٹے تعویز گنڈوں، خالی حق حچو، اور برقع پوش مجن نما
شیطان کی خالاؤں کی باتوں سے بدگمان اور ہوشیار رہی ہوگی۔
غیر شایستہ بیویوں کی باتوں سے جن خاتونوں کا خود مکانوں مجلسوں اور محفلوں
میں ناک میں دم رہتا ہوگا مفصلہ ذیل مضمون کو پڑہکر وہ بہی" ہاں سچ ہے" کہے بغیر
نہ رہینگی مولانا سید احمد اردو زبان کے مسلم الثبوت ادیب ہیں خاتون کے ذریعے
سے جو خاتونیں ہندوستان کے دوردست صوبہ جات میں اردو سیکہتی ہیں
اُنکے لئے آپ کی عبارت سلیس اور بلا تصنع بامحاورہ اردو کا نمونہ ہے۔

اڈیٹر

جسقدر عورتیں ملینگی جب اُن کی مجلس۔ منڈلی۔ سوسائٹی کو دیکہا جائیگا تو سب سے
زیادہ دو باتیں پائی جائینگی یا تو کسی کی مفلسی اور ذات صفات کی **غیبت**۔ یا اپنے
کُنبے کی بڑائی اور خوبصورتی کی تعریف۔ چنانچہ اُنکا یہ بیجا غرور صرف ظاہر بینی کے سبب
جہوٹی اور دکہاوے کی ٹیپ ٹاپ پر مائل کرکے ان خدا کی بندیوں کو ایسے ہلاکت
اور فلاکت کے بہنور میں ڈالدیتا ہے کہ جس سے پہر تمام عمر نکلنا مشکل ہوجاتا ہے۔
کوئی ظاہری بہڑک دیکہکر اپنی اکلوتی **بیٹی** کو ایسے اندہارے کنوئے میں ڈہکیل
دیتی ہے کہ جس میں سے جیتے جی اُبہرنا میسر نہیں ہوتا کوئی اپنے اللہ آمین کے لڑکے
کو ایسے گہرانے میں ڈبو دیتی ہے کہ جہاں سارے جہان کے عیب اور تمام دنیا کی
بُرائیاں بہری ہوئی ہوتی ہیں۔ کوئی خود ظاہری دولت۔ بناوٹ۔ اور تکلف کو دیکہکر
ایسی ریجہ جاتی ہے کہ پہر جنم بہر آسے کُنبے میں ملنے اور چار شریکوں میں بیٹہنے کا مُنہ نہیں

ہتا۔ جنم جنم کو یہ اُن سے اور وہ ان سے چھوٹ جاتی ہیں اگرچہ بعض مہذب ملکوں کی عورتوں کا قول ہے کہ ہم دیکھنے اور دکھانے کے واسطے پیدا ہوئے ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر اُن میں پاکدامنی۔ پارسائی۔ ہنرمندی۔ سلیقۂ خانہ داری یا انسانی اخلاق نہیں تو انکا یہ غرورِ حسن۔ شوقِ آرائش۔ خیالِ نظارہ محض بیجا اور بالکل نکما ہے۔ ہمارے نزدیک وہ ایک مٹی کی مورت سے بدتر اور بدرجہا بدتر ہیں۔ ہمنے اکثر اوقات عورتوں کی تکلف پسند۔ ظاہر بیں طبیعت پر غور کیا تو یہی ثابت ہوا کہ یہ نافہم۔ ناتجربہ کار بیچاریاں ہمیشہ فوق البھڑک چیزوں پر مٹتی اور پھسلتی رہتی ہیں۔ **بیوی** کیسی ہی خاوند کی دشمن دماغ چوٹی۔ بدمزاج کیوں نہو مگر جب اُسکے سامنے گہنا پاتا لاکر رکھا جائیگا تو سو دوسو کی ایک دوست اور ہزار غمخواروں کی ایک غمخوار بنجائیگی **خاوند** کیسا ہی نیکبخت خوش اخلاق۔ پاؤں دھو دھو کر پینے والا اور فرمانبردار کیوں نہو مگر جب کبھی بیوی کے زیور پر نظر ڈالے گا تو وہ اس قہر کی آنکھ سے دیکھے گی جیسے کوئی اپنے جانی دشمن کو دیکھتا ہے اگر کبھی کوئی عورت کسی کے ہاں مہمان آتی ہے تو اول گھر کی آرایش۔ اُسکے سامان اور فرش فروش پر نظر دوڑاتی ہے۔ پھر میزبان کی پوشاک۔ گہنے پاتے اور پاؤں کی جوتی خوب گھور گھور کر دیکھتی ہے۔ اس میں ہرا پڑا اور پر تکلف گھر ہوا تو خیر ایک آدہ ہی چیز پر ناک بہوں چڑہا کر رہ گئی ورنہ بیاہ لینے جا کر ایک ایک چیز کا وہ بکھان کیا کہ گھر وہ سے گھناونا کر دیا۔ جسوقت لڑکے یا لڑکی کی بات آتی ہے تو سب سے پہلے ظاہری تکلفات کو دیکھا جاتا ہے۔ ہنر یا سلیقہ پر کسی کی نظر نہیں ہوتی۔ ہمنے اکثر چالاکوں کو دیکھا ہے کہ وہ ایسے موقع پر مانگے تانگے کے اسباب اور ظاہری ٹیپ ٹاپ دکھا کر وہ دھوکا دیتے ہیں کہ انکی ساری چترائی نکل جاتی ہے الماریوں اور مچانوں پر چارپائی کے پرانے پایوں کی گٹھڑیاں باندہ باندہ کر رکھ دیتے اور ادہر اُدہر خالی صندوق قفل جڑ کر قرینے سے لگا دیتے ہیں اور اس چالاکی سے وہ خاصی طرح امیر گھر کی بیٹی بیاہ لاتے ہیں۔ باوجودیکہ

عورتیں اس تکلف پسند۔ ظاہربین طبیعت کے ہاتھوں ہزاروں صدمے جھیلتی اور بڑے بڑے دکھ سہتی ہیں گر پہر بھی یہ دل کی سادی بندیاں ہوشیار نہیں ہوتیں۔ اس موقع پر ہمیں ایک حکایت یاد آگئی جو خیال کرنے اور گرہ باندہنے کے قابل ہے۔ ایک دفعہ کسی اونچے گہرانے کی ایک بیٹی کی نسبت دو سادہ لباس رئیس زادوں سے آئی جن میں سے ایک توجسقدر سادہ لباس تہا اُسیقدر ہنرمندی۔ سلیقہ اور علمیت میں بہی طاق تہا۔ دوسرا مفلس ہی نہیں پانچوں عیب شرعی بہی تہا دونوں نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق ایک دوسرے کی ضد میں مشاطہ اور بیٹی والوں کا خوب گہیرا لیکن بیٹی والوں نے ذرا التفات نہ کی۔ اتفاق سے مفلس رئیس زادے کو یہ بات سوجھگئی کہ عورتیں اکثر ظاہری ٹیپ ٹاپ کو دیکہا کرتی ہیں جو بات اُنکی نظر میں کہبجاتی ہے اسپر مرد بہی کان نہیں ہلاسکتے جب تک ظاہری برگ ہو کام نکلنا دشوار ہے۔ چنانچہ اُسنے قرض دام کرکے عمدہ پوشاک اور ایک گہوڑا کرایہ پر لیا۔ دو دو آنے روز کے دو آدمی رکہے۔ چار بجے سے طمطراق کے ساتہہ نکلنا اور بیٹی والوں کے گہر کی طرف ایک چکر لگانا شروع کردیا۔ کبہی سسرال کے مردوں نے دیکہا کبہی ماما کی نظر پڑی کبہی سوداسُلف لانے والے داروغہ کا سامنا ہوا۔ چند روز نہ گذرے کہ اس خوش قسمت کا نصیبہ لگیا اور اس زرق برق لباس کے طفیل جہٹ بیٹی والے اور سب سے زیادہ لڑکی کی ماں آمادہ ہوگئی کہ میں تو لاکہوں میں اسی لڑکے سے اپنی بیٹی کا بیاہ کرونگی۔ گہر میں آئے دن اُس کی تعریف کے گیت گائے جانے لگے یہانتک کہ اُسکے عیب بہی ہنر میں شمار ہوے اور جہٹ منگنی پٹ بیاہ ہوگیا۔ جو شخص گہر سے آسودہ اور باہنر تہا وہ تو اپنی سادہ لباسی کے باعث منہہ دیکہتا کا دیکہتا رہگیا اور جو بالکل مفلس قلاش پانچوں عیب شرعی تہا صرف ظاہری ٹیپ ٹاپ کہا کر کامیاب ہوگیا۔ تہوڑے دنوں تو خاوند جورو ہنسی خوشی رہے پہر جو دولہا میاں کے جوہر اور اُنکے افلاس کا حال کہلا تو سر پر ہاتہہ دہر کر رونے کے سوا کچہہ نہ بنا

آئے دن لڑائی۔ ناچاقی ۔ تُکا فضیحتی رہنے لگی اور اخیر کو وہی ہوا جو ایسی باتوں کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔

عورتوں کی روزانہ اور معمولی گفتگو سے اُن کی طبیعت کا قدرتی ضعف اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ وہ ظاہری اور نمود کی باتوں میں بہت جلد آجاتی ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ ایسی باتوں کو دل سے پسند کرتی اور ان پر مرتی ہیں ابھی کسی کی شادی کا ذکر آجائے تو دیکھئے محاسبوں اور محاوروں سے زیادہ اُنکی زبان پر ایک ایک بات چڑھی ہوئی ہوگی ساز و سامان کپڑے لتے۔ گہنے پاتے سے لیکر پان چھالیہ زردے تک کا حساب نوک زباں ہوگا۔ ایک ایک مہمان کی صورت شکل کا حلیہ۔ اُسکے پہناوے کا چرچا۔ اُٹھنے بیٹھنے بات چیت کرنیکا انداز غرض ساری باتوں کا فوٹو اُنکے دل پر نقش کالحجر ہوتا ہے۔ اگر جڑاو گہنے کا ذکر چل پڑا تو گھنٹوں اسی میں مصروف رہیں۔ کمخواب کا ذکر آگیا تو اپنے ساتھ اوروں کی بھی نیند اڑا دی۔ کتر بیونت یا پوشاک کی کاٹ چھانٹ قطع وضع کا خیال آگیا تو اسی میں ساری ساری رات گذاری۔ القصہ عورتوں کو رات دن اسی قسم کی باتوں کا خیال رہتا اور انکا ملکر بیٹھنا خاص اسی ذکر اذکار غیبت و بدی کے واسطے ہوا کرتا ہے جس کی وجہ اُن کی بے شغلی ۔ بے تعلیمی اور علم مجلسی کی ناواقفیت ہے۔ ہماری ہندوستان کی عورتوں کے دل میں کبھی اُن زیوروں کا خیال ہی نہیں گذرتا جنسے آدمی آدمی بنتا اور انسانیت پکڑتا ہے۔ علمی و اخلاقی زیور صرف انہیں کی ذات کے لئے مفید نہیں بلکہ یہ زیور ان میں ایسی خوبو پیدا کر دیتے ہیں کہ اُس سے اوروں کے واسطے بھی یہ ایک فائدہ رساں اور پارس پتھر بیویاں بنجاتی ہیں۔

جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ عورتیں اسطرح ایک دوسرے کے خیالوں کو خراب و نکما کر دیتی اور اُنکے دل و دماغ کو نمود ۔ خود آرائی اور بیہودہ بلکہ بے نتیجہ خیالات سے بھر دیتی ہیں تو یہ کہنا کچھ بیجا نہیں معلوم ہوتا کہ عورتیں اپنی عمر و زندگی کے لغو بیہودہ

امور پر زیادہ مائل و فریفتہ رہتی ہیں - اور اسی وجہ سے وہ اپنی حیات کی پایدار و حقیقی بڑون
اَمِٹ سعادتوں پر بہت کم توجہ کرتی ہیں جو لڑکی ایسے خیالات کی عورتوں میں پرورش
پاتی اور انکی گودیوں میں پلتی ہے۔ وہ ہمیشہ ایک خوفناک حالت میں رہتی ہے یعنی اگر کسی
کو عمدہ لباس پہنے ہوے دیکھ لیتی ہے تو گھنٹوں اسی کے حاسدانہ خیال میں غرق
اور مبہوت رہتی ہے اور جو کسی کے گہنے پاتے پر نظر پڑجاتی ہے تو بہی اُسے اسی قسم کی
خرابیاں پیش آتی ہیں - خلاصہ یہ ہے کہ گوٹہ کناری - کپڑا لتا - گہنا پاتا ایسے بہوت ہیں کہ یہ
کبھی عورتونکو چین سے بیٹھکر کوئی نیک کام نہیں کرنے دیتے - کیسی ہی مغرور - خودپسند -
اکل کھری عورت کیوں نہو مگر جب وہ بھڑک دار لباس - دمکتے ہوے زیور کو دیکھیگی تو
از خود ایسی جُھک جائیگی کہ گویا یہ ساری چیزیں امیر عورتیں اُسی کو دے ڈالیگی - ہم اُس
خودپسندی کو نہایت پسند کرتے ہیں جو عام عورتوں سے ملنے - اکل کُرا رہنے کی ہدایت
کرے - اگر کوئی ہمسے پوچھے تو عورتونکی سچی خوشی اُنکی گوشہ نشینی - خاوند کی اطاعت
گزینی - انتظام خانہ داری و عافیت بینی میں ہے - کیونکہ یہ خوشی ہمیشہ پردہ نشینی اور
تنہائی پسند ہونے سے بہم پہنچا کرتی ہے - ایسی خوشی شان و شوکت - بہیڑ بہڑ کے
غل غپاڑے - عیب جوئی - اور غیبت پسندی کی نہایت دشمن ہوا کرتی ہے - کس لئے
کہ یہ ساری آفتیں ملنے جُلنے - دیکھنے بھالنے اور ہر قسم کی عورتونکو مُنہ لگانے سے پیش
آیا کرتی ہیں - اس مسئلہ کی ابتدا ایک جان دو قالب سہیلیونکو چھوڑنے - ملنا جلنا کم
کرنے - تنہائی کی عادت ڈالنے سے ہوا کرتی ہے کیونکہ یہ خوشی ہمیشہ تنہائی اور عزلت
گزینی کو چاہتی ہے - اس کی ترقی اکثر باغ سبزہ زار کے نظارے - پرفضا میدان
یا دریا کے کنارے پر بیٹھکر سیر کرنے سے ہوا کرتی ہے - سچی خوشی میں مگن رہنے والی
نیکبخت کو جب کسی چیز کی ضرورت اور حاجت پڑتی ہے تو وہ ایک ادنی غور کے بعد
اپنے آپ ہی میں پانی ہے - بہیڑ بہاڑ - میلے تماشے - سیل سپاٹے - بیاہ شادی کے

کرتے - سفر میں حضر میں - تبدیلی میں انقلاب میں - جہاں جاتے ہیں دونوں کے دونوں
ہمراز اور دلسوز سارس کی جوڑی کی طرح ساتھ ہی ہوتے ہیں - جب کبھی اپنے وطن
مالوفہ میں آتے ہیں تو ایسے خوش خوش آتے ہیں کہ جیسے کوئی ملک فتح کرکے آئے ہیں
بعض اوقات تو یہ میاں بیوی شہروں اور مقدس مقاموں میں سیر - حج - زیارت کی
ارادے سے جاتے ہیں اور انکا یہ جانا جھوٹی خوشی حاصل کرنے کی غرض سے نہیں
ہوتا بلکہ اس نظر سے ہوتا ہے کہ مختلف شہروں سے مختلف طرح کی عبرت - تجربہ نصیحت
اور برکت حاصل کریں مختلف لوگوں کے برتاؤ دیکھکر کوئی عمدہ نتیجہ نکالیں اور اپنے گاؤں
یا شہر میں آکر از سر نو ایک تازہ لطف پائیں پس اس سبب وہ ہمیشہ چین چان اور
امن امان سے رہتے ہیں - بچے اُنسے محبت کرتے ہیں - ملازم اُنکے فرمانبردار رہتے
ہیں - دوست احباب دیکھکر خوش ہوتے بلکہ اکثر کو رشک ہوتا ہے کہ ہائے ہم
ایسے کیوں نہوئے - کسی نے سچ کہا ہے کہ محسودِ خلایق بنو اور حاسد ہونے سے بچو -

فرض کرو کہ زبیدہ اور حمیدہ اپنے اپنے گھربار کی دو لڑکیاں ہیں - دونوں کی
طرز زندگی اور طریق معاشرت میں یہ فرق ہے کہ زبیدہ تو اپنے خاوند کو جوتی کی نوک
برابر نہیں سمجھتی - اُسکے نزدیک یہ ایک خانہ زاد غلام بلکہ اس سے بھی گیا گذرا ہے شعور
و خانہ داری کا سلیقہ اُسکے آگے ایک ایسی ناچیز اور بے حقیقت بات ہے کہ جسے کوئی
امیرزادی اور ثروت والی پسند نہیں کرتی - جب وہ کسی مجلس یا بیاہ شادی کے مجمع میں
کسی خاص وجہ سے نہیں جاسکتی تو یہ خیال کرکے کہ اس کمبخت خانہ داری کے کھیڑوں
گھربار کے جنجال نے میری تو جان لے لی اپنے آپ کو ایک مردہ اور زندہ در گور سمجھنے
لگتی ہے اور اُسے گوشۂ عافیت میں چین سے بیٹھنا سخت ناگوار گذرتا ہے - اُسکے
خیالات ہمیشہ پراگندہ اور نیت سدا اٹکتی رہتی ہے جسکے باعث وہ کبھی آرام سے
نہیں بیٹھ سکتی ہر وقت انگارہ پر لوٹتی اور بیقرار رہتی ہے - اگر ایک جگہ جاتی ہے تو

زمانہ تمدن اسلام میں عورتوں کا اعزاز

نوشتہ جناب عبد الحکیم صاحب تنوی

عورتیں اسلام کے انحطاط کے زمانہ سے حقیر و ناچیز سمجھی جانی لگی ہیں اور جہالت بھی اُن میں اسی زمانہ سے شروع ہوئی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اُنکا ایسا سمجھا جانا اور تعلیم و تربیت سے محروم رکھا جانا ہی ایک قوی سبب اور بین دلیل اسلام کے تنزل کا ہے۔ اس دعوے کے ثبوت میں مجھے زیادہ چھان بین اور عقلی تک بندیاں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تواریخ کے اوراق موجود ہیں جو ہمیں بہت واضح اور بین طور سے بتاتے ہیں۔ کہ آؤ ادھر ہمیں پڑھو جس سے تمکو معلوم ہوجائیگا کہ جب تمدن اسلام کا ستارہ برسر اوج تھا تو مسلمان مردوں کا برتاؤ عورتوں کے ساتھ کیسا تھا اور وہ اُنکی کس درجہ قدر و منزلت کرتے تھے۔ میں بلا پس و پیش کہہ سکتا ہوں کہ عورتوں کی قدر و منزلت اور اعزاز جو آج یورپ کے اعلےٰ سے اعلےٰ ترقی یافتہ قوموں میں پائے جاتے ہیں وہ یورپ والوں نے اسلام ہی سے اخذ کئے ہیں۔
کیونکہ ایک زمانہ یورپ کا ایسا بھی ہوا ہے کہ جس میں شارلین جیسے مہذب عیسائی نے اپنی بہن کو ایک موقع پر ایسی بُری مار ماری تھی کہ آج اُس قوم کا ایک گاڈیان بھی دیسا کرنا نہیں پسند کر سکتا ہے۔ مگر دیکھو انتظام حرم میں اُنہوں نے مسلمانوں کی تقلید نہیں کی اسلئے اُنکا وہ حصہ نہایت ہی تاریک ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ سوائے مذہب اسلام کے اور کسی مذہب نے عورتوں کے حقوق کی پوری نگہداشت نہیں کی ہے۔ یونانی عموماً عورتوں کو ایک کم درجے کی مخلوق سمجھتے تھے جنکا مصرف صرف خانہ داری اور ترقی نسل تھا اگر کسی عورت کا بچہ خلاف فطرت پیدا ہوتا تو اُس عورت کو مار ڈالتے تھے!

اور رغبت دلاتا تھا۔

کسی انسان کا اعزاز کرنا اور اُس کی قدر و منزلت بڑھانی اس سے اچھا اور زیادہ کیا ہوسکتا ہے کہ اسکو قعر جہالت سے نکالکر علم و ادب کی کرسی پر بٹھایا جاے ہم دیکھتے ہیں کہ عورتوں کی تعلیم و تعلم کا جیسا اچھا سلسلہ تمدن اسلام کے زمانہ میں تھا ویسا کبھی نہ تھا۔ گھر کی چار دیواری ہی کے اندر بیٹھی بیٹھی علامۂ وقت ہوگئیں۔ قرون ثلثہ کو لیجئے اور بڑی کتاب اس کی سیر کیجیے آپکو ایسی ایسی قابلہ و فاضلہ نظر آئینگی کہ عقل دنگ ہوجائیگی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ۔ حضرت اُم سلمہ۔ حضرت حفصہ۔ حضرت سیدۃ النسا بی بی فاطمہ زہرا۔ صحابیہ میں حضرت اُم الفضل حضرت زینب بنت علی حضرت سکینہ بنت سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام وغیرھا اپنے اپنے وقت کی ایسی ایسی علامہ محدثہ فصیحہ و بلیغہ ذکیہ اور پاکیزہ خیال تھیں کہ سبحان اللہ و مرحبا۔

اسکے بعد عہد بنی عباسیہ اور بنو امیہ کے خواتین کا حال جب ہم پڑھتے ہیں تو اور بھی حیرت در حیرت ہوتی ہے کہ اللہ اکبر کیسی کیسی قابلہ تھیں کہ آج اُن کی ٹکر کا مسلمانوں میں کوئی مرد بھی مشکل سے نظر آتا ہے ولادہ خلیفہ محمد کی بیٹی جو [illegible] ء میں حکومت کرتا تھا قرطبہ میں ویسی ہی مشہور شاعرہ تھی جیسی یونانیوں میں سیافو[1] گذرا اُندلس کا مشہور عالم عبد الرحمن السوم کے زمانہ کے عرب مورخوں نے نقل کرکے لکھتا ہے" یہ خلیفہ مدینۃ الزاہرا کے سامان عیش و نشاط میں بیٹھا ہوا اپنی لونڈی مزنہ اور عائشہ قرطبہ کی شہزادی (جسے ابن حیان لکھتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کی نہایت حسین اور عالم اور عاقل عورت تھی) اور صفیہ کے کلام کو جو عائشہ کی طرح خوبصورت اور لایق تھی سنا کرتا تھا[2]۔"

---

[1] سیافو اسقدر مشہور اور قابل شاعرہ تھی کہ اُسنے ایک نئی بحر ایجاد کی تھی جو اس کے نام سے مشہور تھی۔ (تمدن عرب) ۱۲

[2] تمدن عرب مترجمہ سید علی بلگرامی۔ ۱۲

الحاکم کے زمانہ کے مورخ لکھتے ہیں "اس زمانہ میں علم و شاعری کی قدر
اندلس میں اس درجہ تھی کہ عورتیں بھی چار دیواری کے اندر محنت و مشقت کرکے علم
حاصل کرتی تھیں اور اکثر ان میں سے شاعری اور علمی معلومات میں مشہور تھیں خلیفہ
کے قصر میں ایک لڑکی نہایت حسین اور صرف و نحو و شاعری و حساب و ہندسہ اور
اور علوم میں نہایت کامل تھی - اسکا خط بھی نہایت پاکیزہ تھا اور خلیفہ کے راز کی تحریریں
وہی لکھتی تھی - کسی کا شعر اس لڑکی کے کلام کی بندش اور لطافت کو نہیں پہنچتا تھا
اس لڑکی فاطمہ کی انشا پردازی بھی اعلیٰ درجے کی تھی اور کل علما اس کے کلام کی داد
دیتے تھے - یہ لڑکی خلیفہ کے لئے کتابیں بھی نقل کرتی تھی اور اسکے پاس ایک
بیش بہا ذخیرہ علمی اور صنعتی کتابوں کا تھا - دوسری لڑکی خدیجہ اچھی شاعرہ تھی اور خوب
گاتی تھی - مریم ایک اور لڑکی علم و شاعری کی تعلیم اشبیلیہ کے خاندانی لڑکیوں کو
کیا کرتی - اس کی طرز تعلیم نے بڑی شہرت پائی تھی اور اسکے مدرسہ سے بہتیری لائق
لڑکیاں نکلی تھیں - رضیہ کو جسکا نام نجم العیہ تھا خلیفہ عبدالرحمٰن نے آزاد کرکے اپنے
بیٹے الحاکم کو دیدیا تھا - یہ عورت شعر و سخن اور حکایات میں شہرۂ آفاق تھی - خلیفہ کے
مرنے کے بعد اسنے تمام مشرق میں سفر کیا اور ہر جگہ علما نے اس کی بڑی قدر کی
ابن بطوطہ جو آٹھویں صدی کا مورخ سیاح ہے جب دمشق پہنچا تو چند فاضلہ
عورتیں محدثہ اسکو ملیں جنسے اسنے سند حدیث کی اور یہ عورتیں فقط ذی علم ہی نہیں تھی
تھیں بلکہ طلاقت لسانی و فصاحت بیانی بھی بلا کی رکھتی تھیں -

آج بھی سلطنت عثمانیہ میں بہتیری ترکی اور مصری عورتیں قابلہ و فاضلہ
موجود ہیں اور آیندہ ہونیکا سلسلہ جاری ہے کیونکہ وہاں خدا کے فضل سے تعلیم
نسواں میں بڑی ترقی ہے آئے دن عورتوں کی تعلیم کے لئے مدارس میں اضافہ
ہوتا ہی رہتا ہے - ایک بدنصیب ہے تو ہمارا ہندوستان اور اسکے رہنے والے

ایجوکیشنل کانفرنس کے صیغہ تعلیم نسواں سے متعلق ایک اعلیٰ درجہ کا رسالہ مستورات
کے لیئے جاری کرنیکا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اُسوقت قوم کے ایک گروہ کثیر نے اُنکے
خیال کو لغو اور فضول قرار دیا یہ کہا جاتا تھا کہ ایسا رسالہ ہرگز کامیاب نہوگا کیونکہ تہذیب
نسواں پہلے ہی سے اس میدان میں موجود ہے نیز یہ کہ مسلمانوں کی عام موجودہ
حالت ایسی ہے کہ کافی مددگار بھی میسر آنے ممکن نہیں۔"

خیر اُسوقت تو ہرچہ بادا باد کہکر خاتون جاری کردیا گیا لیکن اب یہ دیکھنے سے مسرت
ہوتی ہے کہ یہ رسالہ تمام ابتدائی پیشگوئیوں پر غالب ثابت ہوا۔ نہ صرف روشن خیال
مسلمانوں کے گروہ کی قیمتی حمایت اُسے حاصل ہوگئی ہے بلکہ تقریباً بیس خاتون
نامہ نگاروں کی ایک جماعت اُسکو ایسی میسر آگئی ہے جس نے اپنی ہمجنسوں کے متعلق
معاملات میں اُسکو اپنا ذریعہ اظہار خیالات قرار دے لیا ہے، اُنسے بھی زیادہ تعداد
اُن خورد و بزرگ مسلمانوں کی ہے جو اُس میں دلچسپی لیتے ہیں اور فرقہ اناث کے متعلق
مسئلوں میں نئی روشنی کے خیالات اُسی کے ذریعے سے ظاہر کرتے ہیں۔

خاتون کے نامہ نگاروں کی فہرست میں ہم ایسی معزز مستورات کے نام دیکھتے
ہیں جیسے مسز سید محمود، مسز موریسن، مسز کریم خاں، مسز نعمانی (مس سکینہ طیب جی)
مس نصیر الدین حیدر، مس نذر الباقر۔ مس سہروردی، اُدھر مردوں میں نواب محسن الملک
پروفیسر ذکاء اللہ، مولانا سید احمد، مولوی حسن نظامی اور مسٹر انعام الحق جیسے حضرات
ہیں جو اب تک خاتون میں لکھتے رہے ہیں۔

خاتون کی پہلی جلد میں تمام مضامین نہایت نفیس لکھے گئے ہیں اور عموماً ایسے مطالب
پر ہیں جو حال کے مسلمانوں کی معاشرت پر خاص اثر رکھتے ہیں۔ سب سے پہلے نمبر
میں ایک سنجیدہ مضمون حقوق نسواں پر شائع ہوا تھا جو خیالات کہ اُس میں ظاہر کیئے
گئے تھے اگرچہ بہت معتدل تھے لیکن مسلمان اخبارات وغیرہ میں اُسکے خلاف وہ شور

مچاکر بالآخر مہتممان رسالہ نے تصفیہ کرلیا کہ آیندہ بحث میں الجھانے والے مضامین سے پرہیز کرینگے۔

مسئلہ تعلیم نسواں پر قدرتاً بہت سے نامہ نگاروں نے قلم اٹھایا ہے اور اس طور پر جو خیالات کہ فراہم ہوگئے ہیں وہ مسلمان لڑکیونکی تعلیم کے دستور العمل کی تیاری میں بہت کار آمد ہوسکتے ہیں چند مضامین اصلاح امور معاشرت کے متعلق بھی شائع ہوئے ہیں اور مسز سورسین نے حفظ صحت جیسی ضروری چیز کے قواعد کا ایک مفید سلسلہ مکالمے کے طور پر لکھا ہے۔ عام فہم علمی مضامین چیونٹیوں پرمینہ کے اسباب پر اور بیلون سکہ جات، آتش فشاں، غور و منطق معموں وغیرہ کے بیان میں نکل چکے ہیں۔ ترکی، جاپان، کوریا وغیرہ مختلف ممالک کی عورتوں کے دلچسپ حالات، اور مشہور نیک ایشیائی اور یورپین خواتین کی سوانح عمریاں بھی شائع ہوئی ہیں من گھڑت کا حصہ بھی خالی نہیں چند حکایتیں شائع ہوئی ہیں جو مسلمانوں کی معاشرت کی تصویریں ہیں۔ ایڈیٹوریل نوٹس عموماً تازہ دلچسپی کے واقعات کے متعلق ہوتے ہیں اور بڑے لطیف پیرایہ میں لکھے جاتے ہیں آجکل ایک سنجیدہ بحث زنانہ لباس کے بارے میں چھیڑی گئی ہے جس میں امید ہے کہ اکثر مستورات حصہ لینگی۔

سنا گیا ہے کہ شیخ عبداللہ صاحب اپنے رسالے خاتون کو باتصویر بنانا چاہتے ہیں اگر اس میں کامیابی ہوئی تو یقین ہے کہ خاتون بہت زیادہ مقبول ہو جائیگا۔ لکھائی چھپائی اپنی قسم کی نابمقدور بہت نفیس ہے تین روپیہ سالانہ چندہ بھی کافی ارزاں ہے کچھ شک نہیں کہ خاتون نے ابتک اپنا فرض بخوبی پورا کیا گزشتہ پر نظر ڈالکر آیندہ کے متعلق بے کھٹکے پیشین گوئی کی جاسکتی ہے کہ یہ مفید رسالہ عرصہ دراز تک جاری رہیگا

(ترجمہ از انڈین لیڈیز میگزین)

تاریخ میں دنیا کی تمام خوبیوں کی مثالیں موجود ہیں ۔ علوم و فنون میں مسلمانوں نے یدِ بیضا کا معجزہ کر دکھلایا ہے ، فنِ سپاہگری میں رستم و اسفندیار کے قصوں کو اپنی مثالوں سے حقیقی تبلایا ہے ۔ لیکن جہانتک ہمیں معلوم ہے مستورات کی تعلیم پر کبھی کسی نے خاص توجہ نہیں کی ۔ اگرچہ بزرگ منش بیبیاں ہر زمانہ میں ایسی ہو گذری ہیں جو اپنے ہمعصر مردوں سے بہمہ وجوہ فائق و برگزیدہ تھیں اور دور دور دراز سے طلبا اپنی علمی مشکلات ان سے حل کرانے آتے جاتے تھے لیکن مستورات میں تعلیم کو عام کر دینے کی کوشش سلطنتوں میں کبھی نہیں ہوئی جسکا باعث وہی رسم و رواج کی پابندی ہے جو آجتک تعصب کی پٹی ہماری آنکھوں پر باندھی ہے ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مستورات کی جہالت ہی سے مسلمانوں میں عموماً شرافت پست اور نحوست پھیلی ہے ۔ جب ماں کا دل نورِ علم سے منور نہوگا ، اسکا بچہ اس سے کیا سیکھیگا ؟ بچپن ہی سے جہالت کی باتیں اسکے ذہن نشیں ہونگی ۔ بچہ اپنے ساتھ سب خوبیاں لیکر پیدا نہیں ہوتا ! اسکو روزِ پیدایش سے پیروی کی ضرورت ہے اور حیوانات میں تمام باتیں فطرتاً پیدا ہوتی ہیں :۔

مرغک از بیضہ بروں آید و روزی طلبد
آدمی زادہ ندارد خرد و عقل و تمیز

اگر بچہ کو بلا تربیت چھوڑ دیا جاوے تو اسکو بولنا چالنا کچھ بھی نہیں آئیگا چنانچہ اکبر بادشاہ نے اسکا تجربہ کیا ہے ۔ کئی بچوں کو پیدا ہوتے ہی علیحدہ ایسے مکان میں پرورش کرایا جہاں کوئی بولنے والا نہتا ۔ یہ بچے بڑے ہو گئے مگر " غیں غیں " کے سوائے اور کچھ نہ کہہ سکتے تھے ۔ پس ظاہر ہے کہ انسان سب کچھ پیروی و تقلید سے سیکھتا ہے اور پھر اوروں کو سکھلاتا ہے ۔ اس لئے لازم ہے کہ دمِ پیدایش سے دمِ واپسیں تک کوئی ناگوار کلمہ اس کی سمع خراشی نہ کرے ! اور کوئی فعلِ قبیح یا ناموزوں حرکت اسکے نازک دل و دماغ پر نقش نہ ڈالے ؛ اور یہ جب ہی ممکن ہے جب ماں تعلیم یافتہ ہو ۔ جاہل

ماں کی گود میں پرورش پاتے ہوئے بچہ بد تلفظ، مہمل الفاظ، گالیاں، کوسنے قسمیں کھانا، جھوٹ بولنا، طعنہ زنی اور غیبت کی باتیں سننا کرتا ہے اور سیکھتا ہے اور یہی اسکے دل پر نقش کالحجر ہوجاتی ہیں۔ حکما کا قول ہے۔

وان من ادبتہ فی الصبا	کالعود یسقی الماء فی غرسہ
حتی تراہ مورقا ناضرا	بعد الذی ابصرت من یبسہ
والشیخ لا یترک اخلاقہ	حتے یواری فی ثری رمسہ
ما تبلغ الاعداء من جاہل	ما یبلغ الجاہل من نفسہ

"بچپن میں تعلیم ایسی موثر ہوتی ہے جیسے تازی ٹہنی کو پانی۔ چند ہی عرصہ میں وہ سرسبز ہوجاتی ہے اور پھلتی پھولتی ہے، لیکن جیسے سوکھی لکڑی کو پانی سرسبز نہیں کرسکتا ویسے ہی زیادہ عمر میں انسان اپنی طبعی عادتوں کو نہیں بدلتا اور تربیت اثر نہیں کرتی۔ جاہل اپنے حق میں اپنے دشمن سے بڑھکر دشمن ہے"۔

ایسے ہی بہت سے بچے ہیں جو اپنے والدین سے چوری، دغابازی، اور فقیری کے پیشے سیکھتے ہیں۔ تعلیم نسواں کا مسئلہ نہایت اہم ہے اور اس سے بڑھکر ہمارے لئے کوئی اور چیز زیادہ مفید نہیں ہے۔ یہ خود دنیا کی تمام برکات پر حاوی ہے پس جو لوگ اس کی تائید میں کوشش کر رہے ہیں وہ غایت درجہ کی ثنا و تعریف کے مستحق ہیں وہی اپنی قومی خرابیوں کو سمجھتے ہیں، اپنے معائب سے واقف ہیں اور انکے دفعیہ کی فکر کرتے ہیں۔ جو بزرگ اپنی یا قومی فلاح کے خواہاں ہیں انہیں ایسے نیک کام میں ہر قسم کی امداد دینی چاہئے۔

اس مجلس کے جلسہ میں ہر ہائینس نواب بیگم صاحبہ جنجیرہ اور بیس بائیس شریف گھروں کی بیبیاں شریک تھیں۔ خیر مدرسہ کے لئے چندہ ملے یا نہ ملے، ہم تو اسی کو بڑی کامیابی کی دلیل سمجھتے ہیں کہ مسلمان شرفا میں بھی تعلیم کا ایسا چرچا پھیل چلا ہے کہ مرد اور

عورتیں باہم ملکر اپنی بہبودی کے مسائل پر بحث کرتے ہیں۔

یہ بات ضرور ذکر کرنے کے قابل ہو کہ یہ مدرسہ معلمات کی تعلیم دینے کے لئے بنایا جاتا ہے۔ یہ نہایت دور اندیشی کا مبارک خیال ہے اور ہم اسکے بانی مسٹر عبد اللہ کی کوشش اور سرگرمی کے نہایت مداح اور اُنکی کامیابی کے خواہاں ہیں۔ سب تعلیم یافتہ نوجوانوں کو مستعدی کے ساتھ مساعدت کرنی چاہئیے۔ فی الحال پردہ کا رسم و رواج مانع ہے کہ لڑکیوں کو یکجا جمع کر کے تعلیم دیجا سکے، اور حقیقت میں ہم لوگ اس کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے، ابھی تک لڑکوں کے مدارس کا انتظام بھی ہم خود نہیں کر سکتے اور آئے دن مختلف شکایات لگی رہتی ہیں پس لڑکیوں کے مدرسہ کی ذمہ داری کون اُٹھا سکتا ہے؟ لیکن معلمات کی تعلیم کا انتظام چنداں دشوار نہیں ہوگا؛ اور انکے ذریعے سے گھر گھر تعلیم پھیل سکیگی اور کسی وقت تعلیم نسواں کے مدارس بنانے کی بھی نوبت آجائیگی اور جب مائیں اور بہنیں ایسی روشن ضمیر ہونگی تو وہ اپنے بچوں، بھائیوں کے لئے مرحلہ تعلیم کو بہت آسان اور سہل بنا دینگی۔ اور مدرسۃ العلوم میں جو دقتیں اور بدانتظامیاں اسوقت نظر آتی ہیں وہ کیسے نظر آسکینگی جبکہ ایک بہن پرووسٹ[۱] بنے گی اور اپنے بھائیوں کی مہمان نوازی اور دلداری میں اپنی خوشی اور مسرت اور قومی فلاح تصور کریگی؛ اور مائیں اپنے بیمار بچوں کی تیمارداری اور نگرانی کا کام خوشی سے اپنے ذمہ لینگی، اور تعلیم دینی اور دنیوی میں مدد دینگی۔ وہی وقت حقیقی مسرت کا ہوگا اور یہ دار المحن رشک جناں بنجائیگا۔!

جیسے ایک برقی کل اپنے تاروں کے ذریعے سے پیرس اور دنیا کو منور کر دیتی ہے یا بجلی اپنی چمک سے سیاہ شب کو رشک ماہتاب بنا دیتی ہے ویسے ہی، ہم دعا کرتے ہیں کہ، یہ مدرسہ بھی اپنی کامیابی سے مسلمانوں کے تاریک دل و دماغ کو منور بنا دے۔ آمین۔

(از انسٹیٹیوٹ گزٹ علیگڈھ)

[۱] ولایت کے مدرسوں میں ایک عہدہ دار ہوتا ہے جو طلبا کے آرام اور طعام وغیرہ امور کی نگرانی کرتا ہے۔

لگا ہوا ہی ہے کوئی نئی بات ہی نہیں اس سے زیادہ موزوں کوئی مقام تمام ہندوستان
کی مستورات کی طرف سے ولیعہد بیگم کی تشریف آوری کی یادگار کے لئے تلاش کرنا فضول
سی بات ہے - اور غور کرنے سے یہ بات دور اندیشی کے خلاف ہی معلوم ہوتی ہے
کیونکہ ہماری تعلیم اور ترقی کی کوشش کی ابھی تو پہل ہی ہے جس کی عملی صورت علی گڈھ
کا اسکول ہے یہ پودہ ابھی اس لایق ہے کہ اسکو مضبوط اور پایدار بنانے کے لئے
ادھر اُدھر جو شاخیں اول اول پھوٹنا چاہیں ہوشیار مالی کو چاہئیے کہ اُنکو چھانٹتا رہے
ورنہ وہ شاخیں آپ ہی کمزور رہینگی اور درخت کو بھی پنپنے نہ دینگی اگر پہلے پہل ہماری
ساری توجہ اور ہوشیاری اس ننھے پودے کی غور اور پرداخت میں لگی رہیگی تو
گگڑھی کی بیل کی طرح گیڑیوں اور گھنٹوں میں پل کر بڑا ہو جائے گا پھول پھل دینے
لگے گا تو اُس کی شاخ کی قلم اور پھلونکے بیج کی پود جہاں جہاں لیجا کر لگائی جائیگی
میں منع نہیں کرونگی مگر موجودہ حالت میں چندے کے سوتوں کو ادھر اُدھر بہا دینے
سے یہ پودہ ٹھٹھر کر رہجائیگا -

اس بحث کو چھوڑ کر میں اب یہ بتاتی ہوں کہ جو شاندار کمرہ مینے اس مبارک یادگار
کے لئے تجویز کیا ہے اُس کی تیاری شاہزادہ ولیعہد بیگم کے نامی نام کی شان کے لائق ہونی
چاہئے تاکہ مدرسہ کے بیچ میں ساری عمارت پر ممتاز نظر آئے - زیادہ کی توحد نہیں مگر بیس ہزار
روپیہ تو کوشش کرکے ضرور جمع کرنا چاہئے ہماری قوم میں صاحب ثروت بیگموں کی
کمی نہیں بعضی تو اپنے آپ امیر ہیں اور مقدور والی ہیں اُنکے علاوہ شمار میں جتنے
صاحب ثروت مرد ہیں اُن سب کی بیگمات بھی اپنے شوہروں کے جاہ و مرتبہ میں شریک ہیں
اگر بیگمات اپنی جنس کی بھلائی اور آنیوالی ملکہ کے ساتھ اپنے دل کی خوشی کا اظہار کرنا
چاہیں گی تو کیا مرد اُنکی خوشی پوری کرنے میں شریک نہونگے؟ بیس ہزار کی رقم کوئی
بڑی چیز نہیں پانچ پانچ روپے کے چندے پر تقسیم کریں تو چار ہزار بیویاں ملکر پوری

اڈیٹوریل

(گویم مشکل وگرنگویم مشکل)

کیا استاد غالب کی مشکل ہیں ہی پیش آگئی ہے؟ اخبار وکیل میں اعتراض کیا گیا ہے کہ خاتون کی عبارت مشکل ہوتی ہے اور صلاح دی گئی ہے کہ آسان ہوا کرے؛ ہم اس صلاح کو جو بہرحال خیرخواہانہ ہے، دلی شکریے کے ساتھ قبول کرتے ہیں مگر اعتراض پر بھی جو محض دوستانہ ہے، ضرور غور کرینگے تاکہ اعتراض کا واجبی حصہ اگر کچھ ہو تو ہمکو ملجائے اور ناواجب حصہ معترض دوست کو واپس پہنچا دیا جائے کہ بقدر اُس حصہ کے وہ ذمہ دار ہوسکے۔

اسبات پر تو ہمکو غالباً کوئی مجبور نہیں کرنا چاہے گا کہ مختلف درجے کے مضامین کا نفس مطلب باقی رکھکر دفتر خاتون میں عبارت کی کایا پلٹ دی جایا کرے۔ ایسا کرنے سے کچھ فائدہ ہے اور نہ ایسا ہوسکتا ہے ہو یوں نہیں سکتا کہ کہانتک دفتر میں تمام جلوں کی ترکیبیں پلٹی جایا کرینگی اور بیفائدہ اسلئے ہے کہ دفتر ہی کی عبارت کا ایک رنگ اول سے آخر تک ہوا کریگا طرز عبارت کا لطف اختلاف اور اُس سے جو لٹریری فائدہ پڑھنے والوں کو ہوسکتا ہے معدوم ہوجائیگا۔ یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ اوسط بلیغ مضامین قطعی نہ لیے جایا کریں چونکہ پڑھنے اور پڑھانے کے لائق یعنی دونوں قسم کے مضامین ہم پہنچانے ہماری مقصد میں شامل ہیں اسلئے ایسے مضامین کے علاوہ جنکو خاتونیں بے تکلف پڑھ سکیں ایسے بھی مضامین ہونے ضرور ہیں جنکے پڑھنے کے لئے کسیقدر تکلیف بھی کرنی پڑے اس ضروری تکلیف سے اُنکے اپنے جی چرانے کی خاطر یہ نہیں ہوسکے گا کہ آج تو چڑیا چنونے کی کہانی پر اکتفا کیا جائے کل کو اُنسے بھی بڑھکر کوئی شکایت لے آئے تو خاتون میں قاعدہ بغدادی شروع کرایا جائے! ایک رسالہ میں جو مستورات کے لئے جاری

اضافہ کیا جائے بلکہ مردوں کو بھی اُنکی اصلاح اور تعلیم کی طرف متوجہ کرنا اسکے مقاصد میں داخل ہے
مثلاً تعلیم نسواں کے بارے میں جسقدر مضامین ابتک لکھے گئے ہیں اُن سب میں مردوں
ہی کو ضرورتاً جابجا کر قائل معقول کیا گیا ہے۔ سرورو یہ بیگم صاحبہ کے مضامین اسکے شاہد ہیں
جو لیڈی نامہ نگار عمدہ لٹریری زبان میں مضامین لکھ سکتی ہیں اُنکو بچوں کی زبان میں علمی مضامین
لکھنے پر ہم مجبور نہیں کر سکتے لیکن ساتھ ہی اسکے خاتون میں تا بمقدور سہل و مفید مضامین
درج کرنے کی ذمہ داری سے ہم خود کو آزاد بھی نہیں خیال کرتے اسی واسطے اپنے
نامہ نگاران سے ہماری یہ استدعا رہی ہے کہ پُر معنی اور آسان مضامین کوشش سے
لکھیں لیڈی نامہ نگار مردانہ طرز ادائے خیال اور اخباری اُردو کو چھوڑ کر حتے الامکان اپنے
تازہ خیالات اپنی ہی سادہ اور شستہ بولی میں لکھا کریں اور مرد مضمون نگار صاحبان کو بھی لازم
ہے کہ سادہ بیانی کی دُہن میں زنانہ بول چال کی زیادہ پیروی نہ کریں کیونکہ دونوں میں تصنع کی
بو ناقابل برداشت ہوگی۔ عورتیں اپنے خیالات میں خواہ مردوں پر فوقیت لیجائیں مگر اُنکے اظہار میں
اپنی ہی سادہ اور سلیس بن سیکھی بولی کو کام میں لائیں تو اُردو لٹریچر میں ایک واقعی لطیف اضافہ
کر سکیں گی"۔ ہماری اس تاکید کا نتیجہ ہے کہ اردو زبان کے ایک مسلم ادیب نے اپنے خط
میں رسالہ خاتون کو "عمدہ لٹریچر کا ایک تر و تازہ گلدستہ" لکھا ہے، ایک اور لئیق و مشہور نقاد اور
اوڈیٹر کی رائے ہے کہ "رسالہ خاتون متانت کے ساتھ جاری ہے"

ہاں ایک بات کا ہمکو ضرور خیال رہتا ہے وہ یہ ہے کہ اکثر مضامین میں دہلی و لکھنؤ وغیرہ
کے ٹھیٹھ محاورات اور روزمرہ قدرتاً بہت ہوتے ہیں جنکو سمجھنے میں غیر صوبجات کے اکثر
ناظرین کو مشکل ہوتی ہوگی مگر اُن ناظرین کے لئے چونکہ اہل زبان کے محاورات
سے واقفیت ضروری اور مناسب ہے اس خیال سے ہم اُن میں کتر بیونت نہیں کرتے
باقی جہانتک ہو سکتا ہے عربی فارسی اور انگریزی کے غیر مانوس الفاظ اکثر بدل دیئے
جاتے ہیں۔

ایڈیٹر

فرماتے ہیں کہ: ”ڈیپوٹیشن کے ممبران نے اپنی لیاقت ذاتی اور حسن اخلاق سے ایسا اچھا اثر بزرگان بمبئی کے دل پر پیدا کیا ہے کہ ہر شخص مداح ہے میں بھی ان جوشیلے ہمدردان تعلیم نسواں سے بیحد خوش ہوں چندہ وصول ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔“

ممبران ڈیپوٹیشن کے ہم بہت مشکور ہیں کہ تعطیلوں میں وطن کا آرام اور عزیزوں میں چند روز بسر کرنے کی مسرت کو چھوڑ کر انہوں نے سفر کی تکلیف گوارا کی اور اپنے فرائض کو ایسی عمدگی سے انجام دیا۔ آیندہ پرچے میں ہم ڈیپوٹیشن کی مفصل کیفیت اور چندہ کی تفصیل کے ساتھ بمبئی کی معزز خاتونوں کا شکریہ بھی خصوصیت کے ساتھ شائع کرینگے جنہوں نے اپنی دلی ہمدردی کے اظہار سے ڈیپوٹیشن کو کامیاب ہونے میں قابل تعریف مدد دی ہے۔

قدرتی سوال کا طبعی جواب | بمبئی اسقدر بڑی تجارت گاہ ہے کہ چار بجے صبح سے نصف شب تک اِس ہاتھ لے اور اُس ہاتھ دے اور سودا نقد ہے،، کا بازار گرم رہتا ہے اور تقریباً ہر شخص کے دل میں نفع نقصان کے خیالات چکر لگاتے رہتے ہیں یہ ہوگا تو کیا فائدہ ہے اور وہ ہوگا تو کیا نقصان ہے ؟ اور ایسے ہی پس و پیش جزو خیالات ہوگئے ہیں اور فی الحقیقت بمبئی کو بمبئی بنانے میں نہایت کار آمد ثابت ہوئے ہیں، اِس بنا پر وہاں کی مخیر طبیعتیں ہمارے مقاصد کی امداد میں شریک ہوتے وقت اگر یہ سوال کریں کہ علیگڈھ کے مجوزہ نارمل اسکول سے بمبئی کو کیا فائدہ ہوگا ؟ تو کوئی تعجب کا مقام نہیں ایسا سوال بالکل طبعی اور قدرتی ہوگا اسکے جواب کے لئے ایک جواب مضمون یعنی ایسے درکار ہے لیکن اس مختصر نوٹ میں ایک طبعی اور قدرتی ہی تمثیل سے ہم سمجھائے دیتے ہیں کہ بحر عرب، جسکا جزیرہ بمبئی ہے وہاں سے ہر سال دوش ہوا پر سوار ہو کر جوق جوق بخارات شمالی ہند کی طرف آتے ہیں اور خدا کی رحمت بنکر برستے ہیں کیا اہل بمبئی نے نہیں دیکھا کہ اُنسے جو چشمے اور دریا رواں ہوتے ہیں وہ ہندوستان

بلکہ عدم توجہ کو شریف ناظرین اخبار کی ناراضی کی علامت خیال کرنا چاہئے۔ تھوڑے ہی دن کا ذکر ہے کہ ایک اردو اخبار میں کسی آریہ سماجی بیوہ کی طرف سے اشتہار شایع ہوا تھا اِس حرکت پر مسلمان ہی غیرت کرتے تھے بلکہ ایک شریف اور عالی درجہ یورپین لیڈی نے بھی ریمارک کیا تھا کہ اگرچہ یورپ کے اخبارات میں یہ طریقہ رائج ہے مگر ادنیٰ درجے کے لوگ ایسا کرتے ہیں شرفا میں وہاں بھی معیوب ہے لڑکی کی نہایت بے وقعتی اور خاندان والوں کی سخت ذلت متصور ہوتی ہے،،

مہذب مسلمانوں میں پہلے لڑکے کی طرف سے نسبت کا پیغام درحقیقت صنف نسواں کی بڑی حرمت اور اعزاز کی نشانی ہے چنانچہ رقعہ کے آخر میں لڑکے کی طرف سے لکھا جاتا ہے کہ گر قبول افتد زہے عز و شرف اس نازک اصول اور اعزاز پر لات مار کر اشتہار کا ذلیل طریقہ سکھانا افسوس ہے۔ ؎

بایدبحالِ زار زلیخا گریستن!

یہ تجویز اور اسپر تہذیب کا حاشیہ یعنی لڑکی کے رنگ عمر، صورت، صحت لیاقت اور خاندان کا نقشہ وغیرہ اگرچہ اسکا عملدر آمد اخبار کی اشاعت کا بہت تیر بہدف نسخہ ہے اور مولوی ممتاز علی صاحب ہی کی ایجاد بندہ سہی مگر گندہ ہے لڑکیاں کیا ہوئیں بیچم صاحب کی گولیاں ہوگئیں! ہم اس طریقے کے سخت مخالف ہیں۔

نظم ہمارے لئے بڑی خوشی اور فخر کا موقع ہے کہ شمس العلماء جناب مولانا حالی مدظلہ العالی نے ایک نظم خاص رسالہ خاتون کیواسطے لکھی ہے امید ہے کہ کسی اطمینان اور فرصت کے وقت اُسکو ختم کر کے مولانا موصوف سلسلہ مرسلہ حسب وعدہ رسال کرینگے نظم کا مضمون ہمیں معلوم نہیں لیکن آپکی نظم مفیدہ مؤثر ہوتی ہے تعلیم نسواں کے متعلق ہے کسی بات کے ہوگی۔ اسبارہ میں آپ کے خیالات اگر نثر میں بھی ہوتے تو کُندن تھے اب کہ نظم میں پروئے جائینگے انشاءاللہ سراسر موتی ہونگے گہنے کے صندوقچہ میں رکھنے کے لایق۔

[illegible]

(ریویو)

[illegible] حالات پڑھکر ناظرین کو ایک شوق اپنی قابل فخر
بن [illegible] کا بھی ہوا ہو گا گرچہ فاضل مصنفہ کی تمام تصنیفات ٹرکی زبان میں ہیں
لیکن یہ [illegible] تصنیف اردو میں ترجمہ ہوچکی ہے جس میں کہ فاطمہ علیہ خانم نے یورپ کی سیاح
لیڈیوں سے اپنی گفتگو قلمبند کی ہے۔ ترجمہ کا نام لسان المسلمین ہے چھوٹی تقطیع کے
۱۴۰ سے زیادہ صفحوں پر ختم ہوا ہے اندر کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں فاضل
مصنفہ کی وہ ملاقاتیں یورپین لیڈیز سے ملاقاتیں بطور مکالمہ کے گویا ہمارے سامنے
ہو رہی ہیں دوسرے حصہ میں بھی مکالمہ ہے مگر ابتدا میں خود فاطمہ علیہ اور شل اسکے دیگر
معزز ترک خاتونیں باہم باتیں کر رہی ہیں لباس پر بحث ہے اسی بحث میں تین یورپین
خالہ بہنیاں بھی ملاقات میں آکر شریک ہوگئی ہیں۔ مصنفہ کا اصل مطلب اس کتاب
کے لکھنے سے یہ ہے کہ یورپ میں جو غلط روایات ترکوں کے رسم و رواج لباس اور مذہب
اسلام اور حقوق نسواں کے متعلق غیر محقق سیاحوں نے مشہور کر دیے ہیں انکو رفع کر کے
ہر بات کی اصلیت اور صحت سے مطلع کرے۔ کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے
کہ خدا نے اس مطلب کے ادا کرنے کے لئے پوری قابلیت اور مرتبہ علم و فضل اُس
کو عطا کیا ہے۔ عالی خاندان اور امیر ترکی خاتونوں کے صبح سے شام تک کے مشاغل
اخلاق و [illegible] لباس کی تصویریں جابجا کتاب میں موجود ہیں اور ہندوستانی ناظرین کے لئے خاص
دلچسپی [illegible] انگریزی اور ترکی زبان سے خاص الفاظ و اصطلاحات کے معنی بھی جا بجا
[illegible] کاغذ اور لکھائی چھپائی میں قیمت کا لحاظ رکھا گیا ہے چنانچہ اسی
[illegible] سے زیادہ بڑھنے نہیں پائی۔ مطبع احمدی علیگڈھ سے
طلب [illegible]

اِعلان

اِس رسالہ کی قیمت نظر بر حال موجودہ (ہے) سالانہ رکھی گئی ہے۔ اور ششماہی (عہ ۱۲) فی پرچہ (۵) درخواستین بنام شیخ محمد عبداللہ صاحب بی۔اے ایل۔ایل۔بی وکیل ہائیکورٹ علیگڈہ آنی چاہئین

قیمت ہر حال میں پیشگی لیجائیگی۔

تمام مضامین اڈیٹر کے پاس آنے چاہئین

خاتون

۱- یہ رسالہ ۴۰ صفحے کا علیگڈھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اس کی سالانہ قیمت ۲ ہے۔

۲- اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں ی مذاق پیدا کرنا۔

۳- مستورات میں تعلیم پھیلانی کوئی آسان بات نہیں اور جبتک مرد اسطرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور اسکے بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہورہے ہیں اس کی طرف ہم ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴- ہمارا رسالہ اسبات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لئے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی انکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم پڑھنے سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵- ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶- مستورات کے مضامین اور خطوط جیسے بھی ہونگے ہم ضروری اصلاح کے بعد شائع کردینگے۔

۷- اس رسالہ کی مدد کرنے کے لئے اسکو خریدنا گویا اپنی مدد آپ کرنا ہے۔ اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لئے تیار کیا جائیگا۔

غرض کسی بات میں کمی نہ ہوگی بنت نصیر الدین حیدر بیچاری کی معتدل تجویزیں اور مفید اصلاح
اسطرح بہلادی جائینگی جیسے سلیٹ پنسل کا لکھا مٹ جاتا ہے! خدا کرے ہمارا یہ خیال غلط ہو
اور اس مضمون کی واقعی کارآمد باتیں اور مناسب صلاحیں خاتونوں کے دل پر پتھر کی لکیر ہوگئی ہوں

اڈیٹر

لباس ہمارے لباس میں جو فضول خرچی داخل فیشن ہوگئی ہے اُس کی مثال ہر گہر میں مقدور کے موافق موجود ہے۔ ہر درجے کے لباس میں کچھہ نہ کچھہ چپک مصالحہ کی ہونی اسیطرح ضروری ہے جیسے سلونے کہانیں نمک۔ کچھہ نہیں تو کم سے کم بیس پیک یا ایک لڑ گوکہر ہی کی سہی۔ سادگی میں دم مارا تو صرف بچلے پر قناعت کرلی۔ مگر انکی قیمت کو کسی نے نہ جوڑا کہ تولہ ماشہ ہی ملکر اقل درجہ میں پچیس روپے سال ہو گئے۔ پرانی جوڑوں کی کچھہ گنتی ہی نہیں جو تلوا ان ہوتے ہیں اور متوسط درجے کی شادیوں یا بڑے بڑے موقعوں کے لئے بنے ہوئے صندوقوں میں بند پڑے رہتے ہیں۔ انکے سیروں مصالحہ پر سینکڑوں کی رقم تصدق ہوتی ہے اور اُنکا پہننا ہی "ایک بار خر" کا لادنا نہیں، دھوپ دینا بھی پوری درد سری ہے۔ بہت سی آنکھوں نے ان جوڑوں کو ایسا دیمک خوردہ دیکھا ہوگا کہ صرف انکے زر کے تار باقی رہگئے۔ یا افسوس۔ ناپسندیدہ یا پڑ انے کپڑوں پر سے جو مصالحہ اُدہیڑا جاتا ہے وہ آخر میں یا زری گوٹے والے کے ماتھے منڈھا جاتا ہے، جو کوڑیوں میں خریدتا ہے، یا پچی میں بندھے بندھے برباد ہوجاتا ہے۔ بڑا سلیقہ ہوا تو اسکو جلا کر چاندی کا پنڈا بنالیا۔ پہر کیا وہ پنڈا اُتنی ہی قیمت کا ہوتا ہے جب میں یہ سارا مصالحہ خرا گیا تہا؟ لطف یہ ہے کہ صاحب لباس کو پسند ہوں یا نہوں اس قسم کے متعدد جوڑے تیار ہونے ضرور۔ سخت افسوس ہے کہ ہماری بعض بہنیں جنکو زیادہ مقدور نہیں بچنے کی نامیسری کی وجہ سے جہوٹے ہی مصالحہ پر جہک پڑی ہیں جس میں پہلے سے زیادہ نقصان اور نقصان سے زیادہ حماقت در کار ہے۔ گروہ بیچاریاں

کریں کیا فیشن کے دباؤ میں، جس کی بلا سے مہذب ترین ملکوں کو بھی نجات نہیں، دبی ہوئی ہیں۔ جو ایسا نہیں کرتیں تو علاوہ غریب و ذلیل ثابت ہونے کے پھوڑ و بدتمیز ٹھیرتی ہیں حقارت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ اصل میں سارا قصور ہماری زنانہ سوسائٹی کا ہے جس کی روح رواں مقدور دار بیویاں ہیں۔ کہ جن کی چال ڈھال کا بہ نسبت غریب بہنوں کے قدرتاً زنانہ سوسائٹی پر زیادہ دباؤ ہے۔ پہلے انکو اپنا مذاق ایسا شستہ و رفتہ اور اپنا فیشن ایسا سہل الوصول بنانا چاہئے جسکو امیر غریب سب نبھا سکیں۔ میری رائے میں ان تمام موجودہ لغویات کو ترک کرنا چاہئے۔ مصالحہ کے فیشن ہی کو تقریباً اڑا دینا چاہئے۔ تاکہ غریب بہنیں چار سم سو تو میں بیٹھنے سے شرمائیں نہیں اور سب کا روپیہ بچکر ضروریات قومی میں لگے۔ مجھے امید ہے کہ میری یہ رائے ہماری زنانہ سوسائٹی میں جو فطرتاً آرایش کی دلدادہ ہے بہت تلخ معلوم ہوگی۔ مگر میری گذارش ہے کہ میں معقول آرایش سے اختلاف نہیں کرتی بلکہ اسراف سے کرتی ہوں۔ جو گوٹا کناری میں صحیح ہے۔ گوٹا کناری کی جھلا جھل جسکو ہم بہت کچھ سمجھے ہوئے ہیں خدا جانتا ہے معقول نگاہوں اور نفیس نظروں میں اب مضحکہ معلوم ہوتی ہے۔ جب لباس پر ٹھپا، چٹکی، لچکی، وغیرہ ٹنکا ہوتا ہے ایک گڑیا یا مٹی کی گوجری (جو قدیم ہندوستانی فیشن کا نمونہ ہوتی ہے) کے بنی لپٹے ہوئے لباس سے زیادہ وقیع و نظر فریب نہیں دکھائی دیتا۔ پس کیا مضائقہ ہے کہ مہمل لباسی آرایش کا روپیہ تھوڑی رقم رکھ لینے کے بعد اپنی بہنوں کی تعلیم میں دیدیا جاوے۔ اور اُس تھوڑی رقم سے ایسی سادہ آرایش کرلیجائے جس میں ہنرمندی، دستکاری زیادہ ہو اور خرچ کم۔ یہ بات سوسائٹی کی محنت سے حاصل ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ ہماری پارسی بہنیں کرتی ہیں۔ توئی کرن کی جگہ کپڑے کی جھالریں بنا کر لگائی جائیں۔ سوت اور ریشم وغیرہ کی بیلیں کاڑھ کر انسے کپڑے کی حد بست کیجائے۔ یہ اگر خریدی بھی جائینگی تو مصالحہ سے جسکا روپیہ مہاجنوں اور بیوپاریوں کے پیٹ میں جاتا ہے سستی پڑینگی۔ یہ بیلیں اور کچھ مصالحہ لگکر بھی اچھی وضع نکل آتی ہے۔ جسپر اوڈیٹر صاحب اخبار

اور کچھ ہاتھوں کے ہوں مقرر کر لینے چاہئیں۔ اسطرح متعدد زیوروں کی معتد بہ رقم
مقدور دار بیبیوں کو بچیگی۔ جس میں سے زیور کی بنوائی اور گھاٹے ہی کا حق اس مفید کام
میں دیدیا جائیگا تو میرے خیال میں چند سال کے اندر تعلیم نسواں سیکشن کو اچھی
معقول امداد پہنچ سکتی ہے۔ جن قوموں کو خدا نے عقل و حوصلہ دیا ہے انکی عورتیں قومی
ضروریات کے وقت ایسی عاقلانہ تخفیفوں سے اپنی قوم کے حق میں دست غیب ثابت
ہوا کرتی ہیں۔ بہت آسان ترکیب ہے کہ دو سو روپیہ کے گلوبند کی جگہ پچاس روپیہ کا
کوئی ہلکا سا اچھا خرید لیا جاے۔ سو روپیہ اپنے خانگی سرمایہ میں جمع کئے جائیں۔ اور پچاس
سیکشن مذکور کو عنایت کر دیے جاویں وغیرہ وغیرہ۔

متفرق اشغال بہت سے دل بہلانے کے شغل ایسے ہیں جن میں ہماری
بہنیں طرفۃ العین میں اپنی حیثیت یا ضرورت سے زیادہ روپیہ صرف کر دیتی ہیں۔
ڈومنیوں کو بیلوں میں بیسیوں روپے دیدیے جاتے ہیں۔ انکی بیہودہ حرکات اور
غیر مہذب نقلوں پر، جس سے ایک لسنعلیق بیوی کو نفرت ہونی چاہیے، دل ایسے
لوٹ پوٹ ہوتے ہیں کہ اسوقت روپیہ ٹھیکری سے بدتر معلوم ہوتا ہے۔
یہ دستور بندھ گیا ہے کہ کوئی بچہ تولد ہوتا ہے تو غریب سے غریب گھر میں بھی
وہ ننگ قوم بہک نکلے، جنکے اصطلاحی نام سے قلم کو گھن اور عار آتی ہے۔ یعنی ہیجڑا
بھانڈ پھونے والیاں۔ اور شاہ میم ٹیا وغیرہ وغیرہ خدا جانے کون آخور کی بھرتی بن
بلائی احمق کی طرح ضرور آموجود ہوتے ہیں۔ اور اپنا ٹیکس وصول کئے بغیر ہرگز نہیں
ٹلتے۔ کیونکہ عورتیں انکی مکروہ حرکات اور انکے سازوں کی گھما گھمی کو زچہ خانے کے
لوازمات میں سے سمجھتی ہیں۔ مگر جن گھروں کے مرد سمجھدار ہیں وہ اس بلا کو اوپر ہی اوپر
ٹالدیتے ہیں اور عورتوں نیز انکا منتر نہیں چلنے دیتے۔ چند مہینے ہوے حیدر آباد
میں ایک مشہور ہمدرد قوم ممبر کے ہاں فرزند تولد ہوا۔ صبح حسب معمول کوٹھی کا صحن

ان حشرات الارض سے بہرگیا اور اپنے مقررہ حق کا جسکو وہ لوگ نیگ کہتے ہیں۔ طالب ہوا روشن دماغ صاحب خانہ نے کہلا بھیجا کہ بھائی میرے ہاں مرد پیدا ہوا ہے۔ لہذا اُسکے تولد کی خوشی میں شریک ہونے اور اُس سے کوئی حق بھائی چارہ وصول کرنے کے وہی مستحق ہیں جو مرد ہیں۔ اور جنکو میں ضرور دونگا نہ تم اُسکے بھائی نہیں تمکو دوں۔ بیچارا سامنہ لیکر چلے گئے۔ حیدرو قوم بزرگ کی صاحب خانہ بھی انہی کی ہم خیال تہیں کس مزے سے [illegible] روپیہ بیجا لغت میں جانے سے بچگیا۔ سب بیویوں کو انہی کی تقلید کرنی چاہیئے اگر کچھ نہیں ہوتا تو خالی بیٹھے بیٹھے گڑیوں اور پلیوں ہی کی شادی کی سوجھتی ہے حیدرآباد میں اسکا بہت زور ہے۔ سیکڑوں بلکہ ہزاروں روپے اس مصنوعی شادی میں اُٹھ جاتے ہیں۔ کیا مجال کہ آدمیوں کی شادی میں بال برابر فرق رہجائے۔ پنکھے سے سکھ تک سارا جہیز وہی۔ کاٹ کی رنگ آمیزی بڑے بڑے ہاتہی۔ گھوڑے میانے۔ زیور۔ کپڑا۔ سب من وعن۔ اور پہر رسم تو چھوڑنے کی چیز ہی نہیں۔ چھوٹی چھوٹی سب ہی ادا ہوتی ہیں۔ اور چھوٹی لڑکیاں بہت مزے سے اپنی والدہ کی اس برباد کن تعلیم سے متاثر ہوکر تمام رسموں میں طاق ہوجاتی ہیں۔ لطف یہ ہے کہ آدمیوں کی شادی میں جسطرح دلہن کی ماں کے رونے کا دستور ہے۔ یہ مصنوعی دلہن کی انا بھی دلوں پہلے اُسی طرح چلوؤں روتی ہیں۔ کئی کئی وقت کہانا نہیں کہاتیں۔ لاحول ولا قوۃ ہنسی بھی آتی ہے اور غصہ بھی۔ کیا ٹھیک ہے ایسی قوم کا جسکا مشرب یہ ہو

مراہست بطر از طوفاں چہ باک!

کاش اسوقت کوئی اُنکو غریب قوم کی دردناک حالت کا سمجھا نیوالا ہو کہ تم جنکے گڑیوں کی اتنی الله آمین منا رہی ہو۔ اور تمہاری بہنیں جو تمہاری ہی طرح جان رکھتی ہیں۔ بے تعلیمی کے ہاتھوں زندہ درگور ہو رہی ہیں۔

ان تمام بیہودہ اشغال کا روپیہ بے کم وکاست تعلیم نسواں میں دینا چاہیئے۔

میری یہ تمام بکواس سنکر، جو کسیقدر طویل ہوگئی ہے۔ غالباً ہماری بہنیں کہینگی کہ
- ودلی بیوی! مصالحہ کے کپڑے چھوڑ دو۔ زیور نہ پہنو۔ شادی بیاہ۔ گانے بجانے
اور سیر تماشے کے شغلوں سے دل نہ بہلاؤ۔ تو پہر آخر کرو کیا!! یقیناً ہم میں سے زندہ دلی
کہو کر ہماری زندگی افریقہ کے ریگستانوں کی طرح بنجر ویران کرنیکی صلاح دیتی ہے
معززہ بہنو! واضح ہو کہ اگر انہی باتوں کو ہم زندہ دلی سمجھے ہوئے ہیں۔ تو گویا ہم زندہ
دلی کے معنوں میں غلطی کر رہے ہیں۔

زندہ دلی نام ہے زمانے کی ضرورت کو سمجھنے اور اُسپر عمل کرنے میں پیشقدمی کرنیکا
بے مصرف اور فضول مشغلوں سے منہ موڑ کر ہر مفید تحریک کے قبول کرنے اور مفید
کام پر آمادہ ہوجانے کا۔ پائدار اور ہمیشہ قایم رہنے والے کاموں میں حصہ لیکر
حیات جاوید حاصل کرنیکا۔ یہی وہ حیات جاوید ہے جسکے لئے جسکے لئے حافظ شیرازی
فرماتے ہیں۔ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعلم
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

غالباً اب ہماری بہنیں سمجھ گئی ہونگی کہ زندہ دلی کی شان کیا ہے!!

خاکسار

بنت نصیر الدین حیدر

ہماری افسوسناک حالت

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔ ناظرین خاتونوں کے لئے بڑی مسرت کا موقعہ ہے کہ آج
انکی محفلِ خیالات میں ایک ہندو بائی صاحبہ بھی تشریف لاکر باہمی ملاقات اور گفتگو میں شریک

ہوتی ہیں ! انکے خیالات بھی اپنی ہمجنس ہندو مستورات کی تعلیمی حالت کی طرف سے
ویسے ہی دردمند نہیں جیسے کہ ہماری معزز نامہ نگار مسلمان خاتونوں کے، بلکہ
بہت زیادہ فریاد کا رنگ لئے ہوئے۔ خاتونوں کو چاہئے کہ ایسے ہمجنس و ہمرنگ
مہان کی بہت خاطر و تواضع کریں انکی شکایت کو سنیں اور انکی دلجوئی کے لئے خوشخبری
سنائیں کہ شاید آپ کو معلوم نہو گا کہ آج جتنے اسکول آپ کی ہم قوم لڑکیوں کے لئے
ہندوستان کے ہر شہر میں کھلے ہوئے ہیں، جتنی لڑکیاں اُن میں تعلیم پاتی ہیں، امتحانات
پاس کرتی ہیں یہانتک کہ یونیورسٹی کی فضیلت کی ڈگریاں حاصل کرتی ہیں، مسلمانوں
میں کہیں اِن باتوں کا پتہ بھی نہیں۔ گوالیار، جے پور، میسور، ٹراونکور، بڑودہ، کوٹہ
اور بہت سی ہندو ریاستوں میں لڑکیوں کی تعلیم پر خاص توجہ کیجا رہی ہے حیدر آباد
کی لڑکیوں کے اسکولوں سے بھی مسلمانوں کو تو توفیق نہیں، ہندو ہی لڑکیاں فائدہ
اُٹھا رہی ہیں۔ صوبجات آگرہ و اودہ اور پنجاب میں جتنے سرکاری غیر سرکاری اور
مشنری اسکول لڑکیوں کے لئے ہیں اُن میں بھی ہندو لڑکیاں پڑھتی ہیں بنگالی اور مدراسی
ہندو بہنوں میں تو اعلیٰ تعلیم ایک معمولی بات ہو گئی ہے اور ایسی ایسی لایق و فایق ہندو
لیڈیاں موجود ہیں جو انڈین لیڈیز میگزین میں انگریزی مضامین لکھتی ہیں اُس رسالہ
کی ایڈیٹر بھی ایک مدراسی ہندو لیڈی ہیں جو ایم اے کا درجہ فضیلت حاصل کر چکی
ہیں۔ اسپر بھی تعلیم نسواں میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہے یہ تو مسلمان ہی بدنصیب
ہیں جنکو اسطرح رو رو کر جھنجوڑنے، جگانے اور غل مچا کر اُٹھانے کی ضرورت ہے،
ہماری عین تمنا ہے کہ خاتون کے مضامین عام دلچسپی کے ہوا کریں اور شریف ہندو
لیڈیوں کی خاص دلچسپی کے مضامین بھی لکھے جایا کریں،، ملکہ دمینتی کی سرگزشت،،
لکھکر ہمنے خود ایسے مضامین کا سلسلہ قایم کرنا چاہا اور ڈاکٹر تیج بہادر سپرو
اما شنکر صاحب فنا اور دیگر اہل قلم حضرات ہنود سے استدعا کی کہ وہ ہماری مدد کریں

سُن پڑا ہے جس میں تعلیم کا نام نہیں، دماغ ہی کام کا نہیں تو بُرائی بھلائی سوچنے سمجھنے کی طاقت کہاں سے ہو ہاں اپنے ایشور سے دعا مانگ سکتے ہیں کہ وہ ہم بے زبانوں کی خبر لے۔ یہ کیا ظلم ہے کہ فرنگیوں میں تو تعلیم اور ترقی تھی ہی اور قومیں بھی ترقی کر رہی ہیں مگر آخر ہم غریبوں نے کیا خطا کی جو اب تک اُسی حالت میں پڑے ہیں۔ جیسے ہم ویسے اور، جو ہاتھ پاؤں ناک کان دل و دماغ اُنکے وہ ہمارے، کوئی انصاف کی بات نہیں کہ یورپین لیڈیاں ترقی اور تعلیم کے ایسے اعلیٰ درجہ پر ہوں اور ہم ابھی جہالت کے اندھیرے ہی میں پڑی ہوئے ہیں، کوئی بات نہیں پوچھتا، اُنکی قدر کی وجہ تعلیم سے مزیّن ہونا ہے اور جب وہ تعلیم یافتہ ہیں تو کیوں اُنکی ایسی قدر نہو ؟

مینے بہت سے خاتون کے نمبر دیکھے ہیں لیکن کوئی ایسا مضمون نظر نہیں آیا جو ہم ہندو مستورات کے متعلق ہوتا گو دوسرے مضامین سے بھی ہم فائدہ اُٹھا سکتی ہیں لیکن اگر ایک آدھ مضمون ہندوؤں کی طرز معاشرت اور ہم مستورات کی اصلاح پر ہوا کرے تو اس سے دو چند فائدہ ہو ایک تو یہ کہ پرچہ خاتون ہم لوگوں میں زیادہ مقبول اور مروج ہوجائے اور اس کی ہم لوگوں میں زیادہ قدر ہو دوسرے یہ کہ بہ نسبت موجودہ حالت کے اس کا فائدہ اور زیادہ ہو اور یہ پرچہ ہندو اور مسلمان مستورات میں ذریعۂ اتحاد اور تبادلۂ خیالات کا ہو جائے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اب تک جو خاص ہندوؤں کے متعلق مضامین پرچے میں نظر نہیں آتے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی ہماری ہندو بہنیں نہیں ہیں جو مضامین لکھ سکیں افسوس ہے۔ ہماری تعلیم کے لئے بھی ضرور کوشش کرنی واجب ہے کیونکہ بے علم زندگی کس کام کی ؎

خاک ایسی زندگی پر یہ نہیں تو ہم نہیں

اِس حالت میں ہمکو کوئی خوشی میسر نہیں آتی اور میں دیکھتی ہوں کہ ہماری جتنی ہندو بہنیں ہیں سب کی یہی حالت ہے اتنی ہی نہیں کہ جتنی اُنکی مسلمان بہنیں ہیں۔ اور وہ خاتون کی

ذریعے سے اپنا خیال تو ظاہر کر لیتی ہیں۔ اس حالت کو دیکھکر میں بہت رنجیدہ ہوتی ہوں
اور اپنی ہمجنس و ہم مذہب مستورات کی حالت کی طرف سے بالکل بے پروائی دیکھکر
اکثر مایوس ہو کر آیندہ کے لئے بھی کوئی امید نہیں کر سکتی بلکہ اسبارے میں اپنے خیالات
کے اظہار کو بھی فضول سمجھتی ہوں۔ کیونکہ جس بات کا کچھ حاصل نہو اسکے لکھنے سے اور
رونا رونے سے کیا نتیجہ ہے۔ اب بس میں اسکو ختم کرتی ہوں۔ یہ پہلی ہی دفعہ ہے کہ میں
جرأت و ہمت کر کے کچھ لکھا ہے اگر کچھ بیجا ہو اور غلطی ہو تو ناظرین معاف کریں۔ فقط

ایل ڈی تابی
از حیدرآباد دکن

۵ تعلیم نسوان کے بُرے یا بھلے نتیجے
(بسلسلۂ سابق)

تعلیم نسوانکے نہ ماننے والوں کی جناب سرور دیہ بیگم صاحبہ نے اچھی خبر لی ہے
کہ ہر گز گشت دات ہی کرتی چلی جاتی ہیں واقعی کچھ لوگ اس عذر کے بھی ہونگے جن
کے وہم میں تعلیم سے لڑکیاں بُری ہو جاتی ہیں" اسکا جواب جسقدر بیگم صاحبہ نے
دیا اگرچہ کافی ہے لیکن ہم اس عذر کو باور نہیں کر سکتے کیونکہ صحیح تعلیم کا نتیجہ ہماری
رائے میں مضر ہو ہی نہیں سکتا بفرض محال اگر ممکن ہے تو مستورات کے لئے اعلیٰ
سے اعلےٰ تعلیم کا بندوبست کرو اس راہ میں جو شکایت نظر آتی ہو تعلیم کے ہی ذریعہ
سے اسکو رفع کرو اگر تمہاری رائے میں عورتوں کو جاہل رکھنا اُسکا علاج ہے تو
عقل تمہاری رہنمائی کرے، تعلیم اُس سے بہتر اور بدرجہا احسن علاج ہے" کیا تم برائیوں کے
مٹانے میں علم کو جہالت سے بھی گیا گذرا سمجھتے ہو؟ اڈیٹر۔

کیسے افسوس اور دل جلنے کی بات ہے کہ اب بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو کچھ تو
تعصب سے اور کچھ مدتوں کی بندھی ہوئی رسموں میں تبدیلی اور نئی بات کو (خواہ کیسی ہی
ترقی کے لئے کیوں نہو) فتنہ پردازی میں داخل سمجھکر تعلیم نسواں کی مخالفت دل سے
کرتے ہیں اگر خدا اور رسول کے احکام کی رو سے اور بزرگوں کی سند اور مثال سے قائل
کرو تو کہتے ہیں کہ تمہاری منطق ہزار سچی سہی لیکن جو زمانہ کا رنگ ڈھنگ اب دیکھنے میں
آتا ہے اس کے لحاظ سے لڑکیونکو تعلیم دینی مناسب نہیں یہ کہکر اپنے دعوے کی
دلیل میں دو چار نیم تعلیم یافتہ لڑکیوں کے نام لیے دیتے ہیں کہ یہ دیکھو ان لوگوں نے اپنے
گھروں کی کیا گت بنائی ہے گھر کے کام کاج کرنا جو مستورات کا زیور ہے اس میں
اپنی کسر شان سمجھتی ہیں بزرگونکی اطاعت میں بے پروا ہیں بلکہ پرانی بیویوں کو احمق جانتی
ہیں خودداری، خودپسندی، خودنمائی ان لوگوں کی عادتیں ہیں، انکو تو قلم دوات سے
سروکار ہے ہانڈی چولہے کو جانتی ہی نہیں روشنائی سے چاہے ہاتھ اور منہ ہی
کالا ہو جاے لیکن اگر ناخنوں میں ہلدی کی جھلک بھی نظر آ جائے تو غضب ہے، بعض
اعتراض انکے کسی حد تک سچ بھی ہیں مگر دو ایک کو دیکھکر سب کے اوپر کیونکر حکم لگا سکتے
ہیں یہ کوئی عقل کا قاعدہ نہیں . معترضونکو اول دریافت کرنا چاہئے کہ علم کس کو کہتے ہیں؟
اخبار کا ایک آدہ ورق ہاتھ میں ہونا، یا سرہانے کسی لچر سے ناول کا پڑا رہنا، یا کسی شعر
پر واہ واہ کر دینا یہ باتیں علم کی پہچان نہیں ہیں- انگریزی میں ایک مثل ہے کہ تھوڑا علم بڑا
خوفناک ہوتا ہے،، شدہ بدہ جانکر کوئی کمظرف اترا اٹھے تو تمام فرقۂ نسواں اسکا ذمہ دار
نہیں ہو سکتا- انگریزی عالموں نے علم کو شراب سے تشبیہ دی ہے جیسے تھوڑی
سی شراب پی کر آدمی بالکل بیہوش نہیں ہوتا بلکہ شور و شر مچاتا پھرتا ہے اسی طرح
تھوڑا سا علم بھی بہت فساد لاتا ہے مثل مشہور ہے کہ نیم حکیم خطرۂ جان نیم ملا خطرۂ ایمان
سو سچ ہے لیکن بہت سی شراب پی کر آدمی اپنے قبضے کا نہیں رہتا شور و شر مچانے

کی سکت جاتی رہتی ہے اسی طرح عالم کا دل ہر وقت اپنے علم کے نشے میں چور رہتا ہے
شر اور فساد اُس کی طبیعت سے یونہی بھاگتے ہیں جیسے نور سے ظلمت - ادھ کچری تعلیم
کی بُرائی کو علم کے سر تھوپنا اُس پاک رحمت الٰہی پر سیاہ دھبا لگانا ہے علم وہ شے
ہے کہ بغیر اُسکے آدمی آدمی نہیں جب اُسکو حاصل کر لیتا ہے تو انسانیت نصیب ہوتی
ہے علم نا اہل کو انسان بنا دیتا ہے اگر کسی کو پورے علم کے ساتھ بھی آپنے بھٹکا ہوا
پایا تو یہ علم کا قصور نہیں بلکہ خود اُس کی کم مائگی پر اسکا الزام ہے اللہ نے سب آدمیوں کو
ایک سا نہیں پیدا کیا سب کا خمیر اور سب کی سرشت جدا جدا ہے کسی کی طینت میں بُرائی
بسی ہوئی ہے کسی کی سرشت میں نیکی کا جوہر کوٹ کوٹ کر بھرا ہے - جسکو چاہا سوڈول
بنایا جس کو چاہا ٹیڑھا بڑنگا چھوڑ دیا چنانچہ قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ "ولقد خلقکم
اطوارا[1]" پس جیسی جیسی طبیعت ہے ویسا ہی علم کا اُسپر اثر بھی ہوتا ہے بلکہ حقیقت
یہ ہے کہ علم ابر نیساں ہے کہیں اُس سے آبدار موتی پیدا ہوتے ہیں کہیں کیڑے مکوڑے
نکل آتے ہیں - اچھے بیج کا پھلنا پھولنا زمین کی طبیعت اور خاصیت پر منحصر ہے -
چنانچہ شیخ سعدی نے فرمایا ہے کہ ؎

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

پھر بھی اتنا اثر تو علم کا ضرور ہوتا ہے کہ اگر نیک آدمی کی طینت کے آئینے کو جِلا دیتا ہے
تو بد طینت کے لوہے سے بھی زنگ دور کرنے کی کوشش کرتا ہے علم کیا ہے جہالت کے
مرض کی دوا ہے - اپنا اثر کرتی ہے عارضہ کم زور ہوا اور طبیعت موافق پائی تو شفا ہو گئی
اگر مرض سخت ہے تو اگرچہ پورا اثر تو نہیں ہو گا جب بھی کچھ نہ کچھ روک تھام مرض کی زیادتی
کی ضرور ہو جائیگی - اور کیا عجب کہ دوا جاری رہے تو مرض کو جڑ سے اکھیڑ کر بھی پھینک دے

[1] تمکو طرح طرح کا پیدا کیا ہے۔

تعلیم نسواں کے مخالف جن باتوں پر تعلیم یافتہ لڑکیوں کو نام دہرتے ہیں کیا وہ نام دہرنے کی باتیں اَن پڑہ لڑکیوں میں نہیں ہوتیں؟ ہوتی ہیں اور بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ کیا ہمیشہ جاہل بیویوں کی اپنے شوہروں سے بدوماغی سسرال والوں سے بدمزاجی۔ خانہ داری میں پہوڑپن۔ اور بچوں کی پرورش میں غفلت کی شکایتیں سننے میں نہیں آتی رہتیں؟ کیا فضول رسموں اور خواہ نخواہ تقریبوں میں روپیہ برباد کرنے اور زیور اور کپڑو نکے جھگڑے سے آئے دن مردشا کی نہیں رہتے؟ اور کیا ان شکایتوں کو دور کرنیکا علاج علم کو سمجھنا غلط ہے؟ تعلیم یافتہ بی بی خواہ کیسی ہی طبیعت کی ہو مگر ذلیل اور بے مصرف باتوں کے پاس بہی نہ جائیگی اور وہ عقل اور فہم جس پر علم کی شعاع پڑی ہو ضرور اپنی چمک دکہائیگی۔

کئی سال ہوئے ایک اخبار میں دیکھنے کا اتفاق ہوا تہا کہ "مردم شماری سے معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان میں تقریباً دس کروڑ عورتیں بیکار بیٹھی ہوئی ہیں" جنکو بجز پان چبانے اور لڑنے جھگڑنے کے غالباً کچھ کام نہیں۔ کاش کہ وہ عورتیں کچھ لکھی پڑہی ہوتیں تو ہماری قوم کو اُن کی ذات سے کسقدر فائدہ پہنچتا۔ کسی اخبار میں ایک دواساز ڈاکٹر کا قول یہ بہی دیکہا تہا کہ زہرخورانی خودکشی، بچہ کشی اور دیگر جرایم کبیرہ کے ارتکاب میں اکثر جاہل عورتوں کی تعداد زیادہ ہے۔ جہالت کی برائیاں جتانا میرا کام نہیں ہے۔ یہ حق بڑے بڑے مصنفوں نے ادا کیا ہے یہ ایک ایسا مسلم الثبوت مسئلہ ہے کہ جسکے حق میں کہہ سکتے ہیں کہ ہر کہ شک آرد کافر گردد۔ مگر صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ آجکل تہذیب میں ہر طرف جیسی ترقی ہورہی ہے۔ اور قومی عروج کا انحصار اور دارومدار علم وصنع پر ہوتا جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تعلیم نسواں بہت جلد ایک امر لازمی ہوجائیگی۔ مگر حسرت ہے تو یہ ہے کہ ہم ضرورت وقت کو خیال کرکے وقت پر کسی جدید کام کے کرنے میں قدم نہیں اُٹھاتے۔ بلکہ جب وقت ہاتھ سے

نکل جاتا ہے اور اپنی غفلت کے نتیجے سے اپنی کوتاہ بینی کے قائل ہوتے ہیں تو مجبور
ہوکر اسکا قصد کرتے ہیں۔ مگر اسوقت ہماری کوشش رائگاں ہوتی ہے اور ترقی کی دوڑ
میں دوسری قوموں سے اسقدر پیچھے رہجاتے ہیں کہ اس ناوقت کی سعی سے ہماری
حالت جیسی پیشتر تھی ویسی ہی رہتی ہے۔ مغربی علوم کے سیکھنے میں جو اولاً ہماری
قوم نے سستی کی اور جب بازی شروع ہوگئی تو اس طرف متوجہ ہوئی ہماری قولوں کی
تصدیق کے لئے یہ کافی ثبوت ہے۔ اگر اب بھی ہم زمانہ کی روش کے موافق نہ چلیے تو
پھر پچھتاوا لاحاصل ہوگا۔ ؎ مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلۂ خود باید زد۔
تعلیم نسواں کی تائید میں ہر ہر پہلو سے بحث کی گئی جو اسپر بھی کوئی اس کی ضرورت
اور خوبیوں کا قائل نہو تو یہ علم کا قصور نہیں ہے۔ بلکہ مخالفوں کی کج طینتی کا۔ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

وسواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لایومنون[1]۔

سہروردیہ

سلیقہ

صفائی کے عنوان سے جناب سکندر جہاں بیگم صاحبہ کے مضامین پچھلے نمبروں
میں شائع ہوچکے ہیں اور دہلی لکھنؤ اور انکے تابع رسوم وفیشن مقامات کو خاص
توجہ کے لائق ہیں۔ لیکن صفائی بغیر سلیقے کے نہیں آسکتی اور اسکے سکھانیکا
سب سے اچھا سلیقہ یہی ہے کہ کسی مکان، سلیقے کی کہاں کی سیر کرادیجائے۔

---

[1] انہیں تو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، وہ بھلا کب ماننے والے ہیں۔

اشرف بیگم۔ سادی وضع کے کیسے کپڑے تھے؟

بہاوج۔ یہی دونوں چھوٹی لڑکیوں کے توچکن کے جھولدار، آستینوں میں بھی جھول تھا کرتے تھے نیفے کے گریبان تھے گریبان میں بلیں لگی ہوئی تھیں نیفے میں ریشمی دورنگ سے بنا ہوا ڈورا، ڈورے سے دونوں سرونبر پھندے بندھے ہوئے تھے، وہ کرتے خوبصورت معلوم ہوتے تھے اور بڑی لڑکی کا چکن کا کرتا، گلے میں کالر، کالر کے نیچے چوڑی بیل جھولدار ٹکی ہوئی تھی، گھیردار آستینوں میں پلیٹ بنی ہوئی تھی۔ بٹنو کے بیچ میں گلابی مخمل کے پھول ہاتھ کے کٹے ہوئے، ٹکے تھے، دوسرا کرتا نہایت خوش وضع معلوم ہوتا تھا اور لڑکے کے قمیص اور ڈھیلی مہری کا پاجامہ جیسا آجکل رواج ہے لیکن انکی چھوٹی لڑکیوں کے بھی سفید ڈھیلی موری کے پاجامے تھے۔ کرتے سب کے نیچے نیچے ڈھیلے ڈھیلے تھے، بڑی لڑکی اور لڑکا تو ننگے سر تھے ہاں بڑی لڑکی کے ایک فیتہ، اسپر بھی گلاب کے پھول ٹکے ہوئے، سرپر بندھا تھا تاکہ بال منہ پر نہ آسکیں۔

اشرف بیگم۔ مینڈھیاں کیوں نہیں گوندھیں؟

بہاوج۔ واقعی مینڈھیاں تو بری معلوم ہوتی ہیں بنتے سے شام تک سر صاف رہا اور صورت بھولی بھولی معلوم ہوتی تھی۔ چھوٹی لڑکیوں کی ٹوپیاں ایسی ایسی خوبصورت ٹکی ہوئی تھیں، پھول پتہ منقش بھی لگا ہوا تھا اگرچہ لکھنؤ رام پور میں منقش کی طرح طرح کی ٹکنیں ٹکتی ہیں لیکن ایسی خوبصورتی اور وضعداری نہیں پائی جاتی اُن ٹوپیوں پر رنگ برنگ کے ریشمی کپڑے کے پھول پتے کٹے ہوئے ٹکے تھے۔

اشرف بیگم۔ انوری بیگم کس لباس میں تھیں؟

بہاوج - نین سکھ کا ڈہیلے پائنچوں کا پاجامہ ہلکا رنگا ہوا تہا اُس کی گوٹ میں کٹری پلیٹیں بنی ہوئی تہیں -

اشرف بیگم - کٹری پلیٹیں کیسی بنی تہیں ؟

بہاوج - جیسے ہم لوگ گوٹ کے سامنے بناتے ہیں اُنہوں نے نین سکھ کی پٹی لیکر یوں ╫╫ اور پلیٹیں جالنے کو و بخیئے کر دیے تہے پہر پاجامے پر گوٹ بہاوجی گوٹ خوش وضع نئی کہتی تہیں کہ گیارہ دن میں ایک پاجامہ کی گوٹ موڑی تہی پیک سیاہ بانٹی ہوئی تہی چکن کی انگریزی قطع کی جاکٹ تہی شبنم کا کامدانی کا دوپٹہ تہا اتہہ کا بنایا ہوا ، مخمل کے پہولوں کا فیتہ ٹکا ہوا تہا -

اشرف بیگم - بہابی جان مخمل کے پہول کیونکر کاٹے تہے ؟

بہاوج - بہن وہ کہتی تہیں کہ ایک ٹکڑے میں کاٹی ہیں یہ بہی کہا تہا کہ آپکو بتادونگی پہر کچہہ موقع نہ ملا ایکدن حسینی کو بہیجکر ایک پہول منگواؤنگی تم بہی دیکہنا پاؤں میں جرابیں سیاہ بوٹ تہا پانچے کُہلے ہوئے تہے -

اشرف بیگم - کچہہ گہنا بہی پہنے ہوئے تہیں ؟

بہاوج - کانوں میں چہوٹی چہوٹی جالیدار بجلیاں تہیں اور پہولوں کی بالیاں پہنے تہیں ہاتہوں میں باریک موتی چور کی چوڑیاں اور گول کڑے پہنے تہیں گلے میں نیکا گلوبند تہا -

اشرف بیگم - اور پاؤں میں ؟

بہاوج - کچہہ نہیں بازو اور پاؤں ننگے تہے جو ماماٗیں آزرداے نے آئیں تہیں اُنہو نے سلام کیا ، نوری بیگم کی بڑی لڑکی نے ایسے اچہے انداز سے سلام کیا کہ میرے دل کو بہایا چہوٹی لڑکیوں کو کہا منجہو بیوی سنجہو بیگم سلام کرو دونوں نے کتنے ہی بہت جہک کر سلام کیا اُن دونوں کو ماما دوسرے کمرے میں لیگئی وہ بڑی

میں۔ اس زمانے میں ماما کا اتنے عرصے رہنا تعجب کی بات ہے۔
انوری بیگم۔ امراؤ کامی بیشک ہے لیکن ابتک میری مرضی نہیں پہچانتی زبان کی بد
میں ہی کر رہی ہوں جو پڑی ہے۔
میں۔ لیکن آپنے سدا خوب لیاہے میں تو اُسوقت سے دیکھہ رہی ہوں لڑکی کو گود
میں لئے لئے پیر رہی ہے۔
امراؤ آئی۔ بیوی چلو کہانا تیار ہے۔
انوری بیگم۔ بڑی لڑکی کو آواز دیکر۔ چھوٹی بیگم۔ یہاں آؤ بیوی۔ (لڑکی آگئی) بیوی چچی
پاس بیٹھو میں تمہارے پاپا کو کہانا بہیجوں۔
میں۔ اپنی طرف لڑکی کو بٹھاکر۔ تمہارا نام کیا ہے ؟
لڑکی۔ محمود جہاں۔
میں۔ کونسا سیپارہ پڑہتی ہو۔
لڑکی۔ سب قرآن شریف ختم کرلیا۔
مجھے ایسا تعجب ہوا۔ ہمارے ہاں بارہ بارہ چودہ چودہ برس کی عمر میں لڑکیوں نے
ختم کئے بلقیس کو تو کوئی پندرہواں برس ہوگا اپنی لڑکی کی طرف اشارہ کرکے)
سعیدہ کو دیکھو خیر سے گیارہواں برس شروع ہوگیا ابھی چھٹا سپارہ ہے پھر
مینے پوچھا اب کیا پڑہتی ہو؟
لڑکی۔ فارسی کی پہلی اور انگریزی کا پہلا ریڈر، حساب،۔
میں۔ اور لکھتی بھی ہو۔
لڑکی۔ ہاں تختی لکھتی ہوں۔
میں۔ کون پڑہاتا ہے
لڑکی۔ میر صاحب لکھواتے ہیں انگریزی پاپا پڑہاتے ہیں۔

میں۔ گڑیاں بھی تمہارے پاس ہیں۔
لڑکی۔ ہاں بہت سی ہیں۔
میں۔ کہاں ہیں۔؟ یہاں۔
لڑکی۔ ہاں اُس کمرے میں گڑیوں کا گھر ہے گڑیاں صندوق میں رکھی ہیں۔
میں۔ اے ہے بی تم گڑیوں کو صندوق میں بند کر دیتی ہو!
لڑکی (مسکرا کر) انّا (اپنی خالہ کو کہتی ہے) کہتی ہیں محمود دُلہن کو روز روز نکالنے سے میلی ہو جائیگی اسلئے عید کو نکالی تھیں جب اُس کی سالگرہ کی تھی جب نکالی تھی۔
میں۔ گڑیا کی سالگرہ بھی کرتی ہو؟
لڑکی۔ ہاں۔
میں۔ سالگرہ میں کیا ہوا تھا۔
لڑکی۔ بیوی نے کھانا پکوا دیا تھا اور ٹکیاں منگوا دیں تھیں سب گڑیوں کو ایکروز پہلے چھوٹے چھوٹے خط بلاوے کے بھیجے۔ منجھو بیوی نجھو بیگم نے اچھے کپڑے پہنے تھے محمود دلہن کو نئے کپڑے پہنائے تھے سب گڑیوں کے سامنے کھانا رکھا تھا۔ امراؤ، نصیبا، مریم، انّا نے گیت گائے انکو انعام دیا تھا۔
میں۔ مجھے بھی محمود دلہن کو دکھاؤ گی؟
لڑکی۔ وہاں چلئے۔
میں۔ اچھا محمود دُلہن کے کپڑے ہی دکھاؤ۔
لڑکی۔ (گڑیا کے کپڑے لائی) انکا دوپٹہ مینے بھرا اور ٹانکا بھی تھا۔
میں۔ اور پاجامہ۔؟
لڑکی۔ پاجامہ بیوی نے ٹانک دیا تھا۔ مینے سیا تھا۔

میں۔ تمنے کیوں نہیں ٹانکا ؟
لڑکی۔ (ذرا چپ ہوکر) مجھے تو ستارے ٹانکنے آتے ہیں اور دھنک کی لہریائی آتی ہے یہ گوکھرو ٹکا ہے۔
میں۔ اور جاکٹ کس نے سی ہے۔
لڑکی۔ (چھوٹی خالہ کی طرف اشارہ) کئی جاکٹیں آلہ بیوی نے بھیجی ہیں یہ بھی بھیجی تی۔
اتنے میں انوری بیگم آگئیں۔ چلیے کھانا کھا لیجئے۔
میں۔ بوا تمہاری لڑکی سے باتیں کرکے میرا دل بہت خوش ہوا۔
انوری بیگم۔ جی ہاں۔ کیا باتیں کیں۔
میں۔ گڑیوں کی سالگرہ کا ذکر تھا۔
انوری بیگم۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی شغل ایسا ہی رہتا ہے۔ کسی کی بسم اللہ کسی کا روزہ گھر میں کسی کی دعوت ہوتی ہے تو گڑیوں کی ضرور ہوتی ہے۔ برتنوں کے ساتھ برتن نکلتے ہیں چھوٹی چھوٹی چیزوں کی بڑی تلاش رہتی ہے۔ یہ باتیں کرتے ہوئے بائیں طرف کھانے کے کمرے میں لے گئیں۔
اشرف بیگم۔ بھابی جان آپ گھر کا حال بیان کرتی تھیں۔
بھاوج۔ بوا کھانے کے کمرے میں رنگین جاجم بچھی تھی بیچ میں سفید لمبا دسترخوان بچھا ہوا تھا دسترخوان کے بیچ میں کھانے کے ڈونگے چنے ہوئے تھے ہر ایک ڈونگے کے دونوں طرف بڑے چمچے رکھے تھے تاکہ دونوں طرف کے بیٹھنے والے اپنے اپنے چمچوں سے کھانا لے سکیں دسترخوان کے اوپر ایک ایک بڑی رکابی ایک ایک چھوٹی رکابی دو دو چمچے ایک منجھولا، ایک چھوٹا رکھے ہوئے تھے دسترخوان کے دونوں طرف چھ آدمیوں کے برتن لگے ہوئے تھے۔

اشرف بیگم - چہہ کون تھے؟

بہاوج - چاروں بچے انوری بیگم اور میں - اوپر کی طرف مجھے بٹھایا میرے پاس آپ بیٹھیں اپنے پاس لڑکے کو دوسری طرف تینوں لڑکیاں بٹھیں - پہلے کھانا میرے سامنے نکالا لڑکے کو دیا آپ لیا دوسری طرف بڑی لڑکی نے ایسا ہی کیا پہلے دونوں چھوٹی بہنوں کو کھانا دیا پہر آپ لیا کھانا کھانے سے پہلے سب بچوں کے لئے کے رومال، کچہہ اسطرح سے سیئے ہوئے ہیں کہ اُنکے گلے میں باندہ دیئے تاکہ اگر سالن چانول گرے تو اُسی پر رہتا رہے کپڑے خراب نہوں

(باقی آیندہ)

بیوقوفی کا علاج

(اکثر ڈے تعویزدں میں جہان عزیز)

سرسید کے گھرانے سے جب کوئی مضمون خاتون میں درج ہونے کے لئے وصول ہوتا ہے تو ہمیں خاص خوشی ہوتی ہے چنانچہ دسمبر گذشتہ کے پرچے میں عالیجناب محمود بیگم صاحبہ کے خیالات بعنوان "انقلاب" ہم نہایت فخر کے ساتھ شائع کر چکے ہیں - اس سلسلہ میں دوسرا نمبر ذیل کا مضمون ہے - سید محمد علی صاحب سیشن جج مرزاپور کی صاحبزادی صاحبہ زہرا محمدی بیگم نے لکھا ہے اور خاصہ لکھا ہے دو چھوٹی لڑکیوں کے چھوٹے سے قصے ہیں، عالیہ بیگم کے خیالات کیسے پسندیدہ ہیں کہ ذکیہ بیگم کو آخر میں کوئی جواب ہی نہیں بن پڑتا - اس میں ذرا سا ہی جھوٹ نہیں کہ ایسے اچھے خیالات کی لڑکی خورس محمد علی ہیں جو قصے میں جھوٹ موٹ کی عالیہ بیگم بنگئی ہیں - !

اڈیٹر

ذکیہ۔ آہ بہن کچھ نہ پوچھو۔ اماں جان کا پرسوں خط آیا جس میں اُنہوں نے لکھا ہے:
آج صبح سات بجے رضیہ کا انتقال ہوا۔
یہ کہہ دونوں ملکر رونے لگیں۔ بیگم صاحبہ رونے کی آواز سنکر دالان میں سے
نکل سہ دری میں آئیں۔
اے ہے لڑکیو کیا ہوا۔ میں نہ کہتی تھی کہ ضرور کچھ بات ہے۔ جو آج اُداس ہو رہی
تو ہے۔ ذکیہ اُٹھکے بیگم صاحبہ کے گلے سے چمٹ گئی اور رونے لگی۔
بیگم صاحبہ۔ (سر پر ہاتھ پھیر کر) لڑکی میٹھو دل سنبھالو۔ منہ دھوؤ خدا مالک ہے
صبر کرو۔ کیا ماجرا ہے اور مڑکر اری بختاور (ماما کا نام) چلمچی اور آفتابہ[1] تولا۔
چھوٹی بیوی منہ ہاتھ دھوئینگی۔
۔ چلمچی اور آفتابہ لائی۔ اور کہنے لگی۔
ماما۔ چھوٹی بیوی منہ دھولو۔ پانی لے آئی ہوں۔
ذکیہ منہ دھو پونچھ کر آبیٹھیں اور تینوں میں گفتگو شروع ہوئی۔
ذکیہ۔ خالہ اماں کیا کہوں کل اماں کا خط آیا کہ رضیہ مرگئی جسقدر مجھکو اُس سے محبت
تھی کسی اور بہن سے نہ تھی افسوس وہی مرگئی۔
اب مینے پھوپی جان سے کہا ہے کہ مجھکو اماں کے پاس پہنچا دیجئے۔ اُنہوں
نے کہا اچھا پانچ چھہ دن بعد تمہارے پھوپا کو چھٹیاں ہیں وہ جاکر پہنچا آئینگے
خالہ اماں میرا تو دل چاہتا تھا کہ اسیوقت چلی جاؤں جب اماں کا خط آیا تھا لیکن
پھوپی جان نے کہا کہ کوئی پہنچانیوالا نہیں ہے۔
صرف پانچ چھہ دن باقی ہیں۔ تو مینے کہا چلوں اپنی بہن کے پاس رہ آؤں
اُنکا بھی دل بہلے گا اور میرا بھی غم غلط ہوگا۔

[1] آفتابہ۔

بیگم صاحبہ۔ اے ہے کیسی خوبصورت بچی تہی۔ کیا ہوا تہا۔ تمہاری ماں سنے تو بیماری تک کی بہی خبر نہ کی۔ خیر خدا صبر دے۔

ذکیہ۔ اماں جان سنے یہ لکہا تہا کہ مرنیسے دس دن پہلے محلہ میں ایک جگہ بیاہ میں سب گئے تہے رات کوجو آئے تو ڈولی نہ ملی اور گلی میں سے پردہ کرا کر آ گئے گلی میں پیپل کا پیڑ تہا۔ اور اُسکے نیچے سے آنے سایہ ہوگیا تہا۔ بہکتی تہی روسنے لگتی تہی۔ کبہی چپ لیٹ جاتی تہی۔ بخار ہر وقت رہتا تہا۔ بہتیری منت مرادیں تعویز گنڈے جہاڑ پہونک کئے کچہہ فائدہ نہوا آخر کو دس دن کے بعد رخصت ہوئیں۔

عالیہ۔ بہن بخار ہی تو تہا۔ جب تیز بخار ہوتا ہے تو آدمی روتا بہی ہے پکارتا بہی ہے بہکتا بہی ہے بیہوش بہی رہتا ہے۔ لیکن بہن چاہے بُرا مانو چاہے بہلا مانو۔ نہ معلوم خالہ اماں کا مزاج کیسا ہے کہ صرف تعویز گنڈے و پڑہیوڑ دیا جس کی کچہہ اصل ہے اور نہ بنیاد ہے۔ اگر آدمی دعا مانگے تو بہی کارگر ہو۔ لیکن ایسی شرک کے باتوں سے کیا فائدہ۔ گنہگار بہی ہو اور کچہہ فائدہ بہی نہو۔ یہ سب باتیں تو صرف جاہلوں نے بہکانے اور روپیہ کمانیکے واسطے دیا ہیتیں ترکیبیں نکالی ہیں میں تو ان باتوں کی قائل نہیں ہوں اور نہ ہونگی ہماری اماں جان کا بہی ایسا ہی مزاج ہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے جب میں بیمار ہوئی کبہی اپنے گلے میں تعویز نڈالا ہاں جب تک چہوٹی تہی جب کی تو خبر ہی نہیں۔

بیگم صاحبہ۔ (تو یہ کہکر اٹہہ کے چلی گئیں) اے ہے نہی خبر نہیں کہ تو نے ایسی باتیں کہاں سے سیکہی ہیں اور کسنے بتائیں۔ میں تو ان ہی لڑکیوں کو نام رکہتی تہی جو کہ مسوں سے پڑہتی ہیں۔ لیکن یہ خبر نہ تہی کہ تم بہی ایسی باتیں کرنے لگو گی جنکو کہ ایک گہر سے دوسرے گہر جانے نہ دیا۔ یہ جو کچہہ کیا میاں ننہے (بشیر علی یعنی

عالیہ کا بہائی جسنے عالیہ کو پڑہایا) نے کیا۔ نہ وہ پڑہاتے اور نہ بی بی عالیہ آج کو ایسی باتیں کرتیں۔ نہ معلوم آجکل کے لڑکونکو کیا ہوا ہے خود تو پڑہتے ہیں نوکری کے واسطے لڑکیونکو کیا نوکری کرنی ہے۔ دیکہو اسی لئے ہمارے وقتوں میں پڑہانا عیب سمجہتے تہے۔ آجکل تو عیب و ہنر سب ملگیا۔ جو عیب تہا وہ ہنر ہوگیا جو ہنر تہا وہ عیب ہوگیا

بیگم صاحبہ تو نماز پڑہنے گئیں اور یہاں دونوں میں گفتگو شروع ہوئی۔

ذکیہ۔ دیکہو بہن عالیہ واقعی تمنے اسوقت بہت نامناسب باتیں کہی ہیں یہ باتیں ہرگز تمکو زیبا نہیں مسلمان کی بیٹی مسلمان کے ہاں پیدا ہوئیں اسپر ایسی باتیں کرو۔ اگر میں نہیں پڑہی لکہی ہوں تم ماشاء اللہ پڑہی لکہی ہو پہر بہی ایسا نہ کہنا چاہیئے۔

عالیہ۔ بہن چاہے تم برا مانو یا نہ مانو۔ میں تو کبہی ایسی شرک کی باتیں نہیں مانونگی میں تو بہائی کی بہت شکرگذار ہونگی۔ کہ مجہکو پڑہا کر ایسی واہیات جاہلانہ باتوں سے بچایا ہے

واقعی ناظرین خاتون! یہ تعویز گنڈونکا اعتقاد ہمارے مولویونکی بدولت ہے جب کہ مولوی یوں کہینگے تو پہر اور لوگ کیوں نہ کہینگے۔ کہ اگر صاحب لوگوں کے ساتہ کہایا تو کافر۔ یہ کیا تو کافر وہ کیا تو کافر۔ ہاں اگر کوئی بیمار ہوا اور اُنکے پاس گیا تو کہدیا تیرے اوپر سایہ ہے میں تعویذ دیتا ہوں ایک چاندی کے اندر منڈہکر پہنانا دوسرا گہول کر پلانا۔ ایک فلیتہ دیا۔ اور کہا لو۔ اسکو جلا کر سامنے رکہدینا بس تہوڑے دن میں صحت ہو جائیگی اور کسی درگاہ کا نام بتادیا کہ اوسپر چالیس دن تک گہی کا چراغ جلانا اور پہول چڑہانا جب صحت ہو جائے تو اُس درگاہ پر چادر چڑہانا وغیرہ وغیرہ۔

ایسے مولویونپر تو مولوی حالی نے خوب ہی لکہا ہے جسکو میں نقل کرکے مضمون کو ختم کرتی ہوں فقط

نقل از مسدس حالی

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر — جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر — کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں — اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نظریں چڑھائیں — شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

راقمہ خاکسار

زہرا محمدی بیگم - از مرزاپور

خالی روشن خیالی

اس مضمون میں جو خیالات ظاہر کیے گئے ہیں ہمیں اُنسے بہت کچھ اتفاق ہے بیشک فرقہ بندی کے تنگ و سخت پھندوں میں مسلمان ایسے پا بزنجیر ہو رہے ہیں کہ ترقی اور حسن معاشرت کی طرف قدم اُٹھانا مشکل ہے - اسی کا اثر ہے کہ اہل و قابل موقعوں کو چھوڑ کر نااہل و ناقابل سمدھیانوں میں اولاد کی قسمت پھوڑ دی جاتی ہے حقیقت یہ ہے کہ فرقوں فرقوں میں ایسی کشاکشی رہ چکی ہے کہ ایک کو دوسرے سے سلوک کی توقع نہیں بیٹا بیٹی کا لین دین کرتے ہوئے ڈرتے ہیں ہم بھی خیرخواہ خاتون حنا

کے ساتھ اس مبارک وقت کے منتظر ہیں جبکہ شیعہ سنی کا فرق لبرل اور کنسرویٹو
کا امتیاز رہجائیگا، اس چمن کی قلم اُس باغ میں اور اُس باغ کا پیوند اس چمن میں لگانیکی
ممانعت نہوگی اور دونوں کے مختلف عقائد ملکر اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کا پھل دینگے۔

اڈیٹر

نئی روشنی کے اس مبارک زمانے میں ہم مسلمانوں میں بھی ایسے بہت سے
تعلیم یافتہ اور سرگروہ مرد پیدا ہو گئے ہیں جنکو دولت علم کی بدولت بظاہر ایک
دوسرے کے عقیدے اور مذہب سے بے تعصبی کا دعوی ہے۔ لیکن جب تک
دعوے کی آزمایش کسی بات میں نہ ہو جائے یہ ظاہر نہیں ہو سکتا کہ فی الحقیقت بھی وہ
تعصب سے بری اور آزادخیال ہیں یا محض زبانی جمع خرچ کرتے ہیں۔ امتحان اور
آزمایش کے موقعوں پر اگر اس دعوے میں سچے اور پکے ثابت ہوں تو سچے بے
تعصب و آزادخیال شمار کئے جا سکتے ہیں مثلاً ایک سنی اور ایک شیعہ مسلمان دونو
تعلیم یافتہ ہیں اپنے آپ کو بے تعصب اور آزادخیال ظاہر کرتے ہیں مگر اُنکے
قول کی تائید فعل سے نہیں ہوتی اگرچہ ہزاروں مثالیں اسکی موجود ہونگی مگر آجتک
یہ نہیں دیکھا گیا کہ ان دونوں تعصب اور آزادخیالی کے دعوے داروں نے
ایک دوسرے کو اپنا بھائی۔ مسلمان۔ کلمہ کا شریک۔ ایک قرآن کا ماننے والا۔ مذہبی
اور انسانی محبت کا مستحق سمجھکر باہمی یگانگت کے رشتے قایم کئے ہوں اور وہ
عار جو طرفین کی جہالت سے پیدا ہو گئی تھی تعلیم یافتہ ہو کر اُٹھا دی ہو۔ تعلیم یافتہ شیعہ
کو تعلیم یافتہ سنی کے ہاں۔ اور روشن خیال سنی کو روشن خیال شیعہ کے ہاں اپنا
بیٹا بیٹی کی شادی کرنے میں وہی کراہت اب بھی دکھائی دیتی ہے اور شادیاں
نہیں ہوتیں جو اُنکے باپ دادوں کے لڑائی جھگڑوں اور باہمی نفرت کے وقت میں
کیفیت تھی حالانکہ آزادخیالی اور بے تعصبی کے دعوے دار دونوں طرف موجود ہیں

ایک فرقے سے دو اور دو سے صدہا فرقے ذاتیں اور قسمیں مسلمانوں کی پیدا ہو گئی ہیں کہ
ساتھ کھانا، ساتھ رہنا، ساتھ نباہ کرنا، ایک دوسرے کو محبت کی نظر سے دیکھنا چوپٹ
گیا یہانتک کہ نوبت کا دائرہ اسقدر محدود رہ گیا ہے کہ لڑکیو نکو بر نہیں اور لڑکو نکو گھر
نہیں! لڑکیاں بڑی بڑی عمروں تک بیٹھی رہتی ہیں اور اچھے اچھے لایق لڑکو نکو کوئی
سونگھتا نہیں یہ کیوں؟ فقط اسلئے کہ شاید یہ سُنی ہیں وہ شیعہ ہیں ایک ترکی نژاد ہیں
دوسرے عرب گھر میں پیدا ہونے کے قصور وار ہیں یا ایک مقلد ہیں دوسرے غیر مقلد،
کوئی خوجہ ہیں تو کوئی میمن ہیں بعض جگہ تو یہانتک تشدد ہے کہ اگر ایک جدی نہ ملے تو
لڑکیاں بیٹھے بیٹھے بڑھیاں ہو جاتی ہیں۔

اس مثال سے اور ایسی ہی اور مثالوں سے جو اپنی آپ دلیل ہیں ظاہر ہوتا ہے
کہ سچی بے تعصبی اور خیالات میں حقیقی آزادی ابھی تک نہیں پیدا ہوئی ہے دیکھئے
وہ دن کونسا آئیگا اور کب ہو گا جبکہ قوم کے سب فرقے ایک ہو جا ئینگے جہالت کی
رسمیں، خواہ نخواہ کی پابندیاں، عصبیت کی قیدیں، بغض و عداوت کے اندیشے
اور بہت سی باتیں جنسے صریحاً ایک دوسرے کی زندگانی تلخ ہو رہی ہے، جاتی
رہینگی کاش سب مولوی اور لکچرار متفق ہو کر اس مہم کو طے کریں تاکہ ہزاروں لاکھوں
مسلمانوں کے دلونکو تسکین، معاشرت کو سکون اور ترقی کی کوششو نکو سہارا ہو۔ فقط

راقمہ
ایک خیر خواہ خاتون   از بمبئی

زنانہ حاضر جوابیاں

زنانہ حاضر جوابیوں کی یہ حکایتیں اکثر زبانوں پر اور کتابوں میں پریشان پائی جاتی ہیں۔

جسقدر اونکو معلوم تہیں وہ جناب مسز محسن نے ایک جگہ جمع کرکے خاتون کے لیے ارسال فرمائی ہیں وہ ایک بہت شوخ رنگ کے پہول نکالدینے سے یہ مجموعہ خاتون کے اوراق کے لیئے بہت موزوں اور دلچسپ گلدستہ ہوگیا جسے ہم شکرگذاری کے ساتہ درج کرتے ہیں ساتہ ہی بہت تاکید کے ساتہ مسز محسن سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ اپنی لیاقت اور فارسی انگریزی اردو کی وسیع معلومات سے رسالۂ خاتون کو ہمیشہ مالامال کرتی رہینگی۔

اڈیٹر

مردوں کی حاضر جوابیاں تو مشہور ہیں ہی مگر عورتوں کی بہی حاضر جوابیاں قابل ذکر اور تعریف ہیں۔ چند ان میں سے ناظرین خاتون کی دلچسپی کے لیئے درج ذیل کرتی ہوں

(۱) زیب النسا بیگم کی ایک کنیز بڑی باتمیز تہی امانی اپنا تخلص کرتی تہی ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ یہ کنیز زیب النساء کے ساتہ باغ کی سیر میں مشغول تہی بیگم نے اُس سے پوچہا ع

اے امانی گلِ صدبرگ چرا می خندد

امانی نے فوراً جواب دیا۔ ع

برلقائے خود و بر غفلتِ ما می خندد

(۲) ایک دن اتفاقاً کسی کنیز کے ہاتہ سے آئینہ ٹوٹ گیا کنیز بڑی رمزشناس تہی خیال کیا کہ اگر کوئی مصرعہ بناکر لیجاؤں تو شاید بیگم میری خطا سے درگذریں۔ چنانچہ اُسنے جاکر عرض کیا۔ ع۔ از قضا آئینۂ چینی شکست

خوشمزاج بیگم نے مسکراکر جواب دیا۔ ع خوب شد اسباب خودبینی شکست۔

---

(۱) اے امانی گل صدبرگ کیوں ہنس رہا ہے۔
(امانی جواب دیتی ہے) بیگم اپنی ہستی اور ہماری غفلت پر ہنس رہا ہے۔ ۱۲
(۲) چین کا آئینہ حکم قضا سے ٹوٹ گیا۔
(بیگم جواب دیتی ہے) اچہا ہوا ٹوٹ گیا خودبینی کے سوا اور کس کام کا تہا۔

(۳) ایک دفعہ ایران سے مصرعہ (دُر ابلق کسے کم دیدہ موجود) گرہ لگانیکو بہیجا گیا تہا۔
اُسوقت کے کسی شاعر سے مصرعہ موزون نہو سکا زیب النساء کے پاس بہی
لایا گیا اُسنے بہی بہت غور کیا لیکن دوسرا مصرعہ نہ بنا سکی شام کو باغ کی سیر میں مشغول
تہی یکایک نہیں معلوم کیا خیال آیا کہ سُرمگیں آنکہیں آنسو بہر لائیں اور ٹپ ٹپ موتی گرنے
لگے ایرانی مصرعہ یاد آتے ہی فوراً دوسرے مصرعہ کا مضمون سوجہ گیا جہٹ موزون
کرلیا۔ ؎

دُر ابلق کسے کم دیدہ موجود ٭ بجز اشکِ بتانِ سُرمہ آلود

(۴) ایک مرتبہ جہانگیر کو ایک کنیز نے جو بادشاہ کو جگانے پر مامور تہی وقت سے پہلے
دگادیا بادشاہ نے جب دیکہا کہ ابہی بیدار ہونیکا وقت نہیں ہوا ہے سر بریدن لازم ست
کہکر پہر سو رہے کنیز کے یہ سُنکر اوسان خطا ہو گئے نورجہاں بیگم سے اسکا ذکر کیا بیگم
نے کہا کہ جب میں بادشاہ کے حضور میں جاؤں اُسوقت تو بہی حاضر ہو کر سلام کرنا۔
جسوقت کنیز نے بادشاہ کو سلام کیا پہر بادشاہ نے فرمایا۔ سر بریدن لازم است
بیگم نے برجستہ شعر عرض کیا۔ ؎

آن پری چہرہ چہ داند وقت صبح و شام را
سر بریدن لازم است آن مرغ بے ہنگام را

۳- آدہا سیاہ اور آدہا سفید موتی کسی نے کہیں نہ دیکہا ہوگا۔
بجز خوبصورتوں کی سرمہ بہری آنکہ کے آنسو کے۔
۴- اس پری چہرہ لونڈی بیچاری کو صبح و شام کے وقتوں کی کیا پہچان
سر تو اُس بے ایمان مرغ کا اڑانا چاہیے جسنے بیوقت اذان دیکر اُسے دہوکہ دیا۔

(۵) ایک روز جہانگیر قبائے حریر پر تکمہ (بٹن) لعل زیب بدن کئے تھا نور جہاں کی زبان سے فی البدیہہ یہ شعر نکل گیا۔ ؎ ترا نہ تکمۂ لعل است بر قبائے حریر + شدست قطرۂ خون منت گریبان گیر

(۶) کہتے ہیں کہ ایک دفعہ جہانگیر نے کسی شاہزادے سے شطرنج کی ہار جیت پر یہ شرط باندھی کہ جو فریق ہارے وہ اپنی ایک منکوحہ جیتنے والے کو دے اتفاق سے نقشہ بادشاہ کے خلاف آپڑا تو اب اسکو فکر ہوئی کہ کونسی بیوی کو ہارے چنانچہ اس امر کا مشورہ خود اپنی چاروں بیویوں سے ہی کیا اور ساری کیفیت اُنسے کہہ سنائی چاروں نے اسکا جواب دیا۔

پہلی بیگم جسکا تخلص جہاں تھا بولی ؎

تو بادشاہ جہانے جہاں ز دست مدہ	کہ بادشاہ جہاں را جہاں بکار آید

دوسری بیگم حیات نے کہا۔ ؎

جہاں خوش است ولیکن حیات میباید	اگر حیات نہ باشد جہاں چہ کار آید

تیسری بیگم فنا نے جواب دیا ؎

جہان و حیات اینہمہ بیوفا ست	فنا را نگہ دار آخر فنا ست

چوتھی بیگم دل آرام نے مشکل اسطرح حل کر دی۔ ؎

شاہا دو رخ بدہ و دل آرام را مدہ	پیل و پیادہ پیش کن از اسپ کشت مات

(۵) یہ آپ کے قبائے حریر پر لعل کا بٹن نہیں ہے۔
کسی کے خون کا قطرہ ظلم کی داد کا فریادی گریباں گیر ہوا ہے۔

(۶) ۱؎ تو جہان کا بادشاہ ہے اسلئے جہان کو ہاتھ سے نہ دے کیونکہ بادشاہ جہان کے لئے جہان ضروری ہے۔
۲؎ جہان اچھا تو ہے لیکن حیات شرط ہے اگر حیات نہیں تو جہان پر کس کام کا۔
۳؎ جہان اور حیات دونوں بیوفا ہیں فنا پر نظر رکھنی چاہئے کہ آخر فنا ہے۔
۴؎ اے بادشاہ دل آرام کو نہ دے دونوں رخ دیدے بعد اسکے پیل اور پیادہ آگے بڑھا کر گھوڑے کی کشت دیکر اپنے مقابل کو مات کر دے۔

(۷) نورجہاں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ بڑی حاضر جواب تھی جہانگیر کے منہ سے کوئی مصرع نکلتا تو دوسرا مصرعہ یہ حاضر جواب بیگم فوراً پورا کردیتی۔ ذیل کے سوال جواب سے معلوم ہو جائیگا۔

جہانگیر۔ ہلال عید براوج فلک ہویدا شد۔ **نورجہاں**۔ کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد۔

جہانگیر۔ گوہر ز چشم اشک تو غلطیدہ میرود۔ **نورجہاں**۔ آبے کہ بے تو خوردہ ام از دیدہ میرود

جہانگیر۔ از برائے سوز دل آتش ز طور آوردہ است **نورجہاں**۔ تاجر با جنس درد از راہ دور افتادہ است

جہانگیر۔ آب از برائے دیدنت می آید از فرسنگہا۔ **نورجہاں** از ہیبت شاہ جہاں سر می زند بر سنگہا

راقمہ
مسز محسن

عائشہ صدیقہ

لائق حضرات سے رسالۂ خاتون کے لئے استدعا کی گئی تھی کہ خاندان رسول اور دیگر بزرگان

(۷) ۱ے پہلی تاریخ عید کا چاند آسمان کی بلندی پر ظاہر ہوا + گویا میخانے کی کنجی جو رمضان بھر کے لئے کھوئی گئی تھی مل گئی۔

۲ے تیری آنکھ سے آنسو موتی کی طرح لڑکتا ہوا بہ رہا ہے + وہ پانی جو تیری جدائی میں پیا ہے آنکھوں کے راستہ نکل رہا ہے۔

۳ے دل جس آگ سے جل رہا ہے وہ آگ کوہ طور کے شعلے سے لی گئی ہے + ہماری لئے سوداگر درد کا سامان بڑی دور سے لیکر آیا ہے۔

۴ے تیرے دیکھنے کے لئے میلوں کا سفر طے کرکے دریا کا پانی آیا ہے + بادشاہ کی ہیبت سے ڈر کر سر کے بل پتھروں سے ٹکراتا ہوا آرہا ہے۔

تے -

ابوداؤد میں جو حدیث کی ایک بڑی معتبر کتاب ہے لکھا ہے کہ ایک دن حضرت
صلعم کسی مہم سے واپس تشریف لائے تھے اور حضرت عائشہ کے پاس بیٹھے تھے کہ ہوا
کا ایک جھونکا آیا اور سامنے کی محراب کا پردہ اڑگیا وہاں حضرت عائشہ کی گڑیاں رکھی
تھیں۔ پردہ اڑنے سے حضرت صلعم کی نظر بھی انپر جا پڑی۔ آپنے فرمایا عائشہ یہ کون
ہیں۔ بولیں یہ میری بیٹیاں ہیں۔ اسکے بیچ میں آپکی نگاہ ایک گھوڑے پر پڑی جو کپڑے اور جھلی کا
بنا ہوا تھا جسکے دو پر بھی تھے۔ اسکو دیکھکر فرمایا کہ یہ کیا ہے۔ عرض کیا کہ یہ گھوڑا ہے اور یہ
اسکے پر ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا گھوڑے کے پر بھی ہوتے ہیں؟ حضرت عائشہ سادگی
اور بھولپن کی شان سے فرمانے لگیں۔ ہاں۔ آپنے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان کے پاس
ایک پردار گھوڑا تھا۔ حضرت اس نادانی کی دلیل کو سنکر مسکرانے لگے۔
ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول خدا صلعم کو حضرت عائشہ سے بڑی محبت
تھی اور انہوں نے اس برتاؤ سے اپنی امت کو حسن معاشرت کی تعلیم دی ہے۔
گڑیوں کا کھیل اُس زمانے میں بھی زنانہ سوسائٹی کی ابتدائی تربیت میں شامل تھا حضرت
صلعم نے ام المومنین کو اس کھیل سے مخالفت نہ فرمائی اسلئے کہ انکو معلوم تھا کہ گڑیوں
کے ذریعہ سے لڑکیاں سینے پرونے اور خانگی کاروبار سے آگاہ ہوجاتی ہیں۔ حضرت ہمیشہ
اپنی ازواج سے ملائم گفتگو کیا کرتے تھے اوپر کی دو روایتوں سے بھی اسکا پتہ لگتا ہے
اور بخاری مسلم کی ایک دوسری حدیث سے بھی اسکا اندازہ ہوتا ہے۔ جہاں حضرت
فرماتے ہیں کہ عورت پسلی کی ہڈی کی طرح ٹیڑھی ہوتی ہے۔ اسکو زور سے سیدھا کرو
ورنہ ٹوٹ جائیگی۔ بلکہ نرمی اور آہستگی سے سنبھالو۔ لیکن آجکل کے جاہل مسلمان اپنے ہادی
کی نصیحت پر عمل نہیں کرتے اور بیچاری بے زبان اور فطرتی نادان عورتوں کو مارپیٹ کی
تکلیفیں دیتے ہیں۔ حضرت صلعم تو اپنی ازواج کی اسقدر دلجوئی کرتے کہ ایک دن

مسجد نبوی کے قریب چند حبشی نیزہ بازی اور پٹہ بازی کر رہے تھے آپ حضرت عائشہ کے
پاس تشریف لائے اور انکو اپنی چادر اڑہا دی اور اپنے پس پشت کہڑا کر کے ان حبشیوں کا
تماشہ دکہانے لگے۔ عائشہ فرماتی ہیں کہ میرا منہہ حضرت کے کندہے پر تہا کان کے
قریب کچہہ دیر کے بعد حضرت نے فرمایا عائشہ بس۔ مینے عرض کیا کہ نہیں ابہی نہیں
چنانچہ تہوڑی دیر اور یونہی کہڑے رہے۔ اس روایت میں عورتوں کے ساتھہ سلوک
کرنیکی بڑی عمدہ تعلیم ہے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت رسول خدا صلعم کا ارشاد ہے۔ تم لوگوں
میں سب سے اچہا وہ شخص ہے جو اپنے اہل عیال سے اچہا سلوک کرتا ہو اور میں تم
سب سے زیادہ اپنے اہل کے ساتھہ عمدہ سلوک کرتا ہوں۔

ایک دن حضرت نے عائشہ سے فرمایا کہ مجہکو تمہارے راضی یا ناراض ہونے کا
بہت جلد ہی حال معلوم ہوجاتا۔ عرض کیا کسطرح فرمایا جس دن تم مجہسے خفا ہوتی ہو تو یوں
قسم کہاتی ہو۔ ابراہیم کے خدا کی قسم۔ اور جس دن راضی اور خوش ہوتی ہو تو یوں قسم
کہاتی ہو۔ محمد کے خدا کی قسم۔ بولیں ہاں یا رسول اللہ۔ سچ فرمایا۔ غصہ میں آپ کا نام
چہوڑ دیتی ہوں۔ یعنی دل میں تو آپ کی محبت ہوتی ہے مگر خفگی کے سبب زبان پر نام نہیں
لاتی۔

حضرت عائشہ تو عارضی سبب سے کبہی کبہی نام نہیں لیتی تہیں مگر آجکل کی مسلمان عورتیں
ہندووں کی صحبت کے سبب خاوند کا نام لینا عیب جانتی ہیں۔ حالانکہ شریعت میں اسکا
کہیں ثبوت نہیں۔ نام نہ لینے کے باعث عورتوں کو بڑے بڑے ہنسی کے خطاب
تجویز کرنے پڑتے ہیں۔ جو بالکل مہمل اور بعض اوقات مضحکہ خیز ہوتے ہیں اور تعلیم یافتہ
لڑکیوں کو چاہئے کہ اس تکلیف دہ رسم کو رفتہ رفتہ ترک کر دیں حساب کرنے سے معلوم ہوتا ہے
کہ حضرت عائشہ نے دو ہزار دو سو دس حدیثیں روایت کی ہیں۔ یہ انکے حافظہ کی ادنی

وہ جانور جو رات کو یا شام کو اپنی خوراک کی جستجو کرتے ہیں وہ بڑے فائدے
میں رہتے ہیں چمگادڑ کو اپنے شکار پکڑنے کے لئے وقت کم ملتا ہے جاڑے کی
راتوں میں سوتی بہت ہے مگر باوجود اس قلت وقت کے بھی وہ شام کو اور رات
کی تاریکی میں بہت سی تیتریاں اور پروانے اور بہت سی قسم کے ہوائی شکار
کرکے لیجاتی ہے جو اسکے اپنے اور بچوں کے واسطے کافی خوراک ہوتی ہے
الو کی شکارگاہ میں دن کو تو اور شکاری پرند پھرتے رہتے ہیں اور اسکو
شکار نہیں کھیلنے دیتے مگر جب رات آتی ہے تو اکثر شکاری پرند شکار کھیل کھال کر
اپنے آشیانوں میں آرام کرتے ہیں اب الو کی باری آتی ہے اور وہ شکار کے لئے
نکلتا ہے ۔ اس کی نگاہ چیل کی سی تیز تو نہیں ہے کہ وہ دور تک دیکھ سکے مگر اسکو
کھیتوں اور سبزہ زاروں و باغوں کے آس پاس دانے دنکے بافراط ملجاتے
ہیں اتنے کہ وہ سر شام ہی اپنے گھر اور بچوں کے واسطے کافی خوراک جمع کر لیتا ہے جاڑے کی
رات میں اسکو چوہوں کی قطاریں دکھائی دیتی ہیں جنکو وہ مزے لے لے کر شکار
کرتا ہے اور جو الو کہ بڑے اور شاخدار ہوتے ہیں وہ جنگلی خرگوشوں اور ہرنوں کے
بچوں کی صید افگنی کرتے ہیں۔
بیشک کسی گھنٹے کی آواز ایسی نہیں سنائی دیتی کہ جب کھانا تیار ہو جائے تو وہ
اوقات معینہ پر مہمانوں کو دستر خوان پر کھانے کے لئے بلائے لیکن حیوانوں کے
لئے جہاں انکے بھوجن تیار ہوتے ہیں انکے بلانے کی پکار ہوتی ہے جو ہمارے
حواس ظاہری کے ادراک کے باہر اس سبب سے ہوتی ہے کہ وہ بہت دور دور تک
کل روئے زمین کے بحر و بر پر پھیلتی ہے ۔ حیوانات بھی اپنے حواس ظاہری سے
اسکو ادراک نہیں کر سکتے مگر حواس باطنی سے دریافت کر لیتے ہیں ۔
بعض پرند مسافر پرند کہلاتے ہیں جن کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب کہ موسم

سختی وطن میں زندہ نہیں رہنے دیتی تو وہ وطن کو چھوڑ چھوڑ کر دور دور چلے جاتے ہیں اور پھر
وطن میں واپس آجاتے ہیں ان مسافر پرندوں کی دیکھنے، سُننے اور سونگھنے کی قوتیں
بڑی تیز ہوتی ہیں یعنی وہ دور دور کی چیز دیکھ لیتے اور فاصلہ کی آواز کو سُن لیتے اور
دور سے چیزوں کی بو سونگھ لیتے ہیں لیکن جب جاڑا آتا ہے تو یہ حواس اُنکی امداد بہت ہی کم
یا بالکل نہیں کرتے یہ خسارا اُنکے آشیانوں کو بالکل اُجاڑ دیتا ہے اور کوئی چیز جو اُنکی زندگی
کے لئے ضروری ہے نہیں چھوڑتا۔ جب یہ پرندے سمندر کے کنارے کسی بلند درخت
یا پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھتے ہیں۔ اُنکو وہ زمین نظر نہیں آتی جو جاڑے میں اُنکا مسکن
عافیت بنے۔ وہ مسافر پرند بھی جو پنجرے میں اچھی طرح محفوظ ہے اور نہ اسکو یہ خوف
و خطر ہے کہ جاڑے کی سرد ہوا اسکو ستائیگی یا اسکو خوراک نہیں ملیگی مگر اسکو بھی جاڑے
کے سبب سے زمین نوردی کی چُل ایک دم چین سے نہیں رہنے دیتی۔ کوئل
کے بچے جنہوں نے کبھی اپنے ماں باپ کی نورانی صورت نہیں دیکھی اور انسان
نے اُنکو قفس میں بند کر رکھا ہے جب اُنکو اس قفس سے رہائی ہوتی ہے تو وہ پرواز
کرتے ہیں اور نقل مکان کی تحریک اُنکو جنوب کی طرف گرم ملکوں کی سمت میں اڑا لیجاتی
ہے غرض یہ تحریک پرند کو خدا کی طرف سے ہوتی ہے جس نے اُسے پیدا کیا ہے۔
مسافر پرند خدا کی اطاعت کو روانہ کرتا ہے گرم ملکوں میں اس کی ضیافت ہوتی ہے اور
اپنی خوراک پاتا ہے۔

خداوند جہان نے اس جہان میں اپنے باورچیخانہ کا سامان پھیلا رکھا ہے اپنی مخلوق
کے لیئے رنگارنگ کی تھالیوں میں رسوئیاں پروس رکھی ہیں جیسے یہ مہمان بوقلمون
ہیں ایسے ہی انکے کھانے کی تھالیاں اپنی اپنی صنعت اور ترکیب میں گوناگوں ہیں
خشکی کے حیوانات کی عموماً خوراک نباتات ہے اگر نباتات نہوں تو تھوڑے سے حصہ
میں زندگی کے وسائل کا سارا کارخانہ ہی بند ہو جائے گوشت خوار حیوانات بھی

معدوم ہو جائیں کیونکہ اُن کی زندگی کا مدار بھی اُن حیوانوں کے گوشت پر ہے جو نباتات سے پرورش پاتے ہیں یہ کام نباتات ہی کا ہے کہ وہ اپنی غذا اور اپنا آبحیات حیوانات کو پہنچاتے ہیں جسے زمین کے اندر سے چھپے چھپے وہ خود لیتے ہیں۔ خشکی ہی پر یہ حال نہیں ہے بلکہ سمندر میں بھی بہت سے حیوانات کا سرمایۂ زندگی نباس پتی ہی پر ہے۔

اگر اشجار اسی عنصر میں ہوں جو انکے لئے موزوں ہے و موافق طبع ہون یعنی کہ پانی یا ہوا میں اور اُنکو آفتاب کی روشنی و حرارت اسقدر پہنچتی رہتی ہے جو اُن کے لئے مفید ہے تو وہ ہر جگہ اپنے مایحتاج کو حاصل کر سکتے ہیں اسلئے کہ پانی اور ہوا اور مٹی کے وہ مادے جو نباتات کی پرورش کے لئے لازمی ہیں۔ ہر مقام پر شمال جنوب مشرق مغرب میں ایک ہی سے ملتے ہیں انکی زیادہ پختگی اور تیاری کے لئے سوائے آفتاب کی روشنی اور حرارت کے اثروں کے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں حیوانات کی کل انواع کو تقریباً اپنی خوراک کے لئے کہ جس پر اس کی زندگی کا مدار ہے اور چیزوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے جن میں اول یہ ہے کہ اس کی خوراک نباتات کے ظروف کے باورچیخانے میں پکائی جاتی ہے یا حیوانات کے جسم کے اندر مثلاً آدمیوں یا کتوں یا بھیڑوں کے سامنے دوپہر کے طعام کی جگہ ایک شوربہ رکھا جائے جو پانی اور بعض اور مادوں سے جیسے کہ کاربن اور نائٹروجن ہیں جو زمین اور ہوا میں بکثرت موجود ہیں بنایا گیا ہو تو نہ اسکو آدمی چھوئے گا نہ کتا سونگھے گا نہ بکری منہ ڈالیگی اور اس شوربے کے بھرے پیالوں کے آگے وہ بھوکے مر جائینگے لیکن اگر اس شوربے کی چیزیں اور مصالحہ یعنی کاربن نائٹروجن وغیرہ، نباتات کے اجسام میں پتوں میں اور گھاس کے پٹھوں میں، ترکاریوں میں، اناجوں میں، میووں میں ملی ہوئی پخت و پز پائی جائیں اور اس صورت میں وہ حیوان کے مثلاً بکری کے معدے میں جا کر خون دودھ گوشت وغیرہ بنیں تو بیشک آدمیوں اور کتوں کی خاطر خواہ خوراک ہوں۔

غرض حیوانات کی غذا پہلے درختوں کے جسموں کی رگوں میں اور اسکے بعد خود اسکے معدے میں پخت و پز ہوتی ہے جب جاکر جزو بدن بنتی ہے۔

بہت سے حیوانات جن کی خلقت کامل نہیں ہے وہ صرف ایک ہی چیز یا ایک ہی قسم کی چیزیں کہاتے ہیں جیسے کسی خاص بیل یا درخت کے پتے یا پہل۔ جب انکو کوئی ایسی ہی سخت مجبوری آ کر پڑتی ہے تو وہ کسی دوسرے درخت پر منہ ڈالتے ہیں اور وہ بھی اسپر کہ جسکا مزہ انکے پسندیدہ درخت کے رس اور مزے کے مشابہ ہوتا ہے بعض حیوانات کو اپنی خوراک کا ادل بدل کرکہانا پسند ہوتا ہے وہ طرح طرح کے چارے کہاتے ہیں انکی خوراک میں کہٹی میٹھی مختلف مزونکی ترکاریاں ہوتی ہیں ایسے حیوانات میں انسان سب سے زیادہ خوراک کے معاملہ میں تلون مزاج ہوتا ہے نباتات، حیوانات، اناج، دودہ، انڈے ان سب کو طرح طرح سے ملاجلا کر کہاتا ہے اور اشتہار کے پورا کرنے کے لئے آدمی فقط آدمیوں کی ہی جو اسکے گرد جمع ہو کر کہانے پکانے کا کام کرتے ہیں مدد نہیں لیتا بلکہ دنیا کے سارے ملکوں کی آدمیونکی استعانت اپنی خوراک کے لئے لیتا ہے۔ اسکے باورچیخانے کی خدمتگذاری تو جانور بہی کرتے ہیں ہوا میں باز اسکے لئے جانوروںکا شکار کرتا ہے پانی میں سے ماہی گیر (ایک شکاری جانور ہے) مچھلیاں پکڑتا ہے اسکے گلے میں دہات کا ایک ایسا حلقہ ڈال دیتے ہیں کہ جو مچھلی پکڑتا ہے اسے نگل نہیں سکتا آدمی کے لئے اگلنی پڑتی ہے۔ کتے اسکا شکار کہیلتے ہیں۔ شہد کی مکھی اپنے شہد کا ایک حصہ اسکے لئے تیار کرتی ہے مویشی اسکے لئے اناج کے پیدا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

انسان کے علاوہ بعض دوسرے حیوانات بہی اور حیوانوں سے اپنی خدمت لینی چاہتے ہیں کچہ پرندے ہیں جو مچھلی کہاتے ہیں مگر اور پرندے انکے واسطے

ہی درندے اور شکاری پرندے کہیتوں اور باغوں اور نباتات کو اور جانوروں کی غارتگری سے بچاتے ہیں ٹہیک وقت پر جب غارتگر جانوروں کا زراعت پر حملہ ہوتا ہی تو اسکے ساتھ ہی اُنکے اپنے غارتگروں کی جماعت جمع ہوتی ہے مثلاً جب کہیت میں چوہوں کی افراط ہوگی اُسکے ساتھ اُلوؤں کی آمد ہوگی کہ وہ اُنکو ہلاک کریں۔

اے لڑکیو بیٹے تمہارے لئے خدا کے باورچی خانہ کا اسلئے بیان کیا ہے کہ تم اسکو پڑہکر جانو کہ رزاق عالم نے کیسی پوری حکمت اور کامل قدرت سے اپنی مخلوق ضعیف و ناتوان اور قوی اور توانا کو خوراک پہنچائی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارے پاس بیٹہا ہوا ہے اور اپنی محبت و شفقت سے اپنے ہاتہ سے سب کو کہلاتا پلاتا ہے اور اس عظیم کارخانے کا انتظام ایسا باندہ رکہا ہے کہ ذرہ برابر کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی پس تمکو بہی اپنے خدا کے باورچیخانے کی نقل اُتارنی چاہیئے کہ اُس سے زیادہ سے زیادہ مخلوق کو نفع پہنچے کوئی چیز رائگاں نہ جائے۔ تم روز اپنے باورچی خانہ میں چیزونکو ضائع ہونے دیتی ہو یہ نہیں جانتیں کہ اُپلے اور لکڑی چولہے میں کس طرح رکہیں کہ کم سے کم ایندہن جلے مگر زیادہ سے زیادہ حرارت پیدا ہو۔ تم میں سے بہت کم یہ سمجہ رکہتی ہونگی کہ گوشت کو پتیلی میں ڈالکر کیا کرنا چاہیئے کہ گوشت گلجائے اور اُسکی قوت کا کوئی حصہ ضائع نہ جانے پائے۔ اور ایسی ہی بہت سی فروگذاشتیں ہیں جنکو آیندہ کسی مضمون میں جتاؤنگا فقط۔

اڈیٹوریل

ڈیپوٹیشن | بمبئی کو جو بہیجا گیا تہا پونے دو مہینے کے قیام کے بعد واپس آگیا اس کی قلیل کامیابی پر ہم حیران تہے کہ خوش ہوں یا افسوس کریں کیونکہ ہیا سنے جانیوالوں اور

کا مرحمت فرمایا آپ کے نام نامی سے چندے کی فہرست کا افتتاح ہونے سے دیگر
معززین کی فیاضی کو بھی تحریک ہوئی۔ ہمارے بزرگ و فخر قوم جسٹس طیب جی اور آپ
کے خاندان کا بچہ بچہ تعلیم نسواں کا خواہ ہندوستان کے کسی گوشے میں ہو، دل و
جان سے حامی ہے۔ اور یہ جناب مرحومہ مسز طیب جی کے اثر سے ہے جو خود
بڑی بھاری حامی تعلیم نسواں کی ہم مسلمانوں میں گذری ہیں۔

خاندان فیض اس ڈپوٹیشن کے تذکرے میں خاص تعریف اور شکریے کے ساتھ
یاد کرنے کے قابل جناب زہرا خانم صاحبہ بنت **فیضی** اور اُنکی ہمشیرہ کا نام
ہے ان معزز و شریف عالی درجہ ایک سے ایک لائق و ہمدرد نسواں صاحبزادیوں
نے جو عملی کوشش فراہمی چندہ میں کی اُسکا تذکرہ ڈپوٹیشن نے اپنی رپورٹ میں
ان سنہری لفظوں میں کیا ہے "اسی اثنا میں ہم مسٹر اصغر علی فیضی کی خدمت
میں حاضر ہوئے اُنہوں نے ہماری بہت دلجمعی فرمائی آپ کی ہمشیرہ صاحبان مس
زہرا فیضی اور مس اے ایچ فیضی نے جتنی ہماری مدد کی شاید بمبئی بھر میں کسی کا
ہم پر اسقدر سچا احسان ہو، اور سچ پوچھیے تو ہندوستانی بیویوں میں تعلیم نسواں
کی ایسی حامی صاحبزادیوں کی مثال بہت کم ملیگی بارہ سو روپیے خود جمع کئے اور
ہماری بھی کامیابی میں مدد کرتی رہیں جن معززین کے ہاں ہم چندے کے واسطے
جاتے تھے وہاں مس فیضی کے ہماری سفارش میں یا خط پہونچ جاتے تھے یا
وہاں جاکر معلوم ہوتا تھا کہ مس فیضی خود تشریف لاکر لیڈیز میں ہماری سفارش زبانی
فرما گئی ہیں ڈپوٹیشن کی ایک پرتکلف دعوت بھی آپ کے مکان پر ہوئی ہم سے کافی
شکریہ ادا نہیں ہوسکتا،، ہم جناب زہرا فیضی صاحبہ کی جمع کردہ رقم کی فہرست علیحدہ
خاص شکریہ اور ممنونی کے ساتھ درج کرتے ہیں۔ اس چندے میں بڑا حصہ خاندان
فیض کی فیاضی کا نظر آئیگا جسمیں نواب بیگم جنجیرہ کا اسم گرامی بھی شامل ہے!

فہرست چندہ جمع کردہ جناب مس زہرا فیضی

نام	مقام	رقم
عالیجناب ہز ہائنس نواب بیگم صاحبہ	جنجیرہ	۵۰۰
عالیجناب ہز ہائنس حضور نواب صاحب بہادر جنجیرہ		۳۰۰
جناب مسز ایس طیب جی	مازگاؤں	۵۰
جناب مسز ایچ فیضی	"	۵۰
جناب مس زہرا فیضی	"	۲۰
جناب مس عطیہ فیضی	"	۲۰
جناب مسز ایچ شیخ احمد	کیتواڑی	۵
جناب مسز موچول شاہ	مازگاؤں	۵
جناب مسز اے۔ ایچ فیضی	"	۲۰
جناب مسز کاروا	دال کیشور روڈ	۵
جناب مسز کاجی جی	گرانٹ روڈ	۵
جناب مسز ایم۔ اے حیدری	لنسبٹ لین	۵۰
جناب مسز غلام محمد	سورت	۵
جناب مسز ابراہیم احمدی	"	۱۵
جناب مسز اے این طیب جی	کمبالاہل	۵
جناب مسز بی اے لقمانی	"	۵
جناب مسز ایم۔ بی طیب جی	بیجاپور	۴۰
جناب مسز اے لقمانی	"	۱۰
جناب مسز ایم دہ دشتی	بمبئی	۵۰
جناب مسز سیدی داؤد بخشی	جنجیرہ	۲۵

جناب باہمسر آصف اے فیضی	-	جنجیرہ	عـــہ
سخاب دس خیرخواہان تعلیم نسواں	-	"	۱۵
وغیرہ چند بمبئی خواہان	-	" دہلی	لعہ
جناب مسز سیدی محمد بخشی	-	"	۲۵
میزان کل	-	-	۱۲۴۴ [illegible]

تماشے کی خبر — ڈیپوٹیشن کے ممبروں کی بمبئی میں ایک تماشا گھر کے پارسی صاحب سے ملاقات ہوئی بہت روشن خیال اور اپنے ہم قوموں کے برابر انکو ہمدرد پایا انہوں نے ڈیپوٹیشن کی امداد اسطرح کرنی چاہی کہ اگر ممبران ڈیپوٹیشن کسی اعلی افسر بمبئی کو ایک رات انکی کمپنی کا تماشا دکہانے کے لئے لے آئیں تو اس رات کی زائد آمدنی وہ ڈیپوٹیشن کو دیدینگے۔ ہمارے ممبروں کو کیا سوجھی کہ سر لارنس جنکنز چیف جسٹس ہائی کورٹ بمبئی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور ممدوح سے تماشے والے صاحب کی یہ شرط عرض کرکے درخواست کی کہ اگر حضور دم بھر کو قدم رنجہ فرمائیں تو ایک خاصی رقم ہمکو ملجائے " ڈیپوٹیشن کا نصیب اسے تہا اور خدا کو اس شعر کا (بناکر فقیروں کا ہم بھیس غالب + تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں) مطلب سچ کرکے دکہانا منظور تہا چنانچہ سر لارنس نے بہ کمال عنایت و ہمدردی اس درخواست کو امتیاز قبولیت بخشا اور ۱۵ ستمبر شب جمعہ کو حضور ممدوح تماشاگاہ میں رونق افروز ہوئے ایک گھنٹے سے زیادہ تشریف فرما رہے اس خبر کو سنکر اکثر روسائے بمبئی اور بیرسٹران ہائی کورٹ بھی آگئے تہے کسی کا شعر ہے ؎ ناتوانی بہماں حاجت محتاج برآر + بدمے یا درمے یا قدمے یا قلمے۔ ان کہاتے پیتے مگر تعلیم نسواں سے بہوکے محتاجوں کی قدم سے امداد فرمانے میں سر لارنس نے دریغ نہ فرمائی ورنہ کہاں ایک معمولی سا ہندوستانی تہیٹر اور کہاں بمبئی کا چیف جسٹس! کیسی خندہ پیشانی کے ساتھ وہ معزز و مقدس ہائی کورٹ کے ججوں کے اعلی جج وہاں تشریف لائے کہ انکے قدموں کے نیچے ہم اپنی شکرگزاری کی آنکہیں بچھاتے ہیں۔ کار خیر میں امداد کی اس مستعد مثال سے، ہمارے ملکی رئیسوں کو جو زمین پر ناز سے قدم رکہنا بہی دشوار سمجھتے ہیں، سبق حاصل کرنا چاہئے۔

حضرات بمبئی جنہوں نے ڈیپوٹیشن کو چندہ عنایت فرمایا اُنکے نام نامی معہ تعداد چندہ وشکریہ منجانب صیغۂ تعلیم نسواں کے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں

نام	چندہ
آنریبل مسٹر جسٹس بدرالدین طیب جی	۲۰۰
آنریبل مسٹر ابراہیم رحمت اللہ	۱۰۰
مسٹر کریم بہائی ابراہیم	۳۵۰
مسٹر امیرالدین طیب جی	۲۵
مسٹر مرزا محمد شیرازی	۲۰۰
مسٹر محمد حسین متبہ	۱۲۵
مسٹر پیار علی عبداللہ دوسیل	۱۰۰
مسٹر ابراہیم نورالدین	۱۰۰
مسٹر سلیمان عبدالواحد	۱۰۰
مسٹر حاجی بہائی لال جی	۱۰۰
مسٹر احمد بہائی حبیب بہائی	۱۰۰
مسٹر صالح بہائی کریم جی بارودوالہ	۵۰
مسٹر عبداللہ بہائی جی لال جی	۵۰
مسٹر عبداللہ اللہ راکھیا	۵۰
مسٹر شریف دان جی کان جی	۵۰

مسٹر مرزا علی محمد خاں	للعہ
مسٹر محمد اسمٰعیل حنیظ	۲۵
مسرز رشید علی دینا اینڈ کو	۲۵
مسرز سی جی. ڈہولا اینڈ کو	۲۵
مسٹر قاسم نان جی میاں	۲۵
مسرز نان سوخیرا اینڈ کو	۲۵
مسٹر فاضل بہائی جان محمد	۲۰
مسٹر جمال بہائی شریف	۱۵
سیٹھ سابو صدیق صاحب	۲۵
مسرز میغ جی بہائی دتے اینڈ کو	۱۵
مسٹر عبد القادر کنٹ کٹے	۱۰
مسٹر بندہ علی شیوجی	۱۰
مسرز عبد البہائی موجی اینڈ کو	۱۰
مسٹر این جی دمینکار	۵
مسٹر داؤد بہائی موسیٰ بہائی	۵
مسٹر الیف اے نجیم	للعہ
مسٹر شیخ فیض اللہ بہائی بی - اے	عہ
مسٹر سید اے رؤف شاہ	عہ
وصول از آمدنی تھیٹر بہ برکت قدوم حضور سر لارنس جنکنز بہادر چیف جسٹس ہائی کورٹ بمبئی	۲۲۶
مفصلۂ ذیل حضرات کے چندے کی بابت	چندے کے رقمے

وعدے بھی قابل اندراج ہیں۔

مسٹر محمد حسین حکیم - - - - - تار ۱۰۰

مسٹر قاضی محمد کبیر الدین بیرسٹرایٹ لا - - - تا ۱

مسٹر اسمعیل بیگ محمد - - - - -

مسٹر حاجی یوسف حاجی اسمعیل - - - - -

مسٹر عبداللہ احمد - - - - - عنہ ۱۰

جناب مسٹر سلیمان عبدالواحد نے علاوہ نقد سو روپیہ مندرجۂ بالا کے للعہ روپئے چندہ سالانہ بھی نارمل اسکول کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

بیگمات کا چندہ | جناب مس زہرا فیضی کی فہرست مندرجہ بالا میں زیادہ تر معزز خاتونوں کا چندہ ہے اُسکے علاوہ جن معزز خواتین بمبئی نے ڈیپوٹیشن کی معرفت چندہ عطا فرمایا ہے انکے اسماے گرامی حسب ذیل ہیں۔

مسز قاسم علی جیراز بہائی پیر بہائی - - - - تار ۱۰۰

لیڈی جان بائی تہاریا ٹپن - - - - ضہ ۵۰

مسز اے۔ ایم روسے لیٹ - - - - عنہ ۱۰

جناب ممتاز جہاں بیگم صاحبہ پرنس نصراللہ خاں - ماضہ ۱۵۰

جناب ممتاز جہاں پرنس نصراللہ خاں بیگم نے ماضہ ۱۵۰ نقد دینے کے علاوہ یہ رقم مقرر فرمادی ہے ہر سال ماضہ ۱۵۰ روپیہ عطا فرمایا کرینگی اس سالانہ امداد کی بابت بیگم صاحبہ ممدوحہ خاص شکریہ کی مستحق ہیں۔

چند بیگمات بمبئی نے مفصلہ ذیل رقوم عنایت فرمانیکا مستحکم وعدہ فرمایا ہے۔

لیڈی جان بائی تہاریا ٹپن (علاوہ ضہ ۵۰ نقد) - - مارضہ ۱۵۰

لیڈی علی شاہ والدہ ہز ہائینس آغاخاں - - - صار ۳۰۰

والدہ صاحبہ مسٹر محی الدین خاں آزاد - - - ستا۵

مسٹر محی الدین خاں آزاد کی والدہ صاحبہ محترمہ ہمارے ڈیپوٹیشن کے زمانۂ قیام بمبئی میں اول سے آخر تک میزبان رہیں آپ کے ہی مکان پر ڈیپوٹیشن ٹھیرا تمامہانی کے پرتکلف اخراجات کچھ کم گراں احسان اور اونہیں جس کی بابت شکریہ ادا کیا جاتا ہے آبرو بیگم صاحبہ بھی زنانہ نارمل اسکول کے لئے بطور خود چندہ جمع کر رہی ہیں اور اسقدر اطلاع ملی ہے کہ ایک معقول رقم فراہم کر چکی ہیں۔

میزان کل | کل رقوم جو ڈیپوٹیشن نے جمع کیں اور جناب مس زہرا فیضی نے ڈیپوٹیشن کی معرفت بھجائیں انکی میزان مبلغ [illegible] ہے مزید براں مالک [illegible] سالانہ کی آمدنی اسکول کے لئے مقرر ہوئی بارہ سو سے زیادہ کے وعدے زیر وصول ہیں اسقدر کامیابی پر ہم جملہ معاونین وچندہ عطا کنندگان کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرکے ڈیپوٹیشن کے حالات درج کرتے ہیں۔

مزید خوشخبریاں | جناب بیگم صاحبہ مسٹر غلام محمد منشی بیرسٹر ایٹ لا (راجکوٹ) اپنی جیب خاص سے مبلغ پندرہ روپیہ سالانہ زنانہ نارمل اسکول کا مقرر فرماتی ہیں سال اول کا روپیہ بذریعہ منی آرڈر ہمیں وصول بھی ہو گیا ہے جناب مسبز شوکت علی نے ساٹھ روپیہ سالانہ مقرر فرمایا ہے ابھی رقم وصول نہیں ہوئی ان دونوں خوشخبریوں کو شکریے کے ساتھ درج کرتے ہیں ایک ادر مبلغ دو سو روپے کی رقم کا جو وصول ہو گئی اعلان کرتے ہیں یہ رقم ایک نہایت معزز و لایق خاتون نے ارسال فرمائی ہے جو اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کرتیں اور اسکے ساتھ یہ انکسار بھی تحریر فرمایا ہے کہ "یہ ناچیز رقم بھیجتے ہوئے شرم آتی ہے مگر آیندہ انشاء اللہ اس سے دہ چند ارسال کرنے کی کوشش میں ہوں اپنی ملاقاتن یورپین لیڈیز سے بھی یورپ میں چندہ جمع کراؤنگی۔ میرا نام ظاہر کرنا ضروری نہیں فقط اسقدر کافی ہے کہ میں صنف نسواں کی سچی دوست

ہوں،، ہم بھی کہتے ہیں کہ بیشک آپ سچی ہی دوست ہیں اور آیندہ ہم اسی نام سے آپکو رسالۂ خاتون میں لکھا کرینگے۔،،

۔ ناظرین خاتون! اگر آپ کی ہمدردی اور عملی امداد کا یہی سلسلہ جاری رہا تو وہ دن دور نہوگا کہ جسطرح مسلمان مردوں نے علیگڈہ کالج بنالیا مسلمان مستورات اپنی کوشش سے اپنے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا **محمڈن لیڈیز کالج** بنالینگی!

ایک سال کے لئے ایک پرچہ مفت

جناب چودہری علی گوہر صاحب ایم۔ اے۔ ایک سال کے لئے رسالۂ خاتون کسی کم استطاعت پڑہی لکھی لڑکی کے نام جاری کرانا چاہتے ہیں چندہ خود ادا کرینگے۔ خواندہ ہونیکے ثبوت کے ساتھ درخواست آنی چاہئے۔

تصویر خاتون کے آیندہ نمبر اکتوبر میں عالیجناب مسز علی اکبر کی تصویر بمبئی کے اُس لباس میں شائع ہوگی جسپر لندن کے ایک جلسۂ انتخاب زنانہ لباس میں اُن کو سب سے اعلیٰ اور بیش قیمت انعام ملاتھا۔ کوئن وکٹوریا کے اردو دستخط کی تصویر بھی مسز علی اکبر کی تصویر کے ساتھ شامل ہوگی یہ تو ہندوستانیوں کو معلوم ہے کہ ملکہ معظمہ آنجہانی نے اردو سیکھی تہی مگر اُنکے دستخط بقلم خود دیکھنے کا فخر بہت ہی کم لوگونکو میسّر ہوا ہوگا!

ستائش یہانتک رسالہ لکہا جانے کے بعد ہمیں اپنی ستائش کے متعلق ایک گرانبہا خوشخبری وصول ہوئی ہے جسکے آخری چند سطروں میں بیان کرنے کی گنجایش اور موقع نہیں مگر ناظرین کے رفع انتظار کے لئے اکتوبر کا پرچہ جلد شائع کرنے کی کوشش کیجائیگی مسز علی اکبر کی تصویر اور کوئین وکٹوریہ کے دستخط دیکھنے اور یہ خوشخبری سننے کے لئے ہماری لیڈی ناظرین ہمہ تن شوق ہوجائیں۔!

خاتون اسٹور

لکھنؤ کی گزشتہ کانفرنس میں سیدہ احمد بیگم دہلوی کا نو ایجاد برقع عموماً بہت پسند کیا گیا تھا اُسپر انعام بھی دیا گیا تھا اور دو ایک کاپیاں جو اُس برقع کی موجود تھیں نمایش ہی میں فروخت ہو گئی تھیں۔ مگر فرمایشوں کا سلسلہ جاری رہا آخر سیدہ احمد بیگم صاحبہ نے اپنی نگرانی میں ایک کارخانہ برقعوں کی تیاری اور دہلی کے لباس کے تازہ ترین فیشن کی چیزوں کا جاری کیا ہے اور اسکا نام "خاتون اسٹور" تجویز کیا ہے سو روپیہ نفع میں سے پانچ روپیہ زنانہ نارمل سکول فنڈ کو دیا کرینگی چنانچہ پہلے نفع میں سے ایک روپیہ تین آنے کا منی آرڈر اسی حساب سے ہمیں ارسال بھی کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کارخانہ جاری ہو گیا کام ہو رہا ہے نفع بھی حاصل ہوا اور زنانہ نارمل سکول کے ساتھ اپنا اقرار بھی پورا کر کے دکھایا گیا ہم اُس ایک روپیہ تین آنہ کی جو تجارت اور ریاضت سے حاصل ہوئے ہوں انکی ہزار روپے اور چند اشرفیوں کے برابر قدر کرتے ہیں اس کارخانے سے دوہرے دوہرے فائدے ہیں ہنرمند و بے معاش مستورات کو کام ملیگا اُنکے بچے پرورش پائینگے غریب لڑکیاں سینے پرونے کا کام سیکھکر اچھی اچھی مغلانیاں ہو جایا کرینگی اور بیرونجات میں جن مستورات کو دہلی کے تازہ فیشن لباس کا شوق ہو گا اُنکو عمدہ سے عمدہ چیزیں بنی بنائی اور فرمایش کے موافق تیار ملجایا کرینگی امید ہے کہ مستورات میں ہر جگہ اس کارخانہ کا چرچا پھیلیگا اور اسکی چیزوں کی قدر کیجائیگی۔

دلی کوچہ چیلان، گذر فیض بازار "خاتون اسٹور" کے پتے سے تمام خط و کتابت اور فرمایشیں بھیجنی چاہئیں۔

اعلان

اس رسالہ کی قیمت نظر بر حال موجودہ سے
سالانہ رکھی گئی ہے۔ اور ششماہی (عہ) فی پرچہ (۵ر)۔
درخواستیں بنام شیخ محمد عبداللہ صاحب بی
اے ایل ایل بی وکیل ہائیکورٹ علیگڈہ آنی
چاہئیں۔
قیمت ہر حال میں پیشگی لیجائیگی۔
تمام مضامین اڈیٹر کے پاس آنے چاہئیں

خاتون

۱- یہ رسالہ [illegible] علیگڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اس کی سالانہ قیمت [illegible] ہے۔

۲- اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳- مستورات میں تعلیم پھیلانی کوئی آسان بات نہیں اور جب تک مرد اسطرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور اسکے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہورہے ہیں اسکی طرف ہم ہمیشہ مردونکو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴- ہمارا رسالہ اسبات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لئے عمدہ اور اعلی لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی انکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم پڑھنے سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵- ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶- مستورات کے مضامین اور خطوط جیسے بھی ہونگے ہم ضروری اصلاح کے بعد شائع کردینگے۔

۷- اس رسالہ کی مدد کرنے کے لئے اسکو خریدنا گویا اپنی مدد آپ کرنا ہے۔ اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیونکو وظائف وغیرہ استانیوں کی خدمت کے لئے تیار کیا جائیگا۔

نئی دفعہ - استانیوں کے لئے تلاش روزگار اور خاندانوں کی طرف سے استانیوں کی ضرورت کا اشتہار مفت دیا جائیگا اور اسطرح ایک کی تلاش سے دوسری کی ضرورت پوری ہو جائیگی

سلسلہ

خواتینِ ہند

(۱)

مسز علی اکبر

رسالۂ خاتون میں ایک سلسلہ خواتین ہند کے عنوان سے مضامین کا شروع کیا جاتا ہے جسکا اور قوم کی لایق ترین خاتونوں کے حالات اس میں لکھے جایا کرینگے اور جہاں ممکن ہوگا تصویر بھی شائع کیجائیگی۔ سب سے پہلا مضمون ہم خود لکھتے ہیں اور جناب مسز علی اکبر کے حالات اسکے لئے انتخاب کرتے ہیں اس سلسلہ میں یہ حالات اولیت کے لئے کسقدر موزوں

ہیں پڑھنے سے خود معلوم ہو جائیگا۔

میکے کا نام زبیدہ خاتون ہے بمبئی کے ایک معزز و نامور مسلمان خاندان کی بیگم ہیں۔ اُنکے شوہر مسٹر علی اکبر، اور چچازاد بہائی مسٹر احمدی دونوں صوبہ بمبئی میں ایگزیکیوٹو کے معزز اور کمیاب عہدے پر ممتاز ہیں بلکہ ہندوستان بہر میں یہی دو مسلمان ایگزیکیٹو انجنیر ہیں جنپر مسلمانوں کو فخر ہو سکتا ہے۔

علم و اخلاق کی فضیلت اور خوبیوں کے لحاظ سے مسز علی اکبر کا درجہ ملکی خاتونوں میں بلند و ممتاز ہے کہ مسلمانوں میں تو شاید ہی کوئی ہو (اور وہ بھی اِدہر ہی یعنی بمبئی ہی کی طرف دیگر اقوام میں بھی اُنکی لیاقت، اخلاق، وسیع تجربے اور معلومات کی خاتونیں بہت کم [illegible] عورتوں کا تو تذکرہ ہی کیا ہے ایسے مردوں کی تعداد بھی جو ایک سے زیادہ غیر زبانیں جانتے اور صحیح لکھ بول سکتے ہوں مسلمانوں میں زیادہ نہیں لیکن مسز علی اکبر انگریزی سے تو مادری زبان کی طرح واقف ہیں اُسکے علاوہ فرانسیسی، فارسی، گجراتی، زبانوں اور اردو میں بھی جو اُنکے لئے غیر زبان ہے بہت اچھی مہارت رکھتی ہیں۔ عربی اور ترکی سے بھی ناواقف نہیں ہو سکتیں کیونکہ مصر اور قسطنطنیہ کا وہ سفر کر چکی ہیں اور وہاں رہ آئی ہیں اور اس لحاظ سے اُنکو ہفت قلم اور ہفت زبان کہنا غلط نہیں ہو سکتا۔

اُنکی تصویر پر شاید اسطرف کے ناظرین متعجب ہوں مگر تعجب کی کوئی بات نہیں ہے سر کے دوپٹہ سمیت یہ تصویر اُس زمانے کی ہے جبکہ وہ ممالک یورپ کی سیر و سیاحت کر رہی تہیں۔ یورپ میں پردہ کوئی جانتا ہی نہیں اور اگر وہاں کوئی پردہ کے انتظام کے ساتھ جائے اور سفر کرے تو پردے کا مطلب اُلٹا ہو جائے یعنی اتنی غیر نظریں پردے پر اُٹھیں اور پردے والی بیوی کو تماشہ بنا لیں کہ اگر وہانکے رواج کے مطابق چلی جاتیں تو معمولی بات تہی کوئی متوجہ بھی نہوتا۔ خصوصاً مسز علی اکبر کے لئے تو العلم حجاب الاکبر استعارہ کافی ہے۔

فرانسیسی خاتونوں کے ایک رسالے کی لایق و فایق ایڈی اوڈیٹر نے اپنے مہذب حسین باتصویر میگزین میں مسز علی اکبر کی تعریف جس عبارت میں کی ہے اُسکا ترجمہ ہم اپنے ناظرین کی واقفیت کے لئے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"مسز علی اکبر کا خاندان بمبئی کے بڑے معزز گھرانوں میں سے ہے میرا جو وقت انکی ملاقات میں سورت اور ہازگاؤں میں بسر ہوا وہ مجھے ہمیشہ یاد رہیگا اسدن اُنکی نند یعنے ہائینس نواب بیگم صاحبہ جنجیرہ کے ہاں دختر کی ولادت کی تقریب تھی بہت سی معزز اور خلیق بیگمات قدیمی تراش اور وضع کے لباسوں میں آراستہ۔ ملاقاتی کمرہ استقبالی دریچوں اور برآمدوں میں جمع تھیں جھٹ پٹے کا سا وقت تھا بیگم صاحبہ ایک ملکا سا ستار بجا رہی تھیں اور اُن کی نازک تانوں پر خوش الحانی کے ساتھ گاتی جاتی تھیں۔ وہ نو وقت سے ہندوستانی راگ کی تاثیر طبیعت کو اُداس اور مغموم کئے دیتی تھی"

"مسز علی اکبر یورپ کی سیر کر چکی ہیں اور مسلمانوں میں صرف یہی بی بی ہیں جو کوئین وکٹوریا سے ملی ہیں ملکہ موصوفہ انسے ملکر بہت ہی خوش ہوئی تھیں وہ بہت تعلیم یافتہ خاتون ہیں انہوں نے زمانہ دیکھا ہے تجربے اور مشرق و مغرب کے مقابلہ سے بہت کچھ سیکھا ہے

اب اپنا وقت ہمیشہ اپنی ہم مذہب بہنوں کی تعلیم اور ترقی کے مسائل پر غور کرنے میں صرف کرتی ہیں۔ قاہرہ اور قسطنطنیہ میں انہوں نے ایسے ایسے حالات معلوم کئے ہیں کہ جنپر ہم یورپینوں کی نگاہ ہی نہیں پڑتی نہ ہماری توجہ اس طرف جا سکتی ہے!"

گذشتہ سال نومبر میں مشہور انگریزی اخبار پایونیر کے اڈیٹر نے بھی ایک خاص آرٹکل میں مسز علی اکبر کا اُن چند ہندوستانی بیگمات میں نام لیا ہے جو اچھی تعلیم یافتہ اور روشن خیال کہی جا سکتی ہیں۔

مسز علی اکبر کو دو بار اپنے معزز اور محترم شوہر کے ساتھ یورپ کے ملکوں کی سیر کا

موقعہ حاصل ہوا ہے پہلا سفر ۱۸۹۴ء میں کیا تھا دو تین برس یورپ کے ملکوں کی سیر میں مشغول رہیں بڑے بڑے معزز شاہی اور امیر خاندانوں میں ملنا جلنا ہوا ہر جگہ اُنکی فہم و فراست اور علمیت کی تعریف ہوتی تھی لندن کے قیام میں ملکہ معظمہ آنجہانی نے بھی اپنے محل میں بلاکر خاص ملاقات کا اعزاز بخشا۔ اور بڑی مہربانی اور دلجوئی سے پیش آئیں اس ملاقات کا بیان بجائے خود ایک دلچسپ قصہ ہے اور علیحدہ لکھا جاتا ہے۔

زمانۂ قیام لندن میں مسز علی اکبر کو ایک عجیب پرلطف اتفاق ہوا۔ ایک بڑے شاندار مکان میں ایک جلسہ لیڈیوں کے لباس کے مقابلے اور انتخاب کا تھا چودہ انعام عمدہ سے عمدہ اور اچھے سے اچھے لباسوں پر ملنے والے تھے جنہیں سے سب سے اعلیٰ لباس کا انعام ایک چاندی کا ٹی سیٹ (چاء کا ساز و سامان) سَو اشرفی قیمت کا تھا۔ ہزاروں امیر لیڈیاں اور شاہی خاندان کی بھی کئی شہزادیاں رنگ برنگ کے پرصنعت اور بیش قیمت ہر ملک ہر زمانے اور ہر فیشن کے لباسوں میں خوب بن ٹھن کر انعام حاصل کرنے کی کوشش اور تیاریوں کے ساتھ اُس میں شریک ہوئی تھیں۔ مسز علی اکبر بھی اپنے معمولی بے تکلف لباس میں فقط تماشا دیکھنے کی غرض سے چلی گئیں مگر ؎

خدا کے دین کا موسےٰ سے پوچھئے احوال

کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری ملجائے!

لباس کی پرکھ جاننے والوں کی کمیٹی جس میں چند ممبر تھے مسز علی اکبر کے لباس کو دیکھکر ایک رائے ہوگئی اُنہی کے لباس کو سب سے اچھا۔ سب سے خوبصورت اور وضعدار قرار دیدیا اور اسطرح سَو اشرفی قیمت کا سب سے اعلیٰ انعام بھی ان بے خبر تماشائی کو ملگیا بہت سی لیڈیاں اور نواب زادیاں جو مقابلے میں اول آنے اور سب سے اعلیٰ انعام جیتنے کی تیاریاں مدتوں سے کررہی تھیں رشک سے مُنہہ دیکھتی رہگئیں!

مسز علی اکبر کے سب سے اعلیٰ انعام پانیکی خبر بہت دن تک ولائتی اخبار دنیں

گونجتی اور گشت کرتی رہی باتصویر رسالوں نے اس لباس کی تصویریں شائع کیں مگر جنا یسے
ہی تھے جنکو اصلی تصویر میسر نہ آئی تو اُنھوں نے اٹکل پچو کی تصویریں بنا بنا کر اپنے رسالوں
میں مشتہر کر دیں غرض ولایت میں اس لباس کا بہت دن تک اور بڑا چرچا رہا -

یہ تصویر اُسی لباس میں ہے جس پر انعام ملا تھا ہمیں اُمید ہے کہ مسلمان خاتونوں کو اپنی
ضرورتوں اور آسایئو نکے موافق ایک خوبصورت اور موزوں لباس کی وضع مقرر کرنے میں یہ
تصویر بہت مدد دیگی - خاتونیں دیکھینگی کہ باوجود یورپ کا دو بار سفر کرآنے، وہاں مدت تک
رہنے اور یورپین علوم اور زبانیں جاننے کے بھی مسز علی اکبر فرنگن نہیں بنیں بلکہ اپنی اسلامی
وضع پر قائم ہیں اور اپنے اُسی لباس کو ایسے سلیقے اور اصلاح کے ساتھ استعمال کرتی
ہیں کہ فرنگنوں کے بھی رشک کا باعث ہے -

لباس پر مسز علی اکبر کے خیالات گزشتہ جولائی کے رسالۂ خاتون میں شائع ہوئے تھے
جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستانی مستورات کا موجودہ لباس بیشک اصلاح کے قابل ہے
لیکن جو اصلاح ہو وہ ہندوستانی وضع کو قایم رکھکر ہونی چاہئے - اس طرح کہ ہمارے
لباس کے عیوب اور تکلیفیں مٹ جائیں مگر خوشنمائیاں اور خوبصورتیاں جو اُس میں ہیں باقی
رہیں - اُنکے نزدیک یورپین وضع کو اڑانیکا طریقہ اچھا نہیں اور وہ اس عادت کو ترک
خاتونوں میں بھی دیکھکر خوش نہ ہو سکی نہیں - بعض بیویاں آدھا تیتر آدھا بٹیر کچھ ہندوستانی
کچھ فرنگی وضع ملا کر ایک لباس بنا لیتی ہیں یہ بھی جناب موصوفہ کو پسند نہیں وہ اس طریقے
کو دیسی اور فرنگی دونوں وضع کا خون کرنا اور بالکل فرنگن بنجانیکو فرنگنوں کا منہ چڑانا
خیال کرتی ہیں"

مسز علی اکبر کی تصویر کے ساتھ کوئین وکٹوریا کے انگریزی اور اُردو دستخطوں
کی تصویر بھی رسالۂ خاتون میں بڑے فخر کے ساتھ شائع کیجاتی ہے یہ دستخط ملکۂ معظمہ
آنجہانی نے مسز علی اکبر کی لیڈی دوستوں کے دستخطوں کی خوبصورت البم میں اپنے

قلم سے تحریر فرمائے ہیں۔ آن دستخطوں کی وجہ سے اردو خط کو تو ہمیشہ کے لئے ہندوستان کی دیسی خطوں پر خطِ شاہنشاہی حاصل ہوگیا اچھی ملکہ کی یہ یادگار جناب مسٹر علی اکبر کے پاس تمام مسلمانوں کا سرمایہ ناز ہے!
اڈیٹر

خوشخبری

زہے نشاط اگر کیجئے اسے تحریر

(۵)

سلطان جہاں

صدر منزل
۳۰- ستمبر ۱۹۰۵ء - بھوپال

بنام سکرٹری صاحب فیمیل ایجوکیشن سیکشن محمڈن کانفرنس علیگڈھ

جنابمن -

میں آپکو نہایت خوشی کے ساتھ اطلاع دیتا ہوں کہ آپکا مرسلہ اعلان متعلق نمائش اشیائے صنعت و حرفتِ اناث - سرکار عالیہ نے نہایت دلچسپی کے ساتھ ملاحظہ فرمایا۔ سرکار عالیہ اپنی دلچسپی کا عملی ثبوت اسطرح ظاہر فرماتی ہیں کہ نمائش میں رکھنے کے لئے اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی دو تصویریں (آئل پینٹنگ) اور کچھ کشیدہ بھی روانہ فرمائینگی -!

امید ہے کہ اس قابل قدر مثال سے مسلمان خواتین میں فنونِ لطیفہ کا شوق پیدا ہوگا - فقط

آپکا خیرخواہ
ظفر عمر
سکرٹری سرکار عالیہ فرمانروائے بھوپال

گذشتہ نمبر میں جب خوشخبری کے سنانیکا وعدہ کیا گیا تھا وہ اس سے [illegible] ہوتی ہے
کہ ہندوستان کی سب سے بڑی بیگم ایک ملک کی ملکہ وقت و رتاج و تخت [illegible] کی [illegible]
میں اپنے دست مبارک سے بنی ہوئی تصویریں اور کشیدے ارسال فرمائینگی فقط اسلئے کہ آن کی
شان سے مستورات میں صنعت و حرفت کا شوق پیدا ہو - !!

تعلیم و ترقی نسواں کے مسئلہ میں متواتر دلچسپیوں کے عملی اظہار سے ہر ہائنس نے ثابت
کر دیا ہے کہ مستورات ہند کو قعر جہالت سے نکال لینے [illegible] سطح دل سے آمادہ
اور مستعد ہیں جیسے تازہ ایجاد کلیں بڑے بڑے غرق شدہ جہازوں کو سمندر کی تہ سے اٹھا لیتی
ہیں خدا حضور عالیہ کی عمر و اقبال میں ترقی اور اس مبارک خیال میں حسب دلخواہ کامیاب [illegible]
کرے ۔۔

ہماری استدعا ہے کہ ہندوستان کی اور دولتمند بیگمات بھی اپنے دستی صنعت کے
نمونے ارسال کرنے میں سبقت کریں تاکہ ہر ہائنس کے عطیہ کشیدے اور [illegible] کیساتھ
آسمان صنعت پر چاند اور ستاروں کی طرح نمائش کی قدر اور غریب ہنرمندوں کی
حوصلہ افزائی کا باعث ہوں نیز تمام گھرانوں میں جہاں بے ہنری اور کاہلی کو امیری کی
دلیل سمجھا جاتا ہو یہ بات دن کی روشنی کی طرح ظاہر ہو جائے کہ نہیں بلکہ فنون لطیفہ میں
مہارت اور کمال بڑی بڑی بیگمات کا ذاتی زیور ہے جن میں سب سے برتر و افسر حضرت
ہر ہائنس نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ دام اقبالہا والیہ ریاست
بھوپال کا اسم اعظم ہے !

ایڈیٹر

کوئن وکٹوریا سے میری ملاقات

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

جناب زبیدہ خاتون صاحبہ مسز علی اکبر کے ہم نہایت احسانمند ہیں کہ انہوں نے خاتون کی قدردانی کے لئے کوئن وکٹوریا سے اپنی قابل فخر اور لائق یادگار ملاقات کے دلچسپ حالات ہمیں عنایت کئے ہیں۔ ان حالات میں ناظرین پڑھینگے کہ آخر ملکہ معظمہ کی متواتر نوازشوں سے جو ہوکر میں علی اکبر نے لکہا ہے کہ ملکہ نے میرے خوش کرنے کے خیال سے ہی ایسا کیا ہوگا،، ہم کہتے ہیں کہ خیر بلکہ ہندوستان کی تمام خاتونوں کو خوش کرنے کے خیال سے یہ نوازشیں فرمائی گئیں تھیں فرداً فرداً سب سے ملنے اور نوازش کرنیکا موقعہ نہ بادشاہونکو ہوسکتا ہے اور نہ رعایا کو ملسکتا ہے اسلئے آپ کے اعزاز خوشی اور خوش نصیبی میں اور سب خاتونین بھی آپ کی شریک ہیں ۔

اڈیٹر

رسالۂ خاتون کی ناظرین بہنوں کی دلچسپی کے لئے ملکۂ معظمہ آنجہانی سے اپنی ملاقات کے مختصر حالات لکہتی ہوں چونکہ اس ملاقات کو ایک عرصہ گذرا ہے بہت سی باتیں مجھے یاد بھی نہیں ورنہ زیادہ مفصل اور پورے طور پر لکھہ سکتی ۔

۱۸۹۳ء میں جب میں اپنے شوہر کے ساتھ فرنگستان کا سفر کر رہی تھی اور انگلستان بھی گئی تو وہاں مجلسوں اور محفلوں میں محبت اور قدر کرنیوالی بیویونکا اکثر مجھے سوال ہوتا کہ آپ ملکہ معظمہ سے بھی ملی ہیں؟ "کاش ہماری ملکہ آپ کو دیکھتیں" ان باتوں سے میرے دل میں بہت ہی اشتیاق حضور کی ملاقات کا پیدا ہوا۔

چونکہ اس موقعہ پر شاہی درباروں کی تاریخیں ختم ہوچکی تھیں اور ڈرائنگ روم میں اجلاس

ملکہ معظمہ کا بند تہا اس لئے پرائیویٹ ملاقات کے سوا اور کوئی صورت ملاقات کی نہیں ہوسکتی
تہی آخر چند مہربان اصحاب کے ذریعہ سے اس ملاقات کا انتظام ہوا۔ جب انسان پر خدا کی
مہربانی ہوتی ہے اور کسی ناچیز کو عزت اور امتیاز عطا کرنا ہوتا ہے تو ایسے اسباب پیدا کردیتا ہے
کہ جنپر عقل حیران رہجاتی ہے! اگر کل حالات لکھوں کہ مجھے یہ شرف کیونکر نصیب ہوا تو
مضمون بہت طویل ہوجائے۔ مختصر یہ کہ ایک روز تیسرے دن کے بعد ایک عزیز مہربانہ
کی کنٹری سیٹ سے ہم واپس آئے تھے کہ ایک پیغام تاربرقی پرلنسیس ایری ڈچز آف
البنی کی طرف سے میری مہربان دوست مسز الکزنڈر کے نام وصول ہوا مضمون تار کا
یہ تہا کہ:۔ کوئین مسز علی اکبر سے ملکر بہت خوش ہونگی، دوسرے دن ایک اور پیغام تاربرقی ملا
جس میں ملاقات کے لئے تاریخ اور وقت ونڈزر محل میں جانیکا مقرر تہا اور کہانے کی دعوت
بہی تہی۔ اس نعمت غیر مترقبہ کے ملنے سے میں جسقدر خوش ہوئی اور خوشی کی جو تاثیر میرے
دل پر ہوگی اسکا اندازہ پڑہنے والیاں خود کرسکتی ہیں۔ جب میں اپنے ناچیز ہونے پر اور کوئین
کے مرتبہ پر غور کرتی تہی تو مجھے خیال ہوتا تہا کہ مجھ جیسی ناچیز کو ایسی عالی رتبہ ملکہ جہاں کے
سامنے جانے اور ملنے کا کیا حق ہے۔!

میری ایک خاص دوست لیڈی اسکاٹ ہیں جب مینے اُن سے ذکر کیا تو انکو
مجھسے ایسی محبت ہے کہ میرے اس اعزاز وفخر کی بات کو سنکر اسقدر خوش ہوئیں کہ
شکریے میں غرق ہوئی جاتی تہیں اُنہوں نے مجھکو نصیحت کی کہ دیکھو اپنے تئیں اس
موقعہ پر بہت سنبھالے رکھنا۔ لیڈی اسکاٹ کا مکان ہمارے قیام گاہ سے ریل میں
دو گھنٹہ کا راستہ تہا۔ بچاری اکثر آتیں اور مجھے ہواخوری کیلئے اپنے ساتھ لیجاتیں اُن کو
بہت خیال تہا کہ لندن جیسے عظیم شہر کی دہوم دہام اور دہزات کی گہما گہمی سے میں کہیں بیمار

---

[1] شہر سے دور مقامات میں جو مکان تفریح کے طور پر جاکر رہنے کو امرا بنا لیتے ہیں انکو کنٹری سیٹ کہتے
ہیں یہ مکانات اکثر امرا کی جاگیروں اور زمینداریوں میں واقع ہوتے ہیں۔

نہ پڑجاؤں۔

کوئن سے ملاقات کے سلسلہ میں میرے دل میں خیال آیا کہ دو سال پیشتر میںنے نمایش میں ایک لباس بہیجا تہا جو ملکہ معظمہ کی نظر سے گذرا تہا اور اُنکو بہت پسند آیا تہا یہانتک کہ انہوں نے اُسکے خریدنے کی خواہش بہی ظاہر کی تہی دوسرا ایک کنارہ تہا جو میری اماں جان کے ہاتھ کا بنا ہوا تہا اُسے بہی حضور نے پسند فرمایا تہا میں بہت چاہتی تھی کہ اُن دونوں چیز تحفوں کو حضور کے تقدیم کروں مگر کوئی صورت بن نہ آتی تہی اب ملاقات کا موقعہ نصیب ہونے سے ان دونوں چیزونکو نذر گزارنے کا میںنے قصد کر لیا لیکن نذر پیش کرنے کے لئے پہلے اجازت حاصل کرنی پڑتی ہے آخر وہ اجازت بہی خوش قسمتی سے مجھکو حاصل ہوگئی مگر مجھکو یہ خیال ہوا کہ ایسے عظیم الشان اور رعب شاہی کے موقعہ پر میں ان چیزونکے پیش کرنے کی ہمت کیونکر کرسکونگی زبان تو اُسوقت بند ہو جائیگی۔ توکل بخدا میںنے دیوان حافظ کہولا چند ایسے موزون اشعار مل گئے جنکو میںنے ایک نہایت خوبصورت اور ریشم کے مانند سپید کاغذ پر فارسی قلم سے لکہہ لیا اور لیڈی اسکاٹ کی مدد سے نہایت عمدہ ترجمہ بہی انگریزی میں اُن اشعار کا ساتھ لیلیا۔

آخر روز بہی دنڈزر محل جانے سے پیشتر میں لیڈی اسکاٹ سے ملی وہ مجھسے اکثر کہا کرتی تہیں کہ کاش میں تمہاری مصاحب ہی بنکر ساتھ جاتی تاکہ ملکہ کی پرائیویٹ ملاقات کا شرف حاصل ہوتا۔ مجھے ایک سخت بیماری سے شفایاب ہوئے ابہی تہوڑا ہی عرصہ گذرا تھا اور کمزوری باقی تہی مگر خدا کی شان کہ ملاقات کی خوشی میں ایسی ہمت اور طاقت مجھہ میں رہی کہ میری سب احباب بیویاں حیران رہگئیں!

مجھے اسبات کا بہت خیال تہا کہ وقت ملاقات جہانتک ہوسکے صرف مشرقی ہی طرز پہنوں لباس اور زیور میرا بالکل مشرقی ہی ہو انگریزی چیز ایک بہی نہو چنانچہ میںنے خاص اجازت مانگی اور شاہی ملاقات کا جو خاص طریقہ "کرٹسی" یعنی انگریزی طور پر ادب آداب بجالانیکا

ہوتاہے اس سے معذرت مانگی اور بجائے اُسکے اپنے مشرقی طریق سلام دست بوس کی
اجازت طلب کی نیز ان موقعوں پر لمبے دستانے پہننے کا دستور ہوتا ہے اُنکے پہننے کا
بھی عذر کیا کیونکہ مشرقی لباس کے ساتھ وہ بہت ناموزوں معلوم ہوتے غرضکہ مسز الگزنڈر
کے ہاں جاکر میں مشق کیا کرتی تھی کہ ملکہ معظمہ کے سامنے جاکر کسطرح سلام کرونگی۔
جو ہدیے مجھکو پیش کرنے تھے وہ میں نے ایک بقچے میں طے کرکے اور باندھکر ساتھ
لئے تھے یہ بقچہ پرانے زمانے کے ایک رنگدار ریشمی رمال کا بنایا تھا جسکے چاروں کونوں پر
بٹن کے بجائے گوٹے کے خوشنما پھول موڑکر بنائے تھے۔ اور ایک کاغذ لگایا تھا جسپر
لکھا تھا۔ ؎ " اے آنکہ باقبال تو در عالم نیست "

پائے ملخ نزد سلیماں بردن ❖ عیب است ولیکن ہنر از مورے
گر قبول افتد زہے عزو شرف "

ازطرف خاکسار وعاجزہ زبیدہ

خدا کی مدد سے سب کام اور ہربات کا انتظام اچھی طرح ہوگیا اور ملاقات کی تاریخ آگئی
تاریخ مقررہ پر میں مسز الگزانڈر کے ہمراہ ونڈزر محل جانے کے لئے سوار ہوئی ہمارے
لئے ایک ریزرو (خاص) گاڑی مقرر ہوئی تھی اس خبر سے اسٹیشن پر لوگوں کا بڑا بھاری اژدہام
تھا اور تعجب سے ہماری طرف دیکھتے تھے جب ہم ونڈزر کے اسٹیشن پر پہونچے تو ایک
شاہی گاڑی سٹشن پر موجود تھی حضور کی طرف سے ہمیں لینے آئی ہوئی تھی میرے صاحب
وہیں ٹھیر سے اور جب ہم شاہی محل میں پہونچے تو لارڈ ڈزان وٹنگ " نے ہمارا استقبال
کیا اور ہمیں " لیڈیز ان ویٹنگ " کے سپرد کیا یہ ہمیں ایک عجیب ہوا خانے پر لیگئیں یہ
تین کمرے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے اُن میں ہمیں اُتار دیا لیڈی ساوتھمپٹن
اور مس آئینہ میکائیل میری خاطر تواضع میں مصروف ہوئیں لنچ یعنی دعوت میں بھی انواع

ؔ حاضر باش امرا جیسے مغل بادشاہوں کی ڈیوڑھی پر رہا کرتے تھے۔

واقسام کے عجائب کہانے تہے اور کون کا سب سے بڑا نوکر پیغ کا انتظام کر رہا تہا ۲ بجے ملاقات
کا وقت مقرر تہا پونے تین بجے ہمکو اطلاع ملی کہ تیار رہیں۔

اُسدن بہ سبب کہر اور ابر کے اندہیرا ہو رہا تہا ملاقات کا لطف کُند ہوا جاتا تہا کہ ایک
دیکہتی کیا ہوں کہ یکایک کہڑکیوں کے شیشے چمک اُٹہے ہیں اندر شعاعیں آرہی ہیں اور کمرہ کو روشن
کردیا ہے دیکہا تو باہر سورج نکل آیا تہا مینے خدا کا شکر ادا کیا اور فوراً دل میں خیال آیا کہ یہ
سورج نہیں بلکہ نیر اقبال شاہنشاہی ہے جو زمانے کو نور دے رہا ہے!

ٹہیک تین بجے فرمان شاہی وصول ہوا کہ ملکہ معظمہ ملاقات کے لئے تیار ہیں یہ سنتے
ہی میرا دل دہڑکنے لگا اور ہاتھ پاؤں سرد سے معلوم ہونے لگے لیکن ہمت کا دامن
مضبوط پکڑکر مینے آگے قدم بڑہایا مسز الگزانڈر میرے پیچہے چلیں بہت سی سیڑہیاں
چڑہکر اوپر ایک بڑا عظیم الشان دالان تہا جسے عبور کرکے کانپتی کانپتی اُس مبارک اور مقدس
کمرے کے سامنے پہنچی جہاں وہ پاک صورت اور نورانی شمائل ملکہ سامنے بیٹہی ہوئی نظر
آئیں۔ ہم اُس کمرے کے اندر داخل ہوئے اس کمرے کا ساز و سامان بہت سادہ تہا
بیچ میں ملکہ معظمہ ایک کالی آبنوس کی کرسی پر ہاتہ میں عصا، بیٹہی ہوئی تہیں مجہہ عاجزہ کو
دیکہکر اُٹہ کہڑی ہوئیں! حضور کی شبیہ تو اکثر ناظرین نے دیکہی ہوگی اُسکے بیان
کرنے کی ضرورت نہیں لباس اُنکا سیاہ ریشم کا بنا ہوا سادہ تہا گلے میں ایک باریک سیلی پہنے
ہوئے تہیں جس میں ایک لاکٹ اور لاکٹ میں پرنس آلبرٹ کی تصویر لٹک رہی تہی"

ملکہ معظمہ کو اپنے شوہر سے کسقدر محبت تہی اور اُنکو کسقدر عزت اور توقیر سے دیکہتی
تہیں ایک زمانہ جانتا ہے اُنکی وفات کے بعد اُنکی جدائی کا ملکہ معظمہ کو اسقدر غم تمام عمر رہا
کہ دنیوی آسایش اور عیش سے وہ بالکل کنارہ کش ہوگئی تہیں اگرچہ فرائض شاہی اُنکو
انجام دینے پڑتے تہے اس سے چارہ نہ تہا۔

شفقت اور مہربانی اُنکے چہرے سے برستی تہی مُنہہ پر میٹہی شاہانہ مسکراہٹ تہی

کرسی کے پیچھے چار شہزادیاں کھڑی تھیں جب میں قریب پہونچی تو ملکہ نے اپنا دست مبارک
بڑھایا مینے دست مبارک کو دونوں ہاتھوں میں لے کر آنکھوں سے لگایا اور چوما اور ادب
سے تعظیم کی اور قدمبوسی کو جھکی میں جب اٹھی تو دیکھا کہ ملکہ حیرت سے میری طرف دیکھ رہی
ہیں اور فرماتی ہیں کہ کیا پیارا اسلام کا طریقہ ہے ایکبار اسیطرح اور سلام کرو! جس شفقت
نوازش اور دلجوئی سے ملکہ نے مجھسے خطاب کیا باتیں کیں اور حالات پوچھے مجھہ میں کافی
لیاقت نہیں جو تحریر کرسکوں اسوقت اور اس عنایت کا اثر صرف اتنا یاد ہے کہ میں بالکل
بھول گئی تھی کہ میں دنیا کی سب سے بڑی شاہنشاہ ملکہ کے سامنے کھڑی ہوں۔!

تھوڑی دیر بعد ملکہ بیٹھ گئیں اور فرمایا کہ میں ضعیف ہوں، اس حلم اور سادگی کا اثر یقین
ہے کہ ناظرین بھی محسوس کرینگے جب وہ بیٹھ گئیں تو مینے اپنا بقچہ ڈرتے ڈرتے اُن کی گود
میں رکھا انھوں نے اپنے دست مبارک سے اُسکو کھولا اور بڑے شوق اور پیار کی نگاہوں
سے سب کچھ دیکھا اور تعریف کی ہر چیز کے متعلق بہت سی باتیں پوچھتی رہیں شعروں کا
کاغذ اٹھا کر مجھے دیا اور فرمایا کہ پڑھکر سناؤ،، مینے پڑھنا شروع کیا تو کیا بیان کروں
جرأت وہمت کا دامن میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور رعب شاہی سے میں کانپنے لگی زبان
بند ہوگئی بے اختیار میرے منہ سے نکلا کہ اوہ! آئی فیل سو نروس،، یعنے لحاظ اور دبدبے
سے اپنے تئیں بہت بے قابو پاتی ہوں۔ ملکہ نے مجھے قریب لیکر میرے گلے میں
ہاتھ ڈالدیے گویا پیار کرتی ہیں اور فرمایا کہ" دا ئی ڈو یو فیل سو نروس فروم می ڈیر؟"
مطلب یہ کہ اے عزیزہ تم مجھسے کیوں ڈرتی ہو؟ اور میرا ایک ہاتھ دست مبارک میں لیکر
فرمایا کہ پڑھو اس زبان کی آواز کیسی میٹھی ہے!"

اس اظہار شفقت سے مجھہ میں ہمت آگئی اور مینے اشعار پڑھکر سنائے حضور نے
خوشنودی ظاہر کی اور تعریف کی پھر میری صحت کے بارے میں پوچھا اور دریافت کیا کہ
تمہارے شوہر کہاں ہیں کیا وہ نیچے آئے ہوئے ہیں؟ کہاں ٹھیرے ہیں؟ میرے

سفر کی ہمت پر اور اُنکی ہمت پر آفرین کی اور ہر طرح سے لباس اور سب چیز کی تعریف فرمائی
مجھسے میری ایک تصویر مانگی میں احتیاطاً ساتھ لیگئی تھی جب پیش کی تو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ
اس جگہ تصویر کے نیچے اپنا نام لکھو جب میں اسکو چوکھٹے میں آراستہ کرونگی اور اپنے پاس رکھونگی
تو تمہارا نام اور تمہارے دستخط بھی مجھے نظر آئینگے۔

ان عنایتوں سے بھی بڑھکر ایک کرم یہ فرمایا کہ میرے پاس ایک سادہ ورق خوبصورت
سنہری اور نفیس بیل بوٹوں کے کام کی ایک کتاب تھی جسے انگریزی میں آٹو گراف البم۔ دستخطوں
کی کتاب کہتے ہیں اُسکی پشت پر میں نے لکھ کہا تھا کہ مائی فرنڈز آٹو گراف،، یعنی میری دوستوں
کے دستخطوں کی کتاب اس کتاب میں میری معروض پر اپنے دست مبارک سے اردو اور انگریزی
دونوں زبانوں میں اپنا نام نامی لکھدیا! اسکے بعد ایک بہت ہی عجیب واقعہ ہوا جسکو بیان
کئے بغیر میں نہیں رہ سکتی۔ جب رخصت کا وقت آیا تو مسز الگزانڈر نے چاہا کہ ریشمی پہولوں کا
رومال جو ملکہ معظمہ کی گود میں تھا اُسے اُٹھالیں جوں ہی وہ اُٹھانے لگیں ملکہ نے جھٹ دونوں
ہاتھوں سے اُس غریب رومال کو پکڑ لیا اور ایک بچہ کی طرح اُسے دبوچ کر فرمانے لگیں کہ
میں اسے کبھی نہیں لیجانے دونگی یہ میرا ہے میں اسے ہمیشہ رکھونگی،، اور یہ کہکر مسز الگزانڈر
کے ہاتھ میں سے چھین لیا ہم سب اسپر ہنسنے لگے پھر آپ بھی ہنسی میں شامل ہوگئیں۔ ناظرین
اس الطاف شاہانہ پر غور کریں مجھے خوش کرنے کے خیال سے ہی ایسا کیا ہوگا۔

اگر میں سب احوال لکھنے کا قصد کروں تو یہ مختصر بیان جو اتنی ہی کیفیت لکھنے سے
طویل ہوگیا بہت بڑھجائے خلاصہ یہ کہ اسکے بعد لیڈیز ان ویٹنگ نے بھی میرے دستخط
بڑے شوق سے مانگ مانگ کر لئے اور میں عزت و احسان میں سرتاپا مستغرق مسز
الگزانڈر کے ہمراہ اُسی گاڑی میں بیٹھکر رخصت ہوئی۔

جسوقت ہماری گاڑی محل کے دروازے سے نکلی لوگ ٹھٹھ کے ٹھٹھ جمع تھے
اگر معمولی موقعہ ہوتا تو میں گھبرا جاتی لیکن معلوم نہیں کسطرح خدا نے ہمت برقرار رکھی اُنکا

شکر ہے ! لوگ ٹوپیاں اُتار اُتار کر سلام کر رہے تھے میں بھی جواب میں سر ہلاتی جاتی تھی اُتین پر میرے شوہر موجود تھے اُنسے ملکر خوشی ہوئی اور اس اعزاز پر ہم دونوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

جب ہم لندن پہنچے تو وہاں ایک ریسیپشن تیار تھا یعنی بہت سے لوگ ہمارے مہربان جمع تھے سب نے مبارکبادیں دیں اور خوشیاں منائیں کچھ عرصے بعد بھی جب تک ہم لندن میں رہے مبارکبادیاں ملتی رہیں۔ ضیافتیں اور جلسے ہوتے رہے کوئی خط اور تار بھیجتا تھا کوئی پھول بھیجکر دل سے خوشنودی ظاہر کرتا تھا۔ مگر ملاقات سے واپس لندن پہنچتے ہی ناظرین خاتونین کیا خیال کرتی ہیں کہ میں پہلے کہاں گئی ؟ اپنی غریب [illegible] کے ہاں جسنے بیماری میں میری خدمت کی تھی ! اُسکے لئے ایک بہت نفیس کیک جو خاص طور پر حکم دیکر تیار کرایا تھا اور کئی طرح کی مٹھائیاں ساتھ لیکر گئی تھی نرس سے میں نے پوچھا نرس تم کیا سمجھتی ہو میں کہاں سے آئی ہوں ؟ اور جب میں نے اُسے بتایا تو خوشی کے مارے میرے لپٹ گئی اور اُسکے آنسو نکل آئے کہ کوئن سے ملنے کے بعد سیدھی اُس غریب کو یاد کیا اور اُسکے گھر گئی اور بھی سب خوش تھے مگر اُسکی خوشی کی کوئی حد نہ تھی۔ تین سال ہوئے کہ جشن تاجپوشی کے موقعہ پر پھر ولایت جانیکا اتفاق ہوا اگرچہ شاہنشاہ ایڈورڈ ہفتم اور ہمیشہ نوبہا کوئن الگزانڈرا اور اُنکے خاندان کو دیکھنا نصیب ہوا لیکن مرحومہ ملکہ معظمہ کی جگہ دلمیں خالی تھی اور رہیگی خدا اُنکی تربت کو عنبرین کرے۔ آمین۔ **عاجزہ زبیدہ**

جہالت کی ادنیٰ خرابی

فیاض زمانی بیگم اور عائشہ سلطانہ بیگم کی باتیں

ذیل کا قصہ دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی، دلچسپ تو اس درجہ کہ کمن کی خاتونیں جو کہ ذرات سننے کی عادی ہیں مسکرا اُٹھینگی تو وہ بھی ضرور۔ گو ادہر کی بیویاں تو اکثر فقرہ پر کھل کھلا کر بے اختیار ہنس پڑینگی ! ایسی جاہلانہ باتیں گیا اُتر کیا دکہن سے جگہ سنی جاتی ہیں مگر اُنکو جنکر ایک مزیدار پیرایہ میں پرو لینا بڑی داد کا مستحق ہے اور مس نصیر الدین حیدر ہی کا حصہ ہے ورنہ ایک بات پھر سی بزبان دکنی تھی۔ **اڈیٹر**

عائشہ سلطانہ بیگم - (کسیقدر جھک کر) "آداب"

فیاض زمانی بیگم - "عمر دراز - برخوردار"

ع - "آپنے تو کہلا بھیجا تھا آٹھ بجے مجھے وہاں پہنچا سمجھو! خیر تو ہے دیر کیوں لگی؟"

ف - "وہ ئی تو اب کیا بجا ہے؟"

ع - (گھنٹہ پر نظر ڈالکر) "دس کا عمل ہے"

ف - "اے لو ابھی میں یہی سمجھ رہی ہوں کہ کوئی آٹھ نو بجے ہیں! خیر بہن ہماری وہی مثل ہوئی - بدلی میں دن نہ دیکھے پھوڑ بھی پیسے"

ع - (مسکراکر) "کیا مضائقہ ہے - رمضان شریف ہی تو ہیں - سات آٹھ بجے تک تو نیند ہی کی مدارات کا وقت ہے۔"

ف - "نیند کیا خاک نصیب ہوئی - ہم تو ایک غضب میں پھنسے ہوئے تھے"

ع - (گھبراکر) "خیر باشد - کیا ہوا"

ف - (ماتھے پر ہاتھ رکھکر) "اے ہے ساری رات تمام محلہ میں ایک اودھم رہی ہے"

ع - (پریشان ہوکر) "خدا کے لئے کہئے تو کیا ہوا؟"

ف - نہیں گھبراؤ نہیں - دور پار کچھ اپنے ہاں نہیں تھا - محلہ کا تھا - اے بی میرے ہاں کی مغلانی ہدایت بی نہیں ہیں اُن کی نند کی بیٹی ہمارے ہی محلہ میں بیاہی ہوئی آئی ہے - اس لڑکی کو بیاہے ہوئے مہینہ ڈیڑھ مہینہ ہوا - نیچے کے مکان میں یہ لڑکی اور اس کی ساس داس رہتی ہیں اور اوپر اور لوگ رہتے ہیں - کل ساس کمبختی کی ماری تو گئی ڈیوڑھی (سرکار میں) اور بہو کو اپنے کہانے کی افیون کی ڈبیا دے گئی کہ بیٹا یہ اچھی طرح رہنے دو - خیر گئی گزری بات - تیسرے پہر کو وہ جو بڑھیا کا بے پالک چھوکرا امداد صاحب ہے اس نے زبردستی کرکے کلیجی پکا نیکو منگائی - چھوکرا کلیجی لیکر آیا تو دیکھا کہ پڑی سوتی ہیں - خیر اُسنے کلیجی اٹھا چھینکے پر رکھ دی - عصر کے بعد خاوند جو گھر میں آیا اور اُسنے اٹھایا تو بیوی کی عجب

حالت دیکھی۔ آنکھیں سرخ۔ چہرہ تمتمایا ہوا۔ دونوں ہاتھ کہنیوں تک اور پاؤں گھٹنوں تک
برف کی ڈلی، اوسان باختہ کہتی کچھ ہیں منہ سے نکلتا کچھ ہے گرتی پڑتی آئیں اور چولھے پاس
جا بیٹھیں۔ اب یہ حال ہے کہ کلیجی بغیر کاٹے چولھے پر چڑھا دی۔ خاوند نے جتایا تو اینڈے
بینڈے جواب دینے لگیں۔ کہیں کلیجی کہاں ہے یہ تو قیمہ ہے گھی کی جگہ ڈھیر سارا نمک
پتیلی میں جھونک دیا پوچھا کہ یہ کیا کرتی ہو تو کہا کہ گھی ڈالتی ہوں۔ آنچ پھونکنے لگیں تو
چولھے کے اندر مٹی یا گرا دی۔ ہاں اور وہ گیت۔ وہ گیت اور وہ گانا کہ گھر سر پر اٹھا لیا
آخر خاوند نے کہا: اری بیوی آج تمہارے کو (تمکو) کیا ہو گیا ہے؟ کیسے تماشے کی باتاں
(باتیں) کر رہے ہیں۔ اور کلثوم بی خالا اور انہونکے (کی) بیٹی کیا بولتے ہونگے (بولتی
ہونگی)۔ کہ نوی دلن (نئی دلہن) کیسی شرم سیں سو باتاں (بے شرمی کی باتیں)
کر رہی ہیں۔" تو بولی" دولی کلثوم بی خالا کیا بولینگی۔ میرے کو آج تقار[۱] (بخار) آیا ہے
اور میرا سر گم تلے (گھومتا ہے)" خاوند" تو کیا تم تقار میں ایسے اچ (ایسے ہی)
گتاں (تماشے۔ مرے۔ جلیے) کیا کرتے ہیں؟ دولن" ہو" میں ایسے اچ کرتی
ہوں۔" خیر خاوند خاموش ہو رہا۔ اے تھوڑی دیر بعد لڑکی دھڑام سے گر پڑی۔ سر چولھے
میں۔ پاؤں آٹے کی لگن میں۔ مرد نے دوڑ کر اٹھایا۔ دیکھے تو بدن بالکل ٹھنڈا جیسے
یخ۔ ہاتھ پاؤں اینٹھ رہے ہیں۔ اب تو اسے شبہ ہوا بہتیرا اس نے پوچھا" اوے
(اجی) تی (تم) میرے سے سچ سچ بولو تمہارے کو یہ مدار صاحب (مدار صاحب)
یا کوئی اور کچھ سفید دودھ کے سر (مانند) کالا کچھ ہری ہری مٹھائی کے سر کا لڈو کو
(لاکر) نہیں دیا۔ تم میرے کو بولو میں کسی سے بھی نہیں بولتا۔ اے بیوی خاوند نے
قدری کی۔ مگر ایک نہیں ہزار نہیں۔ اس لڑکی نے یہی کہا۔ میرے کو تو تقار ہے
میر تقار ایسا ہی ہوتا ہے۔ خاوند نے کہا تو جاؤ تم لیٹ رہو۔ شام کے قریب امام

۱؎ دکن میں عموماً ق کو خ کی جگہ اور خ کو ق کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔

صاحب ......

ع - وہ کون ہے؟ "

ف - وہ ہی اُس لڑکی کا خاوند - اُسنے چھوکرے سے کہا کہ جا کر اُٹھا دئیے - چھوکرا دوڑا ہوا آیا اور کہا - اجی میاں دُلن بی کو تو کیا کی ہو گیا (چھکپے سے) شاہد سایہ ہو گیا" امام صاحب بچارا دوڑا ہوا گیا مُنہ پر سے رضائی ہٹا کر جو دیکھا تو حقیقت میں بُرا حال ہے - آنکھیں لہو کی بوٹیاں ہیں اور اوپر کو کھچی جاتی ہیں - ہاتھ پاؤں میں تشنج ہے - زبان خشک حلق میں اُنگل اُنگل بھر کے کانٹے ہونٹ پپڑا ئے ہوئے غرض عجب حال - عجب احوال غریب کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے - گھبرا کر جھنجوڑا اور پھر گر رسہ کر پوچھا کہ نیکبخت خدا کے واسطے سچ بتا تو نے کچھ کھا پی تو نہیں لیا - اوپر والی ہمسایوں کو آواز دی کہ " اجی خالا (خالہ) ذرا آکو تو دیکھو انہوں کو (اُنکو) ہو کیا گیا" اب وہ بچارا آوازوں پر آوازیں دے رہا ہے خالہ بی کرّش سے مس نہیں ہوتیں - ہوتیں کیونکر - چھوکرے نے پہلے ہی جا کر اُنہیں سہا دیا تھا کہ " بھابی کو شیطان لگا ہے - آنکھاں لال کرے کو بیر اگن کے سر کا پڑے ہیں میں تو غپ چپ نکل کو چلا آیا - جب امام صاحب بہت سا چیخا تو کلثوم بی ڈرتے ڈرتے پیچھے پر آنکر کہنے لگیں -

کلثوم بی - کیا ہے باوا - کیوں چیخ رہا ہے؟ شیطان طوفان سایہ سپٹ (جھپٹا) کے باتاں اپن (اپنے) کو معلوم نہیں - وہ باتاں ہمی (ہم) کبھو کرے بھی نہیں - جانتے بھی نہیں - کسی شانے (سیانے) کو بلا کو دکھاؤ"

امام صاحب " اجی خالا ذرا آگے جا کو دیکھو - اب کیا جھمٹ ہی جائینگے (جائیگی) "

ک (پاس جا کر) اگے (ارے) اماں ذرا آنکھہ تو کھول "

لڑکی - کیا جی "

ک (دل کا خدا حافظ ہے) اگے بی کیا تو کچھ کھائی ہے - نہیں پی ہے؟ دیکھہ تو تیرا مرد

کے سایہ (پریشان) ہورہا ہے۔"

لڑکی (تتلاکر) "نہیں جی خالا۔ کچھ اچ ہنیں۔"

ک۔ " اِتّو خدا (یا خدا) اسکی زبان لٹ پٹائے (لڑکھڑائی) جارہی ہے۔ (امام صاحب سے) ارے باوا کیا کہڑا (بکتا ہے) اس کی زبان اندر جارہی ہے مُنہ میں کف آرہے ہیں۔ جلدی اسکی ماں کو خبر کرو۔ اور شانے کو بلا کو لاؤ۔"

ا۔ (ردیکی آواز میں چیخ چیخ کر) ارے باوا میں کس غضب میں پڑگیا (پہنس گیا) اس عورت کو کیا ہوا ہونگا (ہوگا) میں کیا توبہی کروں ؟"

امام صاحب کے اس دہاڑنے سے پہلو کے مکان کی ایک ہمسائی دوڑی آئی اور لگی کہنے۔ اجی بہائی کیا ہوا ؟ پہر اندر جاکر لڑکی کو غور سے دیکہکر کچہہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کرتی ہوئی اپنے گہر چلی گئیں۔ وہاں آئے ہوئے بیٹھے ستے انکے میاں[1] خفیہ میں نوکر ہیں اور طرّہ یہ کہ دفعدار ہیں اُنہوں نے خوب ہنڈی کی چینڈی بوی سر پوچھی اور کہانا کہا چپکے اُٹھے ناکے (تھانے) پر چلے گئے۔ اب یہاں کی سنو کہ کلثوم بی نے کہا۔

ک۔ باوا یہ باتاں کرکو کاہیکو رہا ہے۔ اس کی ماں کو توبہی بلا۔ ارے مدار صاحب۔ جادو لن بی کی ماں کو بلالا۔"

م۔ " جاؤجی نانی اب رات کے آٹھ بجے ہیں۔ اُتّی دور کہاں جاتا ہونگا۔ بی ایک آئے ہیں حکومت کرتے ہوئے۔ میرا جان ڈرتا ہے ہندہیرے (اندہیرے) سے باوا۔"

ک۔ بہتّ ماٹی (مٹی) ملے۔ کاہیکو گڑگڑاتا ہے۔ کتّی دور ہے رے۔ جا جا کو بلا کو لا۔

م۔ ہوتہ۔ تہارے کو دور اچ نہیں ہے بہی۔ اب جانا یہاں سے ٹیشن (ریلوے اسٹیشن)

ا۔ اب جاتا ہے یا ہیں بکوا (بکواس) کے جائیگا۔ کچہ زیادہ نکو بول۔ بس بلا کو چلا آ۔"

[1] خفیہ پولیس کے محکمے سے مراد ہے۔

لڑکی کی ماں (چھوکرے سے گھبراکر) کیا ہے رے بادا؟ اتنی رات کو کاہےکو آیا۔"

م۔ (گردن مٹکاکر) جی ہُو خیریت (خیریت) ہے سوکی بقار۔"

لڑکی کی ماں انہ (ہائیں) کسکو۔ کیا بچی کو؟

م۔ جی ہُو (ہاں) جاتا ہوں میں۔"

لڑکی کی ماں۔ ارے پُوٹے (چھوکرے) کیا گھوڑے سوار آیا ہے ٹہیر میں بھی چلتی ہوں۔ (چادر اُٹھاکر جو بجائے برقع کے استعمال کیجاتی ہے) ایوئبیٹی۔ (ہائے بیٹی)

اس لڑکی کا گھر ہمارے گھر سے تین چار گھر ادہر ہے اسلئے اُنکی والدہ شریف ہمارے گھر پر سے ہوتی ہوئی گئیں۔ اور جاتے جاتے اپنی نند ہدایت بی کو بھی میرے ہاں سے ساتھ لیتی گئیں۔ خیر دونوں نند بھاوجیں ملکر گئیں۔ جوہیں دیکھا کہ بیٹی پڑی ہے۔ ایک کمی نہ دو۔ لگیں دہڑا دہڑ پیٹنے اور دوڑ دھوپ کرنے کے بدلے یہ کہہ کہہ کر رونا شروع کیا۔ میٹی بیٹی! یہ گھر کو آگ انگار (آگ) لگو ہتی (ہاتھی) سرکی دی تھی۔ بتی سری کی ہوئی ابھی دو مہینے بھی دیکھو نہیں جلے! میری بچی کو کچھہ ہوا تو کیا میں چھوڑ دونگی!! آباہ (یہ لفظ تعجب اور غصہ کے موقعو نپر بولا جاتا ہے) ایک ایک کو گردن مروادُونگی۔"

ہدایت بی۔ (کلثوم بی سے) اجی اماں کیا ہوا۔ کیونکر ہوا؟"

ک۔ دسے (اجی) نہیں اماں۔ تمہاری بچی کی ساس ہمارے کو بول تبلاکو بچاری ڈیوڑہی گئی۔ تین پہرکو گیتاں گانے کی آواز آئی۔ سمجھ بولے کیا رے ماں۔ شاید ساس ڈیوڑہی گئی بول کو گیتاں گالے رہی ہے۔ اودے شام کو مرد چنیاں مارکر بلایا۔ تو میں اُکو دیکھی۔ اودے جیسے بچارا رُبلا (رو دہو) رہا ہے۔

یہیں ان عورتوں نے کائیں کائیں کرکے گھر سر پر اٹھا لیا۔ سارے محلہ میں کھچڑی پک گئی کہ روشن بی کی بہو کو کسی نے زہر دیا ہے۔ اور مزہ یہ کہ اپنی اپنی سب کہہ رہے ہیں اُس غریب کی کوئی خبر نہیں لیتا۔ محلہ میں ایک شخص امیر علی رہتے ہیں وہ ڈاکٹرخانہ میں نوکر ہیں۔

اُنہوں نے جو یہ غل غپاڑہ سنا تو امام صاحب کو بلاکر ساری کیفیت پوچھی اور کہا کہ یہ زہر کی علامتیں ہیں۔ اسکے پیٹ میں افیون ہے۔ ڈاکٹر کو بلیاؤ۔ امام صاحب سنتے اگر کہیں کہا۔ وہاں کون سنتا ہے؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ وہاں تو پیٹ چاک ہوتا ہے اماں تو اور بھی بہرپی کر۔ ڈاکٹر مانی اللہ میری بچی کو مار ڈالے گا۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھی ہوں کہ پیٹ چیر کر آنتاں نکال دیتے ہیں۔ میری بچی کو کچھ نہیں ہے۔ سایہ ہوا ہے۔ امام صاحب بچارا تو موم کی ناک بنا ہوا تھا ہی۔ فوراً گیا اور ایک مشائخ حضرت کو جو محلہ میں رہتے ہیں بلا لایا۔ وہ آئے اور دیکھتے ہی تاڑ گئے۔ پہلے تو کچھ زبانی جھوجھا کی اور پھر فرمایا کہ یہ لاتوں کے دیو ہیں۔ باتوں سے نہیں ماننے کے۔ اچھا بہت سارا کچھ کاغذ لاؤ اور کتنا ہنگویں نقشان (تعویذ) لکھکر پلاؤنگا گھبراؤ نکو دوڑ کرو۔ وہاں کاغذ کٹ دہرا تھا۔ بازار بند۔ کتنا تو پان کھانے کی تھیلیوں سے نکال نکال کر بھگو دیا۔ مگر کاغذ کے لئے ہدایت بی میرے ہاں دوڑی آئیں۔ اور ساری کتھا بیان کرنے لگیں۔ آخر میں نے ہی کہا بی اُجڑی یہ کیا وقت جھکن جھیکنے کا ہے صبح ہی ہوگی یا نہیں۔ چھوکری کی جان پر بنی ہوئی ہے۔ تم کاغذ ایک جلدی جاؤ۔ بارے ادہر اُدہر سے کاغذ سمیٹ کر دے اور لیکر گئیں۔ حضرت نے ایک بڑا سا تعویذ لکھکر اور اپنے ہاتھ سے گھولکر کاغذ سمیت لڑکی کو پلا دیا۔ اور ہاتھ منہ دہلائے۔ تھوڑا سا پانی چھینٹا پڑ ڈالا۔ کچھ پڑھکر پھونکا کوئی دو گھنٹے تک کئی بار یہی کیا۔ لڑکی کو ذرا ہوش آیا۔ یہاں تو یہ ہو رہا تھا۔ وہاں وہ دفعدار جو اپنی بیوی سے یہ ماجرا سنکر ناکے پر گئے تھے۔ ناکہ میں جاتے ہی پھونک دیا ایک جمعدار اور کچھ جوان (کانسٹبل) ناکہ سے آن موجود ہوئے اور اپنی کارروائی شروع کر دی۔ عورتیں کچھ تو اپنے اپنے گھر بھاگ گئیں اور جو رہگئیں اُن میں لستم پستم ہو گئی۔ امام صاحب کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ہائے (ذرا کھینچکر) کیا بُرا حال ہوا ہے بچاری ہدایت بی کا کبھی سپاہیوں کے قدموں میں لوٹتی ہیں کبھی امام صاحب

کوپکڑتی ہیں کبھی مشائخ صاحب کے آگے ہاتھ جوڑتی ہیں۔ مشائخ صاحب اپنا کام تو کر ہی
چکے تھے وہ بھی کسک گئے کہ اتنے میں دفعدار بھی آپہونچے۔ اب وہ ہیں کہ ادھر تانگے
والوں سے کہہ رہے ہیں کہ بھائی یہ کچھ برا یا معاملہ نہیں ہے۔ ہم انہوں کو مدت سے جانتے
ہیں یہ چوبداروں میں نوکر ہیں۔ ادھر امام صاحب کو کچھ دھمکاتے ہیں۔ کچھ پھسلاتے
ہیں۔ آخر کچھ ایسا کیا کہ پولیس والے بھی ٹھنڈے ہو گئے اور امام صاحب اندر آئے
اور پکارے "اجی موانی اب انوں کیسے ہیں"

ہدایت بی۔ نہیں با اتو خیریت ہے۔ ذرا بات کر رہے ہیں"
امام صاحب۔ تو انوں کو بولو کہ جمعدار صاحب سے اپنے منہ سے بولیں میں اچھی ہوں۔
اور موانی ذرا تمی ادہر آؤ (چپکے سے) ذرا پازیب تو لادو"
ہدایت بی۔ کیا رے میاں ڈیڑھ سیر کی ہے"
امام صاحب۔ (جھلا کر) اب کیا کرنا۔
خیر وفعدار۔ جمعدار اور کچھ محلہ کے لوگ اندر آئے اور پنچ نامہ لکھا کر پولیس کے لوگ توڑ
گئے۔ اتنے میں روشن بی کو مدار صاحب لے آیا۔ بڑہیا نے آتے ہی قیامت مچادی۔
پہلے تو سمدہن کی خوب گردہاڑی۔ پھر بہو سے پوچھا۔
روشن بی۔ اوبی اماں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں تمی صاف صاف بولو۔ تمہارے کو کون
کیا دیا۔
لڑکی۔ میرے کو کوئی کچھ نہیں دیا۔
ر۔ (ہدایت بی سے) اجی اماں تم پوچھو۔
ہ۔ بول بیٹا تیری ساس بگڑ رہی ہے گرجانکی باتاں ہیں یہ۔
ل۔ اجی موانی تمی کس سے ذکر نکیے تو میں ایک بات بولتی ہوں۔ اوسے میرے کو
کوئی کچھ نہیں دیا۔ میں آپ ہی کھائے۔

ہ :- "کیا کھائی ؟"

ل :- "اماں میرے کو افیون کی ڈبیا دکھو گئے تھے نہیں - میں اُس میں سے دو گولیاں کھائی"

ہ :- "کاہیکو کھائی"

ل :- "میں بولی اماں روز کھاتے ہیں - دیکھوں اسکا کیا مزہ ہوتا ہے پہلے ایک گولی کھائی پھر تھوڑی دیر بعد سے دوسری کھائی"

ہ :- "کتنی کتنی بڑی گولی تھی اماں"

ل :- "چنے چنے کے اتی"

ہ :- "میرے کو ڈبیا دے"

ڈبیا لیکر اُنہوں نے روشن بی کو دی کہ اسے تمکو کھاتے ہوئے دیکھکر تمہاری بہو نے ابھی یہ دو گولیاں کھا لی تھیں - روشن بی خوب اُچھلیں کودیں - اور سمدھن سے کہا "اپنی لڑکی کو بچاؤ میرے ہاں کام نہیں" سمدھن نے رسان سے یہ کہکر ٹالدیا "اپنی ہی ایکدفعہ ایسا ہی کی تھی" خیر وہ تو جو کچھ ہوا سو ہوا - مگر ہماری نیند خاک میں ملگئی - ہدایت بی نے وہ گھر اور یہ گھر ایک کر رکھا تھا - پچھلے تک تو وہ دھما چوکڑی رہی - پچھلے کو ہدایت بی جو آئیں تو اُنہوں نے اپنی کہانی جھوکر صبح کر دی"

ع :- "(غور سے سننے کے بعد) آپ سمجھیں یہ سارا لکھا پورا کیوں ہوا - ؟"

ف :- "نہیں بیوی میں تو نہیں سمجھی"

ع :- "بے علمی اور بے ترتیبی سے"

ف :- "اچھی بیوی علم یہاں کیا تیر مارتا ؟"

ع :- "سبحان اللہ کیا عمر ہے اُس لڑکی کی ؟"

ف :- "کوئی اُنیس برس کی ہے"

ع :- "پوری سمجھ کی عمر ہے - جہالت نے عقل پر پردہ ڈال رکھا ہے - اگر علم ہوتا تربیت ہوتی"

توعقل روشن ہوتی اورعقل روشن ہوتی تو وہ ہیسے کی اندہی ضرور یہ سمجہ سکتی کہ یہ زہر ہے اور اسکو کہاؤنگی تو ہلاک ہوجاؤنگی ‘‘

ع ’’ عقل درست ہوتی تو قیاس کرلیتی کہ زہر ہے تو کڑوا ہی ہوگا یا افیون ہے تو کڑوی ہی ہوگی - اور کڑوی چیز کا چکہنا کیا ‘‘

ف ’’ اے تو بیوی اتنی بات تو ہم جیسے ناخواندہ بہی سمجہتے ہیں - یہ کچہ پڑہے لکہے پر موقوف نہیں ہے ‘‘

ع ’’ جو حقیقۃً سمجہدار ہوتے ہیں اُنکی سمجہ کو تو علم قلعی کرکے اُجلا کرہی دیتا ہے جو موٹی بہدی سمجہ کے ہوتے ہیں اُنکو بہی علم کچہ نہ کچہ آدمی بنا دیتا ہے ‘‘

ف ’’ ہاں یہ تو سچ ہے - مگر ایسا ہی کہا ہے - ہم تو اسکو ہونی شدنی کہینگے ‘‘

ع ’’ اول تو یہ ہونی شدنی نہیں - اور اگر آپ صاحبوں کے عقیدہ کے موافق ایسا ہی تسلیم کرلیا جائے تو ایک افیون کہانے کے ساتہ اور جسقدر جہگڑے پیدا ہوئے وہ سب جہالت کا کرشمہ تہا - بہلا غور تو کیجئے - کہاں زہر - کہاں آسیب - لڑکی کا کام تمام ہوا چاہتا ہے - مسائی آسیب کے ڈر میں مری جاتی ہیں - والدہ صاحبہ آئیں تو بجائے بیٹی کی خبر لینے کے پیٹنے ہونٹیں یا طعنے بینے پر اُتر آئیں - یا سارے جہتنے کے وہم میں ہنس گئیں - شوہر صاحب جو اُٹہے تو لگے منہ پہاڑ پہاڑ کر اپنی مصیبت دہرانے - اگر یہ تمام حماقتیں نہوتیں تو وہ کیوں پڑی سسکا کرتی - محلہ والے کیوں پریشان ہوتے - اور پولیس کی بلا کیوں سر پر آتی - مگر وہاں ماشاءاللہ جاہلوں کا دربار کہلا ہوا تہا - وہ تو یہ کہیے کہ مشایخ صاحب سمجہدار تہے اُنکا انجہر کام کرگیا ‘‘

ف ’’ (جز بز ہوکر) خیر تو یوں کہو کہ بغیر پڑہنے لکہنے کے اب زندگی مشکل ہوگئی ‘‘

ع ’’ اے ہے یہ آپنے کیا کہا ؟ یہ تو فیصلہ ہوگیا ہے کہ بے علمی کی زندگی اکارت ہے ‘‘

ف ’’ فیصلہ کرنیوالے کون ہیں ؟ ہم تو جسکو سنتے ہیں وہ کانو پر ہاتہ ہی رکہتا ہے - سب کہتے

ہیں کہ توجہ لڑکیوں کو پڑہا ہیں۔"

جہاں آرا بیگم:" نہیں خالا جان! اب تو بہت سے لوگ اپنی لڑکیوں کو پڑہاتے ہیں۔ جو اخبار مجھے دیکھنے کو ملتے ہیں اُن سب میں اسکا ہی ذکر ہوتا ہے۔ ایک رسالہ نکلا ہے جسکا نام خاتون ہے وہ تو خاص تعلیم ہی کا بیڑا اُٹہائے ہوئے ہے۔"

ف:" اے بیٹی۔ یہ اب نئے بگڑے ہوئے پڑہنے لکہنے کو پسند کرتے ہونگے ہمارے زمانہ تک تو بس قرآن شریف کا سوا سیپارہ پڑہا دینا بیٹی ذات کو کافی تہا۔"

ج:" (بہت ہی ہنسکر) دو دنی سوا سیپارہ کو طوطے کیطرح پڑہنے سے کیا فائدہ؟ قرآن شریف پورا اور بامعنی پڑہنا چاہیئے۔"

ع:" خیر یہ تو دوسری بحث ہے۔ مگر آپ جو یہ کہتی ہیں کہ اگلے لوگ عورتوں کو پڑہانے لکہانے کے حامی نہیں ہیں وہ غلط ہے جو خود پڑہے لکہے نہیں ہیں یا جنکو اپنے خاندان کے زمانہ تعلیم کا لطف نہیں آیا وہ عورتوں کو دریا سے جہالت سے نکالنا نہیں چاہتے یا جو سخن پرور ہیں وہ اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں ورنہ اب ہر شخص اس کی ضرورت تسلیم کرتا ہے۔ دیکھئے یہ اخبار وکیل رکہا ہوا ہے۔ اور یہی نہیں جو صوفیہ خاندان کے ایک زبردست ممبر۔ پیری مریدی کے مرکز۔ شیخ وقت۔ مولوی۔ عالم باعمل جناب مولوی قاری شاہ سلیمان صاحب نے ایک مجلس میں علی الاعلان ارشاد فرمایا کہ عورتوں کو پڑہاؤ لکہاؤ۔ آپ بچارے نئے بگڑے ہوؤں کا کہنا مانئے۔ مگر انکے تو منہ نہیں اور یہ ایسے ویسے شخص نہیں ہیں ٹکسالی آدمی ہیں۔ انکے آگے نئے ہوں یا پرانے سب ہی کا سر تسلیم جہکتا ہے۔"

ف:" اچھا بوی تہوڑا سا نہس سارا ہی قرآن شریف معنوں سمیت سہی کچھ اردو کے چہوٹے موٹے رسالے جسے خط وط پڑہ لیا روزہ نماز سے درست ہو گئے۔ اب یہ کیا اندہیر ہے کہ صاحبزادی کیا ہیں گویا ابوالفضل ہیں۔"

ع- نہیں حضرت آپ نہیں جانتیں تھوڑے بہت پڑھا نیسے وقت کا ضائع کرنا اور مخرب اخلاق کتابوں کے پڑھنے کا مزا پیدا کر دینا ہے - اس سے تو اَن پڑھ ہی بہتر - عورتونکو اب زیادہ ہی لکھنے پڑھنے کی ضرورت ہے اور ممانعت بھی نہیں ہے چنانچہ انہیں مولانا صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ عورتونکو شوق سے وہ علوم پڑھاؤ جو مرد پڑھتے ہیں -

ف" لے تو پھر اتنا کیونکر پڑھالیں - کیا گھو لکر پلادیں ؟"

ع" اے حضرت نہ کرنے کے سیکڑوں بہانے ہیں اور کرنے والے کے آگے کچھ بھی مشکل نہیں - اسوقت جہاں جہاں مدرسے جاری ہو گئے ہیں اُنکو روپیہ سے مدد دیجائے ان میں لڑکیونکو بھیجا جائے - اور پھر جگہ جگہ زنانے مدرسے کھولدیے جائیں - کیونکہ ہمہ تن کوشش ہوکر اس کام کے سر ہو جائیں - اور بھیجنے والے اپنی بچیونکو بھیجنا فرض سمجھ لیں تو بیڑا کیوں نہ پار ہی ہو جائے - کہا جاتا ہے کہ اُستانیاں نہیں ملتیں ہم تو اسکو فقط بہانا سمجھتے ہیں - ڈھونڈنیسے چڑیا کا دودھ ملجاتا ہے - کیا ضرورت ہے کہ صرف اُستانیوں ہی سے کام لیا جائے - خدا رسیدہ مرد کیا اُستانیونکا کام نہیں دے سکتے -"

ف" تمنے تو قیامت کا کٹنگ بیان کر دیا - اسکے لئے روپیہ کہاں سے آئے -"

ع" ہاں اب آئی ہیں آپ مقطع کے بند پر - مردوں سے قطع نظر کیجئے ہماری قوم میں عورتیں ایسی موجود ہیں کہ ہمت کریں تو سب کچھ کر سکتی ہیں - بہت سی لاولد عورتیں اپنی دولت اُلفتوں کو کھلاتی ہیں - کھانے اڑانے والونکے لئے چھوڑ جاتی ہیں - ہشیار بیوائیں ایسی ہیں جو اپنے روپے سے حج کراتی ہیں - مسجدیں بنواتی ہیں بلکہ فضولیات میں اٹھاتی ہیں - اگرچہ حج کرانے اور مسجد بنوانیکا بھی ایک موقع ہے لیکن خیر اسکو جانے دیجئے کیونکہ اس میں ایک مذہبی پہلو ہے - فضولیات کی کہئے - جو روپیہ فضول اُٹھایا جاتا ہے اسکو اس نیک کام میں لگائیں تو کیا ثواب نہو اور قوم کی اڑی نہ نکلجائے بہت سی تعلقدار بیگمات اور رئیس زادیوں نے شفاخانے بنوا دیے - سرکاری چندوں

میں ہزار ہا روپے دیے۔ دراصل یہ لوگ فیاض ومخیر ہیں لیکن اس کام کی ضرورت و عمدگی پر غور نہیں کرتے ورنہ کوئی پند پکڑ لینے والا۔ خیر زنانہ اسکول تو جب بنینگے بنینگے۔ اسوقت ہر شخص اگر بطور خود تعلیم کا شوق اور انتظام کرنا چاہے تو بہت کچھ کام نکل سکتا ہے"

ف: "ہر شخص اپنے گہر میں انتظام کرینگے روپیہ کہا نسے لائے"

ع: "فضولیات سے بچائے اور اس ضروری کام میں اٹھائے مفلس سے مفلس بھی اگر حساب کریگا تو سال بہر میں دو چار روپے ایسے ضرور نکلینگے جو لڑکیوں کی عارضی خوشی میں اور انکی خاطر سے فضول باتوں میں اٹھا ڈالتے ہیں۔ اور روپیہ والوں کا تو کچھ کہنا ہی نہیں۔ پرسوں ہی کا ذکر ہے کہ مولوی باقر علی صاحب مددگار کے ہاں وعظ اور مولود شریف تھا۔ ہم بھی گئے تھے۔ انکی لڑکی احمد النسا بیگم کو دیکھکر مینے انکے پڑہنے کا حال پوچھا انکی والدہ کہنے لگیں کہ اب تو اسکا پڑہنا چھٹا ہوا ہے۔

مینے کہا کیوں وہ مولویصاحب اب آپکے ہاں نہیں آتے جو پہلے پڑہاتے تہے۔ کہنے لگیں کہ جب سے یہ مکان لیا ہے انکا آنا موقوف ہوگیا ہے۔ کیونکہ کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں لڑکی کو بٹہکر مولویصاحب پڑہائیں"۔ دل تو میرا بہت جلا کہ اچھا معقول عذر لڑکی کو نہ پڑہانیکا بیان کیا۔ غضب خدا کا۔ اتنے دالان۔ کمرے۔ کوٹہریاں اور لڑکی کے لئے چپہ بہر جگہ ایسی نہیں جہاں وہ دو گہڑی الگ بیٹہکر پڑہ سکے۔ مگر مینے کہا آپ کوئی استانی مقرر کرلیجئے۔ اسوقت کے نقصان کی تلافی ناممکن ہے۔ کہنے لگیں اچھا تمہارے ہاں جو انگریزی استانی بڑی بیگم کو انگریزی پڑہانے آتی ہیں انکو میرے ہاں بہی بہیجو۔ مینے کہا کیا آپ انگریزی پڑہائینگی کہنے لگیں کہ نہیں یہ تو شاید انکے باوا منظور

نہیں کرنے کے میں تو صرف اردو پڑھانا چاہتی ہوں اسکا کچھ بندوبست ہو جائے
مینے کہا وہ اردو ہی جانتی ہیں اور بہت نیک اخلاق اور عمدہ چال چلن کی آدمی ہیں۔
بس سمجھ لیجئے ایسی ہیں کہ ہمارے باواجان کو اُنکا آنا اور آپسے پڑھوانا گوارا ہے
مگر آپ تنخواہ کیا دینگی؟ کہنے لگیں چار روپئے۔ مینے کہا شاید ہمشیرتو راضی نہوں۔
فرمانے لگیں کہ اے بیگم انکے والد تو وہی دینگے دو میں اپنے پاس سے دیدونگی۔
آخر نہ استانی رہیں نہ اُنہوں نے رکھا۔ اور اس سے کوئی دو تین دن پہلے تین سو روپئے
کے کھنکے اسی لڑکی کے لئے خرید کر چکی تہیں۔ ہم بیٹھے ہی ہوئے تہے کہ پتیا لیس گز
اطلس تہ پوشی کے لئے خریدی۔ اب ملاحظہ فرمایئے کہ اگر یہی ساڑھے چار سے روپئے
اسوقت تعلیم کی مد میں وقتاً فوقتاً خرچ کئے جاتے تو لڑکی کو کتنا حاصل ہو جاتا اچھا
کل نہ سہی یہ کرتے کہ کچھہ اس میں اٹھاتے کچھہ اس میں اٹھاتے
تو بہی اُس لڑکی کے جوان ہوتے تک سینکڑوں روپیہ تعلیم میں اُٹھا سکتے تھے
اور لڑکی کو ضرور کچھہ نہ کچھہ حاصل ہوتا رہتا۔ مگر وہ ہو کیونکر مسلمانوں کے دن تو
برے آئے ہوئے ہیں۔ سچ یہ ہے ؎

بخت بد صیاد غافل بند سخت
ہم اسیروں کی رہائی ہو چکی

خدا جانے ابہی اس بدنصیب قوم کا اور کیا دہاڑا ہونیوالا ہے اخیر (ہاتہہ پکڑ کر دلہو
اُٹھ کھڑی ہوئیں) آیئے تھوڑی دیر آرام کیجئے۔ پہر ظہر پڑھکر وعظ سنینگے"

میری بہنو! ہم عورتوں کی جہالت سے قوم کو جو شدید نقصانات پہنچ رہے ہیں اور برے
برے نتائج حاصل ہوئے ہیں وہ اَن گنت ہیں۔ اور اُنکو تم میں سے اکثر بیویاں
جانتی ہیں۔ اس جہالت پر خدا کی مار۔ مذکورہ بالا واقعہ جو خاص پیرایہ میں آپکے
سامنے بیان کیا گیا ہے چشم دید ہے۔ اور ابہی گذرا ہے گو جہالت کا ادنیٰ نتیجہ ہے

مگر غور کیجیے تو بہت افسوسناک ہے۔

راقمہ خاکسار
بنت نصیر الدین حیدر

نیک خیال و نیک مثال بچیاں

یہ مضمون اول سے آخر تک پڑھا جائے تو دلچسپی سے خالی نہوگا۔ معزز نامہ نگار کی علیم نسواں سے ہمدردی تحریری ہی نہیں بلکہ عملی بھی پائی جاتی نیک بیوی نے اپنے واقف خاندانوں میں تعلیم نسواں کا شوق پیدا کر کے احسان کیا اور اس شوق کے پورا کرنے کا خود ہی ہستانی بکر حتی الامکان سامان کیا یہ اور بھی احسان پر احسان کیا کہ لڑکیوں کو جو [illegible] سکھا کر اپنا سا بنا لیا ایک چراغ سے کتنے چراغ روشن اور گھر اجالے [illegible] اور نارمل سکول کی جو ممکن ہو خدمت کرنے کی آمادگی کا علم ہونا کافی ہے [illegible] بہت مردانہ شان

اڈیٹر

ہمنے رسالہ خاتون کو دیکھا اور بہت شوق سے ہر مضمون کو پڑھا ہم اپنے عزیز بھائیوں کے تو دل سے مشکور ہیں انکی عین مہربانی ہے کہ وہ ہماری جہالت کا پردہ اُٹھانے کے لئے کیا کیا دقتیں جھیل رہے ہیں اور ہمیں علم کا روشن راستہ بتانے کے لئے کیسی کیسی مشکلوں سے لڑ رہے ہیں۔ بہن مسلمانوں کو خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ انکی آیندہ زندگی آرام ولطف سے بسر ہونے کے سامان خود بخود کئے جا رہے ہیں اپنی پیاری لڑکیوں کو اگر اس لطف و آرام کا حصہ دلانا منظور ہے تو انکی تعلیم پر آمادہ اور تیار ہو جانا چاہیے جہانتک ہو سکے اس نیک کام میں امداد بھی دینی ضروری ہے اس سے بڑھکر مستورات کے لئے ہمدردی دکھانے اور مردوں کی کوششوں کو آسان کرنیکا موقع ہو نہیں سکتا۔ جو واقعی مجبوریاں ہماری تعلیم میں

ہیں انکو رفع کیا جاتا ہے یعنی خاص ہمارے لئے اسکول تیار ہوتا ہے۔ سرکاری اسکولوں
میں اپنی لڑکیونکو تعلیم کے لئے بھیجنے میں جو ڈر اور اندیشے تھے انکا تدارک بھی اسلامی اسکول
ہوگا۔ استانیاں اس کی مسلمان ہونگی پردہ کا بھی خاطر خواہ انتظام ہوگا اور سکرٹری صاحب
سے میری گذارش ہے کہ کم سن لڑکیوں کو پہلے نماز روزے سے واقف کیا جائے اور
اسلام کی خوبیاں انکے دلوں میں اول ہی سے بٹھادی جائیں کیونکہ پہلے لڑکیوں کے
دل میں اسلام اور مذہب کی پوری جگہ ہونی چاہئیے امید ہے کہ یہ عرض میری ضرور منظور
ہوگی۔ اس سے میری غرض صرف اسقدر ہے کہ اسلامی اسکول کی تعلیم یافتہ لڑکی کا اسلام
ایسا مضبوط ہونا چاہئے جیسے مشنری لیڈیاں اپنے مذہب میں پکی ہوتی ہیں اور اس میں
کسیکو کلام نہیں ہوسکتا کہ ہمارے عقیدے علم کے ساتھ ایسی مضبوطی پکڑتے ہیں کہ مشنری
لیڈیونکو جب تک تین خداؤں کا مسئلہ انکے ہاں موجود ہے وہ مضبوطی سوا ہٹ دھرمی
کے دوسری طرح نصیب نہیں ہوسکتی ہمارے اسکول کی استانیونکا فرض ہوگا کہ وہ باتوں ہی
باتوں میں ان بھولے دل والی لڑکیونکو ایسا سمجھائیں کہ انکے دل سے کفر، شرک، اور گستاخی،
فضول گوئی، لڑائی، جھوٹ کا مادہ دور ہوجائے یہ وہ باتیں ہیں کہ بڑی ہوکر اکثر خرابیاں اور قباحتیں
انہیں سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور صوبہ پنجاب کی تو اکثر لڑکیوں میں یہ برائیاں موجود ہیں۔ تعلیم اپنے
اثر سے ان موتیوں پر سے ان برائیونکی مٹی دھوکر ان کی اصلی آب و تاب نکال لائیگی۔ تعلیم وہ
چیز ہے کہ جس کی قدر ہم سے کچھ بھی ہوسکنی محال ہے۔ یہ اسکول نہیں بلکہ اندھونکے لئے آنکھیں
ملنے کا سامان ہے جاہل عورت کی مثال اور اندھے کی مثال ایک ہے اسکو راستہ چلنے
میں مصیبتیں اور ٹھوکریں ہیں اسکو زندگی بسر کرنے میں وہ ٹھوکریں اور مصیبتیں ہیں اسکے زمانے
کی خط و کتابت کا حال جب ہم سنتے ہیں (اور وہ زمانہ گیا ابھی گیا ہے!) تو ہنسی بھی آتی
ہے اور افسوس بھی ہوتا ہے خاوندونکے ساتھ انکی نوکری اور معاش کی جگہ جانا عیب تھا اور
بہت سی جگہ اب بھی ہے۔ ایک بیوی کے میاں بہت بیوی کو چاہنے والے نوکری پر

جانے لگے بیوی ساتھ نہ گئیں میاں اکیلے ہی روانہ ہوئے بہت دن جب ہو گئے اور بیوی
کی خیر خبر نہ معلوم ہوئی تو ایک خط بیجا بیوی کو جب ملا تو لمع کی کوٹھری میں سے نمک لینے
جا رہی تہیں نمک ہی کی ہنڈیا میں سنبھال کر چلی آئیں یاد بھی نہ رہا نمک خرچ ہوتا رہا جب ختم پر
آیا تو ہنڈیا میں خط رہ گیا پہلے تو دیکھکر تعجب ہوا کہ کسی نے جادو نہ کیا ہو یہ لکھا ہوا کیا ہے!
کچھ دیر بعد آپ ہی یاد آیا تو مولوی صاحب کی تلاش ہوئی کہ دروازے کے باہر کواڑوں
اور پردوں کے پیچھے بیٹھکر خط سنا جائیں۔ باہر موندہا اُرسی بچھی۔ مولویصاحب ڈہونڈہے
ہوئے آئے بیچ میں ایک ماماکڑی ہوئی اندر بیوی پیڑی پر خط سنتے آبیٹھیں مولویصاحب
خط سناتے جاتے تھے اور بیوی کی سمجھ میں تحریری عبارت تو بول چال سے مختلف تہی ہی
اسلئے اکثر جگہ نہیں سمجھ سکتی تہیں جگہ جگہ بیوی ماما سے کہتیں ماما مولوی صاحب سے اور بہی بگاڑ
کر دوہراتی مولوی صاحب کچھ سمجھتے کچھ نہ سمجھتے بار بار سمجھاتے اور پوچھتے غرض بڑی دیر میں
خط ختم ہوا اب جواب لکھوانا شروع ہوا اُس میں تو مولویصاحب کا ناک میں ہی دم آگیا بیوی
کچھ گاتی تہیں اور بیوی کی سارنگی (ماما) کچھ اور ہی سناتی تہی آخر مولوی صاحب نے دق
ہوکر موندہا آگے گھسیٹ کر پردے سے کان لگا لئے کچھ خود سنا کچھ ماما کی زبانی معلوم
ہوا کچھ اپنے دل سے بنا کر لکھا جب جا کر کہیں گھنٹوں میں خط شوق پورا ہوا پھر سنایا گیا تو
اسی طرح کہ مولوی صاحب نے جو ماما اور بی بی کی اٹکل بے جوڑ گفتگو بنا سنوار کر لکھی تہی اسکو
اُسی طرح اوہیڑ کر سمجھانا پڑا بیوی سمجھتی تہیں پہر پوچھتی تہیں پہر پڑہا جاتا تہا اور سمجھایا جاتا تہا۔
یہ بہی جب ہو چکا تو اب خط لکھوائی پر جھگڑا ہوا بیوی کہتی تہیں دو آنے سے زیادہ نہ دیںگی
مولویصاحب کہتے تہے کہ چار خطوں میں بہی یہ مصیبت نہ ہوتی جو ایک ہی خط لکھنے میں
اُٹھائی کہ ایک خط سنایا سمجھایا دہرایا دوسرا لکھا کئی کئی دفعہ اسی طرح سنایا سمجھایا مغز
پچی کیا میں تو چار آنہ سے کم نہ لونگا"
ایک اور بیوی کا ذکر ہے کہ جب کہیں سے خط آتا تو وہ ایک ٹوٹے پھوٹے مولوی

صاحب رہا کرتے تھے آنکے پاس بھیجدیا کرتی تہیں کہ مولوی صاحب سے کہنا اسکو پڑہ کر اسکا اچھا سا جواب لکھکر روانہ کردیں بس۔

ان باتونکے سننے سے ایسا دل گہبراتا ہے اور دم حلق میں آتا ہے کہ جسکا بیان نہیں یہاں تو ہماری یہ کیفیت کہ نماز میں اگر خط آجائے تو نماز دوبھر ہو جاتی ہے دل بے چین ہو جاتا ہے جب تک ایک آنکھ دیکھ نلیں کہ کہاں سے آیا کسکا ہے اُسوقت تک باقی نماز اطمینان سے نہیں پڑہی جاسکتی۔ یا الیسی بہی اللہ کی بندیاں ہوتی نہیں اور ہیں کہ نمک کی ہنڈیا میں خط ڈالکر "انچہ درکان نمک رفت نمک شد" بہول جاتی تہیں!

پنجاب کا مجھکو تجربہ ہے اور میں بہت سی لڑکیونکو جانتی ہوں جنکے دل علم کے ارمان سے بہرے پڑے ہیں مگر کیا کریں اُنکے لئے اسکول ہی نہیں غیر اسکولوں میں والدین بہی کیونکر بہیجیں اس اسلامی اسکول کو اور اس کی اُستانیونکو یقین ہے کہ سب خوشی خوشی منظور کرینگے کیونکہ یہ تمام مرضونکی دوا ہوگا جاہل عورتیں شاید اس اسکول کو بہی برا سمجہیں مگر اُسیقدر خود زمانے کی نگاہوں میں حقیر ہوتی چلی جائینگی مجھے بڑی ہی تمنا ہے اور ہر وقت یہ دُہن لگی رہتی ہے کہ کسی طرح عورتوں کی تعلیم کا بندوبست بہی ایسا ہی ہو جائے جیسا کہ مردونکی تعلیم کا ہے تاکہ عورتیں بہی لائق ہوا کریں اور زندگی کی گاڑی کے دونوں پہیے فراٹے بہرنے لگیں اب تو یہ حال ہو رہا ہے کہ میاں تو نئی سے نئی ساخت کے چلتے پُرزے انجن ہوتے ہیں بیویاں وہی پُرانے وقت کی دقیانوسی چھکڑا گاڑی بنی ہوئی ہیں میں جہاں ہوں وہاں بہت سی بیویوں سے تعلیم کے بارے میں گفتگوئیں کیں اور بہت سی کوشش کی کہ لڑکیونکو تعلیم سے محروم نہ رکہا جائے خدا کا شکر ہے کہ بالکل ناکام تو میں نہ رہی بہت سے خاندانوں نے اسبات کو تسلیم کرلیا کہ علم انسان کے لئے بہت عمدہ جوہر ہے چونکہ ہمارے شہر میں کوئی باقاعدہ اور خاص انتظام لڑکیوں کی تعلیم کا نہ تہا اسلئے ایک روپیہ کی جگہ چار روپیہ کا خرچ منظور کرکے اُستانیونکا خیال کیا گیا مگر تعلیم نسواں کا تو رواج ہی نہیں اُستانیاں

لیں تو کیا سنے؟ آخر جو بہت شوقین تہیں اور میرے گہر آسکتی تہیں اُنکے پڑہانے کا کام
تو جیسا مجھے آتا تہا میں نے اپنے ذمہ لیا اور وعدہ کیا کہ جو میرے گہر پر آکر پڑہنا چاہینگی اُن کو میں
بہت محبت اور پیار سے پڑہاؤنگی رفتہ رفتہ میرا گہر چہوٹا سا اسکول ہو گیا تعلیم صرف قرآن شریف
ترجمہ اردو لکہائی پڑہائی اور حدیث شریف کے مسئلے مسائل اور کبہی فرصت کے وقت گلوبند،
کمربند، موزے وستانے اور سلائی کشیدے کا کام سکہا دیا کرتی ہوں اب چار لڑکیاں ایسی لائق
ہو گئی ہیں کہ جو پڑہا ہے وہ دوسروں کو پڑہا سکتی ہیں اور جو سیکہا ہے اوروں کو سکہا سکتی ہیں مگر کئی خاندان
اب بہی یہاں ایسے موجود ہیں جو تعلیم کو بُرا سمجھتے ہیں سمجہاؤ تو یہ جواب ملتا ہے کہ پڑہی لکہی عورت
جلدی بیوہ ہو جاتی ہے اور بگڑ جانیکا اندیشہ ہے اور گہر کے کام کو عار سمجھتی ہے، یہ اُنکی
سمجہ میں نہیں آتا کہ اگر جاہل عورت کبہی بیوہ نہ ہوئی ہوتی اور جوان جوان جاہلیں بیوہ ہوتے ہوئے
نہ دیکہی ہوں تو ضرور یہ بات ماننے کے قابل ہے ورنہ اسی جگہ کئی بیویوں کی مثال موجود
ہے کہ ماشاءاللہ پڑہی لکہی ہیں سہاگن ہیں بال بچے دار ہیں خوش حال ہیں مدتوں سے زندہ ہیں
خدا انکی عمر میں اور برکت دے بہلا تعلیم کا یہ کام تہوڑا ہی ہے کہ کسی کو مار دے یا کسی کو
بیوہ کر دے! اور تعلیم سے بگڑ جانیکا جواب تو خیر کیا دیا جائے کہ اگر ذرا سی بہی پڑہی لکہی
ہوتیں تو یہ بات منہ سے نہ نکالتیں ایک ادنیٰ سے تجربہ کی بات ہے کہ جہاں میاں تعلیم یافتہ
ہو اور بیوی جاہل تو لڑائی جہگڑے کی بنا اگر دیکہو تو عورت ہی کی طرف سے پائی جائیگی
اور جہاں میاں بیوی دونوں نور علیٰ نور کا جوڑہ ہونگے نہ جوتی پیزار سننے میں آئیگی میں ان
خاص لوگوں کو نہیں کہتی جن کو خدا نے طبیعت ہی بے شرمی دی ہے۔ مگر عموماً یہی ہے کہ جہاں
علم کی روشنی نہیں وہاں خدا کا خوف دلوں سے دور ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے
کہ تعلیم یافتہ بی بی پر اگر کوئی مصیبت خدا نہ کرے آئیگی تو نہایت آسانی اور استقلال سے
اسکو برداشت کریگی مصیبت کو اپنا نصیب سمجھکر اُسپر صبر کرسکے اور اچھے طریقوں سے اپنی
پرورش کریگی اگر بے علم عورت پر بپتا پڑے۔ تو اُسکے بے صبر ہو کر ذلیل طریقے سے پیٹ

چانول چمچے سے کہائے کہانے کے کمرے میں چوکی بچھی تہی اُسپر ایک سوزنی بچھی
ہوئی تہی بیسن دانی اور صابون دانی رکہی تہی چہوٹی لڑکیوں نے بہی آپ ہی ہاتھ دہوئے
چوکی کے پاس کہونٹی پر تولیہ پڑا تہا ہاتھ صاف کرلئے پہلی دفعہ تو پان خاصدان میں
بنے ہوئے آگئے تہے کہانیکے بعد انوری بیگم نے آواز دی مریم ٹپاری دیکہاؤ دہ
ملازم لڑکی پہلے ایک چوکی لائی جو اسطرح کی بنی ہوئی تہی کہ تین گول تختے تہے
جانسوں سے جمے ہوئے وارنش پہرا ہوا اُسپر ٹپاری رکہی نیچے کے تختے پر لگنی پیچ کے
تختہ پر الاچی کی ڈبیہ چاندی کی تہالی میں رکہی لیکن یہ چوکی مجہے پسند آئی میں بہی ہنوا دونگی
مجہے پان دیا آپ کہا یا میں نے کہا لڑکی نہیں کہاتی ؟ (ماں کے برابر کی کرسی پر بیٹہی تہی)
انوری بیگم۔ نہیں ابہی سے پان کہانے سے دانت خراب ہوجاتے ہیں اسلئے شروع
ہی سے یہ ترغیب نہیں دی گئی۔

میں۔ بچے کہاں مانتے ہیں !
انوری بیگم۔ یہ سچ ہے مگر اپنی طرف سے کوشش ضرور کرنی چاہئے کہ بچوں میں بری
عادتیں پیدا ہوکر پک نہ جاویں۔
اشرف بیگم۔ بہابی جان ہمارے گہر میں بہی خدا کے فضل سے کسی چیز کی کمی نہیں مگر نوکروں
نے عاجز کردیا ہے۔
بہاوج۔ بہئی ہمارے ان انتظام نہیں میں بہی اب سب کام دیکہا کرونگی (اپنی لڑکی کی طرف
اشارہ کرکے) صاحبزادی کو دیکہو آٹھ بجے سوتی اُٹھتی ہیں ہاتھ منہہ دہونیکو پانی اور
تولیہ رکہا جائے تب منہہ دہلے اور پہر پڑے ہنستے ہیں۔ (اپنی لڑکی کو آواز دیکر) سعیدہ
اودہر آؤ سنو ،، (سعیدہ نہیں آتی)
اشرف بیگم۔ بہابی جان آپ تو آج ہی سختی کرنی چاہتی ہیں۔
بہاوج۔ بوا تم انوری بیگم کی لڑکی کو دیکہو تو کہو نو برس کی لڑکی عقلمند بہی ہے اور بہولی بہولی

سب جاکٹیں پہنے تہیں نام چینی کے برتن چھوٹے اور برتن۔
چیپرکیٹ کا پردہ ایسا خوبصورت نئی وضع کا تھا لال کلابتونی پردہ اور سبز جھالر لگی ہوئی
تھی جھالر کے سرے پر ٹھپہ سنہری ٹکا ہوا تھا جہاں جاکر چوڑا ٹھپہ ٹانکا تھا اور ایسے
ہی انوری بیگم کے رہنے کے سب کمرے صاف تھے۔ اور ہر کمرے میں قینچی
ہتوڑی پیچک اور قلم دوات دیکھی۔
اشرف بیگم۔ اچھی یہ کیوں؟ ہر کمرے میں کیوں؟
بہاوج۔ ان چیزوں کی تو ہر جگہ ضرورت ہوتی ہے اسلئے رکھی تھی جس کمرے میں
ضرورت ہوئی وہیں سے لے لی دوسرے کمرے میں جانا نہ پڑا غرض جس چیز کی
جہاں ضرورت ہو وہیں موجود پاؤ باورچی خانہ بھی صاف تھا۔
اشرف بیگم۔ کیا کھانا گھر میں ہی پکتا ہے؟
بہاوج۔ نہیں باہر پکتا ہے پردہ کراکر دیکھا تھا۔
اشرف بیگم۔ اے ہے انوری بیگم کے ایسے عمدہ طور سے رہنے سہنے کا حال سنکر
دل چاہتا ہے کہ ہمارے بھی گھر میں ایسا ہی طریقہ اختیار کریں۔
بہاوج۔ ایسے چھوٹے چھوٹے بچے اور فرش صاف تھا اور عرصہ کا بچھا ہوا معلوم
ہوتا تھا تازہ نہ تھا۔
بہاوج۔ میاں احمد سعید کو دیکھو ابھی زمین میں ننگے پاؤں کھڑے تھے بے تکلف ابھی
فرش پر آگئے مور کے سے پنجے چاندنی پر لگ گئے مرغیاں وہ مٹھائی جو رکھی
تھی کھا گئیں۔ چار مامائیں ہیں مگر کسی کو پرواہ نہیں۔
اشرف بیگم۔ بھابی جان ہم لوگوں کو ضرور انتظام کرنا چاہیے۔
بہاوج۔ انشاءاللہ اور اب ایک کتاب بھی بناؤنگی۔ انوری بیگم نے ایک کتاب بنائی ہی
اور اس میں سب کام لکھے ہیں اس کتاب پر یادداشت لکھی ہے اور حساب بھی

اُتّر یعنی شمال کی طرف ایک ستارہ ہے اسکو قطب شمالی کہتے ہیں اس کی پہچان یہ ہے
کہ وہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرتا۔ تمام شب دیکھنے والی ہو یاں اُسکو ایک ہی جگہ پائینگی اُس
سے تھوڑے ہی فاصلہ پر آپ کو دو اور ستارے نظر آئینگے جو قطب کے گرد گردش کیا کرتے
ہیں جسقدر قطب اپنی جگہ جا رہتا ہے ٹس سے مس نہیں ہوتا اُسیقدر اسکے پیرو ں میں بلیا
بندھی ہوئی ہیں ہر وقت چکر میں ہیں ان دونوں ستارونکو قطبین کہتے ہیں (رسالہ خاتون
میں انکا نام قطب کی بہنیں زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے جو ہر دم اپنے بھائی کے صدقے قربان
ہوا کرتی ہیں۔) انہیں کی گردش سمجھنے سے آپکو ٹھیک وقت معلوم ہوسکتا ہے کہ رات کے
دو بجے ہیں یا تین بجے ہیں یا کیا بجا ہے۔ قطب کو مرکز یا بیچ کی کیل سمجھئے اور قطبین کو سوئیاں
اور قطب کے گرد پھر کر جو گول دائرہ وہ بناتی ہیں اُسکو اس قدرتی گھنٹے کا گول چہرہ تصور
کیجیے اس خیالی دائرہ پر مختلف اوقات پر مختلف جگہ قطبین نظر آئینگی اور اس طرح رات
کے بارہ گھنٹوں کی غور کرنے سے پہچان ہوسکتی ہے۔
نقشہ ذیل میں واسطے سمجھنے کے لکھا جاتا ہے۔

یہ گھڑی گھڑی ساز کی مرمت کی محتاج
نہیں جب سے خدا نے کوک دیا ہے
برابر اور صحیح چلی جاتی ہے لیکن ابر کی چادر
کبھی اُسکو تھوڑے سے عرصہ کیلئے
بیکار کر دیتی ہے۔ اس مضمون پر غور کرنے
سے صاف ظاہر ہے کہ قطب کو مذہب اسلام سے
خاص تعلق رہا ہے۔ لہذا یہ صحیح ہے کہ بغداد میں پہلے پہل گھڑی کی ایجاد مسلمانوں نے کی

قطب

ا؎ مثل ہی تو ہے کہ زمین جنبد و آسمان جنبد نہ قطب از جائے جنبد۔

۲؎ بیچ میں قطب تارہ ہے دائیں طرف نقطوں کے دائرے پر دو ستارے ہیں جو قطبین ہیں اور نقطوں کا

اور موجودہ گھڑی اسی قدرتی گھڑی کی نقل ہے۔

یہ میرا پہلا مضمون ہے جو میں نے افطار، تہجد اور سحری وغیرہ عبادت کے کاموں میں وقت کی پہچان بتانے اور مصنوعی گھڑی کی محتاجی مٹانے کو لکھا ہے اللہ مجھے آیندہ بھی نیک اور مفید مضمون لکھنے کی توفیق دے جو بہنیں اسکو پڑھکر فائدہ اٹھائیں اُنسے التجا ہے کہ میرے بڑے بھائی مسٹر احمد کریم کے لئے کامیابی کی دعا فرمائیں چھوٹی سی عمر سے لنڈن گئے ہیں خدا کے فضل سے دو امتحان بیرسٹری کے پاس کر چکے ہیں اب صرف دو امتحان اور باقی ہیں روزے دار بہنوں کی دعا جلد قبول ہو جاتی ہے اسوجہ سے اُنسے دعائے خیر کی استدعا ہے ع ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

راقمہ

بنت خورد مولوی محمد کریم صاحب تحصیلدار سیجا

ضلع الہ آباد

اڈیٹوریل

لیڈیز کانفرنس | اگرچہ کانفرنس میں آکر شریک ہونیوالیوں کی تعداد کا تخمینہ زیادہ نہیں تاہم جنکو نمایش دیکھنے کا شوق اور کانفرنس کی تقریریں اور تجویزیں سننے کی تمنا ہے ہم اُنکو مطلع

نوٹ بقیہ صفحہ ۴۹۰ - دائرہ وہ گول زمینی شکل ہے جسپر قطبین قطب کے گرد چکر لگاتی رہتی ہیں اس وقت گویا رات کے تین بجے ہیں کل بھی اسیوقت یہ دونوں تارے اسی جگہ ہونگے اور تین ہی بجے کا وقت ہوگا۔ علی ہذا القیاس اور وقتوں پر بھی ایک معین مقام پر ملینگے۔

نہیں کر سکتے اسٹریچی ہال کی دوطرفہ گیلریاں اُنکے واسطے پردے سے آراستہ کردیجائیں گی اور ظہور حسین وارڈ جو ایک محفوظ اور محدود پردے دار وسیع مکان ہے۔ خاتونوں کے لئے خالی کرالیا جائے گا امید ہے کہ بہت سی خاتونیں آکر شریک ہونگی اور اکثر مسٹر اپنی مسیز کو ساتھ لیکر آئینگے مجمع معقول ہوگیا تو لیڈیز کانفرنس کا پہلا اجلاس بھی منعقد کردیا جاوے گا بلکہ ضرور منعقد ہوگا اور یہ قابل تعریف ارمان جو تعلیم یافتہ خاتونوں میں پیدا ہوگیا ہے امسال انشاءاللہ پورا ہوکر رہے گا۔ کانفرنس میں خاتونوں کی شرکت یا نمایش دیکھنے کا شوق کوئی جدت نہیں شریک ہونیکی ابتدا بمبئی کی کانفرنس میں اور نمایش دیکھنے کی مثال گذشتہ سال لکھنؤ کے اجلاس میں قایم ہوچکی ہے،، قومی تقریبوں میں مستورات اس شدت سے شریک ہوتی ہیں کہ حج کے میدان، دہلی کی جامع مسجد کے دالان- اجمیر شریف، پیران کلیر، اور گنگوہ وغیرہ کے آستانہ جات کا چپہ چپہ اور لکھنؤ کے امام باڑے نکے زمین و آسمان غول کے غول اُجلے پوش شریف شریف بیویوں کے برقعوں سے بھرے ہوئے نظر آتے ہیں مذہبی جوش اور اعتقاد دور دور سے عورت و مرد شائقین حج و زیارت و نماز کو کھینچ بلاتا ہے حالانکہ ان بے ترتیب غیر شائستہ مجمعوں میں تہذیب و شائستگی کی کوئی گارنٹی نہیں ہوتی۔ برخلاف اسکے کانفرنس تمام منتخب اور روشن خیال تعلیم یافتہ حضرات کا جلسہ ہے جس میں ادنیٰ سا بھی اندیشہ ذلت و اہانت اور بے پردگی کا خدانخواستہ نہیں ہوسکتا۔ پھر بھی ہم اس اعلان کے ذریعہ سے کسی کو خواہ نخواہ آنیکی ہرگز ترغیب نہیں دیتے جن کو پہلے ہی سے شوق ہے انکو مطلع کیا جاتا ہے۔

کانفرنس میں شریک ہونیوالی خاتونوں سے کوئی فیس نہیں لیجائیگی آنریبل نواب فیاض علیخاں بہادر سی۔ ایس۔ آئی۔ رئیس پہاسو کی عام و خاص طعام کی دعوت میں سب شریک ہیں روانگی سے پندرہ روز پہلے اپنے ارادے اور ٹھیک تاریخ

دوقت روانگی اور علیگڈھ پہنچنے سے مفصل مطلع کردینا ضروری ہوگا تاکہ ڈولی گاڑی اور جائے
قیام کے اہتمام و انتظام میں آسانی ہو۔ ہمیں امید ہے کہ لیڈیز کانفرنس کا خیال چونکہ
ممکن کردیا گیا ہے اسلئے اب معزز خاتونیں اپنے اس جلسے کے لئے کسی معزز و صاحب علم
و فضیلت خاتون کو پریسیڈنٹ منتخب کرینگی اپنی تجویزیں سوچکر اور تقریریں لکھکر ساتھ لائینگی۔

نمایش | نمایش کے متعلق سب سے بڑی خوشخبری تو اول کے ہی صفحوں میں سنا دی
گئی ہے حضور عالیہ ہرہائنیس نواب بیگم صاحبہ والیۂ ریاست بھوپال کا خود اپنے دستِ
مبارک سے تیار کی ہوئی تصویریں اور کشیدے ارسال کرنا کچھہ کم فخر و خوشی کی بات نہیں
ہے لیکن ہم حیران ہیں کہ اگر ججوں کی کمیٹی نے حضور عالیہ کی تصاویر اور کشیدے کو لایق نذر
یعنی قابل انعام تجویز کردیا تو کیا کرینگے؟ اور ایسا ہونا بالکل یقینی ہے کیونکہ حضور عالیہ کا
دستی کام لایق تعریف سے بھی انشاءاللہ افضل اور اعلیٰ ہوگا۔ امید ہے کہ ناظرین خاتونیں
اس بارے میں اپنی اپنی تجویزیں لکھیں گی ہماری تو ابھی دو مہینے پیشتر ہی سے عقل حیران
ہے کہ اگر صنعت کی داد دینی ججوں کے فیصلے سے لازم آگئی تو ایسی بڑی والیۂ ملک کی
خدمت میں کیا نذر پیش کرسکینگی شیخ سعدی نے سچ فرمایا ہے کہ ؎

یا مکن با پیلبانان دوستی
یا بنا کن خانۂ درخورد پیل!

بمبئی میں نمایش کی کوشش | بمبئی سے نمایش کے لئے نہایت اعلیٰ صنعت و حرفت شوق
و آرایش اور سبق کی چیزوں اور کاموں کے نمونے ملنے کی بہت کچھ امید اور توقع ہے
خاندان فیضی کی دونوں صاحبزادیاں مس زہرا خانم فیضی اور مس عطیہ فیضی نے لوکل سکرٹری
کا مشکل کام اپنے ذمہ لیا ہے اور امید ہے کہ ہرہائنس حضور نواب بیگم صاحبہ جنجیرہ کے
ہاتھ کی بنی ہوئی بھی کوئی چیز نمایش کی قدر افزائی میں افزایش کے لئے میسر آسکیگی مس
فیضی صاحبان کی مہربانی سرگرمی اور ہمدردی تعریف اور شکریے سے بالاتر ہوتی جاتی

ہے لیکن اُنکے ساتھ مس ایم جی کرسٹ جی اور مس وین بائی پائیک دو معزز و شریف پارسی لیڈیوںکا اپنے اعلےٰ اور بیش بہا دستی اشیاء کے نمونوں سے نمایش کو مالا مال کرنے کا وعدہ شکر گذاری کے ساتھ ذکر کرنے کے لایق ہے مختصر یہ کہ انہی چاروں معزز مسلمان اور پارسی خاتونوں کی ذاتی دلچسپی اور کوشش نے بمبئی کی نمایش کے صیغۂ صنعت نسواں کو دنیا میں مشہور و معروف بنانے میں بڑی مدد دی تھی خوش نصیبی سے اُنکی حمایت و ہمدردی ہمکو بھی میسر آگئی ہے کچھ تعجب نہیں کہ اُس مشہور و یادگار صیغۂ صنعت نسوان کا ایک جلوہ یہاں بھی نظر آجائے۔

| راجکوٹ میں نمایش کے لئے کوشش | جناب مسٹر غلام محمد منشی بیرسٹر ایٹ لا کی مخلصانہ کوشش

سے ہمارے اردو اشتہار کی سینکڑوں کاپیاں "اخبار کاٹھیاوار ٹائمز" نے گجراتی زبان میں ترجمہ کرکے مفت شائع کرنے کو دیدی ہیں اخبار موصوف ایک غیر زبان غیر قوم اخبار ہے اُس کی یہ ہمدردی احسان میں داخل ہے

| شکوہ | معلوم ہوتا ہے کہ خاتون کی اکثر خاتونیں نمایش کے خیال سے غافل ہیں بہت کم یہ صدا آتی ہے کہ نمایش کے لئے کچھ بھیجینگے "سب کو چاہئے کہ مس عطیہ فیضی اور اُنکی ہمشیرہ مس زہرا فیضی کی طرح خود بھی کوشش کریں اور اپنے خاندانوں میں لوکل سکرٹری بن کر اور بیگمات سے بھی نمونے اُن کی دستکاری کے بھجوائیں۔ جن خاتونوں سے خاص طور پر نمایش میں امداد کی توقع تھی اُنکی غفلت اور خاموشی پر ہمیں بہت تعجب اور افسوس ہے بعض بیویاں نمایش کو عجائب خانہ سمجھکر کسر نفسی سے ہچکچاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ نمایش کے لایق ہمکو کوئی کام نہیں آتا " یہ خیال ٹھیک نہیں مستورات میں جس درجے کی صنعت

ہنرمندی موجود ہے اُسکا اندازہ کرنے کے لئے اور دل بڑہانے شوق دلانے کے لئے نمایش کیجاتی ہے اُسکو عجائب خانہ سمجہنا غلط فہمی ہے۔ ہمکو بہت سے مقامات پر لوکل سکریٹریوں کی ضرورت ہے اب دیکہنا یہ ہے کہ مفت امداد کی آزمایش کے اسوقت اور موقع پر کتنی بیویاں ہمدردی میں سبقت کرتی ہیں۔

سکرٹری صیغہ تعلیم نسواں کا دورہ

ہائیکورٹ کی تعطیلوں کا زمانہ ہمنے بمبئی، بہوپال، رامپور، دہلی، امیرٹھ، اٹاوہ وغیرہ مقامات کے سفر اور نمایش و نارمل سکول کے لئے کوشش میں صرف کرنے کا قصد کیا تہا چنانچہ اسوقت تک بمبئی، بہوپال اور رامپور کا دورہ ختم کرچکے ہیں۔ بہوپال میں ہمکو حضرت علیا ہر ہائنس نواب بیگم صاحبہ کے حضور میں باریابی کا فخر حاصل ہوا۔ ہمارا بہوپال جانیکا مقصد خود حاضر ہوکر حضور عالیہ کی خدمت میں صیغہ تعلیم نسواں کی طرف سے شکریہ امداد بجالانے کا تہا ہماری کوششوں کے متعلق حضور عالیہ نے متعدد سوالات فرمائے جنسے معلوم ہوتا تہا کہ حضور عالیہ نہایت تعلق و دلچسپی کے ساتھ تعلیم نسواں کی کوششوں پر نظر رکہتی ہیں اور اُن کی تمام فیاضیاں مستورات میں تعلیم پہیلنے اور اُنکا رتبہ بلند کرنے کی سچی اور دلی خواہش سے ہیں حضور عالیہ نے دریافت فرمایا کہ مجوزہ نارمل سکول میں ،، صرف انگریزی پڑہائی جائیگی یا فارسی عربی بہی کورس میں شامل ہوگی ،، پردے کے متعلق بہی ہمارے خیالات دریافت کئے نیز یہ سوال فرمایا کہ اسکول جلد کیوں قایم نہیں کیا جاتا اس میں کیا تساہل ہو رہا ہے ،، ان تمام استفسارات کے جوابات جو ہمنے عرض کئے نمبروار یہ ہیں (۱) ہمارا ارادہ ابتدا میں انگریزی پر اسقدر زور دینے کا نہیں بلکہ زیادہ تر دینیات، اردو، فارسی، سائنس کے عام مسائل، واقفیت عام یعنی جغرافیہ، تاریخ، حساب میں ضرور ہی مہارت بہم پہنچائی جائیگی۔ اس خیال کو حضور عالیہ نے بہت پسند فرمایا (۲) پردے کے متعلق عرض کیا گیا کہ ہم اور ہمارے تمام دوست شرعی پردی

کے بالکل حامی ہیں مبئی کی کانفرنس میں اسکا صاف اعلان کردیا گیا تھا لیکن موجودہ پردہ
آسان شرعی پردہ سے بالکل مختلف اور ایک قید سخت کے مانند ہے اس کی سختیاں رفتہ
رفتہ ہلکی ہونی چاہئیں اور ترکی عرب اور مصر وشام میں جو پردہ رائج ہے اُسکا رواج
ہندوستان میں بھی ہونا آسانی کا باعث ہوگا،، حضور عالیہ نے اُس پردہ کی تعریف
خود فرمائی اور ارشاد کیا کہ میں بچشم خود ممالک حجاز میں جو پردہ رائج ہے اُسکو دیکھ آئی
ہوں درحقیقت وہی اسلامی اور اصلی پردہ ہے بلکہ میں نہیں چاہتی کہ مستورات کو
روشنی اور ہوا سے بھی محروم رکھا جاوے البتہ پردے کو بالکل اُڑا دینے کا خیال نہ
کرنا چاہئے کیونکہ خدا اور رسول نے اسپر بار بار زور دیا ہے (۳) اسکول کے قایم
ہونے میں دیر کی بابت گذارش کیا گیا کہ یہ کام بہت اعلیٰ پیمانے پر اُٹھایا گیا ہے
اور ابھی تک کافی سرمایہ بسم اللہ کرنے کے لئے نہیں فراہم ہوا ہے اسی کا انتظار
اور یہی تساہل ہے،، حضور عالیہ نے صلاح دی کہ صیغۂ تعلیم نسواں کا ڈیپوٹیشن تمام
معززین رؤسار کے پاس جانا چاہئے تمام رئیسوں اور امیروں کا فرض ہے کہ اس کام میں
پوری امداد کریں کیونکہ عورتوں کی جہالت سے ملک اور قوم کو سخت نقصانات پُہنچ رہے
ہیں، یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مینے جو مدرسۂ سلطانیہ بھوپال میں جاری کیا ہے اُس میں اگرچہ
قابل اُستانیاں ابھی تیار نہیں ہوئیں لیکن انشاء اللہ کچھ عرصے بعد تعلیمی ضروریات میں
یہ مدرسہ بہت مدد دے سکیگا،، حضور عالیہ نے اپنے دست مبارک سے تیار کردہ دو
تصویریں اور کشیدے کا کام مرحمت فرمانیکا وعدہ زبانی بھی ارشاد فرمایا اور یہ بھی فرمایا
کہ اگر کانفرنس میں پردے کا انتظام ہوا تو حضور عالیہ بھوپال سے [illegible] عورتوں کو
اُس میں شریک ہونے اور نمایش سے سبق حاصل کرنے کی غرض سے روانہ
[illegible] نمایش کے لئے بھوپال کے [illegible] صنعت وحرفت نسواں سے بھی
[illegible] کی خدمت میں ہم کو قریب چالیس منٹ کے

ف حضوری حاصل رہا اور ہم حضور عالیہ کے احسانات اور روشن خیالی کے
رسیے اور تعریف میں مستغرق رخصت ہوئے۔ خدا حضور عالیہ کی عمر و اقبال میں
روزافزوں ترقی و برکت عطا فرمائے۔ آمین!

رام پور میرٹھ دہلی وغیرہ کے دورے کے حالات آیندہ رسالے میں درج
کئے جائینگے۔

مسز آرچ بولڈ ناظرین خاتون کو بالفعل یہ خوشخبری اور سنائی جاتی ہے کہ مدرسۃ العلوم
علیگڈہ کے نئے پرنسپل صاحب ولایت سے مقرر ہوکر تشریف لائے ہیں انکی بیگم صاحبہ
کا اور انکا استقبال کرنے کے لئے اتفاق سے ہم بھی بمبئی میں موجود تھے جہاز سے اتر
بندرگاہ پر مسز آرچ بولڈ نے ہم سے جو پہلی بات کہی وہ تعلیم نسواں کے متعلق ایک خوشخبری تھی
کسقدر مسرت کی بات ہے کہ ہمارے نئے پرنسپل صاحب کی بیگم صاحبہ ولایت ہی سے ہمارے
معاملات سے واقف اور ان میں پوری ہمدردی بلکہ خوشی کے ساتھ ہندوستان میں وارد
ہوئی ہیں اسکو بڑی نعمت خیال کرنا چاہیئے۔

شاہی آمد آمد ہم بڑی مسرت و شادمانی کے ساتھ اطلاع دیتے ہیں کہ شاہزادہ ولیعہد اور ولیعہد
بیگم یعنے ہمارے آیندہ بادشاہ اور ملکہ ۶- مارچ کو کالج میں بھی تشریف لائینگے۔

نمائش فنڈ حضور عالیہ ہر ہائنس نواب بیگم صاحبہ دام اقبالہا والیۂ بھوپال نے مبلغ تین سو روپیہ
چندہ نمائش میں انعامات تقسیم کرنے کی غرض سے ارسال فرمایا ہے۔
اسی مقصد کے لئے ہز ہائنس حضور مہاراجہ صاحب بہاؤنگر نے بھی مبلغ ڈھائی سو
روپیہ مسٹر مصطفےٰ حسین کانفرنس ایجنٹ کی معرفت عطا فرمائے ہیں اور ریاست بہاؤنگر کے
زنانہ مدرسوں سے صنعت و حرفت کے نمونہ جات ارسال کرنیکا وعدہ بھی فرمایا ہے اپنے
ملکی رئیسوں کی فیاضی اور نمائش کے مفید مقاصد سے دلچسپی کے ہم تہ دل سے ممنون
و شکرگذار ہیں۔

چندہ اسکول مسٹر سعید محمد خاں بی۔ اے رئیس خورجہ نے مبلغ پچیس روپیہ خورجہ کے

ایک معزز خاندان میں کسی تقریب کے موقع پر زنانہ چندے سے وصول فرماکر نارمل اسکول کی امداد میں ارسال فرمائے ہیں۔ مسٹر سعید کو تو زنانہ چندہ کا موقع کہاں ملسکتا ہے ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ چندہ مسز سعید کی کوشش سے جمع اور مسٹر سعید کی معرفت وصول ہوا ہے ہم ایسی امداد کو دست غیب کہتے ہیں۔ اور مسٹر سعید کی معرفت مسز سعید کا اور مسز سعید کے ذریعے عطا کنندہ بیگمات کا شکریہ ادا کرتے ہیں ا خود مسٹر سعید فدایان تعلیم نسواں میں سے ہیں لہذا کسی شکریے کے مستحق نہیں بلکہ اور کوشش کی اُن پر تاکید کیجاتی ہے۔

جناب مسز ہراخانم فیضی نے تو گویا قصد کر لیا ہے کہ جب تک اسکول بلکہ تیار نہو جائے وہ چندے جمع کئے جائینگی گذشتہ نمبر میں بارہ سو سے زیادہ چندہ آپ وصول کر کے مرحمت فرما چکی تہیں اس عرصے میں مفصلۂ ذیل بیگمات سے پچاس روپیہ اور فراہم کر کے ارسال فرمایا ہے۔

جناب عائشہ بی بی صاحبہ جنجیرہ	[illegible]
مسز حسن میاں	[illegible]
مسز سیدی حسین	[illegible]
مسز سیدی داؤد	[illegible]
مسز رحمٰن	[illegible]

میزان ... ... [illegible]

اطلاع۔ رسالۂ خاتون کے مقاصد میں جو سرورق کی پشت پر لکھے جاتے ہیں ایک نئی دفعہ استانیوں کی متعلق بڑہائی گئی ہے امید ہے کہ اُستانیاں اور ضرورتمند خاندان اس رعایت سے فائدہ اُٹھائینگے۔

اسلام کے نواہی

(ریویو)

نواہی جمع ہے نہی کی۔ نہی میں اور نہیں میں کچھ فرق نہیں اسلام کے نواہی یعنی وہ باتیں جو مسلمانوں کے لئے نہیں کرنے کی ہیں۔ سب کو جاننا چاہئے کہ وہ کیا ہیں یوں تو مذہبی کتابوں کی الماریاں بھری پڑی ہیں مگر جاننے کے لئے کوئی مختصر سی عام فہم کتاب ہونی چاہئے اس ضرورت کو نواب صدرالدین حسین خاں صاحب رئیس پردوہ نے بڑی خوبی سے پورا کیا ہے یعنی صاف و سلیس اردو میں ایک سلسلہ مفید و ضروری مذہبی باتوں پر چھوٹے چھوٹے رسالوں کا تالیف فرمایا ہے۔ اسلام کی صداقت، اسلام کے عقائد، اسلام کے اوامر، اسلام کے نواہی وغیرہ ان رسالوں کے نام ہیں۔ اسلام کے نواہی کو ہم نے بھی دیکھا سنی عقیدے کی باتیں خود پڑھیں اور اپنے بچوں کے دل میں خوف خدا اور برائی سے نفرت قائم کرنے کے لئے استعمال میں لائیں تو فی رسالہ دو روپیہ قیمت ہے گویا اس میں رسالہ نہیں بلکہ ایک دستِ خیال مولوی مول لے لیا۔ شرعی جاتیں دور کرنیکا بیک مفید نسخہ ہے ڈپٹی بک ڈپو علیگڈہ اور افضل المطابع دہلی اسکے عطار ہیں۔ فقط

اعلان

اس رسالہ کی قیمت نظر بحال موجودہ (۲ے) سالانہ
رکھی گئی ہے - اور ششماہی (۱۲ر) فی پرچہ (۵ر)
درخواستیں بنام شیخ محمد عبداللہ صاحب بی اے
ایل ایل بی - وکیل ہائیکورٹ علیگڈھ آنی چاہئیں
قیمت ہر حال میں پیشگی لیجائیگی -
تمام مضامین اڈیٹر کے پاس آنے چاہئیں -

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۶۱

خاتون

جلد ۲	ماہ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ مطابق نومبر ۱۹۰۵ء	نمبر ۱۱

اڈیٹر - شیخ محمد عبداللہ بی - اے - ایل - ایل - بی سکرٹری تعلیم نسواں کمیٹی

فہرست مضامین

باہتمام خاکسار سعید احمد

در مطبع احمدی علی گڑھ طبع شد

۱۔ بندرگاہ بمبئی پر شہزادے اور شہزادی کا استقبال

ہندوستان میں پرنس اور پرنسیس آف ویلز یعنے شاہزادہ ولیعہد اور ولیعہد بیگم کے خیر مقدم کی تیاریاں مہینوں پیشتر سے ہو رہی تہیں بڑے بڑے شہروں میں بہت کچھہ تیاریاں ہوئیں مگر بمبئی میں پارسی بیبیوں کی اولوالعزمی نے جو رنگ جمایا وہ قابل تعریف ہے ۔ ولیعہد بیگم پہلی شہزادی سلطنت برطانیہ کی ہیں جنہوں نے ہندوستان کی سرزمین پر قدم رنجہ فرمایا ہے ۔ کوئن وکٹوریا کو ہندوستان تشریف لانیکی بڑی حسرت تہی اور اسی لئے اُنہوں نے اردو زبان کو ضعیف العمری میں حاصل کیا تہا تاکہ یہاں اگر وقت پیش نہ آئے اور اپنی رعیت سے اپنے آپ گفتگو کر سکیں مگر افسوس انکا مقصد پورا نہوا ۔

آخر نو نومبر کا روز آیا کہ جسکا انتظار مدتوں سے ہو رہا تہا بمبئی میں اُسدن عجب طرح کی دہوم دہام تہی کل شاہراہیں جہنڈوں اور پہریروں اور نیک دعاؤں اور خیر مقدم کے نقطوں سے معمور تہیں جس سے جہاں بن پڑا شاہی جوڑے کو مشاہدہ کرنے کے شوق میں چل نکلا ہم بہی تاجمحل ہوٹل میں (جو عین حضور عالی کی تشریف آوری کے موقعہ پر لب سمندر واقع ہے) اپنے مکان کو چلکر ٹہیرے اور ذرا پیشتر ہی سے روانہ ہوئے تاکہ لوگونکے ہجوم سے بچکر پہنچیں اس خیال سے ہم بیبیاں ٹہیک گیارہ بجے دنکے مکان سے گاڑیوں میں سوار ہوئیں اور بغیر دقت اور تکلیف کے آرام سے ہماری گاڑیاں گذر سکیں ہوٹل کی عالیشان عمارت کی تیسری منزل پر شمال کی طرف ایک بڑے کمرے میں سے ہمنے حضور عالی اور حضور عالیہ کی تشریف آوری کو بخوبی دیکہا ہمکو ہرگز توقع نہ تہی کہ ایسی عمدگی سے سارا تماشا دیکہ سکینگے ۔

خیر مقدم کے لئے علاقہ بمبئی کے اکثر رئیس جمع ہوئے تہے ڈہائی بجے سے ان لوگونکی سواریاں شان و شوکت کے ساتھ موقع پر آنی شروع ہوئیں ہر ایک کا ٹہاٹھ قابل دید تہا ۔ نواب جوناگڈہ کی گاڑی چاندی کی تہی اُسپر سونے کا کام کیا ہوا تہا کسی کی کارچوبی کسی پر

سے ستاروں کی جھلک سی پڑتی تھی اور بند۔ غرض آفتاب کی کرنیں پڑکر انکی چمک دمک اور دگنی بلکہ
چوگنی ہو جاتی تھی، رئیسوں کی پوشاک اور جواہرات کا عالم ان سب پر بالا تھا۔ ہر ایک کے پیچھے
دو یا چار سوار ہوتے تھے۔ ان لوگوں کے لئے خاص شامیانہ نصب ہوا تھا جہاں وہ سب
بیٹھے۔ بعد اس کے لشکر کی ٹکڑیاں مختلف وردیوں میں نمودار ہوئیں اور سمندر
کی موج کی طرح اس سرے سے اُس سرے تک لہریں مارنے لگیں۔ امپیریل کیاڈٹ کور
بھی ایک طرف پرا جما کر کھڑی ہوئی جنکے فیروزی صافوں میں روپہلی پھندنے شعاع کی طرح
چمکتے تھے۔ حضور انور نواب صاحب جنجیرہ کا پرسلیقہ اور با قرینہ ٹھاٹھ کسی سے کم نہ تھا اور انکا
رعب دار بلند قد سب رئیسوں پر فوقیت رکھتا تھا۔

ہائی کورٹ کے ججوں میں جناب مکرم و محترم بدرالدین طیب جی صاحب کا شریف اور نورانی
چہرہ دیکھکر عجب اثر پیدا ہوتا تھا۔ اپنی ذاتی لیاقت سے آج وہ کیسے معزز عہدے پر ممتاز ہیں
کہ جسکا اندازہ ایسے موقعوں اور جلسوں پر پورا پورا معلوم ہو سکتا ہے۔

اسکے بعد ہمنے دیکھا کہ ویسرائے کی سواری آئی پھر بمبئی کے گورنر صاحب تشریف لائے
انکی بیگم صاحبہ لیڈی لامنگٹن بسبب علالت کے بمبئی میں موجود نہیں اسلئے لیڈی امپتھل
(گورنر مدراس کی بیگم) نے انکی جگہ کو سنبھالا۔ رینا ؤن[2] دخانی جہاز جس میں شاہی جوڑے
نے سفر کیا اسکو دور سے ہمنے دیکھا۔ ویسرائے۔ گورنر۔ امیرالبحر۔ اور لیجسلیٹف[3] کونسل کے اراکین
شہزادے کے استقبال کے لئے کشتیوں میں بیٹھکر شہزادے کے جہاز تک گئے اور کچھ دیر بعد
توپیں [illegible] جس سے معلوم ہوا کہ شہزادے اور شہزادی نے جہاز چھوڑا اور کشتی میں سوار ہو گئے
انکی کشتی آہستہ آہستہ بندر کے قریب آتی ہوئی ہمیں دکھائی دی جسکا سبز رنگ تھا کنارے پر

[1] یہ ایک رسالہ ہے اسمیں سب سپاہی سوار نوجوان رئیس اور رئیس زادے ہیں یا انکے بھائی بند اور سردار ہیں۔

[2] جہاز کا نام ہے "شہرت" اس لفظ کا ترجمہ ہے۔

[3] رعایا کی آرام و انتظام اور انصاف کے واسطے مشورہ کرکے قانون اور قاعدے بنانے والی مجلس کو لیجسلیٹف کونسل کہتے ہیں۔

سے اور ہی بات ہوگی۔ غرض اسطرح شاہی جوڑے کا ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی خیر مقدم
ہو گیا۔ اسکے بعد شہزادہ شہزادی اور سب لوگ گاڑیوں میں سوار ہوئے اور شاہراہوں سے
گذر کر منتظر رعیت کو اپنی مبارک صورتیں دکھائیں۔ ازدحام کم ہونے کے بعد ہم بھی مکان کو واپس
آ گئے۔

۲- پردہ پارٹی۔

دس نومبر کی شب بمبئی کی خاتونوں اور معزز بیگموں اور رانیوں کے لئے جو اس جلسہ میں
شریک ہوئیں قابل یادگار ہے۔ اس شب کو گورنمنٹ ہاؤس[۱] میں پردہ پارٹی ہوئی بہت
رات گئے جلسہ ہونیکی وجہ یہ ہوئی کہ رؤسا اور معززین شہر کو کھانیکی دعوت تھی جس میں شہزادہ اور
شہزادی موجود تھے دعوت سے فراغت ہوکر شہزادی بیگم کے روبرو مستورات کی باریابی کا
موقع آیا۔ اس جلسہ میں تجویز اور تحقیق سے چنندہ خاتونوں کو بلایا گیا تھا کیونکہ حضور عالی پرنس آف ویلز
کا معاملہ تھا ہر کس و ناکس کو بیدریغ نہیں بلایا تھا ہمارے خاندان کی بہت سی خاتونوں کو دعوت کی عزت
دی گئی۔ مسٹر ڈوبوئے[۲] کی طرف سے ہر ہائنس نواب بیگم صاحبہ جنجیرہ سے اس موقع پر ترجمان
بننے کی استدعا کی گئی تھی یعنی جن خاتونوں کو شہزادی بیگم گفتگو کرکے سرفراز کریں اُن میں کسی کو
اگر زبان انگریزی سے واقفیت نہ یا کم ہو تو اُنکے درمیان گفتگو سمجھانیکا کام انہیں کے
متعلق ہو۔ پس اس اعزازی عہدے کو ہر ہائنس نے بخوشی قبول فرمایا اور خوبی سے انجام
دیا۔ ایک اور بات بہت ہی قابل غور تھی یعنی شہزادی بیگم کے روبرو دیسی مستورات کس طریقے
سے آداب بجا لائیں؟ کیونکہ ان بیویوں کو "کرٹسی" کرنا یعنی انگریزی طور پر زانو ٹیک کر سلام کرنا
بہت مشکل تھا۔ مگر اس تشویش کا اسطرح فیصلہ ہو گیا کہ ایک دن پہلے حکم آ گیا کہ سب کو دستور
کے مطابق اجازت تھی کہ اپنے اپنے طریقے اور دستور کے موافق آداب بجا لائیں۔

[۱] بمبئی کے لاٹ یا گورنر کے رہنے کا سرکاری محل۔

[۲] گورنر بمبئی کے سکرٹری کی بیوی ہیں۔

وقت معینہ پر ہم سب گورنمنٹ ہاؤس پہنچے وہاں روشنی وغیرہ میں کوئی خصوصیت نہیں تھی معمولی تھی بہت سی بیبیاں ہمسے پیشتر پہنچ گئی تھیں اور یکے بعد دیگرے باریاب ہو رہی تھیں دخلی زینے سے عبور کرکے ہم اپنے چارشنفوں (برقعوں) کو اتار رہے تھے کہ مسٹیز[۱] لانس سرعت سے آئیں اور تاکید کی کہ آپ لوگ جلدی شہزادی بیگم کی حضور میں حاضر ہو جائیں۔ ہم گھبراہٹ میں بغیر دم لئے چلے کارڈ پیش کیا اور مسیز زاندی تک پہنچا دیا اس عرصے میں مینے خوب غور سے دیکھ لیا کہ شہزادی بیگم کہاں تشریف فرما ہیں تاکہ آداب بجالانے میں دقت نہو۔ اُنسے کچھ فاصلہ پر کل خاتونیں روبرو کھڑی تھیں اور پرنس ڈیز پر رونق افروز تھیں مسیز راندسے جو اس کام پر معین ہوئی تھیں انہوں نے نام پکارا اور انکی آواز پر میں آگے بڑھی اور اپنے دستور کے موافق شہزادی کو ذرا بڑھے ہوے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیکر دائیں بائیں آنکھوں کو لگایا اور چوما اور مودبانہ اپنے تئیں سمیٹے ہوے آگے بڑھی اور اُنکے بائیں طرف کھڑی ہو گئی جہاں سے مینے اُنکو نہایت خوبی سے مشاہدہ کیا حسن تو خدائے تعالی نے کچھ مخصوص نہیں دیا ہے مگر اسقدر ملیح صورت اور نرم ترکیب ہے کہ انسان کا دل اپنے آپ اُن کی طرف مائل ہو جائے،،

تواضع زگردن فرازاں نکوست،،

ایسی ہی خاتونوں کی شان میں کہنا بجا ہے ہر ایک سے بخندہ پیشانی ملیں اُن کا لباس بڑے بڑے گلاب کے پھولوں اور بوٹوں کے ،،شیفان،، انگریزی کپڑے کا تھا زیور فیروزے اور الماس کا بہت خوبصورت تھا کل مجمع اچھی طرح دکھائی دیا اور ہر بی بی کی آمد و رفت خاصی طرح دیکھ سکی ڈیز پر لیڈیز[۲] آن ویلنگٹ دائیں طرف اور لیڈی امپتھل گورنر مدراس کی بیگم بائیں طرف پرنس کے تئیں سلام ختم ہونے کے بعد چند خاتونیں چنی گئیں جن کے ساتھ شہزادی

---

[۱] پرنس آن ویلز کی پرائیوٹ سکتر کی بیوی ہیں۔

[۲] ساتھ والیاں

نے گفتگو کی۔ بائیں طرف ڈویز کے قریب ایک چوکی رکھی گئی اور مسیز ڈوبوے اپنی جگہ چھوڑ کر مجمع کی
طرف گئیں اور بیگم صاحبہ جنجیرہ کو اپنے ہمراہ لائیں اور لیڈی امپتھل کرٹسی کر کے نام پکارا وہ آگے
بڑہیں حکم ہوا بیٹھو" بیگم صاحبہ اس کرسی پر متمکن ہوئیں حاضرین مجلس کی آنکھیں انپر جم گئیں پرنسس
نے گفتگو اسطرح شروع کی کہ اس مجمع کو دیکھکر میں بہت خوش ہوئی" اور سب کے الگ الگ
لباسوں سے مجھے بہت لطف آیا" بمبئی کی بہت تعریف کی البتہ موسم کو بتایا کہ بہت گرم معلوم
ہوا خصوصاً اسلئے کہ ولایت میں جاڑے کا موسم چھوڑ کر آئی تہیں وہاں آجکل خوب سرد ہوائیں
چلا کرتی ہیں" پھر پوچھا کہ تم نے انگریزی کہاں سیکھی بیگم صاحبہ نے جواب دیا کہ بمبئی کے سکول
میں" اسکے بعد سوال کیا کہ تم ہمیشہ یہاں رہتی ہو یا خاص اسوقت آئی ہو" بیگم صاحبہ نے جواب
میں کہا کہ اسوقت تو خاص آپ کے خیر مقدم کے لئے آنا ہوا ہے کہنے لگیں کہ بمبئی والونکے
خیر مقدم سے ہم دونوں بہت ہی محظوظ ہوئے ہمارے لئے کیا کیا تیاریاں کی ہیں" اور
[illegible] بہت سی باتیں کیں۔ اسی اثنا میں لیڈی امپتھل لیڈی آغاخاں کو لائیں اور بیگم صاحبہ
[illegible] گئیں۔ مسیز ڈوبوے اور مسیز ایرنس قریب آئیں اور بیگم صاحبہ سے کہا کہ اس کرسی پر از راہ
[illegible]ت تشریف رکھئے اگر شہزادی فرمائیں تو انکے لئے ترجمے کی تکلیف گوارا کیجئے وہ وہیں
[illegible] اور لیڈی امپتھل نے زانو جھکا کر کرٹسی بجا لا کر انکو انٹروڈیوس کیا[1]۔ لیڈی آغاخاں
[illegible] کرسی پر بیٹھ گئیں اور بیگم صاحبہ کے ذریعہ سے گفتگو شروع ہوئی پہلے پوچھا کہ انگریزی جا[illegible]
[illegible] انہوں نے عرض کیا نہیں چار پانچ اور جواب و سوال ہوئے اسکے بعد اسی طرح لیڈی
امپتھل مسیز ایچ فسیفنی کو لائیں انہوں نے بغیر مدد کے گفتگو کی بادشاہ اور بادشاہ بیگم کی صحت
و سلامتی دریافت کی اور ڈیوک[2] آف کناٹ اور انکی ڈچز[3] یعنی بیگم صاحبہ کی خیریت پوچھی

[1] یعنے چند باتیں انکے نام نشان کی بابت عرض کر کے شہزادی صاحبہ کو لیڈی آغاخاں سے واقف کیا۔

[2] شاہ کے بھائی۔

[3] ڈیوک کی بیوی کو ڈچز کہتے ہیں۔

اور اسی طرح کے چند سوال و جواب کے بعد لیڈی پٹٹ - لیڈی مہتہ - لیڈی جہانگیر - لیڈی کریم بھائی ابراہیم - بیگم ممتاز جہاں زوجہ اسد خاں - ساونت واڑی کی رانی - بھور کی رانی - لیڈی بوٹے مسینہ چند اورکر - وغیرہ وغیرہ پانچ مسلمان بیگمیں اور تین پارسنیں باقی چھ سات ہندو بیبیاں جن میں قریب سات کے خاتونیں انگریزی زبان جانتی تھیں پیش ہو کر فہرست بند ہوئی اسکے بعد شہزادی صاحبہ نے بیگم صاحبہ بھوپال سے پوچھا کہ کیا تم ان سب زبانوں سے واقفیت رکھتی ہو؟

جواب - جی ہاں سمجھ سکتی ہوں البتہ ہر زبان میں سہولیت سے بات نہیں کر سکتی ہوں **شہزادی صاحبہ** - میں اپنی خوش قسمتی سمجھتی ہوں کہ میں پہلی پرنس آف ویلز ہوں جنکو ہندوستان آنا نصیب ہوا - میری خوش دامن صاحبہ کوئن الکزینڈرا کو اس بات کا بہت افسوس ہے کہ انکو اس خوبصورت سرزمین کو مشاہدہ کرنیکا موقع حاصل نہیں ہوا - بادشاہ ہمیشہ ہندوستان کا بہت کچھ ذکر کرتے رہتے ہیں ، لیڈی امپتھل نے شہزادی صاحبہ سے کچھ آگے بڑھکر گزارش کیا جسکو سنکر وہ آگے بڑھیں اور بیگم صاحبہ سے ہاتھ ملا کر کہا کہ میں تمہاری مہربانی کی بہت مشکور ہوں کہ تم نے میرے لئے سب کی گفتگو کو ترجمہ کیا اور یہ بھی فرمایا کہ میری طرف سے ضرور سب سے یہ پیغام پہنچا نا کہ میں ان سب کو دیکھکر بہت ہی خوش ہوئی ، بعد اسکے گوڈ نائٹ " (شب بخیر) کہا بیگم صاحبہ نے فوراً اپنے دستور کے موافق ہاتھ چوم کر خدا حافظ کی - پرنسس آہستہ قدم و دروبہ سر جھکا کے سلام لیتی ہوئی مجلس سے اپنی آرامگاہ میں تشریف لیگئیں - انکے چلے جانے کے بعد لیڈی امپتھل کاؤنٹس آف شافٹس بری اور لیڈی اوا ذکدیل سے بعض بیبیوں نے بات چیت کی باقاعدہ مجلس ختم ہو کر آپس میں آزادانہ ملنا جلنا ہوا ریفرشمنٹ[1] کے لئے سب علیحدہ کمرے میں گئے اسکے بعد گاڑیوں میں سوار ہو کر روانہ ہو گئے تقریباً ڈیڑھ سو بیبیاں جمع تھیں -

---

[1] بطور ناشتے کے "چرندم خرندم" کو رفرشمنٹ کہتے ہیں -

کی گئیں شہزادی کو ایک البم بطور یادگار دینی تجویز ہوئی جس میں تینوں قوموں ہندو۔ پارسی مسلمان کی منقش تصویریں ہوں۔

تشریف آوری میں ابھی پچیس روز رہے ہونگے جب تار آیا کہ شہزادی نے دعوت قبول فرمائی مگر یہ ہوشیار بیبیاں ذرا غافل نہیں رہی تھیں اپنی تیاری پوری کرتی رہی تھیں ورنہ بڑا مشکل کا سامنا ہوتا۔ تار آتے ہی پھر تو ایسی کوشش شروع ہوئی کہ عالم تہ و بالا کر دیا چونکہ ہر قوم اپنی اپنی رسم ادا کرنیوالی تھی اسلئے گانے اور ایڈریس وغیرہ تمام چیزوں کے ریہرسلز شروع ہو گئے تاکہ عین موقع پر پرنس کے روبرو جھینپنا نہ پڑے اس تمام گڑبڑ میں مس کرسٹ جی انتہا درجے کی زحمت اور محنت سے علیل ہو گئیں ان کی علالت سے سب کے دل بہت اداس پڑ گئے کیونکہ انکی جانفشانی اور ہر ایک کو سمجھا بجھا کر جمع رکھنا آخر تک جاری تھا اور سچ کہتی ہوں کہ سوائے انکے ممکن نہیں تھا کہ کوئی اور کر سکتا۔ شکر ہے کہ تھوڑے عرصہ بعد وہ تندرست ہو گئیں۔

معین وقت پر ہم سب ٹاؤن ہال گئے اس گذہب اور بڑی عمارت کو ایسی خوبی کیساتھ سجایا تھا کہ اس میں عجب رونق پیدا ہو گئی تھی وسیع گول کمرے کو تو بالکل زرین ہی بنا دیا تھا۔ بڑے زینہ کو سرخ کپڑے سے ڈھانپ کر دو رویہ الگزنڈرا گرلز اسکول کی پہلے پارسی پھر ان کے بعد مسلمان لڑکیاں ہاتھ میں گلاب اور چنبیلی کی ٹوکریاں لئے ہوئے کھڑی تھیں انکے درمیان سے ہو کر پرنس کے لئے گذرگاہ رکھی تھی۔ کمرے میں ایرانی قالینوں کا فرش کیا تھا جن کے دام پچیس تیس ہزار روپیہ تخمینہ کئے گئے تھے جسقدر حصے میں پرنس کے لئے گذرگاہ رکھی تھی آپ سرخ کپڑا بچھا کر اوپر سے سنہری تاس ڈالا تھا اور یہ تاس کی سڑک ڈیز کے نیچے پہنچی تھی اسکے بعد پانچ چار سیڑھیاں تھیں اور ڈیز کو کمخواب سے تمام و کمال پوشیدہ کر دیا تھا۔ بیچوں بیچ میں ایک زرین بہت بڑا تخت رکھا تھا جو سیزر ونجی کے خیالات کا نمونہ تھا اور بیگم ممتاز جہاں نے بنوا کر اسی موقع کے لئے استعمال کرنے کو دیا تھا روپیہ تو بے شک دو شبہ

له مشق۔

بہت کچھ صرف ہوا ہوگا لیکن پرنسس کے اجلاس کے لئے گویا مقرری مقام تہا اُس کی وجہ سے
جلسہ کی شکل دربار کی سی معلوم ہوتی تہی۔ تخت کے پس پشت ایک بڑا بہاری ارغنون
رکہا گیا تہا جسکو کمخواب اور بنارسی دوپٹوں اور زرین دوشالوں سے بالکل چہپا دیا تہا
اسکے مقابل کی دیوار بہی زرین اشیا رسے لدی ہوئی تہی بارہ ستون جنپر زربفتی اور بنارسی
رنگین ساڑہیاں لپٹی تہیں اور اکثر ممتاز جہاں بیگم کی عنایت کردہ تہیں ان ستونوں
کے درمیان پہولونکے ہاروں سے زنجیرہ ڈالا تہا غرض یہ کہ سب نے اپنی اپنی زرین
اور قیمتی چیزوں سے سجانے میں مدد دی تہی۔ جہاں نگاہ پڑتی تہی زرد چمک دمک سے
آنکہیں خیرہ ہوتی تہیں، روشنی کا انتظام بہی ٹہیک تہا ان سب پر طرہ ہر ایک خاتون کا
لباس تہا جو بڑے غور اور فکر سے پہنا گیا تہا زیوروں کے جواہرات نے تمام کمرے کو
پرضیا بنا دیا تہا خصوصًا چند خاتونونکا زیور کہ جسکے قیمتی جواہرات میں سانس کی حرکت
سے ہر دم نئی جہلک اور جگمگاہٹ پیدا ہوتی تہی اور ایک خاتون کا لباس تو قابل تعریف
ہونے سے بہی کئی درجے زیادہ تہا جسکو سب نے متفق الرائے ہوکر پسندیدگی اور شوق
کی نگاہ سے دیکہا جب وہ ہلتی تہیں یا پہرتی تہیں تو آفتاب کی شعاعوں یا بجلی کی تڑپ کا
گمان گزرتا تہا۔
پلیٹ فارم (چبوترے) کے نیچے زینے کے دونوں طرف ایگزکٹو کمیٹی کے اراکین
کی نشستیں تہی رانیوں اور بیگموں کی نشست مقابل کے کوچ پر تہی باقی کل حاضرین
کے لئے قرینے سے کرسیاں بچہی ہوئی تہیں شمار میں پندرہ سو سے زیادہ مستورات کا
مجمع تہا، روشنی اور نگہت سے کمرہ گرم ہوگیا تہا لیکن بیحد شوق اور انتظار میں سب جمع
تہے۔ آخر پونے چہ پر چند منٹ گزر کر شہزادی صاحبہ تشریف فرما ہوئیں اُنکے استقبال
کے لئے ایگزکٹو کمیٹی کی چند بے پردہ خاتونیں تشریف لیگئیں جن کے نام یہ ہیں۔
لیڈی جمشید جی۔ لیڈی پٹیٹ۔ مسز آر جے ٹاٹا۔ لیڈی جہانگیر۔ مسز بہمن جی پٹیٹ۔

مسیز دینیلداس ٹھاکرسی - مسیز چندرا ورکر - لیڈی بہال چندرا - لیڈی ہرکشن داس -

بڑے زینے پر چڑھتے وقت دورویہ طالب علم لڑکیوں کی جماعت نے خیر مقدم کا ترانہ گایا اور پھول نثار کئے - اندر داخل ہونے پر مسیز آر جے ٹاٹا اور لیڈی پیٹٹ نے ناریل صدقے کئے - اُسکے بعد مسیز چندرا ورکر اور لیڈی بہالچندر نے ہندوانی "آرتی" کی رسم ادا کی - انکے بعد بیگم ممتاز جہاں نے اور پانچ لڑکیوں کو شریک کر کے سونے کی طشتری میں اشرفیاں تھیں سو پرنسس کے قدموں پر نثار کیں اور سونے چاندی کے پھول لٹائے - اسطرح تین قوموں کے تین طریقوں سے بلا اور کی گئی تب کہیں پرنس کو آگے بڑھنے دیا - حاضرین مجلس سر قد کھڑے ہو گئے اور وہ دورویہ سلام لیتی ہوئی تخت نشین ہوئیں لیڈی منتھل (گورنر مدراس کی بیگم) دائیں طرف اور لیڈیز ان وٹینگ بائیں طرف کرسیوں پر بیٹھیں -

تخت کے دائیں طرف مسلمان خاتونیں اور بائیں طرف پارسی بیبیاں اپنے زرق برق لباس میں بڑے بڑے تاش سے مزین کئے ہوئے پنکھے جھل رہی تھیں طلسماتی نظارہ معلوم ہوتا تھا - شہزادی کے چہرہ پر خوشی، فرحت اور پسندیدگی کے آثار نمایاں تھے انکا لباس پیلے روز کا سا ہی عمدہ اور گراں قیمت بنا ہوا تھا - لیڈی جہانگیر نے تخت کے بائیں جانب کھڑے ہو کر ایکزکٹو کمیٹی کے اراکین کے نام پکارے یکے بعد دیگرے سب آئیں اور شہزادی کے نزدیک جا کر تسلیم بجا لا کر دوسرے راستہ سے چلی گئیں اور اپنی معین جگہ پر بیٹھ گئیں - اس سلسلہ میں مسیز امیر الدین طیب جی اپنے دستور کے موافق ہاتھ چومکے آداب بجا لائیں تو لیڈی جہانگیر آپے سے باہر ہو گئیں اور بے تحاشا "ارے نہیں نہیں" "ارے نو نو" بہت ہی بُری طرح سے چیخنے لگیں - انکی چیخ پر شہزادی نے بھی ذرا سی گردن پھیر کر دیکھا - ہمنے سنا ہے کہ پارسنوں اور دیگر خاتونوں کو ہمارے مسلمان خاندان کے طرز آداب پر بہت بڑا اعتراض تھا اور وہ یہ بات دیکھ نہیں سکتی تھیں کہ ہمکو شہزادی کا اسقدر قرب حاصل ہو کہ ہم انکا ہاتھ چومیں اور ہمارا ہاتھ انکے دست مبارک کو چھو جائے اسلئے جہاں انکا بس چلا اس وضع کے سلام سے ہم کو

دکھایا گیا مگر مسز امیر الدین طیب جی بزرگ خاندان ہیں انہوں نے لیڈی جہانگیر کی للکار نے
اور اسطرح آوازہ کسنے پر خیال نہ کیا مگر ہمارے کہنے کی اور دو تین خاتونیں بچکچا گئیں اور غیر
بے چین ہوئیں کہ جلدی سے صرف تسلیم ہی بجا لاکر چلی آئیں۔ اس تمام کیفیت کو پرنس نے بھی نگاہ
ملاحظہ فرمایا۔

غریب آتش پرست! انکے ہاں کوئی طریقہ سلام کا مقرر تو ہے نہیں اسلئے اگر وہ دعا
دیتے ہمارے ہاں بڑی بوڑھیاں بلائیں لیتی ہیں، تو ایجاد سلام کا نام رکھا جاتا مگر یہ انکی مرضی وہ
جو نیا ہی ایجاد کریں مگر اس کی کیا ضرورت ہے کہ ہم اپنا قدیم پشتہا پشت سے جو آداب کا
طریقہ چلا آتا ہے اسے چھوڑ دیں۔!

اگزیکیٹو کمیٹی کا سلام ختم ہوا بعد اسکے لیڈی جہانگیر نے سبز ریشمی کپڑے پر سنہری خط میں
لکھا ہوا انگریزی ایڈرس شہزادی کو پیش کیا۔ انکے بعد بیگم صاحبہ جنجیرہ اپنے منتظر لباس اور امیرانہ
طرز سے پلیٹ فارم پر آئیں اور دور سے تسلیم بجا لاکر پرنس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو اپنے
طریقہ پر چوما اور نہایت عمدہ وضع سے اردو ایڈرس سنایا پرنس انگریزی ایڈرس جو انکے
پاس تھا اسوقت ملاحظہ فرماتی جاتی تھیں۔

۴۔ اردو ایڈرس

بحضور حشمت معمور کبرے، مخدرہ عظمے، علیہ جناب میری وکٹوریا پرنسس آف ویلز
وی۔ اے سی۔ آئی۔ دامت حشمتہا!

"اس وسیع ملک ہندوستان میں حضور عالیہ کی مبارک تشریف آوری کے موقع پر سب کا
انتظار ہم کمال اشتیاق کے ساتھ کر رہے تھے اور جو اس ملک کی تاریخ میں ایک عظیم الشان
واقعہ گنا جائیگا ہم اس شہر کی تمام قوموں کی خاتونیں اپنی خوش قسمتی اور امتیاز کو قابل فخر تصور کرکے
اپنی اور اپنی بہنوں کی طرف سے جو اس شہر بمبئی میں مقیم ہیں کمال احترام و صدق و خلوص کیساتھ
حضور عالیہ کا خیر مقدم کرنیکی اجازت چاہتے ہیں"

"چونکہ شہر بمبئی سلطنت برطانیہ کے اس عظیم الشان اور وسیع ملک کا ایک خاص دروازہ ہے اسلئے غالباً ہمارا یہ عرض کرنا [illegible] ہوگا کہ حضور عالیہ کی تشریف آوری پر ہمارے ہزار ہزار مخلصانہ خیر مقدم ادا کرنے میں ہمارے ملک کی تمام خاتونیں ہماری ہمزبان اور ہم خیال ہیں۔ اُن واقعات میں جنسے بمبئی کی تاریخ مزین ہے اور جو دولت برطانیہ کے عہد حکومت میں اس شہر کی ترقی اور تمدن آبادی اور آسودگی کا نشان دے رہے ہیں سب سے بڑا واقعہ جو ہندوستان کے لوگوں کے دلوں پر نقش ہے اور جس کی یاد عزت کے ساتھ کیجاتی ہے آج سے تیس سال پہلے بزمانہ شہزادگی ہمارے صلح پسند شہنشاہ ایڈ ورڈ ہفتم کی تشریف آوری ہے اُس عظیم الشان واقعہ کا مفید اثر ہمارے موجودہ شاہزادہ ویلز کی تشریف آوری سے دوچند ہوگیا ہے خصوصاً اسلئے کہ حضور عالیہ بھی ساتھ ساتھ رونق افروز ہیں۔ بمبئی کی آسودگی کے زمانہ میں شہزادہ ویلز کی جو ہماری ملکہ معظمہ کی نسل میں ہونیکا امتیاز رکھتے ہیں تشریف آوری باعث فخر و مباہات ہے۔ لیکن حضور عالیہ کی ہمراہی نے اس شاہی سفر کو غیر معمولی فروغ بخشا اور اس واقعہ کو تاریخی حیثیت سے بے مثل بنا دیا بلکہ اس قدیم سرزمین ہند کے لئے حضور عالیہ کی تشریف آوری فال نیک کا باعث ہوئی۔"

"آخر میں ہم نہایت صدق دل سے فیاض ازل کی جناب میں ملتمس ہیں کہ وہ حضور عالیہ اور حضور عالیہ کے خاندان کو طول عمر کمال صحت اور ابدی شادمانی عطا فرمائے اور اپنے فضل سے آپکے تمام مقاصد اور تمنائیں جو شاہی خاندان کی بہبودی اور انگلستان کی بزرگی سے وابستہ ہوں بر لائے۔ آمین۔"

اسکے بعد لیڈی بہال چندر نے   مرہٹی میں بہت ہی صاف اور بلند آواز سے ایڈریس پڑھا اُنکے بعد لیڈی جمشید جی نے اپنی لڑکی کی مدد سے گجراتی میں اس کام کو انجام دیا کیونکہ وہ ضعیف العمر ہیں۔ نیک مزاج شہزادی نے بھی ایڈرس کے جواب میں چند کلمے فرما کر سب کو خوش کیا۔

ایڈرس کے خاتمے پر اگزیکیوٹو کمیٹی کی دو رویہ نشست کے درمیان بارہ ہندو لڑکیاں رنگین

پہلا ضمیمہ

ترقی کی ہے چاروں بھانجیاں دونوں بڑی تعریف کی مستحق ہیں۔ دوسری صاحبزادی کا نام اختر ہے اور مسٹر حامد ایم جے علی (انڈین سول سروس) کی جو سندھ میں اسسٹنٹ کلکٹر ہیں منسوب ہیں انکی تعلیم مسٹر و مسز بشیر الدین صاحب ہی کی غور و نگہداشت میں ہوئی ہے۔ مس اختر نے انگریزی کے علاوہ فرانسیسی زبان اور مس سعدہ نے فارسی بطور اختیاری مضمون کے سیکھی ہے اور امتحان دیا ہے۔ باقی دو لڑکیاں ہی خاص کر چھوٹی ہیں ایک کا نام مس نذر بی عرف سوفی بانو ہے دوسری مس مرتضیٰ حسام الدین ہیں انہوں نے بھی فرانسیسی زبان میں امتحان دیا ہے مس نذر بی کی اختیاری زبان سنسکرت رہتی ہے۔

ہم ان چاروں صاحبزادیوں اور انکے سرپرست و نگہبان بزرگوں کو مبارکباد دیتے ہیں اور چاروں کی امتحان میں کامیابی کیلئے دعا کرتے ہیں امید ہے کہ انکی مثال بمبئی میں قائم رہیگی اور تعلیم نسواں کا درخت گگڑی کی بیل کی طرح دن دونی اور رات چوگنی ترقی کریگا۔!

راقمہ

عاشق تعلیم نسواں

سُورج مُکھی

یہ پھول بہت مشہور ہے اور سب نے دیکھا ہوگا اسکی نسبت کچھ جاننا بھی بیکار نہیں بلکہ معلوم ہوگا کہ کارآمد ہے واقعی کیسی عجیب بات ہے کہ اسکی بدقت سورج ہی کی طرف تبدیل ہوتا رہتا ہے! اسکی اس حرکت نے مسٹر نصیر الدین حیدر نے دنیا کی گولائی اور سورج کے گرد گردش کی دلیل خوب نکالی ہے شکل صورت اور نقشے میں بھی چوڑا چکلا خوشنما اور گول ہوتا ہے کنگورے دار کنارے کے سبب سے جو کرنوں کی طرح اسکے گرد ہوتا ہے سورج کیساتھ مشابہت پوری ہے۔ سورج مکھی آدمی بھی ہوتے ہیں مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ انکا منہ بھی سورج کی طرف رہتا ہوگا۔ بلکہ معاملہ برعکس ہے یعنی سورج کی طرف دیکھ سکنا تو درکنار۔ معمولی دھوپ اور روشنی میں بھی آنکھیں نہیں کھول سکتے۔

اڈیٹر

سچ ہے انسان سے لیکر کیڑے تک اور پہاڑ سے لیکر رائی تک دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جو دلچسپی سے خالی ہو۔ اور جسکے پیدا کرنے میں خداوند کریم نے کچھ نہ کچھ حکمت و فائدہ نہ رکھا ہو جبکہ وہ خود اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے "کہ کوئی چیز باطل نہیں پیدا کی گئی" انسان کو جانے دو۔ وہ تو ہے ہی اشرف المخلوقات۔ تمام کارخانۂ ہستی کی رونق اور کمال اُسی کے دم کے لئے ہے۔

دنیا میں ہے جو کچھ وہ سب انسان کیلئے ہے

آراستہ یہ گھر اسی مہمان کے لئے ہے۔۔۔۔

غور کرنیوالوں نے بھی کسی چیز کا وجود عبث نہیں پایا۔ افق پر گہرا دودیا کاسنی اور کرنجوا رنگ کے خوش منظر بادل۔ مینہ کی ہلکی پھوار۔ سمندر میں کی گردن لمبی وہیل مچھلی۔ اور خشکی پر کی ننھی چھوٹی بڑے بڑے ہاتھی گھوڑے۔ اور عالم ہوا کی خوبصورت آزاد شہزادی یعنی چھوٹی سی پُدکتی ہوئی چڑیا۔ خوشرنگ سُریلے پرندے۔ سر بفلک کشیدہ پہاڑ کا لخت جگر سیرا۔ اور بیچاری زمین کی چپکی ہر

خاک۔ یہ پیارے پیارے نازک خوشبودار پہول۔ اور مسافر کو کانٹوں میں الجھلانیوالا جنگل کا جہاڑ جہنکاڑ۔ حتے کہ گہانس کا ایک سوکہا ہوا تنکا۔ دل کی آنکھ سے دیکہو تو ان سب میں ہمارے لئے اکسیر کے خواص۔ اور کیمیا کی برکت موجود ہے۔

یوں تو حقیقتِ اشیا جاننے والوں نے اجنکو دنیا کی ہر چیز کو غور سے دیکہنے کا ملکہ ہے اپنی باریک تحقیقات سے اس عالم کی ایک ایک شے کو ہمارے لئے بجائے خود دلچسپ دفتر بنا دیا۔ ادنی سی کڑی کیا سامنے آئی کہ بس ایک عالم آنکھ کے نیچے سے نکل گیا۔ یہ اتنی سی ٹہیکری ہی نہیں ہے بلکہ سبب اور علتوں کا ایک جنجال ہے۔ اسکے بننے اور مٹنے کے اسباب اور اسکے کیمیاوی خواص کیا ہیں۔ اس کی مضرتوں اور منفعتوں کا سلسلہ کہاں تک پہیلا ہوا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرض اعلیٰ سے ادنی تک جس چیز پر غور کی نظر پڑے گی ان لوگوں کے تجسس و تلاش کی بدولت یہی منہ سے نکلیگا۔ ع

سرسری تم جہاں سے گذرے میر
ورنہ ہر جا جہانِ دیگر تھا

مگر موجودات کی تیسری جنس یعنی نباتات کا عالم ہی ایک عجیب عالم ہے۔ بیسیوں نوعیں ہیں اور ہر نوع میں بیسیوں قسمیں ہیں۔ کوئی قسم لکڑی دیتی ہے تو کوئی فواکہات یعنی میوہ جات اور پہل پہلار۔ کوئی جڑ ونکے سبب سے بکارآمد ہے تو کوئی اپنے گہانس پہونس اور تنکوں سے انسان اور حیوان کی دوا بنتی ہے بعض کے پہل اور پہول مصالحوں میں پڑتے ہیں۔ تو بعض اپنے پتوں کی خوشبو ہی سے پہلونکی کمی کو پورا کر دیتے ہیں۔ ایک نوع انسان کی بہوک پیاس بجہاتی ہے۔ تو دوسری نوع تن ڈہانکنے کے لئے کپڑا بننے کی قابلیت رکہتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام قسموں میں پہولوں کے درخت ایسے ہیں جیسے آدمیوں میں کم سن بچے۔ کہ صورت دیکہی اور دل غش ہوگیا۔ آنکہ پڑی اور نگاہ وہیں اٹک گئی۔ لیکن کیا یہ نازک مخلوق (پہولدار درخت) صرف دیکہنے ہی کی ہے؟ سوائے آنکھوں کو تازگی اور دل کو صحتور سرور بخشنے کے اسنے ہمارا کوئی اور کام نہیں نکل سکتا۔؟ کیوں نہیں نکل سکتا۔ جسطرح انسان کے نادان بہولے بہالے بچے زیروں سے

شیر ہوکر دنیا کے بڑے بڑے مرحلے طے کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نباتات کی یہ پاکیزہ قسم بھی اپنی حد پر پہونچکر ہمکو بڑے بڑے فائدے پہنچاتی ہے۔ بعض پہولوں سے عطر بنتے ہیں بعض سے رنگ نکلتے ہیں۔ بعض دواؤں میں پڑتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں جنکے پہول پہل۔ جڑ سب بکار آمد ہیں۔ اسی قسم کے درختوں میں سے سورج مکھی کا درخت ہے جسکا چوٹی سے جڑ تک کوئی حصہ بیکار نہیں۔

اول تو درخت نہایت خوش قامت۔ زیردرختی کی جان۔ اُسپر رنگ ڈھنگ بہت پیارا۔ اور موزوں۔ گویا سورج مکھی نام اسم بامسمیٰ ہوگیا ہے۔ اسکا پہول ٹھیک دوپہر کو جبکہ آفتاب نصف النہار پر ہوتا ہے اپنے پورے پہیلاؤ کے ساتھ کہل جاتا ہے۔ اور اپنا مُنہ ہمیشہ سورج ہی کی طرف رکھتا ہے۔ جوں جوں سورج مشرق سے مغرب کی طرف ڈہلتا جاتا ہے یہ بھی اُسکے ساتھ پہرتا چلا جاتا ہے۔ واہ رے بے زبان پہول۔ کس مزے سے آفتاب کی کشش اور سورج کے گرد زمین کی گردش کا مسئلہ ثابت کیا ہے۔!

سورج مکھی ہمارے ملک کا مشہور پہول ہے۔ اکثر باغوں اور چمنوں میں اپنے کندنی رنگ سے آفتاب کو شرمایا کرتا ہے۔ بعض شوقین لوگ گہروں کے اندر کیاریوں اور گملوں میں بھی لگا لیتے ہیں۔ مگر صرف خوبصورتی اور رونق کے لئے۔ قدرت نے جو بہت سے فائدے اس چھوٹے سے عام پودے میں کہجور کی طرح بہر دیئے ہیں اُنکا شاید کسی کو خیال بھی نہو گا۔ اسکے خواص اور فائدے جو تحقیقات کرنے والوں نے لکھے ہیں اُنکو دیکھکر کہہ سکتے ہیں کہ علاوہ خوبصورتی اور ہریاول کے یہ درخت بھی ایک اچھی آمدنی کا ذریعہ ہے۔ گویا آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام۔ لکھا ہے کہ سورج مکھی کی پچاس قسمیں ہوتی ہیں۔ اور اس کی چھوٹے سے چھوٹے پہول کا دَور ایک فٹ اور بڑے سے بڑے پہول کا دَور دو فٹ ہوتا ہے جن لوگوں کو سبزہ کی بہار کے علاوہ گہر کے درختوں سے کچھ کہانے پکانے کا مزہ بھی لینا منظور ہوتا ہے یہ پہول اُنکے مطلب کا بھی ہے۔ کیونکہ اسکے ایک پہول میں ایسا ذایقہ ہوتا ہے جیسے

ہاتھی چک ہیں۔ جو لپکانے کی ترکاری ہے۔ بیجوں سے تین چار کام نکلتے ہیں۔ اگر بھون لیں تو اُسکا کافی یا قہوہ بنا کر پی سکتے ہیں۔ بغیر بھونے پیس لو تو اُسکے آٹے سے خاصی روٹی پک سکتی ہے جو بعض مقاموں میں کھائی جاتی ہے ثابت کو کولھو میں پلوائے جائیں تو وہ تیل نکلتا ہے جو کلو ںکے لگانے میں کام آتا ہے۔ واقعی یہ فائدہ بہت بڑا ہے بشرطیکہ یہ معلوم ہو جائے کہ کونسی اور کس قسم کی کلوں میں کام آتا ہے۔ پھر تیل نکلنے کے بعد کھلی بھی بیکار نہیں۔ کھلی کی روٹی پکائیے اور گائے بھینس بیل اور گھریلو پرندجانوروں کو کھلائیے جیسے مرغیاں۔ کبوتر وغیرہ۔ مرغیاں اکثر گھروں میں جنہیں مفت میں انڈے لینے منظور ہوتے ہیں پالتے ہیں۔ دودھ اور مرغی کا انڈا اور گوشت اول درجہ کی غذا مانی گئی ہے۔ ہمارے ہاں کی گھر والی بیویوں کو بھی جو اپنی نسل کی پالنے پوسنے والی اور شفیق دایہ ہیں اُن جانوروں کی پرورش وغیرہ کی طرف خاص توجہ کرنی چاہئے جنسے یہ عمدہ غذا میں بہم پہونچتی ہیں۔ سورج مکھی سے ان جانوروں کی کھلائی خاصی نکل آسکتی ہے۔

اس کی کلیوں سے بہت عمدہ زرد رنگ نکلتا ہے۔ اسکے سَن سے ایسی ہی رسّی بٹی جا سکتی ہے جیسے کھجور کی رسی، جاپان، روس اور امریکہ میں اسکے سَن کا کپڑا بھی بُن کر پہنتے ہیں۔ خیر یہ بات تو ہم گھر کی بیٹھنے والیوں کو کہاں میسر آسکتی ہے۔ البتہ ہمارے دیسی کپڑے سنے کا کارخانہ دار اصحاب توجہ کریں تو یہ فائدہ بھی لے سکتے ہیں۔ ہمارے لئے سب سے بڑھکر فائدہ یہ ہے کہ جس گھر میں اسکے درخت ہوں وہاں ملیریا نہیں پیدا ہوتی۔ ایک قسم کا بخار جس میں اکثر گھر کے بچے بوڑھے سب مبتلا ہو جاتے ہیں ملیریا ہی سے پیدا ہوتا ہے سورج مکھی اسکے روکنے اور دفع کرنے کے لئے گویا ایک بے دام محافظ ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ وہ خواص جنکا تجربہ آسان ہے آزما کر لکھوں۔ مگر اسکو ابھی وقت چاہئے بہتر ہے کہ ہماری ناظرینہ بہنیں ساتھ کے ساتھ آسان آسان باتوں کے تجربے کرلیں۔ ہر گھر میں مکان کی وسعت کے موافق تھوڑا سا چمن ضرور ہونا چاہئے۔ ہریاول سے نگاہ کو تقویت اور دل کو فرحت ہوتی ہے۔ افسوس ہم لوگوں کو خانہ باغ کا شوق بالکل نہیں رہا ہے۔ کچھ ضرور نہیں کہ بہت بڑا ہی باغ ہو۔ جسپر اچھے خاصے دام خرچ کئے جائیں۔

پنے دل بہلنے کے لئے ایک چھوٹی سی کیاری ہی سہی جن شہروں میں گھر گھر کنوئیں اور باولیاں نہیں
ہیں وہاں گھر کا بچا بچایا اور باورچیخانے کے دہوون کا پانی اُسکے سینچنے کو بہت ہے
ایک گھنٹہ روز کی محنت سے مختصر سا چمن اور چند گملے تیار ہو سکتے ہیں اور اس قسم کے تجربات
کر سکتے ہیں - ہماری سابقہ ملکہ معظمہ ملکہ وکٹوریا آنجہانی فن باغبانی کی اتنی شوقین تہیں کہ میں
انکے حالات میں ایک جگہ پڑہا ہے کہ اپنے ہاتھ سے چمن میں کچھ کچھ کیا کرتی تہیں - ہمارے ترک
بہائی بہنوں میں تو سنا ہے کہ یہ قاعدہ بندگیا ہے کہ صبح کو اٹھکر وہ گھر کے چمنوں کو اپنے ہاتھ
سے درست کرتے ہیں - ہمکو بہی اُنکی تقلید کرنی چاہئے - جو بیویاں سارا دن نگاہ اور دماغ
کا کام کرتی رہتی ہیں اور شام کو روز ہوا خوری باغ کی نہیں کر سکتیں اُنکے لئے گھر کی کیاری
کا رکھ رکھاؤ عمدہ شغل ہے - وہ خود فائدہ اُٹھانے کے علاوہ بچوں کے مذاق بہی نفیس بنا سکتی
ہیں - چمن بندی اور باغبانی پر اب بہت سی کتابیں اور رسالے اُردو میں بہی شائع ہو گئے
ہیں - ہماری بہنیں اُنکو منگا کر پڑہیں اور اُسکے بموجب عمل کریں - اور اپنے خانہ باغ میں کبھی
کبھی درخت خصوصیت سے لگا کر اُسکے مذکورہ بالا خواص کا تجربہ کریں - جو بہن اس تجربہ سے
فائدہ اٹھائیں وہ دوسری بہنوں کی آگاہی کے لئے اپنے تجربہ کا نتیجہ خاتون میں ضرور شائع
فرمائیں -

بنت نصیر الدین حیدر

بعض رسمیں

گزشتہ اگست کے رسالہ میں بیچاری دولہن پر اپنے ریمارک میں ہمنے صلاح دی تہی کہ لباس
کی جس کی طرح جابجا کی جا بیجا رسموں کو بہی خاتون کے ورقوں میں ڈہنک کر روئی سے بنولے

علیحدہ کر لینے مناسب ہیں یعنی زندگی کے دستور العمل میں سے تکلیف دہ رسموں کو خارج کر دیا چاہئے
جناب مسز نیاز احمد نے نمبر وار چند رسموں کی قباحتیں اس مضمون میں دکھائی ہیں خصوصاً جن رسموں
میں مالی نقصان کی نوبت خاندان کی بربادی تک پہونچ جاتی ہے اُنکے تذکرے میں نواب
نقش بند خان مرحوم اپنے دادا کے خاندان کی مثال بہت قابل عبرت بیان کی ہے جس سے
اوروں کو بھی کان ہونے چاہئیں۔ اڈیٹر

بعض رسمیں ہندوستان کے مسلمانوں میں ایسی جاری ہیں جن کی اصلاح کی طرف اب تک
شاید توجہ نہیں ہوئی اور گو وہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں لیکن سراسر مضر ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ان کو جاری
رکھا جائے اور فوراً بند نہ کی جائیں ان میں سے چند کا میں یہاں ذکر کرتی ہوں۔

(۱) بکھیر۔ جب دلہن رخصت ہوتی ہے تو اُسکی پالکی پر ہر شخص حسب حیثیت دوانیاں اور
پیسے مٹھی بھر بھر کے پھینکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس رواج کا یہی مقصد ہے کہ محتاجوں کو
بھی فائدہ پہونچے مگر بخلاف اسکے یہ روپیہ لینے کے لئے تندرست بھنگی اور چمار دونکا مجمع
ہو جاتا ہے جن میں اکثر کھاتے پیتے بھی ہوتے ہیں یا آوارہ مزاج راگیر لوٹ لیتے ہیں کسی اصلی
محتاج اور مستحق تک ایک پیسہ بھی نہیں پہونچتا۔ ادہر لینے والوں کی یہ کیفیت اُدہر دینے والوں کا
یہ حال کہ وہ بخیال بدنامی وخوف رسوائی اپنی حیثیت سے زیادہ بکھیر کرتے ہیں۔ اور اسطرح بیچارے
زیر بار ہوتے ہیں۔ مگر اس زیر باری سے کسی کو بھی فائدہ نہیں پہونچتا۔ یہ تو سچ مچ دولت کا
لٹانا ہے اگر بکھیر کا رواج بند نہیں ہو سکتا ہے تو بہتر ہے کہ یہ روپیہ اس طرح بکھیر میں ضائع
کرنے کے بجائے کسی مفید کام میں صرف کیا جاوے جس سے کسی محتاج کا بھلا ہووے کسی
غریب پردہ نشین کی ضرورت پوری ہو جاوے۔ اگر نام و نمود کا خیال چھوڑ دیا جاوے اور ایک
بُرا رواج موقوف کرنیکی ہمت کیجائے تو یہ اصلاح مشکل نہیں ہے۔

۲۔ فاتحہ سویم۔ تیجے کے چنے الائچی دانے اور پیسے مردے کو ثواب پہونچانے کی
غرض سے تقسیم کئے جاتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ یہ مکتبوں کے کھاتے پیتے لڑکوں اور تندرست

نگی چاروں کوڑے جاتے ہیں جو اپنے اپنے کام ہی کرتے ہیں اور بانٹنے میں ایسا بڑا ٹوٹا ہی
کسی معذور اور محتاج کی وہاں تک پہونچنے کی ہمت ہی نہیں ہوسکتی - اگر یہی چیزیں انتظام کے
ساتھ بیواؤں اور یتیموں کو دی جائیں تو بہت مفید ہوسکتا ہے اور یہ اصلاح ذرا سی توجہ
سے عمل میں آسکتی ہے -

۳ - مائیوں بٹھانا - رواج ہے کہ لڑکی کو بیاہ سے مہینہ بیس روز پہلے ایک الگ کوٹھری
میں قید کر دیتے ہیں - نہ کوئی اُسکے پاس جاسکتا ہے اور نہ وہ باہر نکل سکتی ہے - کپڑے میلے ہوتے
ہیں زیور اتار لیتے ہیں ہاتھوں کی چوڑیاں تک اور زمین پر بچاری لڑکی کو سونا پڑتا ہے - معلوم نہیں
کہ ان باتوں میں جسکے صحت کو صریح نقصان پہنچتا ہے کیا فائدہ سوچا ہے - ہمارے یہاں
ولائیتوں میں یہ رواج نہیں ہے تو کیا بیاہ نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو اُس میں کونسی خامی ہو جاتی
ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ہندوستانی مسلمان باوجود نقصان کے اس رسم کو جاری رکھیں ؟

۴ - چوتھی کھیلنا - چوتھی کے دن دلہن کے گھر میں کنبے برادری کی عورتیں جمع ہوتی
ہیں اور دولہا والیوں کے ساتھ میوے اور پھلوں سے کھیلتی ہیں اور کھیل کیا اچھی خاصی مار
ہو جاتی ہے - کسی نے امرود مارا اور کان زخمی کر دیا اور کسی نے آم پھینک کر قیمتی جوڑا خراب
کر دیا - کہیں انار چل رہا ہے اور کہیں خربوزوں کی مار ہو رہی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سا
میوہ ضائع جاتا ہے قیمتی کپڑے خراب ہوتے ہیں چوٹیں آتی ہیں اور بھاگ دوڑ میں بعض کے
زیور جاتے رہتے ہیں پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس طوفان بے تمیزی سے کیا فائدہ سوچا گیا ہے
یہ رسمیں تو ایسی ہیں جس میں فوراً اصلاح ہونی چاہئے اور انکے علاوہ اور بہت سی خوشی کی
رسمیں ہیں جن کی بدولت سیکڑوں خاندان تباہ و برباد ہو گئے جیسے مونچھوں کا کونڈا - لونا -
گود بھرائی - کھیر چٹائی کان چھدن وغیرہ وغیرہ - ان رسموں میں فضول خرچی کرنیکی بدولت جو خود
میرے خاندان پر گذری ہے اسکا ذکر کچھ بے موقع نہ ہوگا میرے دادا صاحب مرحوم نواب جان
فشاں خان بہادر جو ہندوستان میں تازہ ولایت تھے ہندوستانی رسموں کے بہت خلاف تھے -

اور انہوں نے تمام عمر ان رسوم میں سے کسی کی پابندی نہیں کی اسی وجہ سے اُن کی ریاست روز بروز ترقی کرتی رہی مگر میرے والد مرحوم نے ہندوستانی رواج کی پابندی کرکے چھوٹی چھوٹی تقریبوں میں بھی بہت اسراف کیا جسپر اب ہمکو بھی افسوس ہوتا ہے۔ اُسوقت تو دس پانچ آدمیوں میں تعریف ہوجاتی تھی مگر اب ان باتوں کا کچھ ذکر بھی نہیں ہوتا۔ آخر ش نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری ریاست کا انتظام آج گورنمنٹ کو اپنے ہاتھ میں لینا پڑا اور اگر سرکار اسقدر عنایت نہ فرماتی تو معلوم نہیں ہمارا کیا انجام ہوتا۔ خوشی کی رسمیں عورتوں نے اس غرض سے جاری کر رکھی ہیں کہ زندگی میں اُن کو بھی دل بہلانے عورتوں سے ملنے ملانے اور خوش ہونیکا موقع میسر آوے اور اسی وجہ سے وہ بالکل موقوف نہیں ہوسکتیں۔ آخر وہ بھی تو آدمی ہیں اُنکو بھی تو ایسے موقعے ملنے چاہئیں۔ میری بہنیں جو یہ لکھتی ہیں کہ اس قسم کی تقریبیں اور اُن میں عورتوں کا جمع ہونا اور دل خوش کرنا بالکل موقوف کر دیا جاوے۔ میرے خیال میں بڑی غلطی پر ہیں۔ اگر اتنا بھی نہ ہو تو یہ سمجھنا چاہئے کہ عورتوں کے لئے کوئی طریقہ دل بہلانے کا ہی نہیں پابندی پردہ کی وجہ سے ہمکو جلد جلد اور آسانی سے ملنے جلنے کے موقعے نہیں ملسکتے۔ ہوا خوری کو نہیں جاسکتے۔ سیر تماشے نہیں دیکھ سکتے۔ تو کیا وجہ ہے کہ وہ رسمیں بھی بالکل بند کر دی جاویں جنسے عمر بھر میں دس پانچ دفعہ دل خوش کرنیکا موقع ملجاتا ہے مگر یہ میں ضرور کہونگی کہ ان سب باتوں پر خواہ وہ کسی غرض سے ہوں حیثیت سے زیادہ خرچ کرنا اپنے اور اپنے مردوں کے اوپر تباہی لانا ہے۔ اگر کچھ بہنیں ایسی ہیں جو ان دل خوش کن باتوں کے بغیر خوش ہیں اور خشک زندگی پر راضی ہیں تو بہت اچھا ہے لیکن یہ مشکل ہے کہ تو م کی تو م دنیا کی دلچسپیوں سے ہاتھ اُٹھالیوے اسلئے سب سے پہلے یہ بتلانا ضروری ہے کہ حیثیت سے زیادہ کسی کام میں صرف نہ کیا جاوے۔ فقط

راقمہ

مسیز نیاز احمد۔ از میرٹھ۔

بچھڑا ہوا عزیز

(نوشتۂ مسٹر محمد فائق بی اے ایل۔ ایل۔ بی)

صغریٰ ! تم تو بال کی کھال نکالتی ہو خود ہی کہتی ہو کہ دنیا فانی اور دنیا کی ہر چیز فنا ہو جانیوالی ہے تو پھر مجھسے دنیا سے محبت کرنیکی بابت کیوں پوچھتی ہو۔

صغریٰ۔ بھائی جان آپکو خوب معلوم ہے کہ سوائے چند روز مکتب میں ملّاجی سے پڑھنے کے اور وہ بھی بچپن میں اور جو کچھ مینے سیکھا وہ آپ ہی سے سیکھا لیکن اب آپ کو بھی اسقدر فرصت نہیں کہ روز میرے ساتھ مغز ماریں اگر میں موقع پاکر اپنے سوالات آپ سے کرید کرید کر نہ پوچھا کرتی تو یہ جو کچھ سیکھا ہے یہ بھی نہ سیکھ سکتی۔ دنیا کی بے ثباتی کا جو کچھ مجھے یقین آیا وہ بھی آپ کی پرسوں کی تقریر سے۔ جس میں آپ نے چند پیغمبر اور بادشاہوں کی مثالیں دیکر فرمایا تھا کہ آخر ایسے بڑے بڑے لوگ بھی اس دنیا میں مہمان طور رہے پیدا ہوئے نام پایا دین و دنیا کی عزتیں حاصل کیں مگر انجام کار انکی بھی موت ہوئی ایسے گئے کہ پھر آنے کی قسم کھالی آنا جانا تو کیسا اپنی خبر تک نہ دی کسی نے خوب لکھا ہے کہ

ع - ایسے گئے کہ خط بھی نہ بھیجا رسید کا !

آپ کا یہ قول کہ آنا دلیل ہے جانے کی۔ جو آج کسی کے گھر مہمان آتے ہیں وہ دو روز چار روز مہینہ دو مہینے بعد ضرور چلے جائینگے۔ اور پیدا ہونا دلیل ہے مرنے کی۔ یہ تو میرے دل پر نقش ہو گیا۔ اب جس کسی بوڑھے بالے کو گھر میں دیکھتی ہوں ساتھ ہی یہ خیال آتا ہے کہ زندگی کی چند منزلیں انکے لئے باقی رہگئیں ہیں کسی کے لئے ایک آدہ زیادہ کسی کے لئے ایک آدہ کم وہ طے ہوئیں اور یہ سدہارے۔ دنیا کی ہر بات اس خیال سے میری

انظر میں ہیچ معلوم ہوتی ہے کسی کام کو دل نہیں چاہتا کیا کروں، کیوں کروں، کیا فائدہ کرنے سے سب فنا ہو کر رہ جاینگے - دیکھئے بڑی آپا کو گذرے تین مہینے ہوئے کتنی دوڑ دھوپ ہوئی علاج معالجہ ہوا کچھ فائدہ نہوا جانیوالی تھیں آخر چل بسیں اپنے تیس دن کے ننھے بچے کا بھی تو یہ خیال نہ کیا افسوس! - ع

چھوڑ کر اس تازہ مہماں کو ابھی جانا نہ تھا

جب یہی حال ہم سب کا ہونیوالا ہے تو دنیا اور دنیا کے باشندوں سے کیوں دل لگایا!

بھائی - پیاری صغری تمہاری باتیں سنکر میں ہمیشہ خوش ہوتا ہوں بہت زیادہ اس وجہ سے کہ تم جس بات کو مجھسے پوچھتی ہو دل سے پوچھتی ہو میں نے جو کچھ کہا تھا اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ تم دل مرجھا کر رہو زندہ رہو مگر دل زندگی سے بیزار رہے - یاد رکھو کہ خدا نے انسان کو اسلئے پیدا کیا ہے کہ وہ محنت کرے اور محنت سے فائدہ اٹھائے ترقی کرے اور اس کی ترقی کے پھل پھول سے دوسروں کو فائدہ پہونچے خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں قدم رکھنے کے بعد جس جگہ دنیا کو پائے اس سے ترقی کے چند قدم آگے چھوڑ کر جائے - اپنی نگر اپنے گھر اپنے خاندان اور اپنے وطن ہی کو سمجھے تو بھی اس کی حالت جیسی پائی تھی اس سے بہتر بنا کر چھوڑ جانے کی کوشش کرے اگر اسنے ایسا کیا تو اپنے پیدا کرنیوالے کا مقصد پورا کیا اور اگر عیش آرام طلبی اور بے خبری میں عمر گزار دی تو افسوس ہے جیا اور کچھ نہ کیا ایسے شخص کی مثال برسات کے خواہ نخواہ پیدا ہوجانے والے گھاس پھوس کی ہے بلکہ گھاس پھوس ہی چھپر کے کام تو آتے ہیں اسکو تو اتنا بھی آرام لوگوں کو نہ دیا - چاہئے کہ مفید بنکر رہے محنت اور کوشش کئے جائے یہی انسان کی زندگی کا کام ہے اور اسکا خوش انجام خدا کے ہاتھ ہے تم سے میں کہتا تھا کہ حالی کی رباعیاں پڑھا کرو بلکہ کتاب منگا بھی دی تھی شاید اس میں یہ رباعی تمہاری نظر سے نہیں گذری - رباعی

دنیائے دنی کو نقش فانی سمجھو — روداد جہاں کو ایک کہانی سمجھو
آغاز کرو جو کوئی کام بڑا — ہر سانس کو عمر جاودانی سمجھو

اتنے بڑے بڑے کام جو دنیا میں ہوئے ہیں کیا تم جانتی ہو کہ ایک دن یا ایک عمر میں ہو گئے تھے؟ نہیں نہیں۔ ریل کے بنانے والے نے برسوں اپنے دماغ کا تیل جلایا ہوگا۔ مدتوں محنت کی ہوگی تب کہیں جاکر ریل بنی ہوگی! اور پھر یہ ریل جو تم دیکھتی ہو یہ تو ترقی دینے والوں کی ترقی دیکر کل پر کل اور پرزہ پہ پرزہ بڑھاکر اور سدھار کر اس مرتبہ پر پہنچائی ہے۔ گر دیکھو ایجاد کرنے والے اور بعد میں ترقیاں دینے والوں کا کیا احسان خلق اللہ پر ہے اگر وہ یہی سوچتے کہ کیا کریں کیوں کریں کتنے دن اس دنیا میں جینا ہے تو یہ مہینوں کے راستے گھڑیوں میں اور لمحوں میں کیونکر طے ہوا کرتے کیسے تمہارا بھائی ایک ہفتہ کی چھٹی میں علیگڈہ سے چلا آتا؟ بات یہ ہے کہ اپنے آپ تو انسان دنیا میں ایک بے حقیقت سی چیز ہے لیکن سب انسانوں سے ملکر دنیا کی حقیقت قایم ہے اور ایک آدمی کی ہستی کی بھی وقعت ہے اسلئے یہ سمجھنا چاہئے کہ ہمارا کام دنیا میں اپنے ہی واسطے جینا ہے نہیں بلکہ ہم ایک دوسرے کے فائدے آرام اور خوشی کے لئے جیتے ہیں دیکھو کسی کا کام کر دینے سے کیسی خوشی اور اطمینان دل کو معلوم ہوتا ہے سچ کہا ہے۔ ؎

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

تمہارے سوال کے جواب دینے سے پہلے تمکو ایک اور بات سمجھانا چاہتا ہوں۔ امید ہے تم اُسے بھی اسی توجہ سے سمجھو گی یاد رکھو کہ اگر ایکبار اسے سمجھ لیا تو پھر بڑی بڑی مشکلیں آسان ہو جائینگی۔ دیکھو صغری بچھڑے ہوئے عزیز کا غم تو انسان کی فطرت میں ہے۔ ہوگا اور ضرور ہوگا کیسے ممکن ہے کہ کل کے ساتھ کے ہنسنے والے۔ کھیلنے والے۔ بات چیت کرنیوالے کو۔ ایسے کو جو ابھی چند روز پہلے بالکل ہم ہی جیسا تندرست تھا۔ جسکے پاس سے اٹھنے کو مشکل سے جی چاہتا تھا۔ سارے گھر کے لوگ بلکہ سارے خاندان کے لوگ جس کی محبت کرتے تھے۔

آج دل سے بُھلا دیں۔ اُس کی یاد ضرور دل میں چٹکی لیتی ہے اُسکے حوصلے اُسکے
ارمان ہر وقت نظر دنکے سامنے رہتے ہیں۔ ضرور اُس کی یاد دل میں رکھو۔ مگر ساتھ ہی
اسکے یہ بھی یاد رکھو کہ ہم اور تم ہمیشہ کے لئے اُس سے جدا نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ ہم
تم بھی اُسی سڑک پر اُس کی طرف جا رہے ہیں۔ ایک نہ ایک روز اُس سے جا ملینگے
جب کوئی عزیز تمہارے گھر چند روز رہکر چلا جاتا ہے تو تمکو اُسکے جدا ہونے سے رنج ہوتا ہے
اگر تمکو یقین ہو کہ تھوڑے ہی دنوں میں میں اُسکے گھر جا کر مل لونگی تو شاید اسقدر رنج نہو ہم
ہی نے یہ کہا کہ دنیا فانی ہے۔ پھر تم اپنے سے بچھڑے ہوئے عزیز کا سوگ اور ماتم اس
طور سے کیوں کرو کہ گویا تمکو یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ جب ہم سب کو یہاں سے جانا اور وہاں
جا کر ساتھ ہو جانا ہے۔ تو فرق فقط اسکا ہے کہ یہ پہلے گیا اور وہ پیچھے۔ نہ اسکا کہ فلاں شخص
ہمسے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔ کیا مشکل ہے کہ کہنے والا اپنے کو ہمیشہ کا ٹھیکہ دار سمجھتا ہے
یہ کیوں نہیں کہتا کہ دس برس دس مہینے۔ یا دس دن یا دس گھنٹہ کے لئے۔ یعنی جبتک
میں یہاں زندہ ہوں وہ مجھسے جدا ہو گیا۔ جب یوں سمجھ لیا اور حقیقت میں سچ سمجھا اور
ساتھ ہی اُسکے اسکا بھی یقین ہے کہ وہ دوسری زندگی اس زندگی سے بہتر ہے۔
تو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ ہمارے بعد ہمارا نام نیکی سے یاد کیا جائے۔ دس ہمکو اچھا
کہیں اب پھر میں اُسی بات پر زور دیتا ہوں کہ یہ اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے جب آدمی اپنے
کو مفید اور ترقی یافتہ بنا دے۔ علم سیکھے۔ کیونکہ اسی میں ترقی کے راز پوشیدہ ہیں۔
آپ سیکھے اور دوسروں کو سکھا دے۔ آپ اُس سے فائدہ اٹھا دے اور دوسروں کو
فائدہ پہنچا دے ؎

صغریٰ۔ میں نے خوب غور سے آپ کی تقریر سنی۔ ہر ہر لفظ نے مجھ میں گویا نئی زندگی اور نئی طاقت
پیدا کر دی۔ سچ تو یہ ہے کہ خدا زندگی عطا کرے تو علم کی دولت بھی دے ہم جاہل اندھے
ہیں۔ نہیں دیکھتے ہیں اور نہیں سمجھتے ہیں۔ خدا آپ کو سلامت رکھے آپکے ذریعہ سے

بہت بڑی بڑی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ میرے بہت سے شبہے رفع ہو گئے۔ دو باتیں اور دریافت کرنی ہیں۔ اول یہ کہ ہمارے پیدا کئے جانے کی غایت کیا ہے اور دوسری یہ کہ ہم عورت ذات کیونکر دوسروں کو فائدہ پہونچا سکتے ہیں۔ ہم کل تیج بنانے سے رہے اور اعلیٰ درجہ کی تصنیفات کرنے سے رہے۔ سہ

ہنر ہم میں جو ہیں وہ معلوم ہیں سب
علوم اور کمالات معدوم ہیں سب

بھائی میں تمہارے پہلے سوال کا جواب تو دے لوں یعنی یہ کہ دنیا سے کیوں دلبستگی کیجائے۔ دیکھو اگر انسان کے دل میں محبت نہیں ہے تو وہ بے تعلق اور تارک الدنیا کہا جاتا ہے گویا ایسے آدمیوں سے اور دنیا سے کچھ مطلب نہیں ہے اسی سے یہ ثابت ہے کہ محبت اور دنیا ہیں دو الفاظ مگر معنی ایک سے رکھتے ہیں خدا نے یہ مادہ فطرتاً ہر انسان کے دل میں ودیعت کیا ہے اگر ایسا ہوتا تو انتظام عالم میں بڑا خلل پڑتا وہ کیوں بارہ گھنٹے کی محنت کر کے کمائی کماتا۔ اسکا پیٹ بھرنے کے لئے تھوڑا بھی کافی تھا۔ ماں کیوں اپنے شیر خوار بچے پر آرام اور آسایش کو تصدق کرتی۔ مگر جیسے ہر چیز میں میانہ روی بہتر ہے ویسے ہی دنیاوی تعلقات میں بھی لازم ہے۔ مولانا حالی نے اسی مضمون کو نہایت خوبی سے ادا کیا ہے۔ سہ

ہے الفت بھی نفرت بھی دنیا سے لازم
پہ الفت زیادہ نہ نفرت زیادہ

مبارک ہیں وہ لوگ جو بین بین رہتے اور افراط تفریط سے پرہیز کرتے ہیں۔ جس قوم میں اعتدال اور میانہ روی ہے وہ قوم آج سرسبز ہے اور برسر عروج و حکومت ہے۔ جس قوم کے برے دن ہیں اُسکے افراد میں اعتدال نہ پاؤ گے یا تو وہ اس سرے ہونگے یا اُس سرے۔ سخاوت کرینگے تو گھر پھونک دینگے بخالت پر آوینگے تو فاقوں

مرینگے اب تمہارے سوال کے دوسرے حصہ کو مختصراً بیان کرتا ہوں۔ یہ سوال کہ ہمارے پیدا کرنیوالے کی غایت ہمارے پیدا کرنے سے کیا ہے ایک بہت بڑا مسئلہ ہے مفصل گفتگو کسی فرصت کے وقت کرونگا۔ اسوقت محض تمہاری خاطر چند لفظوں میں تمہارا جواب دونگا۔ خالق مخلوقات ہر شخص میں ایک مادہ رکھتا ہے۔ غرض یہ ہوتی ہے کہ پیدا ہوکر وہ شخص اُس مادہ کا اچھا استعمال کرے۔ ع

ہر کسے را بہر کارے ساختند

اگر اسنے اس مادہ کا اچھا استعمال کیا تو اُسنے اپنے پیدائش کی غایت پوری کی مثلاً خدا نے دو شخصوں کو ذہانت کا مادہ دیکر پیدا کیا ایک نے اس مادہ سے یہ استعمال کیا کہ اُس سے تار برقی ایجاد کی اسلئے کہ اُس سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہونچا اور پہونچتا رہیگا اور دوسرے نے ایک ترکیب ایسی پیدا کی کہ بند تالے فوراً کھلجاویں۔ اسنے چوری کی فن کو ترقی دیکر دنیا میں فساد کو دو قدم اور آگے بڑھا دیا۔ اسنے اپنی پیدائش کی غایت نہ پوری کی۔ بلکہ برعکس ایک ایسا فعل کیا جس سے اُسکے بھائیونکو سراسر نقصان پہنچتا رہیگا کسی شاعر نے اسی مضمون کو ایک پھیر کر باندھا ہے مگر جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔ ع

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

غرض یہ کہ اُس مادہ کو جو خدا نے پیدا کیا ہے۔ اچھے کاموں میں اُسی وقت لایا جا سکتا ہے جب دل میں درد ہو اور درد کے ساتھ اُس کام کے کر ڈالنے کا جوش ہو اب تمہارا تیسرا سوال رہگیا۔ کیسی مزے کی بات ہے کہ عورت ذات کسی کے کام ہی نہیں آسکتی غور کرنے سے تم خود سمجھ لوگی کہ دنیا کے آدھے دہندے کی انجام دینے والی عورتیں ہیں۔ یہ ضرور نہیں کہ کل پیچ ہی بنایا جائے۔ جو اعلیٰ تصنیفات نہ کر سکے وہ اور کام بھی انجام دینے کے لائق ہو۔ تم نے شاید سنا ہوگا کہ اگلے وقتوں کی بیبیوں نے تصنیفات کے میدان

میں بھی قدم رکھا تھا مگر زمانہ کی اونچ نیچ سے تو یہی جب ہماری تباہی کے دن آئے
تو قوم کا شیرازہ بگڑ گیا۔ ہم میں آرام طلبی آگئی۔ جھوٹ۔ حسد و غیبت۔ بدگوئی کی عادت
پڑ گئی سب خوبیاں اور کل عمدہ خصلتیں برائیوں سے بدل گئیں۔ عورات بھی تو قوم ہی
میں تھیں اسلئے یہی علم و فضل رخصت ہو گئے۔ بلکہ پڑھنا لکھنا انکے لئے عیب گنا جانے
لگا اسپر بھی تمہارا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ یہ اپنی ذات سے دوسروں کو نفع نہیں پہونچاتیں
یا نہیں پہونچا سکتیں۔ دور کیوں جاؤ تم اپنے ہی گھر کو دیکھو۔ خانہ داری کا انتظام کون
کرتا ہے چھوٹے چھوٹے بچوں کی نگرانی اور انکی تعلیم کا انتظام کون رکھتا ہے۔ اول
تو یہ دونوں کام بجائے خود بہت بڑے کام ہیں۔ جنکو عقل اور سلیقہ سے انجام دینے
والی بی بی اپنے شوہر کی زندگی کو پرلطف بنادیتی ہے۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ یہ دوسرے کے
کام آنا نہیں ہوا۔ اپنے نفس کے آرام کے علاوہ جب تم نے کسی اور کے (خواہ بھائی
ہو یا بھتیجہ) آرام کی فکر کی تو وہ دوسروں کے کام آنا ٹھیرا۔ اسی پر کیوں بس کرو۔ علم سیکھو
اور اس سے دوسروں کو فائدہ پہونچاؤ۔ اسقدر تو اچھے اچھے مضامین گھر بیٹھے تمہارے
پاس آتے ہیں کبھی تم نے ان نصیحتوں پر عمل کرنیکا بھی پورا ارادہ کیا۔ ؟ سیرہا لیکن کر
مضامین۔ کیا زندگی کو سدھارنے کے لئے کافی نہ تھے؟ کبھی یہ شوق ہوا کہ میں ان پر
کاربند ہونگی۔ علوم اور سائنس کے متعلق۔ تاریخ کے متعلق سہل سہل مضامین چھپے کبھی
تم نے ایک مرتبہ سے زیادہ انکو پڑھا اور ایک بار کے پڑھنے میں وہ کیا خاک ذہن نشین
ہوتے۔ دیکھو لو۔ ترقی کے ذریعے موجود ہیں انکو کام میں لانا تمہارا کام ہے۔

صغریٰ۔ بیشک اب میں سمجھ گئی کہ کوئی بیکار نہیں پیدا ہوا۔ اپنے وجود کو غیر مفید بنانے
کے گنہگار ہم خود ہی ہیں۔ آپ کے کہنے پر کہتی ہوں کہ میں کبھی ان رسالوں کو بغیر چند بار
پڑھے ہوئے نہیں رکھتی۔ بلکہ رکھ ہی نہیں سکتی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ آپ نے مجھے بہت ہدایت
کی تھی کہ ہر مضمون کی مفید اور دلچسپ باتیں خود اپنی کتاب میں (جو اسی کام کے لئے

بنائی ہی) الگ لکہ لیا کروں۔ چنانچہ اب میں ایسا ہی کرتی ہوں اور خدا کے فضل سے
میرے پاس ان اقتباسات کا ایک عمدہ اور کارآمد مخزن جمع ہوگیا ہی۔

بہائی خیر مجہے خوشی ہوئی کہ تم میری نصیحتوں پر عمل کرتی ہو۔ اسیطور سے جب تم کو کچھ دریافت کرنا ہو مجہسے پوچھ لیا کرو۔

آنندبائی

اسند بائی کے حالات کی بابت ہم جناب سید نذیر حسین صاحب بی اے کے مشکور تو ہیں لیکن اسی
اولوالعزم خاتون کے بعض حالات کا یہ بیان بہت ہی سرسری خلاصہ اور تذکرے کی آب وتاب
سے خالی ہے۔ تاہم جوکچھ بہی ہے دلچسپی سے خالی نہیں اسلیے شکرگذاری کے ساتہ درج کیا جاتا ہے

اڈیٹر

انندبائی گنپت راؤ جوشی کی بیٹی تہی۔ گنپت راؤ کلیان کا دولتمند زمیندار تھا اور چونکہ علاوہ دولتمند ہونے کے اونچی ذات کا بہی تہا سب لوگ اسکی عزت حرمت کرتے تھے۔ اسکی شادی پونا میں ہوئی اور اسنے اسکے بعد پوناہی میں سکونت اختیار کی یہیں انندبائی نے جنم لیا انندبائی حسین اور ابتدا ہی سے ذہین تھی۔ اس کی عمر پانچ برس کی تہی کہ اسکے رشتہ کا بہائی گوپال جوشی انکے کنبے میں آشامل ہوا۔ یہ ڈاک کے محکمہ میں ملازم تہا اور اچہا خاصہ تعلیم یافتہ تہا۔ اسے انندبائی سے خاص الفت ہوگئی اور اسے سنسکرت پڑہانے لگا۔ انندبائی نے تین برس میں سنسکرت کا اچہا علم حاصل کرلیا مگر اسکے بعد ہی گوپال علی باغ کو تبدیل ہوگیا اور انندبائی کو تعلیم میں ہرج پڑنے سے بڑا صدمہ ہوا۔ لیکن جلد ہی یہ انتظام ہوگیا کہ انندبائی اپنی دادی کے ساتھ علی باغ میں جاکر رہے اور وہاں جاکر پڑہے۔ غرض انندبائی وہاں جاکر رہنے

مسلمانوں کی یہ بڑی خوش نصیبی ہے کہ انکی قوم میں مولوی سید کرامت حسین بیرسٹر اور شیخ عبداللہ
یب نے الٰہ آباد میں اور دوسرے نے علیگڈھ میں تعلیم نسواں کا بیڑا اٹھایا ہے شیخ عبداللہ نے تو اپنے
نیں بالکل اس کام میں وقف ہی کر دیا ہے اور انھوں نے صحیح اصل اصول تعلیم نسواں کو اختیار کیا ہے
یعنی وہ علیگڈھ میں زنانہ نارمل اسکول جاری کرنا چاہتے ہیں کہ جس میں معلمہ عورتیں تعلیم کرنے کی ترکیب
سیکھیں اور تربیت پائیں۔ یہ کام بغیر روپیہ کے نہیں چل سکتا اس کی فراہمی کے لئے وہ دورہ و
ڈپوٹیشن بھیج رہتے ہیں جس میں قدر قلیل کامیابی ہی حاصل ہو رہی ہے۔ جب تک معلمہ عورتیں مدارس
نسواں کی معلمی کے لئے بہم پہنچیں مستورات کی تعلیم کا نیک سرانجام نہیں ہوسکتا۔ انگلستان
کی ایک خاتون مسز کارپنٹر جنھوں نے اپنی ساری عمر عورتوں کی تعلیم و تہذیب میں بسر کی اور وہ
تین دفعہ ہندوستان میں بھی اس کام کے لئے دور دراز سفر کرکے آئیں وہ فرماتی ہیں کہ "جب
میں ہندوستان میں لڑکیوں کے مدرسہ میں کسی مرد کو تعلیم دیتے دیکھتی ہوں تو میرا بے
اختیار یہ دل چاہتا ہے کہ اس مرد کی گردن پکڑ کر باہر نکال دوں" میں مسز کارپنٹر کے
اس قول کی اپنے تجربہ اور مشاہدے سے تصدیق کرتا ہوں کہ لڑکیوں کے اسکولوں میں مرد
مدرس ہونے سے بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ دہلی میں ایک زنانہ اسکول جاری ہوا
اور اُس میں ایک بوڑھے مولوی مقدس صورت مدرس اول مقرر ہوئے افسوس سے
کہنا پڑتا ہے کہ مولوی صاحب باوجود اپنے ظاہری تقدس کے اپنے فرائض کو دیانت سے
ادا کرنے میں قاصر رہے اور انکی بے عنوانیوں کی وجہ سے مدرسہ بند کرنا پڑا۔ دوسرا ایک اور
قصہ ہے جو خود مجھپر گذرا کہ میں نے کرن باس ضلع بلندشہر میں بیوہ عورتوں کا ایک اسکول جاری
کیا جسکے ہیڈ ماسٹر ایک ہندو پنڈت صاحب تھے جن کی ہزاروں ہندو "پالاگن مہاراج" کیا
کرتے تھے اس میں بھی ایک ایسا شگوفہ کھلا کہ میں اس مدرسہ کے جاری کرنیکو اپنے اور سب
گناہوں سے زیادہ بڑا جانتا ہوں اسی طرح خورجہ میں ایک لڑکیوں کے مدرس بزرگ پنڈت
ناگفتہ بہ قصہ پیش آیا کہ علیگڈھ میں جو مسلمانوں کی تعلیم کا مرکز ہے زنانہ نارمل اسکول کا جاری کرنا بڑی
رہ تدبیر ہے سب مسلمانوں کو چاہیے کہ اس میں دریادلی سے چندہ دیں اور اپنے ہموطن بھائیوں
کی تعلیم نسواں میں برابری اور ہمسری کریں ابھی تک اس میدان میں سب ہندوستانی قومیں

کی اشاعت اور ترقی میں کوشش کیجائے کیونکہ اردو اخبارات میں تہذیب نسواں اپنے طرز کا ایک ہی
اخبار ہے، لیکن مستورات کے لئے اور اخبارات یا رسالے جاری ہوں، اس سے اختلاف ہے
ہماری رائے میں کوئی اخبار یا رسالہ ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ اسکے مقابل میں دو چار اور موجود
نہوں کہ جنکو دیکھکر وہ اپنے بڑھنے اور زیادہ مفید بننے کی کوشش کرتا رہے کسی اخبار یا رسالہ کو ترقی کرانے
کی اصلی کوشش اور تجویز یہی ہے کہ اور اخبار اور رسالوں کو پیدا ہونے دیا جائے کیونکہ ترقی کے میدان
میں کم سے کم دو چار تو ہوں تاکہ آپس کی مسابقت اور ایک دوسرے سے بڑھنے کی قدرتی تحریک سے
رسالے اور اسکے ناظرین دونوں کو فائدہ پہنچے۔ ممکن ہے کہ کوئی رسالہ یا اخبار ایسا عمدہ اور ایسی
کوشش کے ساتھ جاری کیا جائے کہ تہذیب نسواں اور خاتون کو بھی مات کر دے بلکہ
ترقی کی بہت گنجایش ہے سارا میدان خالی پڑا ہے فقط تہذیب نسواں اور خاتون ہی اندھوں میں کانے
راہ نظر آتے ہیں اس لحاظ سے ہماری رائے میں اور رسالوں اور اخباروں کو پیدا ہونے سے روکنے
کی مصلحت ٹھیک نہیں البتہ ایک عمدہ اخبار یا رسالہ نکالنا کوئی آسان کام نہیں مسٹر خاموش
کو پردہ نشین محض اس وجہ سے ہماری نذر کیا جائے کہ شریف و پردہ نشین بیوی کا اخبار سمجھا جائیگا اور قدر کیجائیگی
بلکہ قدر اس اخبار اور اس رسالہ کی ہوگی جو سب سے اچھا اور مفید ثابت ہوگا۔

مطالب۔ گذشتہ نمبر میں لیڈیز کانفرس پر نوٹ میں ہمنے
تحریر کیا تھا کہ قومی مجمعوں میں مستورات کثرت سے شریک
ہوتی ہیں چند مثالیں بھی دی تھیں جن کی "تعداد وغیرہ" بہت
زیادہ تھی۔ اس کے بعد لکھا تھا کہ ان بے ترتیب غیر شائستہ
مجمعوں میں تہذیب و شائستگی کی کوئی گارنٹی نہیں ہوتی،، اس
مجمل فقرے کے نفس مطلب کی نسبت کسیقدر غلط فہمی کا اندازہ
کرکے یہاں صراحت کیجاتی ہے کہ ہمارا مطلب ان میں سے
"اکثر" مجمعوں سے تھا۔ جن مجمعوں میں ترتیب و شائستگی
موجود ہوتی ہے اُنپر وہ مجمل ریمارک خود ہی صادق نہیں آتا

یہ بھی جتا دینا ضروری ہے کہ ہمارا مدعا صرف تہذیب و شائستگی کی گارنٹی سے تھا جو مجمع کی تعلیمی حالت، ظاہری ترتیب اور انتظام سے میسر آتی ہے اور جہالت بے ترتیبی اور بدنظمی کے اندیشے سے اسی طرح اطمینان دلاتی ہے جیسے اعتقاد کی گارنٹی بداخلاقی اور شرارت کے خطروں سے محفوظ رکھتی ہے۔ ہمارے مجمعوں میں اعتقاد سب کے دل میں موجود ہوتا ہے ہم تہذیب و تعلیم کے بھی خواستگار ہیں مستورات کے کسی مجمع میں پس پردہ یا زیر برقع شریک ہونے کے مانع و مزاحم نہیں۔

ایک سال کے لئے دو پرچے مفت ۔ مولوی محمد کریم صاحب تحصیلدار میجا کی چھوٹی صاحبزادی کا مضمون "رمضان گرہی"۔ اکتوبر کے پرچہ میں ناظرین نے ملاحظہ کیا ہوگا اسکے آخر میں جس دعا کی استدعا کی گئی تھی وہ خدا کے فضل سے قبول ہوئی بذریعہ خط کے ہمیں اطلاع دیتی ہیں کہ میرے بڑے بھائی صاحب بیرسٹری کے تیسرے امتحان میں پاس ہوگئے کا نتیجہ اخبار میں چھپ گئی سب سے مشکل امتحان یہی تھا اب چوتھا امتحان آخری باقی ہے جن بزرگوں نے دعا کی انکا شکریہ ادا کیا جاتا ہے اس خوشی میں ایک ایک سال کے لئے رسالہ خاتون دو غریب بہنوں کے نام جاری فرما دیجئے اسکا چندہ میں آپ کی خدمت میں بھیجدونگی خوشی کے اظہار کے اس طریقے سے ہم بہت خوش ہوئے انکے بھائی کی کامیابی کی مبارکباد دیتے ہیں ان پرچوں کے لئے کم استطاعت خواندہ مستورات کی طرف سے درخواست آنی چاہئے۔

اُستانی چاہئے ۔ ہمارے کرم جناب محمد افضل صاحب اسسٹنٹ سرجن بانکی پور کو ایک لایق استانی کی اپنی لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ضرورت ہے استانی (۱) مسن ہو (۲) اردو فارسی عمدہ جانتی ہو (۳) زبان شستہ (۴) سلیقہ مند (۵) انگریزی سے واقف ہو تو بہتر۔

سہو۔ بیگمات بمبئی کے چندے کی فہرست میں جو ستمبر کے رسالہ خاتون میں شائع ہوئی تھی مسیز فتح علی شیخ احمد کے مکرر چندے کی دوسری رقم تعدادی مبلغ بیس روپیہ کا اندراج سہواً رہ گیا تھا جسکو اب شکریہ کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔

دلّی میں شادی مسٹر انتظام الدین بی اے دہلوی کی شادی مولوی سشرف الحق صاحب کی چھوٹی صاحبزادی سے بتاریخ ۱۰ شوال یوم جمعہ منعقد ہونیوالی ہے دُلہن جناب مولوی ڈاکٹر نذیر احمد صاحب ایل - ایل - ڈی کی نواسی ہیں - رسالہ خاتون کو بہت شوق سے پڑہتی ہیں - مسٹر انتظام محکمہ بندوبست میں جسکو اُنکے نام سے بہت مناسبت ہے ایک اچھے عہدے کے لایق امیدوار ہیں - گذشتہ نمایش کے لئے نمونہ جات بہم پہنچانے میں اُنہوں نے بڑی مدد دی تہی - ہم اُنکو مبارکباد دیتے ہیں -

نومبر و دسمبر کے خریدار۔ رسالہ خاتون کے خریداروں کو جنکا سال نومبر اور دسمبر سے شروع ہوتا ہے اطلاع دیجاتی ہے کہ براہ مہربانی سال آیندہ کا چندہ ارسال فرمائیں یا رسالہ قیمت طلب بہیجنے کی اجازت عطا کریں بصورت خاموشی رسالہ قیمت طلب بہجوایا جاے گا - امید ہے کہ وصول فرما کر مشکور کرینگے - نومبر اور دسمبر کے خریداران میں وہ بہی ہیں جو کسی اور مہینے میں خریدار ہوئے تہے لیکن پچھلے پرچے بہجوا کر اُن کا حساب نومبر یا دسمبر سے شروع کر دیا گیا تہا -

عذر شکایت۔ ہماری بعض خریدار پرچہ نہ پہنچنے کی شکایت کرتی ہیں جہانتک ہمارے امکان میں ہے نہایت غور کیساتھ تمام خریداروں کے نام پرچہ ارسال کیا جاتا ہے اور رجسٹر میں روانگی لکہی جاتی ہے اسپر بہی شکایات کا آنا ہمکو متعجب کرتا ہے معلوم یہ ہوتا ہے کہ شکایت مند حضرات میں سے اکثر کا انتظام ڈاک اپنے مقامات پر ٹہیک نہیں اسلئے پرچے تلف ہو جاتے ہیں - ہمارے ہی پرچہ کی یہ شکایت خصوصاً نہیں بلکہ اسکا تجربہ تمام اڈیٹران رسالہ جات و اخبارات کو کم و بیش ہوتا ہے چنانچہ مخزن (لاہور کا مشہور رسالہ) کے اڈیٹر نے ڈاکخانہ میں بیٹھکر رجسٹر سے خود مطابق کر کے سب کے نام اپنے سامنے رسالہ روانہ کیا پہر بہی شکایتیں آئیں ہیں امید ہے کہ ہماری شکایت سے پہلے معزز خریداران اپنے انتظام ڈاک کی بہی درستی اور صحت پر غور کریں گے - فقط

ناول نادربیان

(ریویو)

ناول میں اگر نفیس خیالات ہوں اور خاموش نصیحت نکلتی ہو تو کوئی بُری چیز نہیں خصوصًا وہ ناول جسکو ایک تعلیم یافتہ اور بزرگ مسلمان خاتون اپنی ہم جنسوں کی خاص اور عام نصیحت کے لئے ترجمے کیواسطے پسند فرمائیں ہرگز بُرا نہیں ہو سکتا ناولِ نادربیان جسکے متعلق یہ چند سطریں لکھی جاتی ہیں علیاجناب سہیلِ حیج دُھیسہ بمبئی نے غالبًا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے اور ایسا ترجمہ کیا ہے کہ بجائے انگریزی کے سخت اور اجنبی ناموں کے اردو کے اسم بامسمّے نام استعمال کئے ہیں جس سے ترجمہ کی شکل مٹ کر تصنیف کی شکل نمودار ہو گئی ہے۔ فلاتُ ناز ایک مظلوم شہید باپ کی کمسن، اکلوتی لڑکی سارے قصے کی جان ہے جسقدر کہ اس دریتیم کی پارسائی لیاقت اور میاں سے انتہا درجے کی الفت کا قصہ دلچسپ اور دلفریب ہے اُسی قدر اُس کی چھوٹی نند گلبدن کے ماں باپ کی خلاف مرضی شادی کرنے کا نتیجہ عبرتناک اور سبق آموز ہے چند اور بھی قیمتی نصیحتیں اس ناول کے پڑھنے سے دل پر نقش ہوتی ہیں مثلاً حق دار کا حق نہ دینا اور دنیا کے لالچ سے انکا خون کرنا خفیہ ہو تو بھی رنگ لائے بغیر نہیں رہتا اور ایسا بلا سے جان ہوتا ہے کہ حق تلفی کرنیوالا اور قاتل اُسکے عذاب اور پشیمانی میں زندہ درگور ہو کر آخر خود بھی ہلاک ہو جاتا ہے ؎

معزز خاتون کی لیاقت میں کلام نہیں غیر زبان سے غیر زبان یعنی اردو میں جو انکی زبان نہیں، ترجمہ کیا ہے حتے الامکان صاف و صحیح لکھنے کی کوشش قابل تحسین ہے اردو بمبئی کی بہترین اردو ہے آمد و آورد کا فرق ضرور ہے تاہم اہل زبان کے سمجھ میں آسکنے کے قابل کوئی بات نہیں۔ سوا تین سو زیادہ صفحول پر ختم ہوا ہے کاغذ عمدہ اور خط صاف ہے قیمت مجلد ایک روپیہ۔ بغیر جلد ۱۲ مسٹرا سے۔ ایچ مینی، نمبر ۲ اُونٹ رسٹ۔ ناگپاڑہ بمبئی کے پتے سے طلب کیا جا سکتا ہے۔ فقط

وہ یہ نتیجہ پیدا ہونے والا ہی کہ جن قوموں کے ساتھ ہمکو رہنا ہی وہ کوئی دن میں دبل رفتار سے
ترقی کرتی ہوئی نظر آئیں گی اور بہ یک گردش چرخ نیلوفری، ہم اپنے تئیں اُن سے کئی منزل پیچھے
پائیں گے۔

کوئی مسلمان جسکے دل میں تعلیم و ترقی کے میدان میں کم سے کم اپنے ملکی برادران کی ہمسری
اور برابری کی سچی اور بے لوث تمنا ہی اُن حالات کی طرف سے آنکھوں پر پٹی نہیں باندھ سکتا
اُس کی نظر سے مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کا کچھ، سامان پیدا کرنے کے لیئے اوستانیوں کا ایک
مدرسہ قایم کرنیکی تجویز، جیسی کچھ معتدل، محض ابتدائی بلکہ زمانے کی رفتار کیساتھ ایک پھسڈی سا
قدم ہی، محتاج بیان نہیں۔ تاہم بھی افسوس کے ساتھ دیکھا جاتا ہی کہ قوم کے بعض پبلک آرگن
اس ادنےٰ تجویز کو بھی "قبل از وقت" بتانے اور عوام الناس کے راگ میں سُر ملانے سے
نہیں شرماتے۔ شاید جب تک کہ تعلیم نسواں میں کوشش کا وقت بلائے مجسم کی طرح درہ خیبر کے
رستے، پنجاب کو پامال کرتا ہوا، گنگا کو عبور کرکے ہندوستان میں داخل نہ ہوگا انکی موٹی نظریں
اُس کو نہ دیکھ سکیں گی۔ لیکن قہر کی راہ سے رحمت کے وقت کا انتظار عبث ہی! درہ خیبر کیطرف
سے نظریں اُٹھاکر ساحل کی طرف جانی چاہئیں۔ تاکہ دکھائی دے کہ تعلیم نسواں کا وقت،
امن برطانیہ کے قدم بہ قدم سمندر کی راہ سے، ہندوستان میں آچکا ہی ساحلی صوبے
چراغاں کرنے شروع کر دیے ہیں، ہر جگہ دیوں میں بتی پڑ چکی ہی اس سندربن میں جگت دیوالی
کے سامان ہیں، عنقریب دولت و برکت کی دیوی لچھمی بڑے ٹھاٹھ کیساتھ روشن گھروں میں
درشن دکھائے گی۔

مسلمان جو اس ہونہار نظارے کی طرف سے آنکھوں میں کڑوا تیل ڈالے گھر کے دروازے
بند، سو رہے ہیں ان نیند کے ماتوں کو صبح رفارم کے نواسنج مولانا حالی کی یہ وقت کی راگنی
ہمیں امید ہی کہ ہوشیار کرے گی اور اس نغمہ کی آواز سے خوش خوش بیدار ہوکر وہ تعلیم نسواں کی
صبح صادق کا یقین کریں گے کیونکہ مولانا موصوف نے مسدس کا بڑا راگ بھی بر وقت گا کر

یہ گوشت کا اک لوتھڑا پروان چڑھتا کس طرح

چھاتی سے لپٹائے نہ ہر دم رکھتی گر بچے کو ماں

وہ دین اور دنیا کے مُصلح جنکے وعظ اور پند سے

ظلمت میں باطل کی ہوا دُنیا پہ نورِ حق عیاں

وہ علم اور حکمت کے بانی جن کی تحقیقات سے

ظاہر ہوئے عالم میں اسرارِ زمین و آسماں

وہ شاہ کشور گیر اسکندر کہ جس کی دھاک سے

تھے بید کی مانند لرزاں تاجدارانِ جہاں

وہ فخرِ شاہانِ عجم کسریٰ کہ جس کے عدل کی

مشرق سے تا مغرب زبانوں پر رہی جاری داستاں

کیا پھول پھل یہ سب انھیں کمزور پودوں کے نہ تھے

سینچا تھا ماؤں نے جنھیں خونِ جگر سے اپنے یہاں

کیا صوفیانِ باصفا کیا عارفانِ باخدا

کیا انبیا کیا اولیا کیا غوث کیا قطبِ زماں

سرکار سے مالک کی جتنے پاک بندے ہیں بڑھے

وہ ماؤں کی گودوں کے زینے سے ہیں اوپر چڑھے

پانچواں بند

افسوس دُنیا میں بہت تم پر ہوئے جور و جفا
حق تلفیاں تم نے سہیں بے مہریاں جھیلیں سدا
اکثر تمہارے قتل پر قوموں نے باندھی ہی کمر
دیں تاکہ تم کو یک قلم خود لوحِ ہستی سے مٹا
گاڑی گئیں تم مدتوں مٹی میں جیتی جاگتی
حامی تمھارا تھا نہ یا ور کوئی جز ذاتِ خدا
زندہ سدا جلتی رہیں تم مُردہ خاوندوں کے ساتھ
اور چین سے عالم رہا یہ سب تماشے دیکھتا
بیاہی گئیں اُسوقت تم جب بیاہ سے واقف تھیں
جو عمر بھر کا عہد تھا وہ کچے تاگے سے بندھا
بیاہا تمھیں ماں باپ نے اے بے زبانو! اسطرح
جیسے کسی تقصیر پر مجُرم کو دیتے ہیں سزا
گزری امید و بیم میں جب تک رہا باقی سُہاگ
بیوہ ہوئیں تو عمر بھر پھر چین قسمت میں نہ تھا
تم سخت سے سخت امتحاں دیتی رہیں پر رائگاں

سمجھا لیا دل کو کہ ہم خود علم کے قابل نہیں

جو ذلتیں لازم ہیں دنیا میں جہالت کے لیئے

وہ ذلتیں سب نفس پر اپنے گوارا تم نے کیں

سمجھا نہ تم کو ایک دن مردوں نے قابل بات کے

تم بیویاں کہلائیں لیکن لونڈیاں بن کر رہیں

آخر تمہاری چپ دلوں میں اہلِ دل کے چبھ گئی

سچ ہی کہ چپ کی داد حشر بے ملے رہتی نہیں

بارے زمانہ نیند کے ماتوں کو لایا ہوش میں

آیا تمہارے صبر پہ دریائے رحمت جوش میں

آٹھواں بند

نوبت تمہاری حق رسی کی بعدِ مدت آئی ہے

انصاف نے دھندلی سی ایک اپنی جھلک دکھلائی ہے

گو ہے تمہارے حامیوں کو مشکلوں کا سامنا

پر حل ہر اک مشکل یونہیں دنیا میں ہوتی آئی ہے

اٹکے ہیں روڑے چلتی گاڑی میں سچائی کی سدا

پر فتح جب پائی سچائی ہی نے آخر پائی ہے

خطاب بہ حامیان تعلیم نسواں

اے بے زبانوں کی زباں تو اے بے بسوں کے بازوؤ!
تعلیمِ نسواں کی مہم جو تمکو اب پیش آئی ہے
یہ مرحلہ آیا ہے پہلے تم سے جن قوموں کو پیش
منزل پہ گاڑی اُن کی استقلال نے پہنچائی ہے
ہے رائی بھی پربت اگر دل میں نہیں عزم درست
پر ٹھان لی جب جی میں پھر پربت بھی ہو تو رائی ہے
یہ جیت کیا کم ہے کہ خود حق ہے تمہاری پُشت پر
جو حق پہ موہنہ آیا ہے آخر اُسنے موہنہ کی کھائی ہے
جو حق کے جانب دار ہیں بس اُنکے بیڑے پار ہیں
بھوپال کی جانب سے یہ ہاتف کی آواز آئی ہے
ہے جو مہم درپیش دستِ غیب ہے اُس میں نہاں
تائیدِ حق کا ہے نشاں امدادِ سُلطانِ جہاں دام اقبالہا

الطاف حسین حالی

تربیتِ اولاد

تربیت اولاد پر یہ مضمون نہایت سنجیدہ ہے اس کی اکثر باتیں گرہ باندھنے لائق ہیں جناب مولوی سید احمد صاحب دہلوی مصنف فرہنگ آصفیہ جنکی معرفت یہ مضمون موصول ہوا ہے ہم شکرگزاری کے ساتھ استدعا کرتے ہیں کہ شائستہ خاتون کے عمدہ خیالات رسالۂ خاتون کے لئے ہمیشہ ارسال فرماتے رہیں گے۔

اڈیٹر

برسوں میں اپنی ساتھ کی کھیلی معزز۔ دولتمند۔ اونچے گھرانے۔ نامی خاندان والی سہیلی کے گھر مہمان گئی۔ اگرچہ یہ بیوی دولتمندی کے لحاظ سے بہت بڑے مرتبہ والی اور اعلیٰ درجہ کی خاتون تھیں لیکن میری اور اُن کی مدت سے بے تکلفی چلی آتی تھی۔ انکے خاوند کو اپنے ایک باعزت کاروبار کے ذریعہ سے بہت بڑا رسوخ اور مرتبہ حاصل ہوگیا تھا اور یہ بھی اللہ رکھے اونچے اونچے خاندانوں کا ورثہ پاکر ایک بہت بڑی امیر بن گئی تھیں۔ دونوں میاں بیوی کو اولاد کا بہت بڑا ارمان تھا مگر یہ تمنّا جلد حاصل نہیں ہوئی تھی۔ آخر عمر میں جاکر ایک لڑکا **اصغر** نامی پیدا ہوا جسکی **تربیت**۔ **خبرگیری** اور **تہذیب** کی طرف ابتدائے پیدائش سے ان دونوں کی توجہ بہت کچھ مائل رہی تھی۔ میں اپنی سہیلی سے اُن کے کتب خانہ میں جاکر ملی۔ یہاں وہ تعلیمی کتابوں کے انتخاب اور اُنکے مضامین پر غور کرنے میں مصروف تھیں۔ انکے خاوند نے افلاطون کے زمانہ سے لیکر بوعلی سینا تک حکمار کی تصنیف اور خلفار راشدین کے وقت سے امام غزالی۔ سعدی جامی کے وقت تک مذہبی و اخلاقی تعلیم کا ذخیرہ جمع کر رکھا تھا۔ چونکہ یہ دونوں میاں بیوی مجھے بخوبی جانتے تھے کہ میں ایک مدت تعلیم کے کام میں رہی ہوں اس سبب سے انھوں نے اپنی تفتیش کی بابت مجھ سے بھی مشورہ لینا چاہا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ آؤ ہم سب ملکر ان کتابوں میں سے ایک نہایت عمدہ اور کامل سلسلہ انتخاب کرلیں۔ غرض ان دونوں میاں بیوی کا منشا یہ تھا کہ اپنے لڑکے کی بہبودی اور تعلیم کا پورا پورا سامان حاصل کرنے کیواسطے جسقدر کوشش اور روپیہ صرف کرکے ممکن ہو

ایک عمدہ طریقہ بہم پہنچائیں۔ یہ بات سُنکر میں نے آزادی کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کی اور گھر پر آکر جو جو باتیں میرے خیال میں آئیں وہ ایک کاغذ پر لکھ لیں جس کا ماحصل ذیل میں درج ہے +

تعلیم و تربیت کی نسبت سب سے پہلے بات جو ہمیں معلوم کرنی چاہیے وہ اُسکی غرض اور منشا ہے جسے لوگ عموماً صحیح طور پر نہیں سمجھتے۔ تربیت کے بہت وسیع معنی ہیں اور اس میں وہ ساری باتیں شامل ہیں جن سے انسان انسانیت کے درجہ کو پہنچتا۔ اخلاق حسنہ۔ دُنیا کا برتاؤ اور ہر طرح کا علم حاصل کرتا ہے لیکن ان سب باتوں میں ماں باپ تو تھوڑی سی باتیں کر بھی سکتے ہیں مگر کتابوں اور اُستادوں کی تعلیم سے اتنا بھی حاصل نہیں ہوتا۔ تم پیسے کے زور سے بڑے بڑے لائق معلم اتالیق معقول تنخواہیں دیکر نوکر رکھ سکتے ہو اور یہ بات کچھ بُری نہیں ہے کیونکہ وہ بچے کی تعلیم کیواسطے کافی اور کمالات حاصل کرنے کے اسباب پیدا کر دینے میں اچھے ہیں۔ لیکن اصلی تربیت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ معلّم اور اتالیق کچھ زیادہ اثر نہیں کر سکتے۔ اگر تم مجھ سے پوچھو کہ ہمارے لڑکے کو کونسی شے تربیت اچھی کر سکتی ہے تو میں لاکھوں میں یہی کہوں گی کہ تمہاری نظیر تمہاری گفتگو تمہارا باہمی برتاؤ خواہ ملاپ داروں کے ساتھ ہو خواہ رشتہ داروں سے۔ یعنی جو کچھ وہ تم کو اَوروں اور اپنی ذات کے ساتھ کرتے دیکھے گا اُسی کو گرہ باندھے گا۔ تمہاری پسندیدہ چیزوں کو خوشی کے ساتھ پسند اور تمہاری ناپسند باتوں کو کراہت کے ساتھ ناپسند کریگا۔ پس یہی اُسکی اصلی تربیت ہوگئی۔ تمہیں جیسا اپنے بیٹے کو بنانا منظور ہے پہلے آپ خود ویسی ہی بنجاؤ پھر مقدور نہیں کہ وہ اور ڈھنگوں پر اُٹھے۔ ان باتوں سے زیادہ اور باتیں تربیت نہیں دے سکتی ہیں۔ جس زُمرہ (سوسائٹی) میں تم رہتی ہو وہ زُمرہ تمہارے نوکر چاکر اور سب سے زیادہ تمہارا رُتبہ اور درجہ اُسے تربیت دیگا۔ تمہارا گھر۔ فرش و فروش۔ اُسکی آراستگی۔ گھر کا چمن۔ سواری کے گھوڑے۔ ہوا کھانے کی گاڑیاں۔ ممکن نہیں کہ تمہارے بچوں پر اپنا اثر ہونے دیں۔ تاوقتیکہ تم ان چیزوں کو اپنے پاس سے علیحدہ نہ کر دو یہ برابر بن سکھائے سمجھائے اپنا اثر کیئے جائینگی۔

میری بہن! تم اپنے بیٹے کی تربیت شروع کرنے کی غرض سے مجھ سے صلاح لیتی ہو مگر حقیقت میں دیکھو تو جب سے تمہارا بیٹا ذرا خیال کرنے کے قابل ہوا جب ہی سے بُری یا بھلی اُسکی تربیت شروع ہو گئی یعنی جو باتیں وہ اَوروں سے سنتا ہی اور جو کام دوسروں کے دیکھتا ہی اُسکا اثر جسے مخفی تربیت کہنا چاہئے اسپر برابر پڑ رہا ہی۔ یہ اثر غیر محسوس پسینے کی طرح عادت کے بگاڑنے سوارنے میں ظاہری تعلیم کی بہ نسبت بہت بڑا دخل رکھتا ہی۔ غرض اُسکی تعلیم و تربیت تو ہر لحظہ ہو رہی ہی جس کی رفتار زمانہ کی رفتار سے مشابہ اور جس کا عمل آب و ہوا کے عمل سے مناسبت رکھتا ہی۔ اسے نہ تم روک سکتی ہو نہ بدل سکتی ہو۔ جو باتیں چاروں طرف سے رہنمائی کر رہی ہیں اُنھیں کی پیروی تمہارا لڑکا کریگا۔ اُصول اور ہدایتیں جب ہی تک کام دیتی ہیں کہ جبتک اُن پر عمل کیا جائے۔ ہاں ان سے گفتگو کرنے کا سلیقہ تو آتا ہی مگر اور کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ البتہ جن چیزوں۔ جن لوگوں میں آپ کا لڑکا رہتا ہی اُن کا اثر آپ کی نظیر سے بھی قوی ہی تم اسے کسی طرح اپنے موافق نہیں بنا سکتیں جب تک کہ اُسے اُنھیں ڈھنگوں میں نہ رکھو جن میں تم رہی ہو۔ یعنی تم نے جو ابتدائی عمر سے اپنے ماں باپ سے محبت کفایت شعاری وغیرہ کی عمدہ عادتیں سیکھی ہیں اب اپنے بیٹے کو آرام طلبی فضول خرچی کے ساتھ ناز میں رکھکر اپنے برابر محنتی۔ زحمت کش۔ باحیا۔ باغیرت۔ چست و چالاک۔ سادہ دل۔ سادہ مزاج اور وسیع خیالات بنانے کی اُمید نہ رکھو کیونکہ تم نے اپنے لڑکے کو ایک اَور ہی قسم کے اُستاد کے حوالے کیا ہی۔ پس اس صورت میں ایک ہی نتیجہ کیونکر پیدا ہو سکتا ہی۔ اسکے علاوہ اُسکا تمہاری حالت موجودہ کے موافق ہو جانا بھی غیر ممکن ہی کیونکہ تمہاری کفایت شعاری کی عادت اب کم ہو گئی مگر پہلے سے جو عادت پڑی ہوئی ہی وہ بالکل رفع نہیں ہو سکتی۔ جس کی وجہ سے تم اب تک سادہ خوراک۔ علی الصباح اُٹھنا۔ قدیمی ملاپ داروں سے ملنا پسند کرتی اور اپنی شان کے خلاف نہیں جانتی ہو۔ لیکن آپ کا بیٹا یہ باتیں پسند نہیں کر سکتا کیونکہ وہ ناز و نعمت میں پلا ہی اُسکے خیالات اور برتاؤ حالت موجودہ کے موافق امیرانہ ہوں گے

اور ایسے ہی ٹھاٹ کو پسند کریگا۔ غالباً تم اس کا جواب یہ دوگی کہ میں اُسکی طبیعت کو اس طرف
آنے ہی نہ دوں گی بلکہ زحمت کشی اور سادگی کی طرف رغبت دلاتی رہوں گی۔ تمہیں یقین ہے
کہ جن باتوں کی میں قدر و منزلت کرتی اور اُن کو مفید سمجھتی ہوں میرا بیٹا بھی اُنھیں ترک کرکے اور
عادتیں نہیں اختیار کرنے کا۔ گو مجھے بھی اُمید ہے کہ تم اُسے مختی۔ زحمت کش بنانے میں خوبی
کوشش کروگی جس کا برتاؤ اس طرح پر ہوگا کہ اُسے اچھے اچھے کپڑے پہنا کر چار چار پانچ پانچ
نوکروں کی حفاظت میں جب گرمی ہوگی تو ٹھنڈے وقت اور جاڑا ہوگا تو گرمائے ہوئے دن
میں اپنے صحن کے پکے چبوترے یا چمن کی روش پر خوب دوڑاؤگی یا لڑکڑاتے جاڑے میں
دودھ پیتے بچے کو گرم گرم بچھونوں سے نکال کر ٹھنڈے ٹھنڈے پانی میں نہلاؤگی اور اسی
حکمت کے موافق ایک بہت بڑی بات خیال کروگی اور بیشک تمہارے نزدیک یہ بہت بڑی
اور مفید بات ہوگی۔ کیونکہ تم اس سے بڑھکر اور کچھ نہیں کرسکتیں انہیں باتوں سے اُسکو گرم و سرد کا
عادی بنا سکتی ہو لیکن میں اب جو کچھ اُسکے باپ یعنی تمہارے خاوند کی طرف مخاطب ہو کر کہتی ہوں
اُس سے اس بات کا جواب نکال لو۔

بھائی! تم اپنے بچپن کی حالت کو دیکھو کہ برابر دوپہر کی گرمی۔ سنسان جنگلوں۔ گندے
جوہڑوں میں کیسا ہی خراب موسم کیوں نہو کس طرح ننگے پاؤں۔ ننگے سر بے تکلف دوڑی دوڑے
پھرا کرتے تھے اور کوئی تمہیں نہیں روکتا تھا۔ بارہا ایسا ہوا کہ رات ہوگئی تم اکیلے سنسان جنگل
اندھیری رات میں رستہ بھول گئے کبھی خار دار جھاڑیوں۔ کبھی درختوں پر چڑھکر جہاں جان کا بھی
خوف اور ہاتھ پاؤں میں ضرب آجانے کا اندیشہ تھا رات بسر کی۔ کسی کو تمہاری جان کی پرواہ
نہوئی۔ اور تو اور تمہارے ماں باپ کو بھی بھاری ٹبر کے سبب تم سے محبت اور اُلفت کرنے
یا تمہاری کسی بات کی فکر رکھنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ اگر تم اس امارت کی حالت میں چاہو کہ ہم بھی
اپنے والدین کی طرح اپنی اولاد کو آوارہ و سرگردان چھوڑ دیں اور اُن کی کچھ پروا یا خبرگیری
نہ کریں سو اوّل تو تم سے یہ ہونا محال اور اگر بالفرض کر دگے تو تمہیں کسیطرح یہ بات زیبا نہیں۔

اب مشکل یہ ہے کہ اس حالت میں جو تم تربیت کے متعلق اپنے بچوں سے تھوڑی مشق
لوگے تو اس میں اور اصلی تربیت میں بڑا فرق ہوگا اور یہ اصلی تربیت کی ایک نقل ہوگی پس اس
سبب سے اس کی عادتوں میں بہت سے نقص رہجائیں گے جس سے اُسکے بگڑ جانیکا
اندیشہ رہے گا۔ دیکھو احسن جو ایک امیرزادہ نوعمر بچہ تھا اُسکا اتالیق ملا احمد کیسا دانا لائق
اور تجربہ کار آدمی تھا مگر پھر بھی امارت کے سبب اُسکی عادات میں بہت سے نقص رہ گئے۔
اب میں اپنی سہیلی کی طرف پھر متوجہ ہوتی ہوں۔ بُوا! چونکہ تم سادہ خوراک کے فائدوں
سے بخوبی آگاہ اور واقف ہو اسلئے ایسی ہی تدبیر کروگی کہ جس سے تمہاری اولاد کو بھی سادی
سادی خوراک کھانے کی عادت پڑے اور اُسکی طبیعت میں نزاکت نہ پیدا ہو۔ لیکن وہ کھانا
جسے تمہاری ماما سیدھا سادا سمجھکر پکائیگی درحقیقت نہایت پرتکلف اور لذیذ ہوگا اور جو کچھ
بچہ کے واسطے ترترکاری آئیگی وہ بھی اسی قسم کی ہوگی۔ تمہارے گھر کا مالی اپنے باغ میں سے
جب ڈالی لگاکر لائیگا اور بچہ کو دیگا تو اُسکا بھی ایک ایک پھل چوٹی کا بلکہ ڈال کا ٹوٹا ہوگا۔ بچہ کا
لباس۔ اُس کی پوشاک۔ اُسکی بیٹھک کی آرائش۔ اُسکے کمرہ کا فرش اور سارا سامانِ
آسائش امیروں کا سا ہوگا اور وہ نوکر چاکر جو آٹھ پہر اُس کی خدمت میں رہیں گے وہ بھی صاف
ستھرے۔ خوش وضع۔ خوش لباس۔ کسیقدر بانکے ترچھے ضرور ہوں گے گو تم اسے
اپنی سادہ دلی سے سادگی اور بے تکلفی خیال کرو لیکن میرے نزدیک وہ بڑا ہی دماغدار اور
تکلف پسند ہو جائے گا۔ یہ صرف وہ سادگی ہے جو تم سارے امیروں کو میسّر ہے اور یہ اُس کی
طبیعت کو یقیناً ایسا بنادیگی کہ اُسے غریبوں کی خوراک۔ اُن کا لباس۔ اُن کی پوشاک ہرگز پسند
اور مرغوب طبع نہوگی بلکہ اُلٹی کراہیت اور نفرت پیدا کریگی۔ اسکے علاوہ بچہ وقتاً فوقتاً تمہارے
دسترخوان پر جہاں انواع واقسام کے لذیذ کھانے چنے جائیں گے کھانے پینے میں
شریک ہوگا اور کبھی کبھی تم خود بھی اُسے بلاکر بٹھالیا کروگی۔ اگر ایک دفعہ اُس کی پسلی پھڑکی
تو دوسری دفعہ تمہارے حلق میں اُسکے بغیر نوالہ اٹکا اور جو اُسے نہ بلاؤگی تو ماں کی ممتا کے

خلاف اور مہر فرزندی کے برعکس ہوگا۔ تمہارے نوکر چاکر بھی اگر نیک سیرت اور نمک حلال
ہو نگے تو وہ بھی ایسی ہی محبت سے کھلائیں پلائیں گے۔ اب بتاؤ تم یہ خیال کرسکتی ہو کہ دنیا
جہاں کی لذتوں اور انواع ذائقوں کا دریا اُسکے لبوں میں بہے اور پھر وہ اُنکے مزے سے ناواقف
رہے۔ یہ کیسا بیہودہ خیال ہی۔ اس بیان سے میری یہ غرض نہیں کہ دولت یا اسکی لذتوں کو
بُرا ٹھہراؤں کیونکہ دولت کی لذتیں فی الحقیقت وہ لذتیں ہیں جن سے انسان کی طبیعت اور
عادت میں ایک عمدہ نزاکت اور لطافت پیدا ہوجاتی ہی۔ ہاں یہ ضرور کہتی ہوں کہ اولاد کو جہانتک
بنے بے سود تکلفوں اور غیر مفید خیالات و اُمیدوں سے بچانا بلکہ روکنا چاہیے۔ تم سحر دم
اُٹھنے کے فائدوں کو خوب سمجھتی ہو پس چاہو تو یہ قاعدہ مقرر کرسکتی ہو کہ جسوقت تمہارے
ہاں مہمان یا دوست احباب آنے کو ہوں تم بچوں سے کہدو کہ ان کی نیند ویران نہو۔ بیٹی اپنی
اُستانی کے ساتھ بیٹا اپنے اتالیق کے ہمراہ اپنے اپنے پلنگ پر چُپ چاپ تنہائی میں جاکر سوئیں
لیکن اول تو گاڑیوں کی گڑگڑاہٹ لال ٹینوں کی چمک سے اُن کو غریب دیہاتیوں کی مانند کہ
جس طرح وہ اپنے پُرامن جھونپڑوں میں اندھیرا کرکے چین سے پاؤں پسار سورہتے ہیں نیند نہیں
آسکتی۔ دوسرے جب تربیت میں ڈھیل ہوئی تو تھوڑے ہی دنوں میں ان کی طبیعت میں بھی اور
امیر خاندانوں کی طرح جنھوں نے اپنی اوقات کو اپنے رفیقوں کی فرحت اور ان کی حالت زندگی
کے موافق بنا رکھا ہی۔ آرام طلبی و بے فائدہ اوقات گزاری پڑجائیگی۔ علی الصباح اُٹھانے کی تدبیر
جہانتک تم نے کی بہت خوب ہی اور اُس سے کبھی نہ کبھی کچھ فائدہ بھی ہو رہتا ہی۔
یعنی اگر ہم بعض مُضر اور نقصان دہ اُمور روک نہیں سکتے تو انھیں ٹال [illegible] سکتے ہیں [illegible]
اولاد کو کسی بات سے صاف روک دینے یا بیدھڑک منع کر دینے سے تربیت میں نقصان
ہی اور کسی امر سے نہیں پہنچتا۔ اس امر کی تصدیق کے واسطے اتنا خیال کرلینا کافی ہی کہ ہم
بچوں کے سچ بولنے اور اس کی عادت ڈالنے کے واسطے بہتیری کوشش کرتے ہیں [illegible]
کیا وجہ ہی کہ اور سب باتوں میں تو کامیاب ہوجاتے ہیں مگر اس میں ہم اپنی مراد کو نہیں پہنچتے

ہوئے سُن لیا کرتے ہیں۔ جسقدر ان کا اثر اُنکے دلوں پر ہوتا ہی اُن باتوں کا جو نصیحتاً سمجھائی
جاتی ہیں نہیں ہوتا۔ اس کی نظیر تم اُن معمولی باتوں سے خیال کر سکتی ہو جو واعظ یا مولوی صاحب
وغیرہ کبھی کبھی وعظ و درس کے موقع پر تم لوگوں کو نصیحت کرتے اور خوب سمجھایا کرتے ہیں مگر
تم ان واعظوں کی نصیحتوں کو ایک معمولی رسمی باتوں سے کچھ زیادہ نہیں سمجھتیں۔ ایسا ہی تمہاری زبانی
نصیحتیں بچوں کے دلوں پر اپنا اثر کرتی ہیں۔ ہاں اگر تم ہمہ تن نصیحت بن جاؤ تو ممکن نہیں کہ تمہارے
بچے تمہارے قول و فعل اور آٹھ پہر کے برتاؤ کو دیکھکر خود ہی تمہارا نمونہ نہیں +

بچوں میں خداوند تعالیٰ نے ایک ایسی سمجھ عطا فرمائی ہی کہ جسکے ذریعہ سے وہ اُن اصولوں کو
جنھیں تم اُنکے برتاؤ کے واسطے ظاہر کرتی اور خود بھی اُن پر عامل ہوتی ہو بخوبی سمجھتے اور تمیز
کر سکتے ہیں۔ تم کیسی ہی ہوشیاری اور چالاکی کیوں نہ کرو مگر ہمیشہ اپنی نسبت بچوں کو ہوشیار
اور بیدار پاؤگی۔ وہ تمہاری تیوری سے ہر امر کو تاڑکر خود بخود سنبھل جاتے اور تمہارے مزاج کے
موافق باتیں کرنے لگتے ہیں۔ بچے خوب جانتے ہیں کہ اس شخص کو ہمارے ماں باپ محبت
کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اُسکو حقارت کی نظر سے۔ اس شخص کے واسطے وہ کھانے کی بڑی
بڑی تیاریاں کرتے۔ دسترخوان پر عمدہ عمدہ کھانے اچھے اچھے برتنوں میں چنتے اور تکلف
سے رکھتے ہیں۔ فلاں شخص کی ملاقات اور اُس سے ملنے جُلنے میں اپنا فخر اور توقیر سمجھتے ہیں اور
فلاں اشخاص کو اپنی مجلس میں بلاکر اُسکو عزت بخشتے ہیں۔ ایک جگہ حکیم یوجنیو نامی اپنی تصانیف
میں اپنے پیارے بیٹے کو نصیحت کرتا ہی کہ دیکھو بیٹا نیکی کرنے کو سب باتوں سے بہتر جانو ا
صرف نیکی اور لیاقت ہی عزت و حرمت کا باعث ہیں۔ اس بات پر اُسکا بیٹا پوچھتا ہی کہ ابّا
اسکی کیا وجہ ہی! کہ آپ بعض آدمیوں سے تو نہایت تپاک اور گرمجوشی سے لب فرش جاکر ملتے۔
اُنھیں استقبال کر کے لاتے اور صدر میں بٹھاتے ہیں اور بعضوں کی بات بھی نہیں پوچھتے
حالانکہ وہ نہایت شوق اور محبت سے ملنے آتے ہیں۔ باپ جواب دیتا ہی کہ "بیٹا ہر شخص کی
عزت اور تواضع اُسکی لیاقت اور مرتبے کے موافق ہوا کرتی ہی" اگرچہ یہ بات سمجھنی کسیقدر

مشکل ہی مگر ذرا دل لگاکر سمجھائیں تو بخوبی سمجھ میں آسکتی ہی۔ بچہ دیکھتا ہی کہ آج ہمارے گھر میں بڑی سرگرمی اور پھرتی سے کام کاج ہو رہے ہیں۔ طرح طرح کی تیاریاں عمل میں آ رہی ہیں۔ معمولی کام یونہی پڑے ہیں کوئی بھی ہاتھ نہیں لگاتا۔ ہر ایک شخص کسی نہ کسی کام میں لگا ہوا ہی۔ غیر معمولی آرائشیں اور صفائیاں کیجاتی ہیں۔ بچے کی کوئی بات بھی نہیں پوچھتا۔ کہ بیٹا تم اسی گھر میں رہتے ہو یا کہیں اَور نہ اسکی بات کا جواب ہی ملتا ہی۔ سبق بند پڑے ہیں اور اُسکا وقت یوں ہی ضائع ہو رہا ہی۔ اخیر کو ایک مہمان صاحب تشریف لاتے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ ہمارے شہر کے نواب صاحب اور ڈپٹی کلکٹر ہیں جسکی نسبت لڑکا بارہا سُن چکا ہی کہ وہ نہایت بدچلن اور بد اطوار آدمی ہیں۔ یہ آپ کے بیٹے نے تربیت کا ایک سبق پایا۔ پھر کل کو خواہ وہ اپنے اخلاق اور چلن کو درست ہی کیوں نہ کریں مگر تم بچے کے دل سے اس بات کو ہرگز نہیں بھلا سکتی ہو:

بیٹا او ہو جی آج ہمارے ہاں مہمان آئیں گے اماں ہم بھی لال لال جھم جھاتے کپڑے پہنیں گے۔

ماں بیٹا کچھ ضرور نہیں وہ تو بیچاری نیک بخت ہماری پُرانی اور غریب طلبدار ہیں۔ تمہارے بیٹے نے یہ دوسرا تربیت کا سبق پڑھا جسے وہ خوب سمجھتا ہی اور ہمیشہ یاد رکھے گا۔ اب تم اپنے بیٹے کو مدرسے نہ بھیجا اور اس خیال سے کہ وہاں اکثر شریر اور واہی لڑکے بھی ہوتے ہیں ہمارے بیٹے کے اخلاق نہ بگڑیں۔ ایک متقی۔ پرہیزگار۔ متدین اتالیق بھی بطور خود مقرر کر دیا۔ یہ اتالیق کیا کریگا صرف اُسکے ظاہری کاموں کی نگرانی رکھے گا۔ مگر تم جانتی ہو کہ دل پر بچے کا اپنا ہی اختیار ہی۔ اُس میں نہ اتالیق بیٹھ سکتا ہی نہ اُستاد اور نہ ماں باپ اُس میں دخل دے سکتے ہیں۔ کتب میں بچے کے دل پر اثر کرنے والی یہ باتیں ہیں۔ ہم مکتبوں کی صحبت۔ بچے کا جیب خرچ۔ ہمعصروں کی عادت۔ اُس مکان کی تراش خراش۔ مگر اُستاد کے وہ پند آمیز مضمون اور مفید مطلب تقریر جسے یہ مجبوراً سنتا ہی کچھ بھی اثر نہیں کرنے کی۔ اگر یہی باتیں جو میں نے اوپر بیان کیں اُن باتوں کے برخلاف ہیں جو تم برگزیں یا تم نے دیکھی اور جھیلی ہیں

تو پھر اگر تمہارا بیٹا اُصول مذہب شائستگی اور تہذیب میں تمہارے خلاف نکلے تو کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کی نظیریں تاریخوں۔ تذکروں۔ اور لوگوں کی سرگزشتوں میں بخوبی موجود ہیں +

اس بات پر سب کا اتفاق ہی کہ تربیت ایک ایسی بیش بہا دولت ہی جو زرِ خطیر اُٹھانے اور بخوبی روپیہ بکھیرنے سے حاصل ہوتی ہی اور جسقدر رسبق پر صرف ہوتا ہی وہ تربیت کی رقم سے کچھ تناسب نہیں رکھتا۔ اگر تمہیں اپنے بیٹے کی تربیت کے واسطے پوری پوری سعی منظور ہی تو مناسب ہی کہ تم۔ تمہارے رفیق۔ تمہارے ملازم۔ تمہارے جلیس سب کے سب اُسی قسم کے ہو جائیں جیسا تمہیں اپنے لڑکے کو بنانا مدِ نظر ہی۔ اگر تم سے یہ کام بن پڑا تو یہ سمجھو کہ جگ جیتا اور بہت ہی بڑا کام کیا۔ مگر پھر بھی بعض اُمور ایسے ہیں کہ تم اُنہیں کسی طرح نہیں بدل سکتی ہو اور وہ اُسپر برابر اپنا اثر کیئے جاتے ہیں۔ مثلاً تم چاہو گی کہ تمہارا بیٹا سادگی پسند کرے مگر تم سے یہ نہیں ہونے کا کہ تم اپنے نواڑی پلنگ۔ مسہریاں اور پر تکلف فرش و فروش وغیرہ سامان آسایش کو درہم برہم کر دو اپنے معزز لقب کو بدل ڈالو
کہاں ہیں ایسے ماں باپ جو اپنی اولاد کی تربیت کے واسطے اپنے کو خاک میں ملا دیتے اور ایسا کر دکھاتے ہیں۔ گو تم اُسے کاریگروں کے نامی کارخانوں میں ساتھ لے جاکر مختلف کلیں۔ عجیب عجیب پُرزے دکھاؤ تاکہ اُنکے دیکھنے اور حقیقت سمجھنے سے اُسکی ذہانت اور سمجھ کو ترقی ہو مگر جیسا اپنی روزی حاصل کرنے کی فکر قرار واقعی اُسکی طبیعت اور ذہانت بڑھائے گی اس طرح یہ باتیں کبھی حاصل ہوئی ہیں نہ ہوں گی کیونکہ کسی بات کے خود حاصل کرنے کی حالت تمہاری زبانی نصیحت سے زیادہ کارگر اور اس روز روز کے سمجھانے سے زیادہ پُراثر ہوگی۔ یا خاص تمہاری نظیر ایک ایسی چیز ہوگی جو ان سب سے بڑھکر اپنا سکّہ بٹھائیگی۔ تم چاہتی ہو کہ ہمارا بیٹا صاحب غیرت۔ صاحب شرم۔ باحیا۔ سلیم الطبع حلیم المزاج ہو۔ تم خود بھی یہ باتیں کر کے دکھاتی ہو اور اس انکسار۔ فروتنی وغیرہ کا

سبق پڑھانے کیواسطے ایک اُستاد بھی نوکر رکھ چھوڑا ہی مگر تمہیں اس بات کی ذرا خبر نہیں کہ ایک پڑھے لکھے مہذب آدمی کو بعض اسکے فائدے کیواسطے ہروقت بچے کی خدمت میں حاضر رکھنا یہ بھی ایک قسم کا اُن تمام سبقوں کے برخلاف جو ایسے خیال روکنے کیواسطے اُسے ہروقت دئے جاتے ہیں غرور پیدا کرتا اور بغرِ چلاتا ہی ٭

باقی آیندہ (شائستہ خاتون) از دہلی

دولت و افلاس

عجیب و غریب خواب

گزشتہ فروری اور مارچ کے جوڑواں نمبر کے بعد سے ابتک جناب لے ڈبلیو بیگم صاحبہ کا کوئی مضمون خاتون کے لئے وصول نہیں ہوا تھا انتظار گزر کر آخر تعجب شروع ہوگیا تھا کہ کیا وجہ ہی۔ اب معلوم ہوا کہ معزز مضمون نگار ہرگز خاتون فراموش نہیں بلکہ سوتے اور جاگتے اپنے رسالہ کا خیال رکھتی ہیں اور اُسکے لئے پُر معنی خواب دیکھ رہی تھیں جسے بیدار ہوتے ہی فوراً لکھ لیا۔ پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ دیر آید درست آید کی مثل اسپر ٹھیک ہی۔ امید ہی کہ اور کم کم خاتونیں بھی ایسا ہی کوئی کمخواب کا تھان تیار کر رہی ہونگی رسالہ خاتون کی طرف سے شکرگزاری کے ساتھ اسکو درج کیا جاتا ہی۔

اڈیٹر

دیکھتی کیا ہوں کہ ایک بڑی عالیشان عمارت ہی سب نئی بنی ہوئی ہی بعض حصے ابھی تک نامکمل ہیں مدد لگی ہوئی ہی راج مزدور کام کر رہے ہیں۔ چلتے چلتے میں اُس عمارت کے اندر پہنچ گئی۔ درمیان کے بڑے کمرے میں جو نہایت آراستہ ہی ایک بیوی گاؤ تکیے کے سہارے سے بیٹھی ہیں ان بیوی کا چہرہ اس قدر نورانی ہی کہ کمرہ کا وہ حصہ بھی جہاں روشنی سورج کی کم پہنچتی ہی اُن کے نور سے روشن ہو رہا ہی کچھ لونڈیاں باندیاں بھی خدمت میں حاضر ہیں بعض اُن میں سے

خوبصورت بھی ہیں اور عمدہ لباس پہنے ہوئے ہیں۔ بعض بدصورت اور خستہ حال ہیں۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ صاحب خانہ بھی باہر دیوانخانے میں موجود ہیں۔

جو بیوی تکیے کے سہارے بیٹھی تھیں اُن سے میں نے دریافت کیا کہ آپ کا اسم مبارک؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ مجکو دولت کہتے ہیں میں نے پوچھا کہ یہ آپ کی لونڈیاں باندیاں ہوں گی جو یہاں کھڑی ہیں؟ لیکن اسکا کیا سبب ہے کہ بعض تو ان میں سے اسقدر اچھی حالت میں ہیں اور بعض اس درجہ بدہیئت اور مصیبت زدہ معلوم ہوتی ہیں؟ بی دولت نے جواب دیا کہ یہ جو خوبصورت اور اچھا لباس پہنے ہوئے ہیں اور جنکے دیکھنے سے طبیعت خوش ہوتی ہے انکا نام خیرات، کفایت شعاری اور نیک چلنی ہے اور یہ جو خستہ حال اور بُری صورت کی ہیں ان کا نام کاہلی، اور فضول خرچی اور بدچلنی ہے یہ چھیوں میری لونڈیاں ہیں اور ہمیشہ میرے ساتھ رہتی ہیں اور اپنی اپنی باری سے سب میری خدمت بجالاتی ہیں۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ یکایک ایک آدمی دروازے کے سامنے سے اندر کی طرف آتا ہوا نظر آیا میں نے چونک کر کہا کہ کہیں یہ مرد گھر میں نہ گھس آئے! بی دولت نے جواب دیا کہ دُرست یہ صرف صورت کا مرد ہے درحقیقت نہ یہ مرد ہے نہ عورت، اسکا نام تم نہیں جانتیں؟ فقیر کی صورت سوال ہے اسکو میاں افلاس کہتے ہیں،، یہ سُنکر میں مطمئن ہوگئی اور میاں افلاس بھی کمرے میں آکر ایک طرف کو، زمین پر بیٹھ گئے۔ چہرے سے پسینے کی طرح ٹپکتا تھا کہ کوئی بہت سخت محنت کا کام کرکے آیا ہے کپڑے سب پھٹے اور میلے کچیلے پہنے ہوئے تھا ہاتھوں میں چھالے پڑے ہوئے تھے ننگے سر اور ننگے پاؤں آنکھیں لال اور چہرہ پر دہشت برس رہی تھی۔

دولت تم کیوں آئے! تمہارا یہاں کیا کام ہے!! تم نہیں جانتے کہ جب تک میں یہاں بیٹھی ہوں تمہاری منحوس صورت کوئی نہیں دیکھنا چاہتا!!!

تم ذلیل اور خوار ہو، ہر شخص تم سے نفرت کرتا ہے تم کو یہ جرأت کیونکر ہوئی کہ تم بلا پوچھے اس گھر میں گھس آئے؟

افلاس (دبی آواز سے) بی دولت کل کی بات ہی کہ آپ یہاں تشریف لائی ہیں اور ہمارا سب
کارخانہ درہم برہم کر دیا وہ ہماری پھوس کی جھوپڑی، وہ ٹوٹی کھٹیا، وہ گدڑروں کا ڈھیر
نہ معلوم کہاں غائب کر دئے اب تو آپ وہ میاں جو باہر بیٹھے ہیں اور جنکا ہمارا بچپن
سے ساتھ رہا وہ بھی تو رخ نہیں ملاتے اور دور سے ہی دھتکارتے ہیں۔
دولت وہ تم سے کیوں رخ ملانے لگے تھے اور تمہاری منحوس صورت کے کیوں روادار
ہونے لگے تھے خدا تمہارے سائے سے دشمن کو بھی بچائے سوا مصیبت اور بربادی
کے تم میں رکھا ہی کیا ہے؟ رحم کے قابل ہی اُن کی حالت جن سے تمہاری روشناسی ہی
اور جو تم سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔
اتنے میں باہر کسی نے زور سے دروازے پر دستک دی اور پکارا کہ اجی میاں صاحب ذرا باہر تو
تشریف لائیے،، لونڈیوں میں سے ایک نے جواب دیا کہ میاں باہر کے ہی مکان میں ہیں،،
میں نے بی دولت سے پوچھا کہ یہ کس کی آواز ہی۔ بی دولت نے جواب دیا کہ یہاں کا ساہوکار ہی
میاں سے اپنے قرض کے تقاضے کے لئے روز آتا ہی۔
افلاس بی دولت میں بُرا اور بدنام تو ہوں ہی۔ جو کچھ تم کہو ٹھیک ہی لیکن یہ تو بتلاؤ کہ یہ کتنے دن
کی بہار ہی جسکے مزے لوٹے جا رہے ہیں اور تم میاں کے گھر میں اس طرح مالک و مختار
بنی بیٹھی ہو۔ لالہ مہاجن تو ابھی سے لگ گئے ہیں اب کوئی دن میں تمہارا یہاں سے
کوچ معلوم ہوتا ہی پھر وہی ہم وُہی ہمارے پُرانے دوست تمہارے میاں، وُہی
ٹوٹی جھوپڑی اور کھاٹ کا جھلنگا، چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات۔ وُہی سماں پھر
آنے والا ہی، مجھے تو تم کہتی ہو لیکن اپنی تو خبر لو بیوی کو چار دن بھی ٹھہرنا ایک جگہ نصیب
تو ہوتا نہیں اور اسپر یہ کچھ طورے ہیں کہ ہم سا کوئی دنیا میں ہی نہیں، بی تم میں رکھا ہی کیا ہی
جہاں تمہارے سبز قدم آتے ہیں وہاں اچھے بھلے آدمیوں کو جاہل، کاہل، ناعاقبت
اندیش اور نکما بنا کر چھوڑتے ہیں۔ جب تک تمہارا پہرہ رہتا ہی تمام دنیا کی بُرائیاں سمٹ کر

گھر میں بھر دیتی ہو نیکوں کو گنہگار، پرہیزگاروں کو خراب حال، ہوشیاروں کو مدہوش
بناکر اپنا راستہ پکڑتی ہو۔ تمہارے جانیکے بعد وہ بیچارے نہ دین کے رہتے ہیں
نہ دنیا کے، تمہارے آنے سے پہلے جو کچھ میرا اچھا اثر اُن پر ہوتا ہے وہ بھی زائل
ہو جاتا ہے۔ جبتک تم نہیں غریب اپنی محنت مزدوری کرکے، اپنا اور اپنے کنبے کا
پیٹ پالتے ہیں اُن کی طبیعتوں میں حلم اور بُردباری ہوتی ہے، کام کو عار نہیں سمجھتے،
بُرائیوں سے دور بھاگتے ہیں، نہ کسی کا دینا، نہ کسی کا تقاضا، جو کمانا، وُہی اُٹھانا،
اپنی نیند سوتے اور اپنی نیند جاگتے ہیں۔ لیکن خدا کی مار تم پر کہ جہاں چند روز کو تم
رگئیں اُسکے بعد جو آکر دیکھتا ہوں تو بجائے محنت مزدوری کے بھیک مانگنے پر
کمربستہ ہیں، بجائے حلم و بُردباری کے غرور دماغ میں سمایا ہوا ہے، اور بجائے کنبہ پروری
کے بھنگ اور چنڈو کا خبط سوار ہے، میں جو کچھ بدنام ہوں وہ اے دولت صرف
تیری وجہ سے ہوں جنکو تو بگاڑ کر چلی جاتی ہے اُن پر میری ہمت مردانہ کا منتر نہیں چلتا
اُنکے ساتھ مجکو رہنا تو پڑتا ہے مگر نہایت ذلت کی حالت میں، جبتک تو نہیں آتی ہے
اُسوقت تک طبیعتوں پر میرا پورا اثر ہوتا ہے میری مدد سے لوگ کوشش کرکے تجکو
حاصل کرتے ہیں اور تیری مدد سے سوائے ذلت اور گنہگاری کے کیا پاتے ہیں؟

دولت ۔ ارے کمبخت تیری بکواس کی کوئی حد بھی ہے بڑبڑائے جاتا ہے زبان سنبھال کر بول۔
ٹکے کی تو تیری اوقات ہے اور دعویٰ کرتا ہے برابری کا۔ تونے خود تو لوگوں کو ستا
رکھا ہے اور تیری ہی نحوست ہے کہ کروڑوں آدمیوں کو نہ پیٹ کو روٹی ہے نہ تن کو کپڑا
جڑتا ہے اگر ایک دن کو بھی میں اپنا قدم دنیا سے اُٹھالوں تو تیرے راج میں سوائے
پھوس کی جھونپڑیوں اور گوڈروں کے کچھ نظر ہی نہ آئے۔ یہ میری ہی برکت ہے کہ
تمام کارخانے عمارتیں اور دنیا کی خوبصورتی نظر آتی ہے۔ میرے ہی قدموں کی برکت
ہے کہ اتنے بھی لوگ آسائش اور آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں میں نہ کسی کو کاہل

بناتی ہوں نہ گنہگار کرتی ہوں اپنی اپنی عقل کے مطابق جو جس طور پر چاہتا ہے مجکو استعمال کرتا ہے۔ نیکی اور خوش چلنی بھی میری خدمت میں حاضر ہے اور برائی اور بدچلنی بھی۔ اگر کوئی عقل کا اندھا گانٹھ کا پورا، نیکی اور خوش چلنی چھوڑ کر برائی سمیٹنی شروع کردے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ جہاں تیرا گزر ہوتا ہے وہاں لوگوں کو اپنے پیٹ کو توڑ جُڑتا ہی نہیں دوسروں کی مدد وہ کیا کر سکتے ہیں۔ تو دیکھ کہ میری بدولت لوگ خیرات کرتے ہیں، حج کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں، مسجدیں مدرسے اور تالاب اور کنوئیں بنواتے ہیں مصیبت زدوں کو مصیبت سے چھڑاتے ہیں۔ اپاہجوں کی پرورش کرتے ہیں۔ اب تو ہی کہہ کہ کمبخت تو اچھا یا میں اچھی؟

طول کلام کی نوبت یہیں تک پہونچنے پائی تھی کہ دُور سے ایک سفید ریش، مقدس صورت بڈھے میاں عصا ٹیکتے ہوئے آتے دکھائی دئے اُنکے پیچھے پیچھے کچھ بہت سے لوگ ننگے سر دھوتی باندھے ہوئے "بندے ماترم" "بندے ماترم" کے نعرے لگاتے چلے آتے تھے۔ کسی نے کہا کہ یہ بنگالی ہیں اور حُبِّ وطن کے نعرے مار رہے ہیں۔ ان کی دوسری طرف کچھ لوگ اور چلے آ رہے تھے ان کو میں نے ترکی ٹوپی اور عماموں سے پہچان لیا کہ یہ مسلمان ہیں شکایت کرتے چلے آتے تھے کوئی کہتا تھا کہ بڈھے تو نے ہمکو مفلس کر دیا"، کوئی کہتا تھا تو نے ہم کو جاہل بنا دیا"، ایک فرنگی بھی دکھائی دیا اُسکی کمر سے کرچ بندھی ہوئی تھی بڑے میاں کی جھولی اور جیبوں میں سے کچھ نکال نکال کر اپنے کوٹ پتلون کی جیبوں میں بھرتا جاتا تھا۔ بڈھا کچھ انکار کرتا تھا تو ڈگ دکھاتا تھا۔ بچارا بڈھا ڈر کر سہم کے مارے چپکا ہو جاتا تھا۔ ہوتے ہوتے سب کو پیچھے چھوڑ بڈھا سیدھا گھر میں چلا آیا میں اُٹھکر دوسرے کمرے کی طرف جانے ہی کو تھی کہ بی دولت نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ تم ان کو نہیں جانتیں؟ ان سے تو کسی بی بی کو پردہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ان بزرگ کا نام "ہندوستان" ہے ہم سب انکے بچے ہیں۔ یہ سُنکر میں بیٹھ گئی اور

بی دولت اور میاں افلاس کی تکرار پھر شروع ہوگئی میاں ہندوستان بہت دیر تک
چپکے بیٹھے دونوں کی تُو تُو مَیں مَیں سُنتے رہے آخر یوں بولے :-

ہندوستان بی دولت! جو کچھ تم کہتی ہو وہ بھی ٹھیک ہے تم سے آدمیوں کے جتنے کام نکلتے
ہیں اتنے اور کسی سے نہیں نکلتے واقعی دین دنیا دونوں کی کنجی تمھارے ہی ہاتھ
میں ہے اور میاں افلاس! جو کچھ تم کہتے ہو وہ بھی بجا اور درست ہے صنعت و حرفت
اور ایجاد غرض کُل وہ کام جو محنت اور جفاکشی کے نتیجے ہیں وہ سب تمھاری ہی مدد
سے لوگوں کو نصیب ہوئے ہیں اور جو بُرائیاں کہ ایک دوسرے کی تم نکال تے ہو
اُن میں تمھارا کچھ قصور نہیں بلکہ اُن میں سراسر میرا اور میری آل اولاد کا قصور ہے
میری آل اولاد کو نہ دولت راس آتی ہے نہ افلاس۔ دولت اُنکو بالکل مغرور، کاہل،
ناعاقبت اندیش کج فہم اور نکمّا بنا دیتی ہے تو افلاس اُنکی ہمت پست کر دیتا ہے
ست نکال لیتا ہے وہ بجائے اس کے کہ کوشش کریں روزگار کی تلاش میں نکلیں
ایجادیں کریں اور اپنے اور دوسروں کی آسایش کے سامان مہیا کریں مصیبت
کی زندگی بسر کرنی گوارا کرتے ہیں ایک کھال میں مست ہیں تو دوسرے مال میں
مست لڑائی جھگڑا اچھا نہیں بات صرف اتنی ہی ہے ناحق کا ہیکو جھگڑتے ہو جاؤ
اپنا اپنا کام کرو!

اتنے میں میری آنکھ کھل گئی اور دیر تک اس عجیب و غریب خواب کے خیالات دل و
دماغ کی بُھول بُھلیّوں میں چکّر لگاتے رہے آخر میں نے کہا کہیں بُھول نہ جاؤں فوراً اُٹھکر
خاتون کے واسطے لکھ لیے فقط

راقمہ

اے۔ ڈبلیو۔ جے بیگم (دہلوی)

ستی

(مرسلہ جناب ابوالخیر صاحب از فتح گنج غربی)

ہیچو ہندو زن کسے در عاشقی مردانہ نیست
سوختن بر شمع مردہ ہمت پروانہ نیست

ہندو عورتیں جو اپنے متوفی شوہروں کے ساتھ چتا میں جل جاتی ہیں اُسے ستی ہونا کہتے ہیں یہ دریافت کرنا مشکل ہی کہ اس رسم کا کس عہد میں اور کیونکر آغاز ہوا۔ عقلمندوں کے نزدیک یہ رسم وحشیانہ قرار دی گئی ہی اور اس سے اظہار جہالت ہوتا ہی۔ اگرچہ اس رسم کی ابتدا کا کسی تاریخ سے پتہ نہیں چلتا مگر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہی کہ یہ رسم بہت پرانی ہی اور عیسیٰ علیہ السلام سے تین ہزار برس قبل اس کا وجود تھا جسکے آج پانچہزار برس ہوتے ہیں۔

قطع نظر اس سے کہ یہ شرعاً جائز ہی یا ناجائز عقل کے بھی نزدیک نہیں معلوم ہوتی۔ ہندوؤں کے بزرگان دین نے جو شرع بنائی ہی اُس میں بھی اسکا ذکر نہیں۔ شوہر کے مرنیکے بعد عورتوں کو وفاداری یا کبازی کی طرف راغب کیا گیا ہی۔ زمانہ قدیم میں بیوہ عورتوں کے زندہ رہنے کا یہی کافی ثبوت ہی۔ ستی ہونیکا سبب حالت بیوگی کی ذلت اور بقیہ عمر تنہائی اور رنج و مصیبت میں بسر ہونیکا ڈر خیال کیا جاسکتا ہی۔ واقعات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہی یہ رسم دو طرح ادا کیگئی ہی۔

اول بیوہ کا اپنی مرضی سے ستی ہونا۔

مرضی کے بھی کئی وجوہ ہیں۔ یہ باعث حفظ عزت یا اپنے عزیز اور پیارے مرحوم شوہر کی محبت اور اُسکی جدائی کا صدمہ برداشت کرنے کی اپنے میں طاقت نہ پاکر بیچاری بیوہ اپنے کو اس خوفناک رسم کے ادا کرنے کے لئے تیار کرلیتی ہی۔ اگرچہ اُسکے رشتہ دار عزیز و اقارب اُسکو اُسکے جان کھونے سے فہمایش کے ذریعہ یا خوشامد کرکے باز رکھنا چاہتے ہیں مگر

لہ عاشقی میں ہندو عورت جیسی بہادر ہی کوئی نہیں ہوسکتا۔ بجھے ہوئے چراغ پر جل مرنا پروانہ کی بھی ہمت سے باہر ہی

بعض مقامات میں یہ دستور ہی کہ عورت اپنے شوہر کا سر زانو پر رکھکر بیٹھ جاتی ہی اور چتا میں آگ لگا دیتے ہیں۔ گجرات کے اطراف میں جب عورتیں ستی ہونے کو تیار ہوتی ہیں تو انھیں افیون کھلا کر بیہوش کر دیا جاتا ہی۔ جری عورتیں ستی ہونے سے پیشتر بخندہ پیشانی اپنا مال و اسباب حقداروں پر تقسیم کرتی ہیں اور کل رسوم متعلق ستی و عبادت وغیرہ استقلال کے ساتھ ادا کرتی ہیں۔ مگر بعض بزدل عورتیں چتا پر سے اُٹھ بھی بھاگتی ہیں لیکن پھر مجبوری اُنھیں اُس میں ڈھکیل دیا جاتا ہی۔ خدا کا شکر ہی کہ یہ رسم ہندوستان میں اب عام نہیں رہی ورنہ بڑا ظلم تھا۔ ؎

نسبت نہ ستی سے دو پتنگے کے تئیں
اِس میں اور اُس میں ہی علاقہ بھی کہیں ؟
جل مرتی ہی وہ آگ میں مُردے کیساتھ
یہ گرد بُجھی شمع کے پھرتا بھی نہیں !

رامابائی

(نوشتۂ سید نذیر حسین صاحب بی۔ اے)

اہل برادری کے بیہودہ رسم و رواج سے تنگ آکر ایک مرہٹی زن و شوہر کا جوڑا مغربی گھاٹ کے جنگلوں میں دریائے گوداوری کے ساحل پر گزران کرتا تھا۔ اننت شاستری نے ہمقوموں سے کسی قدر زیادہ تعلیم پائی تھا۔ اور یہ اُس کی روشن خیالی کی کافی دلیل تھی کہ اُس نے حتی المقدور اپنی بی بی کو تعلیم سے محروم نہ رکھا۔ وہ لکشمی بائی کو برابر تعلیم دیتا رہا یہانتک کہ وہ سنسکرت میں ایک فاضلہ ہوگئی۔ ان کو یہاں رہتے کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ لکشمی بائی ایک لڑکے کی ماں ہوئی۔ اُسکا نام رامابائی رکھا گیا۔

ماں باپ نے اُس کی تربیت تعلیم کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ اور یہ نونہال خوبی
والدین کے ظل عطوفت میں بڑہتی رہی۔ لیکن افسوس یہ حالت زیادہ دیر تک نہ رہ سکی۔
اننت شاستری کی ساری املاک مہماں نوازی میں صرف ہوگئی۔ یہانتک ہوا کہ بیوی بچہ سمیت
سات برس مانگتا کھاتا پھرا کیا اور وہ مصیبت اُٹھائی کہ آخر اندھا ہو کر چل بسا اور اُسکے تھوڑے
ہی عرصہ کے بعد لکشمی بائی بھی اس جہان سے سدھاری۔ اسوقت راما بائی کی عمر سولہ برس
کی تھی۔ وہ سنسکرت کی بڑی عالمہ تھی اور علاوہ سنسکرت کے اُس نے والدین کیساتھ
سیاحی میں کناری ہندوستانی اور بنگالی زبانیں بھی سیکھ لی تھیں۔ اسکا ایک بھائی بھی تھا
آخر دونوں نے یہ تدبیر نکالی کہ کلکتہ پہنچے اور تعلیم نسواں پر وعظ کرنے لگے۔ کلکتہ میں اس فاضلہ
کے وعظ کہنے سے بڑی حیرانی ہوئی اور سب نے اسکی ذہانت خداداد کو تسلیم کیا۔ راما بائی
کو وعظ کرتے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا کہ اسکی زندگی کا سہارا اسکا بھائی رحلت کر گیا اور یہ غریب
ہندو خاتون بیکس و بے یار رہگئی۔ مگر خوش قسمتی سے چند ہی مہینے بعد ایک تعلیم یافتہ بنگالی جوان
سے اسکا ازدواج ہوگیا اور یہ کچھ عرصہ تک آرام سے بسر کرتے رہے۔ اسی عرصہ میں انکے
ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ مگر اسکے چند ہی مہینے بعد راما بائی کا شوہر ہیضہ کر کے انتقال کر گیا۔
اور اُسے پھر مصیبت کا سامنا ہوا۔ اس نے بڑی بہادری کے ساتھ مصیبت کا مقابلہ کیا۔
رشتہ داروں کی مرضی کے خلاف ایک کم درجہ شخص سے نکاح کر لینا ایسا نہ تھا کہ راما بائی
اُن کی محبت سے فائدہ اُٹھا سکتی۔ لیکن وہ صبر کے ساتھ کلکتہ میں اپنا وعظ کا کام کرتی رہی۔
کلکتہ کو چھوڑ کر وہ احاطہ بمبئی میں آئی اور پونا میں اُسنے ایک سماج قایم کی۔ لیکن یہاں بھی اُسے
اطمینان حاصل نہوا۔ آخر ۱۸۸۳ء میں انگلستان کو روانہ ہوئی۔ وہاں پہنچکر قصبہ وان ٹیج
میں سینٹ میری کی درس گاہ میں تعلیم پاتی رہی اور یہاں مذہب عیسوی اختیار کیا۔ پھر وہ چلٹنہم
کے زنانہ کالج میں سنسکرت کی پروفیسر ہوگئی۔ اسی عرصہ میں وہ برابر ترقی کرتی رہی۔ آخر
خوب تعلیم یافتہ ہو کر اس نے ارادہ کیا کہ ہندوستان کو واپس جائے مگر تھوڑے عرصہ کیلئے

جلد ہی اُسے یہ خیال بدل پڑا اور وہ اپنی عموزاد بہن آنند بائی جوشی سے ملاقات کرنے امریکہ کو روانہ ہوئی۔ اسکا قصد امریکہ میں زیادہ قیام کرنیکا نہ تھا لیکن فلیڈلفیا میں پہنچکر اُس نے جو امریکہ کی معاشرت کو دیکھا تو ریجھ گئی اور انتظام روضۃ الصبیان کنڈر گارٹن طریقۂ تعلیم نسواں پر تو ایسی فریفتہ ہوئی کہ ایک زنانہ ٹریننگ کالج میں اس ہُنر کی تعلیم پانے لگی۔ زمانہ تعلیم میں اُسنے امریکی نمونہ پر مرہٹی کی ابتدائی کتابیں تصنیف کیں۔ آخر ہمدردی سے مجبور ہوکر ہندوستان کو واپس پھری اور بمبئی میں آکر ایک زنانہ اسکول کھولا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد بمبئی سے مدرسہ اُٹھاکر پونا میں قائم کیا اور اب سولہ سترہ نوجوان بیوائیں اس اسکول میں راما بائی اور ایک اور امریکی خاتون کے اہتمام میں تعلیم و تربیت حاصل کرتی ہیں۔ ممکن ہے کہ پنڈتہ راما بائی ابھی اپنی محنت کا کوئی اچھا ثمرہ نہ پائیں۔ مگر وہ دن کچھ دور نہیں کہ ہزاروں لاکھوں ہندو عورتیں انکو عزت کی نگاہوں سے دیکھیں گی اور انکی فیاضی اور ہمت سے فائدہ اُٹھائینگی۔

زنانہ تاریکی

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید اس مختصر نوٹ اڈیٹر کے ساتھ ہم اس مضمون کو درج کرتے ہیں۔

اڈیٹر

میری پیاری بہنوں! کیا آپ لوگ کبھی اپنی حالت پر اچھی طرح غور کیا کرتی ہیں؟ عیسوی کی اس بیسویں صدی میں ہم کیا ہیں؟

لونڈیاں! سُنتے ہیں انگریزی عملداری میں تہذیب یافتہ قوموں کے درمیان غلام کی خرید و فروخت اُٹھ گئی ہے۔ لیکن ہماری غلامی تو ابھی تک باقی ہے۔ اس بات کو سب دانشمند تسلیم کرینگے کہ مرد اور عورت دونوں ملکر پورا انسان ہوتا ہے نہ صرف مرد سے دنیا چلتی ہے اور نہ صرف عورت سے۔ دونوں ایک فطرتی زندگی کے دو حصے ہیں۔ جیسے آدمی کے دو ہاتھ ہوتے ہیں۔ مگر دونوں ہاتھوں کی زندگی علیحدہ نہیں ہوتی۔ فطرت نے مرد اور عورت

نشانیاں جتنی زیادہ ہوتی ہیں اُن کی عزت اُتنی ہی زیادہ ہوتی ہے! ان ہی زیوروں کی کس قدر تمنا ہوتی ہے۔ گویا زندگی کا لطف ان ہی پر منحصر ہے! اسلئے غریب عورتیں جنکو سونے چاندی کے زیور میسر نہیں وہ کانچ کی چوڑیاں پہنکر اپنے ارمان پورے کرتی ہیں!

عادت بھی کیا چیز ہے۔ ہم غلامی کے عادی ہیں اسلئے غلامی بھلی لگتی ہے۔ افیون کتنی ہی کڑوی کیوں نہ ہو مگر عادت اُسکو میٹھی کر دیتی ہے۔ کیا کوئی افیونی کبھی افیون کو بُرا کہتا ہے؟ اسی عادت کی بدولت ہم غلامی کے نشانیوں کو زینت بدن سمجھتی ہیں۔ سونے چاندی کا بوجھ بدن پر رکھکر فخر کرتے ہیں! ہائے ہمارے تنزل کی انتہا نہیں! غلامی۔ اور غلامی پر ناز!!!! جب زیوروں سے امارت ہی دکھانی منظور ہے تو یہ اظہار دولت زینت مکان سے اور سامان اور آرائش سے کیوں نہ ہو؟ بدن پر زیور کا بوجھ کیوں رکھا جائے۔ خدا کی دی ہوئی صورت زیوروں سے بڑھ نہیں سکتی۔

ہاں میں مانتی ہوں کہ زیور کو الگ کرنے پر پہلے پہل خلاف عادت ہونے سے بُرا معلوم ہوگا اور ممکن ہے کہ لوگ ہمیں زیور چھوڑنے پر پاگل کہیں۔ مگر لوگوں کے کہنے کا خیال کسی حالت میں جائز نہیں۔ اسی دنیا میں کون اچھا کام بغیر دقت ہوا ہے اور کون بزرگ آسانی سے اپنے خیالات ظاہر کر سکے ہیں؟ دنیا کا دستور ہے کہ کوئی بھلی بات ہو یا کیسا ہی بھلا کام ہو پہلے پہل پسند نہیں کرتی۔

اکثر مرد کہتے ہیں کہ وہ عورتوں کو حفاظت سے کلیجہ کے اندر دل کے پردے میں رکھتی ہیں اور اس قسم کا آرام ترقی کی حالت میں عورتوں کو نصیب نہ ہوگا۔ یہ کہنا اُن کا سچ ہے۔ مگر اس قسم کی حفاظت ہی ہم لوگوں کی خرابی کا باعث ہے۔ ہم کو کلیجہ کے اندر اسقدر چھپایا گیا ہے کہ ہم تک نہ عقل کی روشنی کا گزر ہے اور نہ علم کی ہوا پہنچ سکتی ہے اور بغیر اس ہوا اور روشنی کے ہم آہستہ آہستہ مرے جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں یہ استدعا ہے کہ ایسی حفاظت سے ہم کو معاف رکھا جائے۔ واقعی بات یہ ہے کہ غایت حفاظت سے اکثر چیزیں نقصان ہوجاتی ہیں

ہمیشہ حفاظت میں رہنے سے ہم کو پوری جسمانی اور دماغی محنت کرنے کا موقع نہیں ملتا ہے۔ اور بغیر اس محنت کے ہمارا جسم اور خاصکر دماغ کمزور ہو گیا ہے۔ اور اب حالت یہ ہے کہ اپنے اپنے شوہروں کے دامن پکڑنے کے سوائے ہم کو اور کوئی چارہ نہیں خدانخواستہ جسکا شوہر نہیں اُس کی بےبسی کی انتہا نہیں۔ ہندوستان میں جس عورت کا مرد نگہبان نہیں اُسکی پوری خرابی ہے۔

جب چھوٹی سے چھوٹی مصیبت میں ہم پڑ جاتے ہیں تو گھر کے کونے میں چھپکر چلّا کر رونے کے سوائے اور کیا کرتے ہیں۔ کمزوری جسم اور دماغ کی وجہ سے ہم بالکل ڈرپوک ہو گئے ہیں۔ اور اس حالت کی کیا کیا نقلیں نہ ہوتی ہیں۔

شیر یا ریچھ تو دور رہے۔ جونک اور جھینگر دیکھکر ہم مارے ڈر کے کانپ اُٹھتے ہیں اور بعض تو بیہوش ہو جاتی ہیں! نو دس برس کا لڑکا بوتل میں جونک بند کر کے سارے گھر کی عورتوں کو ڈرا کر تماشہ کرتا ہے۔ عورتیں چلّا کر بھاگتی ہیں اور لڑکا قہقہے لگاتا ہوا پیچھے پیچھے دوڑتا ہے۔

ایسا تماشا آپ لوگوں نے کبھی دیکھا ہے؟ میں نے تو دیکھا ہے اور اُسکی یاد سے انتہا کی شرم ہوتی ہے۔

ہم نے سب جسمانی قوت اور دلی ہمت مردوں کے قدموں پر قربان کر دی ہے! اور اب اتنی قوت بھی باقی نہیں کہ اپنی حالت کو سمجھ سکیں۔

پست ہمتی کا نقشہ تو کچھ دکھلا چکی اب ذرا جسمانی کمزوری کا نقشہ پیش نظر کرتی ہوں بطور نظیر میں ایک مسلمان خوش حال کے گھر کی ایک دُلہن کا تذکرہ کرتی ہوں۔ اس دُلہن کو کسی عجائب خانہ میں بٹھا رکھنے سے عورت ذات کو فخر ہوتا۔ ایک اندھیری کوٹھری ہے اس میں دو کواڑ ہیں ایک ہمیشہ بند رہتا ہے۔ اسی سبب سے اُس کوٹھری میں نہ ہوا کا گذر اور نہ آفتاب کی روشنی داخل ہو سکتی ہے۔ اُس کوٹھری میں پلنگ کے

پاس ایک چوکی ہی۔ اُسپر لال بانات بچھی ہوئی ہی۔ چوکی پر قدآدم گُڑیا زیوروں سے لدی ہوئی بیٹھی ہی۔ اُسکے لبوں پر پان کی سُرخی ہی اور چہرہ ہنستا ہوا ہی مگر نقل وحرکت کی قوت اُس میں پائی نہیں جاتی۔ یہ گُڑیا اس گھر کی دُلہن بیگم ہیں۔ اُنکے بدن پر دس ہزار دوسو چالیس روپے کے زیور ہیں۔ سر سے پاؤں تک کتنا سونا ہی حساب کرکے بتا دیتی ہوں۔

سر پر مانگ ٹیکہ وغیرہ وزن میں آدہ سیر کانوں میں بالیاں پتے جُھمکا وغیرہ پچیس تولہ۔ گلے میں چمپاکلی وغیرہ ڈیڑہ سیر۔ ہاتھوں میں کڑے کنگن وغیرہ قریب دو سیر کمر میں زنجیر تین پاؤ۔ پاؤں میں کڑے پازیب وغیرہ تین سیر!! سب ملاکر آٹھ سیر سونے کا بوجھ اُنکے بدن پر تھا! بیگم کی ناک میں جو نتھ جھولتی تھی اُسکا گھیرا اکیس انچ سے کم نہیں تھا!! ان کا پائجامہ سلمے چمکیوں اور گوٹے پٹھے کے بوجھ سے نالاں اور بیگم صاحبہ بیچاری پائجامہ اور دوپٹہ کے بارسے پریشان!! آٹھ سیر کا بوجھ لیکر چلنا پھرنا دشوار ہی۔ غرض بیچاری بیگم صاحبہ اٹل نہوں تو کیا ہوں ہمیشہ اُنکے سر میں درد رہا کرتا ہی۔ اسکے سبب تین ہیں۔ اولاً خوب کسکے پٹی جماکر چوٹی گوندہنا۔ دوم جھومر ٹیکہ وغیرہ زیوروں کا بوجھ سوم گوند وغیرہ لگاکر پٹیوں اور ہوں پر چمکیاں اور افشاں جمانا۔ ایسی حالت میں سر میں درد نہونا ہی تعجب کی بات ہوتی۔ جسمانی محنت بغیر بیگم صاحبہ کی صحت بالکل خراب ہوگئی ہی اور کمزوری اسقدر ہی کہ ایک کوٹھری سے دوسری کوٹھری جانے میں وہ تھک جاتی ہیں۔ اُنکے پاؤں میں درد ہوجاتا ہی۔ اس طرح دائم المریض ہوکر زندگی بسر کرنی ایک عذاب ہی۔ ایسے سُست لوگوں کی روح اور اُن کے دماغ بھی مریض ہوجاتے ہیں۔

جسم کی جب یہ حالت ہو تو دماغ کی تیزی اور دل کی ہمت ہو تو کہاں سے ہو۔ اس بیگم کی حالت پر غور کرنے سے مجکو سخت صدمہ ہوا ان کو نہ دنیا کی تندرستی حاصل اور نہ دلی چین نصیب ہی۔ اس دُلہن بیگم کے حال لکھنے سے مطلب یہ ہی کہ اس سے ہماری جماعت کو نصیحت حاصل ہو۔ دنیا میں کوئی چیز نہیں جسپر غور کرنے سے کوئی نہ کوئی

نئی بات سیکھی نہ جائے۔

جیسے ہم تنگ کوٹھری میں آفتاب کی روشنی نہیں پہنچتی ہی اُسی طرح ہمارے دماغ کے اندر علم کی روشنی نہیں جاتی ہی۔ ہمارے لئے اسکول اور کالج کے دروازے بند ہیں اور علم حاصل کرنا ہی ناجائز سمجھا جاتا ہی۔ اگر کوئی ہم لوگوں کا خیرخواہ مرد ہماری ترقی کا راستہ کھولنا چاہتا ہی تو ہزاروں مخالفت پر مستعد ہو جاتے ہیں۔

اب بہنوں! اپنے حقوق کے جاننے کی کوشش کرو۔ ظاہر ہی کہ غلامی کی زنجیر جو ہزاروں برس سے گلے میں پڑی ہی وہ ایک دن میں نہیں ٹوٹ سکتی ہی۔

مگر رفتہ رفتہ وہ کام جو ابھی مشکل بلکہ ناممکن معلوم ہوتا ہی آسان ہو جا سکتا ہی۔ اپنی محنت اور اپنی کوشش ہر حال میں ضرور ہی۔ خدا اُسی کی مدد کرتا ہی جو اپنی آپ مدد کرتا ہی۔ اپنی حالت درست کرنے کے لئے ہم ہی کو فکر کرنی ہوگی۔ کوئی دوسرا ہماری پوری ترقی کا اولاً تو خیال نہیں کریگا اور کریگا بھی تو ہم کو پورا نفع نہیں ملیگا۔

بہنوں! خواب غفلت سے بیدار ہو۔ ذرا اپنی حالت پر غور کرو۔ اس میں شک نہیں کہ پہلے پہل اُٹھنا دشوار ہوگا مگر قوم کی ترقی کے لئے ہم عورتوں کا اُٹھنا ضرور ہی۔ ہماری حالت نے قوم کی حالت کو خراب کر دیا ہی۔ دنیا کی ترقی کے لئے مرد اور عورت دونوں کی ترقی ضرور ہی۔ مرد اور عورت دونوں گویا ایک گاڑی کے دو پہئے ہیں۔ اگر پہئے بڑے چھوٹے ہوں تو گاڑی ڈگگاتی رہے گی۔ آگے بڑھنے کے لئے دونوں پہیّوں کا برابر ہونا لازمی ہی۔ اسی طرح قومی ترقی کے لئے مرد اور عورت دونوں کا برابر ہوکر چلنا ضرور ہی۔

اوپر میں لکھ چکی ہوں کہ ہمارا اُٹھنا دشوار ہی۔ کتنا ہی اچھا کام کیوں نہو ابتدا میں بہت دقتیں ہوتی ہیں۔ اس تقریب میں تہذیب النسواں کے پرچہ مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۰۲ء کی پہلے صفحہ میں پارسی لیڈیوں کے بارے میں جو تحریر چھپی تھی اُسے میں یہاں نقل کرتی ہوں۔

"اس پچاس سال کے عرصہ میں پارسی لیڈیوں کے رہنے سہنے کی حالت میں بڑی بھاری تبدیلی ہوئی ہے۔ انگریزی تہذیب جس میں اسوقت ان لیڈیوں نے کمال حاصل کر رکھا ہے۔ ان میں نام کو بھی نہ تھی۔ پارسی لیڈیاں مسلمان لیڈیوں کی طرح پردہ کرتی تھیں۔ دھوپ اور مینھ میں چھتری استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی۔ دھوپ سے بچنے کے لئے وہ جوتیوں کو اپنے سر پر اُٹھاکر رکھ لیتی تھیں۔ گاڑی میں بیٹھتی تھیں تو اُسکے بھی پردے چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ دوسروں کے روبرو کوئی بی بی اپنے خاوند سے باتیں نہیں کر سکتی تھی۔ مگر اب اس زمانہ کی پارسی لیڈیاں اپنی یوروپین بہنوں کی طرح باہر پھرتی۔ گاڑی پر چڑھتی۔ مردوں سے ملتی جلتی اور خرید فروخت کرتی ہیں۔

پارسی مردوں اور عورتوں کا میل جول پہلے پہل شہزادہ البرٹ وکٹر کی پیدائش کے جشن میں ہوا تھا۔

جب پارسی جنٹلمین اپنی بی بی کو لیکر پہلی دفعہ باہر نکلا تو ایک شور عظیم پڑ گیا اور تمام سفید ریش لوگ کہتے تھے کہ بس دنیا کا خاتمہ قریب ہے"

اب میں پوچھتی ہوں کہ کہاں دنیا ختم ہوئی؟ جیسے دنیا چلتی تھی ویسے ہی چل رہی ہے۔ ہماری کوششوں پر بھی اسی قسم کے کلام ہونگے۔ مگر اُن کی باتوں پر ہرگز خیال کرنا نہیں چاہئے ہماری سمجھ اور عقل جو ترقی کا راستہ بتلائے اُسپر چلنا چاہئے۔

"دنیا کیا کہے گی" اسکا خوف دل میں نہ آنے دینا چاہئے۔

اب سوال یہ ہے کہ ہم کو کیا کرنا چاہئے اور کیا کرنے سے قومی ترقی پوری ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ترقی کے اصلی معنی یہ ہیں کہ خدا کی دی ہوئی قوتوں کا اچھا استعمال ہو۔ دل اور دماغ کی قوتوں سے پورا پورا کام لینا چاہئے۔ اور اس کام لینے کیواسطے تعلیم کی بہت ضرورت ہے علم سے سمجھ درست ہوتی ہے اور سمجھ کی درستگی پر دماغی قوتوں کا اچھا استعمال منحصر ہے۔

---

[1] منقول از تہذیب نسواں۔

ہماری جہالت تمہاری ترقی کی مانع ہے۔

ماں کا اثر بیٹے پر کم نہیں پڑتا اور واضح رہے کہ جب تک عورتیں جہالت کی تاریکی میں پڑی رہینگی اُسوقت تک قوم کی ترقی رُکی رہے گی۔

اگر اپنی اور اپنی قوم کی بھلائی چاہتے ہو تو تعلیم و تربیت کا رستہ ہمارے لئے کھول دو۔

خدا نے جیسا دل۔ دماغ۔ روح تم کو دیا ہے ویسا ہی ہم کو بھی عنایت کیا ہے اور ان سب کا اچھا استعمال مرد اور عورت دونوں پر لازم ہے۔

خدا کی نعمتوں کی قدر کرنا یہ اُسکی اصلی عبادت ہے۔ قدر کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اُسکا اچھا استعمال ہو۔

یہ عبادت مرد اور عورت دونوں پر فرض ہے۔ عورتوں کو اس عبادت سے محروم رکھنا ظلم ہے۔ مگر اس ظلم کی عادی ہم عورتیں اتنے زمانے سے ہو گئی ہیں کہ اب اسکا حس بھی باقی نہیں رہا۔ اسلئے مردوں کی خدمت میں التماس ہے کہ ہم کو خواب غفلت سے جگائیں۔ اصلی تعلیم کا موقع دیں کہ دل اور دماغ سے غلامی کا بوجھ کم ہو۔ ہمارے تعصبات دور ہوں اور خدا کی بخشی ہوئی سمجھ سے پورا پورا کام لیا جائے۔

امید ہے کہ اس ملک کی سمجھدار بہنیں میری باتوں پر نظر غور ڈالیں گی۔ واقعی ہم عورتوں کی حالت سوچنے کے قابل ہے۔ فقط

راقمہ

آر۔ ایس۔ ایچ ازباکا ضلع بھاگلپور

مسز ہالیبرٹن کی مصیبتیں

جناب سہروردیہ بیگم صاحبہ نے یہ قصہ انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کرنا شروع کیا ہے خاتون کے ہر نمبر میں چار صفحے درج ہوا کرینگے امید ہے کہ افسانہ دلچسپ اور سبق آموز ہوگا۔ جناب سہروردیہ بیگم صاحبہ کا مشکور

ہوتا چاہیے کہ انگریزی کی واقفیت کے لطف سے خاتون کی ناظرین بہنوں کو بھی فائدہ پہنچنے کا خیال رکھتی ہیں۔

ایڈیٹر

لندن کی جگہ۔ نومبر کا مہینہ۔ آسمان میں گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی ہے۔ کبھی کبھی روئی کے گالوں کی طرح سفید سفید برف بھی آسمان سے گرتی ہے۔ سردی سے لوگوں کے ہاتھ پاؤں ٹھٹھرے جاتے ہیں۔ جو بیفکرے ہیں وہ تو اپنے گھروں میں آتش دان کے گرد بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ مزدور۔ پیشہ ور۔ کام دھندے والے جلد جلد قدم بڑھائے اپنے گھروں کی طرف جا رہے ہیں کیونکہ شام قریب ہے۔ ایسے وقت میں ایک سن رسیدہ شریف پادری مسٹر ٹیٹ نے اپنے دروازہ پر آہستہ سے دستک دی۔ جین انکی بڑی بیٹی نے (جسکا سن تقریباً انیس سال کا تھا) دوڑ کر دروازہ کھولا۔ مسٹر ٹیٹ نے گھستے ہی پوچھا کیا چائے تیار ہے؟

جین۔ جی نہیں۔ ابھی تو پانچ بھی نہیں بجے۔ آپ ذرا ٹھہریں میں ابھی لے آتی ہوں۔

مسٹر ٹیٹ۔ نہیں میں ٹھہر نہیں سکتا۔ مجکو چند مصیبت زدہ عورتوں کی خبرگیری کے لئے باہر جانا ہے (پھر آسمان کی طرف دیکھکر) جاؤں تو کیونکر جاؤں بارش میں تو کوئی کمی معلوم نہیں ہوتی۔ میرے بوٹ اور جرابیں تو بالکل تر ہیں۔ جین! ذرا تو میری زیرپائیاں اُٹھا لانا! ہاں یہ تو کہو تمہاری اماں چائے میں میرا انتظار کریگی؟

جین۔ اماں کی طبیعت بدمزہ ہے انہوں نے آدھے گھنٹے قبل چائے پیکر آرام کیا ہے۔ خیر۔ میں اور فرانسیس دس بجے تک آپ کا انتظار کرنے کو موجود ہیں آپ مطمئن رہیں۔

مسٹر ٹیٹ۔ اچھا تو میں ابھی باہر جاتا ہوں انشاء اللہ چھ ہی بجے تک واپس آجاؤں گا۔ غریب ہمسائی مسز کنگ بیمار ہیں وہ تو قریب ہی رہتی ہیں۔ ذرا مسز یوتھ کی بھی خبر لینی ہے۔ بس اس ہی میں جو دیر ہو۔

جین۔ اباجان میں آپ کو کہنا بھول گئی۔ فرانسیس کہتا تھا کہ ایک شریف آدمی (جنٹلمین) ہمارے ہاں شرکت میں رہنا چاہتے ہیں جیسا مسٹر ایکٹن اسکے قبل رہا کرتے تھے۔

ٹیٹ صاحب نے جین کی مفاقت کو تو منظور نہیں کیا تھا اُس کا بُرا سبب یہ تھا کہ
اُن کی بیم صاحبہ ہر امر میں جین پر تکیہ اور بھروسہ کرتے کرتے از حد کاہل اور احدی ہو گئی تھیں
اور اُس پر وہ بیچاری دائم المرض بھی تھیں جین کی شادی کی جب ٹھہری تو بیم صاحبہ نے بیٹی
کی جدائی کے خیال سے آنکھوں کی ندی بہا دی۔ مگر رونا تو اسکا تھا کہ بیٹی کی عدم موجودگی
میں ٹیٹ صاحب کا گھر بار اُنسے سنبھالے نہ سنبھلیگا۔ اس لئے صلاح و مشورہ کے بعد یہ قرار پایا
کہ مسٹر ٹیٹ کی زندگی بھر جین میکہ میں رہی یہ پیشانی کی لکھی پیش آئی ہی جین نے فرانسیسی کے معرفی
کرنے پر جواب سے ایک سال قبل مسٹر بالیبرٹن سے ہاتھ ملایا تھا گویا اُسی وقت اُسکی تقدیر بالیبرٹن
صاحب سے بندھ گئی تھی۔ ہاتھ کیا ملایا تھا کہ عمر بھر محبت اور وفاداری سے دن نباہنے کا پیمان کر لیا تھا۔

باقی آیندہ

سہ در دیہ

اڈیٹوریل
نتیجہ خبر مسرت اثر

ہم نے بہی مسرت کے ساتھ سُنا کہ گزشتہ نمبر کی خبر مسرت اثر کا نتیجہ قابل مبارکباد سے
بھی زیادہ دل خوش کن شائع ہوا ہی یعنی چار صاحبزادیوں میں سے جو امتحان میں شریک ہوئی تھیں
خدا کے فضل سے تین کامیاب ہوئی ہیں یونیورسٹی امتحانات کے نتیجے فیصدی کے لحاظ سے
دیکھے جاتے ہیں چار میں سے تین کا پاس ہونا سو میں سے پچھتر کا پاس ہونا اور فرقۂ نسوان کی
بڑی قابلیت اور ذہانت کی دلیل ہی ایسا عمدہ نتیجہ مسلمان لڑکوں کا بھی کم ہوتا ہی بلکہ یہ نتیجہ تو
لڑکوں کے لیئے عموماً اور بمبئی کے لڑکوں کے لیئے خصوصاً قابل رشک ہی عموماً قابل رشک ہونیکی
وجہ یہ ہی کہ پچھتر فیصدی کامیابی انٹرنس کے امتحان میں مسلمان لڑکوں کو بھی خواہ کسی یونیورسٹی

اور صوبے کے ہوں کم نصیب ہوتی ہی خصوصاً قابل رشک اسلیئے ہی کہ مس سعدہ بمبی یونیورسٹی کے امتحان انٹرنس میں اس سال جس قدر مسلمان لڑکے شریک ہوئے تھے سب سے اول پاس ہوئی ہیں! پیر بھائی اسکالرشپ اور آملیل جان محمد اسکالرشپ دونوں حاصل کیئے اور لیڈی ہی سے کا تمغہ بھی اُنھیں کو ملا ہی۔ قابل رشک ہونے کی ایک اور وجہ بھی ہی یعنی مس نظیر بی نے سنسکرت میں اور مس اختر نے فرانسیسی میں امتحان پاس کیا ہی! دونوں زبانیں مشکل ہیں مسلمان مردوں میں بھی شاذ و نادر کسی کو آتی ہیں ورنہ کوئی نہیں سیکھتا۔ انگریزی کی واقفیت پر سنسکرت اور فرانسیسی کا اضافہ دونوں صاحبزادیوں کی قابلیت کو "عام انٹرنس پاسوں" سے بہت زیادہ ثابت کرتا ہی! ہم تینوں صاحبزادیوں کو اُنکی کامیابی پر خاتون کی طرف سے بہت بہت مبارکباد دیتے ہیں۔ اور اُنکے سرپرستوں کو صلاح دیتے ہیں کہ اُنکی تعلیم جاری رکھیں۔ ہمیں معلوم ہوا؟ کہ مس نظیر بی جو پونا کے مدرسۂ نسوان کی طالب علم ہیں اپنی تعلیم جاری رکھیں گی اور آیندہ ڈاکٹری کی ڈگری کیلیئے کوشش کریں گی۔ خدا اس ارادہ کو پورا کرے اور حسب دلخواہ کامیابی نصیب ہو!

سُنا ہی کہ امسال سہارنپور کی بھی ایک مسلمان لڑکی نے پنجاب یونیورسٹی کا امتحان انٹرنس پاس کیا ہی۔ ہز آنر لفٹنٹ گورنر صوبۂ متحدہ نے لڑکی کے والدین کو صاحب کلکٹر سہارنپور کی معرفت صلاح دی ہی کہ اُس کی تعلیم جاری رکھیں جہانتک اور جبتک وہ پڑھے گورنمنٹ اُسکے تعلیمی اخراجات ادا کرے گی۔ دیکھیئے والدین کیا جواب دیتے ہیں۔ گورنمنٹ تو ہر طرح سے مسلمانوں میں تعلیم نسوان کو رواج دینے کیلیئے مالی مدد پر آمادہ ہی لیکن ایسی قوم کا کیا کر سکتی ہی جو علم جیسی آئی دولت اور نعمت کو جسے سب سر آنکھوں پر بٹھائیں۔ دولتیاں مارے اور نہ آنے دے!

نمائش	نمائش کو اعلےٰ پیمانے پر ترتیب دینے کا ارادہ ظاہر کرکے ہم کسی قدر مایوس ہوئے

تھے اور اندیشہ تھا کہ خاطرخواہ کامیابی محال ہی لیکن ہمارے مقاصد کے ہمدردی کرنے والوں خصوصاً معزز ناظرین خاتون کے ہم بیحد مشکور ہیں کہ دسمبر کے مہینے میں اُنھوں نے اشیا و نمونہ جات

کی پارسلوں کی بھرمار کرکے ہماری مایوسی کو امید سے بدل دیا۔ جس قدر پارسلیں کہ اب تک آچ
ہیں اس قدر ہیں کہ جب کھلیں گی تو ایوان نمایش یعنی **نظام میوزیم** لب ریز ہو جائیگا۔ پارسلیں
ابھی کھولی نہیں گئیں لیکن بلٹیوں کے ساتھ جو فہرستیں اشیاء و نمونہ جات کی آئی ہیں اُنسے معلوم ہو
کہ اکثر چیزیں نفیس اور قابل دید ہیں اور تمام اشیاء نہایت محنت و صفائی اور سلیقے کے ساتھ خا
نمایش کے لیئے تیار کرکے بھجوائی گئی ہیں۔

ریاست پٹیالے کی معزز رانیوں اور مہارانیوں اور ریاست بہار گر کی راج کنوری صا
کے ہاتھ کے کام آنیکی اطلاع گزشتہ نمبر میں دی جاچکی ہے۔ ستمبر کے خاتون میں امید و استدعا
اکیگئی تھی کہ ہر ہائینس نواب بیگم صاحبہ جنجیرہ کے دست خاص کی بھی کچھ اشیاء آئیں گی اب تحقیق
معلوم ہوا ہے کہ ہر ہائینس ممدوحہ نے بہت سی چیزیں ارسال فرمائی ہیں جن میں سے اکثر کام
سنا گیا ہے کہ لاجواب ہونگے۔ جناب مدارالمہام ریاست رام پور بھی اپنی ریاست سے اشیاء
رسال کرینگے امید ہے کہ لارڈ کرزن کی تشریف آوری پر رام پور میں جو نمایش کا بازار لگایا گیا تھا
ں میں سے مستورات کے ہاتھ کے تمام نمونہ جات مل سکیں گے۔ ریاست جے پور کے صاحب
یذنٹ بہادر نے بھی لڑکیوں کے مدرسہ سے اشیاء ارسال فرمانے کی سفارش فرمائی ہے۔
ریبل سردار محمد یعقوب خاں۔ سی۔ آئی۔ ای۔ وزیر ریاست خیرپور سندھ کے خاندان کی بیگمات
کی بھی متعدد اشیاء آنیوالی ہیں سردار صاحب خود بھی کانفرنس میں تشریف لائیں گے اور غالباً
نمایش کا افتتاح آنریبل موصوف ہی کے دست مبارک سے ہوگا۔

نظام میوزیم شیشوں کی الماریوں گلاس پوش میزوں اور خانوں سے اشیاء کے سجانے
کیلیئے آراستہ کیا جارہا ہے تھان کے تھان سُرخ قند اور رنگ برنگ کے آرایشی کپڑوں کے صرف
ہورہے ہیں اس خوشنما عمارت کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں عنقریب صنعت و حرفت کا باغ
کھلے گا بہار کا عالم ہوگا جسپر بجلی کی روشنی نور برسائیگی۔

لیڈیز کانفرنس | تعلیم نسوان ایسوسی ایشن کی طرف سے لیڈیز کی مہمانداری اور خاطر و مدارات کا

کام اور جلسے کا انتظام مسز عبداللہ کے سپرد کیا گیا ہے ۲۸ تاریخ کو شاپورجی کی کوٹھی میں ایک زنانہ
جلسہ بھی منعقد ہوگا شہر کی معزز بیگمات کے نام دعوتی رقعے بھجوائے گئے ہیں اُنکے علاوہ دہلی۔
لاہور۔ میرٹھ۔ مرزاپور۔ پشاور۔ بدایوں۔ راج کوٹ۔ بمبئی اور بڑودے سے بھی بیگمات کے آنیکی
خبر ہے۔ رسالہ خاتون کی طرف سے اس مبارک جلسے کا خیر مقدم کیا جاتا ہے امید ہے کہ یہ مختصر ابتدا آیندہ
بڑی شاندار اور مفید زنانہ مجلسوں کی بنیاد ثابت ہوگی۔ اور تعلیم نسوان کی تاریخ میں ایک یادگار واقعہ تصور کیجائیگی

چندہ نارمل اسکول

علیاجناب لیڈی علی شاہ والدہ ہر ہائینس آغا سر سلطان محمد شاہ نے مبلغ تین سو
روپیہ کا چندہ زنانہ نارمل اسکول فنڈ میں ارسال فرمایا ہے اس رقم کے عطا کرنیکا وعدہ جناب موصوفہ
نے ڈیپوٹیشن کے زمانہ قیام بمبئی میں فرمایا تھا صیغہ تعلیم نسوان کی طرف سے شکر گزاری اور ممنون کے
ساتھ اس رقم کے وصول ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے۔

یادگار شہزادی ویلز

جناب مسز نیاز احمد کی طرف سے اُردو اخبارات میں ایک گشتی خط شائع ہوا ہے جسمیں
شہزادی ویلز کی علیگڈھ تشریف آوری کی یادگار قایم کرنیکی طرف توجہ دلائی ہے اور سرگرمی ظاہر کی
ہے یہ نہایت مبارک خیال ہے مسز نیاز احمد سے پیشتر جناب بنت نذر الباقر نے بھی رسالہ خاتون میں ایک
مضمون اسی یادگار کے متعلق ارسال فرمایا تھا جو ماہ اگست [illegible] میں چھپ چکا ہے۔ جنہے
اُسوقت بھی اس خیال کی تائید کی تھی اور اب بھی بہت زور سے تائید پر آمادہ ہیں۔ کانفرنس میں شاہی
آمد کی یادگار قایم کرنیکی نسبت تجویزیں اور تدبیریں پیش کیجائیں گی دیکھنا یہ ہے کہ قوم کے سر برآوردہ لوگ
جو کانفرنس میں جمع ہوتے ہیں کیا تجویز پسند کرتے ہیں۔ تمام ہندوستان میں جہاں جہاں شہزادہ اور شہزادی
سفر کر رہے ہیں لوگ دونوں کی خوشنودی حاصل کرنے اور دونوں کی دلچسپی کا سامان مہیا کرنے میں سبقت
کرتے ہیں بلکہ شہزادی صاحبہ کیلئے خاص طور پر کوئی شغل اور دلچسپی ہر جگہ مہیا کیجاتی بمبئی میں شاندار جلسہ ہوا۔ لاہور میں
پردہ پارٹی ہوئی لکھنؤ میں زنانہ میڈیکل اسکول کیلئے خاص سامان اور چندہ کیا گیا ایسا ہی سب جگہ ہوا اور ہونیوالا ہے۔
ایسی صورت میں مناسب بلکہ ضروری ہے کہ کانفرنس کا سنجیدہ مجمع یادگار کی تجویز میں شہزادہ بیگم کی تشریف آوری کی رعایت
خاص طور پر ملحوظ رکھے جسکی سب سے عمدہ صورت یہی ہے کہ جو چندہ ہو اُسمیں ایک فنڈ شہزادہ بیگم کی یادگار کا علیحدہ کھولا جائے

[illegible] کوشش شروع کرنے کے لئے فقط کانفرنس کی رائے کا انتظار ہے۔